بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز
(قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر

عبد القدیر نیاز

بابت ماہ صفر ۱۳۶۴ھ ٭ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۵ء

ماہ تبلیغ ۱۳۲۴ ہش

جلد ۴۴ ـــــــ عدد ۲

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سنہ ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفینِ اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرون ہند تین روپے اور بیرون ہند چار روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپیہ لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیلِ زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے۔ بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گزرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چوالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چوّن روپے	نوّے روپے

لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۴ | ماہ صفر ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۵ء | عدد ۱

فہرست مضامین

ثبوتِ ہستی باری تعالےٰ

(یا)

دیدارِ الٰہی

(از مصنف صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسرنا القرآن)

(۱) [illegible] مضمون میں مختصر طور پر اس ہستی کو ثابت کیا گیا ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے اور جس کا نام اللہ ہے [illegible] فارسی) اور اردو میں خدا کہتے ہیں۔ چونکہ بے فائدہ کام کرنا عقل کے خلاف ہے [illegible] کی وجہ بتانا [illegible] کہ خدا تعالےٰ کی یعنی اس ہستی کی جو مذہب اسلام نے پیش [illegible] ضرورت ہے۔ اس کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کیسا [illegible]

(۲) سو واضح ہو کہ اس دنیا میں آکر اور ہوش سنبھالنے کے بعد انسان کی پوری توجہ دو باتوں کیطرف [illegible] ہو جاتی ہے اور تمام عمر اور آخر دم تک یہی دو باتیں اس کے مدنظر رہتی ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک تو جسمانی دکھ ہے۔ دوسرا جسمانی لذت ہے۔ جسمانی دکھ انسان کو سخت ناپسند ہے اسلئے ہر وقت اس سے بچنے اور محفوظ رہنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اور جسمانی لذت انسان کو نہایت شدید طور پر پسند ہے۔ اسلئے [illegible] وقت اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اور یہ چیز اُسے اس قدر محبوب ہے کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے اکثر [illegible] قدر قابل برداشت جسمانی دکھ بھی برداشت کر لیتا ہے۔ تو برداشت کر لیتا ہے۔ ان دو باتوں کے سوا انسان کا اور کوئی مقصود اور مدعا نہیں۔ ہر انسان کی [illegible] اور [illegible] خواہش یہی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بچہ ہو یا بوڑھا۔ نیک ہو یا بد۔ جاہل ہو یا عالم۔ ولی ہو یا نبی۔ ان دو باتوں کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب انہی دو باتوں کے حاصل کرنے کے اسباب اور ذرائع اور وسائط ہیں۔ روپیہ۔ طاقت۔ عزت۔ شہرت وغیرہ فی نفسہٖ مطلوب اور مقصود بالذات نہیں بلکہ اس لئے مطلوب ہیں کہ یہ جسمانی دکھ سے بچنے اور جسمانی لذات کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

(۳) لیکن انسان کی فطرت صرف چند روز کے لیے جسمانی دُکھ سے نجات اور صرف چند روز کے لیے جسمانی لذات نہیں چاہتی بلکہ دائمی طور پر چاہتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے انسان کو حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ذیل کی حکایت مُلکِ مصر کی درسیہ کتابوں میں اس لئے درج کی گئی ہے تاکہ طلباء کو بتایا جائے کہ انسان دائمی خوشی چاہتا ہے ختم ہوجانے والی خوشی نہیں چاہتا وہ حکایت یہ ہے۔ ہم ترجمہ عربی لکھتے ہیں کہ سکندر فتوحات کرتے کرتے ایک ایسے ملک میں پہنچا جس کا بادشاہ اُس کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ سکندر نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا اس کا کوئی وارث ہے۔ جواب دیا کہ ایک لڑکا ہے لیکن وہ دیوانہ ہے۔ سکندر نے کہا اُسے لاؤ۔ چنانچہ وہ لایا گیا۔ سکندر نے اُسے کہا کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے تیرے باپ کی جگہ تخت پر بٹھا دوں۔ اس نے جواب دیا میری یہ خواہش نہیں۔ سکندر نے پُوچھا کہ پھر تیری کیا خواہش ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میری خواہش ایسی ہے جسے تُو پُوری نہیں کر سکتا۔ سکندر نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میری خواہش یہ ہے کہ مجھے ایسی جوانی ملے جس کے بعد بڑھاپا نہ ہو اور اتنی دولت ملے جس کے بعد فقر نہ ہو۔ اور ایسی خوشی ملے جس کے بعد کوئی غم نہ ہو۔ اور ایسی زندگی ملے جس کے بعد موت نہ ہو کیا تُو مجھے یہ چیزیں دے سکتا ہے؟ سکندر نے کہا یہ تو میرے پاس نہیں۔ اس نے کہا دَعْنِي أَطْلُبُهُ مِمَّنْ هُوَ عِنْدَهُ یعنی پھر مجھے جانے دے تاکہ میں یہ چیزیں اُسی سے طلب کروں جس کے پاس یہ چیزیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ۔ غرض انسان کی فطرت کا اصل مدعا دائمی اور بلا کدورت خوشی کا حاصل کرنا ہے۔ اب یہ حاصل ہو تو کس طرح؟ سو واضح ہو کہ اس کی طرف مذہب اسلام کے سوا کسی نے رہبری نہیں کی۔ نہ فلسفیوں نے۔ نہ دہریوں نے۔ نہ منطقیوں نے۔ نہ سوفسطائیوں نے۔ نہ سائنس دانوں نے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ انسان کی زندگی محدود ہے اور مرنے کے بعد معدوم ہو جاتا ہے صرف ان کی انتہائی بےچارگی ہے۔ لومڑی بہت اُچھلی کُودی مگر کچھ ہاتھ نہ آیا تو چلتے ہوئے کہہ دیا انگور کھٹے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے طور پر بہت کوشش کی کہ دائمی زندگی کے ملنے کی کوئی صورت نکل آئے کیونکہ انسان کی فطرت میں جسمانی لذت کی شدید خواہش ہے اور وہ دائمی طور پر اس سے خوشی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مگر یہ لوگ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اگر یہ لوگ اسلام کی طرف رجوع کرتے تو نہایت آسانی سے اپنے مدعا کو حاصل کر لیتے۔

(۴) غرض جسمانی لذات کے دائمی طور پر ملتے رہنے کی خوشخبری صرف مذہب اسلام نے ہی انسان کو دی اور اس کی طرف پُوری رہبری کی اور اُس کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا۔ دوسرے مذاہب نے

اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ کسی نے حضرت عیسیٰ سے پوچھا کہ آخرت کے ہونے پر کیا دلیل ہے تو جواب میں کیا فرماتے ہیں کہ تم نے توراۃ میں پڑھا نہیں کہ ابراہیم کا خدا اسحاق کا خدا۔ مطلب یہ کہ ابراہیم اور اسحاق اب بھی موجود ہیں تبھی تو کہا گیا ابراہیم کا خدا اسحاق کا خدا۔ یہ ہے سابقہ مذاہب کی رہبری دائمی زندگی کی نسبت۔ آریہ مذہب میں تو یہ بات بالکل ہی مفقود ہے۔ چنانچہ آریہ مذہب کا مکتی خانہ صرف چند کروڑ برس کا ہے۔ آخرکار وہاں سے نکالے جانا ہے۔ پس جبکہ اس مکتی خانہ میں رہنے والوں کو وہاں سے نکلنے کا دھڑکا ہر وقت لگا رہےگا اور غم کا یہ کانٹا ہر وقت دل میں چبھتا رہے گا اور جب میعاد کے ختم ہونے میں چند روز باقی رہ جائیں گے تو غم و الم کا ایک پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑے گا تو بھلا ایسی جگہ کا نام مکتی خانہ کیسے ہو سکتا ہے۔

(۵) اور عیسائی مذہب نے جو جنت پیش کی ہے اس کی نسبت وہ کہتے ہیں کہ وہ محض روحانی ہے جسمانی نہیں۔ حالانکہ یہ مسلّم ہے کہ روح بغیر جسم کے نہیں رہ سکتی۔ پس عیسائی مذہب سے بھی انسان کو خوشی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ خوشی جو ایک روحانی چیز ہے بغیر جسمانی لذات کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ (اس کا ثبوت اور روح کا بغیر جسم کے نہ رہ سکنے کا ثبوت میرے مضمون دیدار الٰہی ۲۰ میں ملاحظہ ہو جو اس کے بعد زیر طبع ہے۔) لیکن مذہب اسلام نے جو جنت پیش کی ہے اوّل تو وہ دائمی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے: عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ اور وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ۔ دوسرے یہ کہ اسلام کی پیش کردہ جنت میں ہر ایک قسم کی جسمانی لذات ہوں گی۔ اس کے متعلق قرآن شریف میں بکثرت ذکر ہے۔ جسمانی لذات کے سرور کے علاوہ مذہب اسلام کی پیش کردہ جنت میں روحانی خوشی بھی ہوگی۔ روحانی خوشی کا یہ مطلب ہے کہ جنتی کو اس بات کا یقین ہوگا کہ اسے دائمی طور پر اور بلا کدورت طور پر جسمانی لذات ملتی رہیں گی۔ اس یقین کو روحانی خوشی اسی لئے کہا گیا کہ یقین کا تعلق روح سے ہے جسم سے نہیں۔ غرض اسلام کی پیش کردہ جنت میں انسان کو جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی خوشی حاصل ہوگی اور یہ دونوں خوشیاں دائمی ہوں گی اور یہی انسان کی اصلی اور انتہائی مراد ہے۔

(۶) اس مراد کو حاصل کرنے کے لئے مذہب اسلام نے دو باتیں بتائی ہیں۔ ان میں سے ایک تو ایک ہستی پر ایمان لانا ہے جس کا نام اس نے اللہ بتایا ہے جسے فارسی اور اردو میں خدا کہتے ہیں اور جس کی صفات بھی اس نے بتائی ہیں اور جس کے ہونے کا ثبوت بھی اس نے کافی سے بڑھ کر دے دیا ہے۔ نیز بتایا ہے کہ انسان کے مندرجہ بالا مدعا کے حاصل کرنے کا اصل ذریعہ یہی ہستی ہے۔ اس کی معرفت حاصل کئے بغیر اور اس کے ساتھ تعلق کئے بغیر اور اس کو راضی کئے بغیر انسان کا مندرجہ بالا مدعا ہرگز

پُورا نہیں ہو سکتا۔

(۷) دوسری بات جو مذہب اسلام نے مندرجہ بالا امراد اور مدعا کو پُورا کرنے کے لیے بتائی ہے وہ مرنے کے بعد ایک اور جہان کے ہونے پر ایمان لانا ہے جو دائمی ہے۔ اُسی جہان میں وہ مقام ہے جہاں انسان کا مندرجہ بالا مدعا پُورا ہوگا جس کا نام جنت ہے۔ مذہب اسلام نے بتایا ہے کہ اِس دُنیا میں انسان کا مندرجہ بالا مدعا پُورا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دُنیا عالمِ آخرت کی جنت کے حاصل کرنے کے لئے مدرسہ اور دارالعمل اور دارالامتحان ہے۔ مذہب اسلام نے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اِس دُنیا اور ما فیہا اور عالمِ آخرت اور ما فیہا دونوں کا خالق ہے۔ اور اِس دُنیا میں جو اُس نے لذات پیدا کی ہیں وہ بطور نمونہ (بانگی) کے ہیں تاکہ عالمِ آخرت کی دائمی لذات کے حاصل کرنے کی دل میں خواہش پیدا ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نمونہ یعنے بانگی سے پیٹ نہیں بھر سکتا کیونکہ وہ بہت قلیل ہوتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال دُنیا کا ہے۔ پس دُنیا کی لذات کو مقصود اور مطلوب بنانا نادانی ہے۔ غرض مذہب اسلام نے انسان کی حقیقی اور دائمی خوشی کے متعلق ایسی مکمل اور صریح راہ نمائی کی ہے کہ اس سے واقف ہونے کے بعد انسان مسلمان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ اس علم کے بعد اسے اپنا مدعا سوائے مذہب اسلام کے اور کہیں پُورا ہوتا نظر نہیں آتا۔

(۸) قبل ازیں کہ میں ہستی باری تعالےٰ کا ثبوت دوں اِس بات کا بتا دینا ضروری ہے کہ خدا کیا چیز ہے اور انسان کو اس کی کیوں ضرورت ہے۔ سو واضح ہو کہ انسان ایک کمزور اور محتاج اور محدود العلم اور محدود القدرت ہستی ہے۔ وہ بغیر دوسرے کی مدد اور حفاظت کے تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا اور اپنی کوشش اور تدبیر سے آپ اپنی حفاظت اور بہتری نہیں کر سکتا۔ اس لئے اُسے ایک حافظ و ناصر کی ضرورت ہے لیکن حافظ و ناصر ایسا ہونا چاہیئے جو کامل علم والا اور کامل قدرت والا اور ہر ایک عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک اور ہر ایک خوبی سے موصوف ہو تاکہ وہ انسان کو مکمل طور پر ہر ایک قسم کے دُکھ سے نجات دے سکے اور دائمی طور پر ہر ایک قسم کی خوشی عطا فرما سکے۔ مذہب اسلام نے دعوےٰ کیا ہے کہ یہ تمام باتیں اُس ہستی میں موجود ہیں جو اُس نے پیش کی ہے۔

(۹) انسان کو خدا تعالےٰ کی ضرورت کی ایک وجہ تو یہ ہے جو اُوپر بیان کی گئی۔ دوسری وجہ خدا تعالےٰ کی ضرورت کی یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ دوسرے کی چیز کو بغیر اس کے مالک کی اجازت اور مرضی کے استعمال کرنا نہیں چاہتا۔ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو اُس کا نام چوری یا ڈاکہ ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں جو چیز بھی ہے وہ انسان کی ملکیت نہیں بلکہ کسی اور کی ملکیت ہے کیونکہ بہت کچھ تو

زمین پر انسان کی پیدائش سے پہلے ہی موجود ہے۔ مثلاً ہوا۔ روشنی۔ پانی۔ زمین۔ نباتات۔ جمادات۔ حیوانات وغیرہ۔ اور جو نئی پیدائش انسان کے سامنے ہوتی ہے وہ بھی انسان کی اپنی پیدا کردہ نہیں بلکہ انسان کے سوا کوئی اور ہے جو انہیں پیدا کر رہا ہے۔ پس پرانی اور نئی کوئی چیز بھی انسان کی ملکیت نہیں بلکہ دُنیا و ما فی الدُنیا کی ہر ایک چیز کسی اور کی ملکیت ہے۔ یہاں تک کہ خود انسان کا جسم اور اس کے ظاہری اور باطنی تمام اعضاء اور قوےٰ بھی کسی اور کی ملکیت ہیں۔ کیونکہ ماں اپنے پیٹ کے بچے کو خود نہیں بناتی بلکہ کوئی اور بناتا ہے۔ اب نیکی اور تہذیب یہی ہے کہ انسان دُنیا کی چیزوں کے مالک کی اجازت کے بغیر کسی چیز کا استعمال نہ کرے۔ جو لوگ اس کے برخلاف کرتے ہیں وہ مہذب اور نیک نہیں کہلا سکتے۔ پس اُن کو چاہیئے کہ اِس دُنیا کے مالک پر ایمان لاکر اور اُس کے ساتھ تعلق پیدا کرکے اُس کی اجازت سے دُنیا کی چیزوں کا استعمال کریں تاکہ دوسرے کی یعنی بیگانی چیز کو بغیر اس کے مالک کی اجازت کے استعمال کرنے کے الزام سے بری ہو جائیں۔

(۱۰) اب یہاں سوال ہوتا ہے کہ کیا انسان اجازت حاصل کرنے تک بھوکا مر جائے۔ دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ پہلے ہمیں اُس مالک کے ہونے کا ثبوت دیا جائے اور اس کے ساتھ تعلق کرنے کا طریق بتلایا جائے۔ سو واضح ہو کہ ان دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ مذہب اسلام نے دُنیا کے مالک کو پیش کر دیا ہے اور اس کے ہونے کا ثبوت بھی کافی سے بڑھکر دے دیا ہے اور اُس کے ساتھ تعلق کرنے کا طریق بھی بتا دیا ہے اور اُس پر ایمان لانے کی وجہ بھی بتا دی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس مضمون میں درج ہے۔ اور ساتھ ہی مذہب اسلام نے یہ بھی کہدیا ہے کہ جو شخص سچے دل سے ہدایت پانے کی نیت سے مذہب اسلام کا مطالعہ کرے گا اور اس کی پیش کردہ کتابوں کو پڑھے گا اُسے دُنیا کی چیزوں کو بغیر اسراف کے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اسراف کا مطلب یہ ہے کہ عیش و عشرت کی نیت سے دُنیا کی چیزوں کو استعمال نہ کرے بلکہ مذہب اسلام کا مطالعہ کرنے کے لئے جسمانی طاقت کو قائم رکھنے کی نیت سے بوقتِ ضرورت اور بقدر ضرورت استعمال کرے۔ دوسری ضرورت کا بیان ختم ہوا۔ اب ذیل میں خدا کی ضرورت کی تیسری وجہ لکھی جاتی ہے۔

(۱۱) وہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ اس ہستی کو جو اُسے فائدہ پہنچائے دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کون ہے اور کیسی ہے۔ آیا محسن ہے یا غرضی۔ تاکہ اگر محسن ہو تو اس سے محبت کرے کیونکہ محسن سے محبت کرنا انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اب واضح ہو کہ یہ بات واقعات میں سے ہے کہ پیدائش کے وقت سے ہی عالمِ غیب سے انسان پر احسان ہو رہا ہے اور جب تک انسان زندہ رہتا ہے یہ احسان

برابر قائم رہتا ہے ہر آن ہر طرح کی اس کی پرورش ہو رہی ہے۔ طرح طرح کی نعمتیں اس کو مل رہی ہیں۔ ہوا۔ پانی۔ غذا۔ روشنی۔ لباس کا سامان سب کچھ پہلے سے موجود ہے۔ طرح طرح کا غلہ اور ترکاریاں زمین سے اُگ رہی ہیں۔ طرح طرح کے پھل درختوں کو لگ رہے ہیں۔ ٹہنیاں ہاتھ بڑھا کر انسان کو کہہ رہی ہیں کہ لو کھا لو۔ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ ہاتھ بڑھائے۔ توڑے۔ مُنہ میں ڈال لے۔ بچے کے لئے ماں کی چھاتیوں میں دُودھ اُتر آتا ہے۔ بچے کا کام صرف یہ ہے کہ چُوسے۔ پس جبکہ ہر شخص دُنیا میں عالَم غیب سے اپنی رُبوبیت ہوتے اور اپنے اوپر احسان ہوتے دیکھ رہا ہے۔ اور بغیر مانگے اُسے سب کچھ مل رہا ہے تو اُسے چاہیئے کہ اُسے چین نہ آئے جب تک اُس محسن کی تلاش نہ کرلے۔ کیونکہ بچہ بغیر ماں کے نہیں رہ سکتا۔ جس طرح بچہ کمزور اور ماں کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح انسان بھی کمزور ہے اور ایک حافظ و ناصر کا محتاج ہے۔ اور جس طرح بچہ بغیر ماں کے نہیں رہ سکتا اسی طرح انسان بھی بغیر ایک حافظ و ناصر کے نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہ حافظ و ناصر ایسا ہونا چاہیئے جو کامل علم والا اور کامل قدرت والا ہو اور ہر ایک عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک ہو تا کہ انسان کی کامل طور پر پرورش اور حفاظت ہو سکے۔ ایسی ہستی وہی ہے جو مذہب اسلام نے پیش کی ہے۔ تیسری وجہ کا بیان ختم ہوا۔

(۱۲) قبل ازیں کہ میں اُس ہستی کے ہونے کا ثبوت دوں جو مذہب اسلام نے پیش کی ہے اُس ہستی پر ایمان لانے کے متعلق کچھ لکھتا ہوں تا کہ محقق کو ایمان لانے کی حقیقت معلوم ہو کر ایمان لانا آسان ہو جائے۔ سو واضح ہو کہ ایمان لانا کوئی انوکھی بات نہیں۔ دُنیا کا تمام کارخانہ ایمان پر ہی چل رہا ہے۔ ایمان کے معنے ہیں۔ کسی چیز کے ہونے پر بغیر دیکھے صرف قرائن قویہ مصدق کی بنا پر یقین کر لینا یا کسی کی بات پر نتیجہ کا مشاہدہ کئے بغیر صرف قرائن قویہ مصدق کی بنا پر اعتبار کرلینا لیکن اس یقین اور اعتبار کے لئے ضرورت کی شرط ہے۔ اگر ضرورت نہیں تو پھر یہ ایک لغو فعل ہوگا۔ اور لغو یعنے بے فائدہ کام کرنے کی طرف انسان کی طبیعت راغب نہیں ہوتی کیونکہ بیفائدہ کام کرنا انسان کی فطرت میں نہیں۔ واضح ہو کہ ایمان کا مطلب یہ نہیں کہ مثلاً میرے ہاتھ میں یہ قلم ہے تو کہدوں کہ میں ایمان لایا کہ یہ قلم ہے۔ اس کا نام ایمان نہیں کیونکہ اس میں کوئی پہلو اخفا کا نہیں۔ غرض دُنیا کے تمام لوگ ضرورت کی بنا پر اور اپنے فائدہ کے لئے صرف قرائن قویہ صدق کی بنا پر نتیجہ کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایک دوسرے پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ دو کاندار آپس میں صدہا روپے کا لین دین ایک دوسرے پر اعتبار کی بنا پر ہی کرتے ہیں۔ بھوکا آدمی دوکاندار سے آٹا خریدتا

ہے اور یقین کر لیتا ہے کہ اس دوکاندار نے آٹے میں زہر نہیں ملایا جبھی تو وہ اُس آٹے کی روٹی بغیر امتحان کے لئے کُتے کو ٹکڑا ڈالے بغیر کھا لیتا ہے۔ حجامت کرانے والا صرف اعتبار کی بنا کر کہ یہ میری گردن نہیں کاٹے گا حجام کے آگے سر جُھکا دیتا ہے اور حجامت بنوا لیتا ہے۔ مرد صرف بیوی کے کہنے پر اعتبار کر کے اُس کے پیٹ سے پیدا شدہ بچوں کو اپنے بچے یقین کر لیتا ہے۔ ہاں تمام مثالوں میں نتیجہ کے مشاہدہ سے پہلے اعتبار کر لینا صرف ضرورت اور قرائن قویۂ صدق کی بنا پر ہے۔

(۱۳) اور بعض وقت تو ضرورت اور احتیاج کی شدت کی وجہ سے قرائن صدق کی طرف زیادہ توجہ بھی نہیں کی جاتی اور اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی اجنبی نامعلوم الحال لنگوٹی پوش فقیر شہر میں وارد ہوتا ہے اور کیمیا جاننے کا دعوےٰ کرتا ہے تو لوگ بغیر اس تحقیقات کے کہ یہ کون ہے، کیسا ہے، کہاں سے آیا ہے، صرف اُس کے دعوے کی بنا پر اُس پر اعتبار کر لیتے ہیں اور اُس کے کہنے کے مطابق پُورا پُورا عمل کرتے ہیں۔ اُس کی نشان دہی کے بموجب جنگل سے بُوٹیاں توڑ کر لاتے ہیں، پہروں کھرل کرتے ہیں۔ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ دوائیں خرید کر لاتے ہیں۔ بھٹیاں دھونکتے ہیں۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔ پھر بھی ایمان میں فرق نہیں لاتے۔ بلکہ یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ سونے کو لوگ سخت ضروری چیز سمجھتے ہیں اور اُس کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ اگر یہ قبضہ میں ہو تو انسان اپنی ہر ایک مراد اور خواہش پُوری کر سکتا ہے۔ چنانچہ کسی کا شعر ہے ؎

اے زر تو خدا نئی ولیکن بخدا ❊ ستارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

حالانکہ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ کبھی سونا باعث ہلاکت یا بربادی بھی ہو جاتا ہے۔ پس جبکہ ایسی چیز کے لئے جس کا مُضر ہونا بھی ثابت ہے ایک اجنبی نامعلوم الحال لنگوٹی پوش فقیر کی بات پر باوجود کسی قرینۂ صدق کے موجود نہ ہونے کے لوگ ایمان لے آتے ہیں تو مذہب اسلام کے لانے والے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جنہیں لوگ بچپن سے جانتے تھے اور جن کے راستباز اور امین ہونے اور لوگوں کا خیر خواہ ہونے اور بے غرض ہونے پر کسی کو بھی شک نہ تھا اور نہ اب ہے اُن کی اِس بات پر کہ :۔ یہ جہان مخلوق ہے اور اِس کا ایک خالق ہے اور وہ خالق کامل علم والا اور کامل قدرت والا ہے سونا چاندی بھی اُس کے قبضہ میں ہے۔ اور لوگوں کا دُکھ سُکھ بھی اُسی کے قبضہ میں ہے۔ وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور اُس نے مجھے رسول اور ہادی بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ اگر کوئی میری پُوری پُوری پیروی اور اطاعت کریگا تو وہ خالق اُس کی ہر ایک مراد اور خواہش کو پُورا کرے گا اور اُسے دائمی طور پر ہر ایک قسم کے دُکھ سے نجات دیگا اور دائمی طور پر ہر ایک قسم کا سُکھ اور خوشی عطا فرمائے گا" بطریق احسن

ایمان لے آنا چاہیئے۔ کیونکہ حضورؐ کے اِس دعوے کے متعلق قرآن تو تصدیق بھی موجود ہیں اور دعوے بھی اُس امر کے حصول کے متعلق ہے جو انسان کا اصلی اور انتہائی مدعا اور مقصود ہے یعنی دائمی طور پر جسمانی دکھوں سے نجات پانا اور دائمی طور پر جسمانی لذات کا حاصل کرنا۔

(۱۴) میرے اِس مضمون کو یہاں تک پڑھکر شاید کسی کو خیال گذرے کہ یہ تو حیوانیت ہے۔ جسمانی لذات تو حیوانوں کو بھی حاصل ہیں پھر حیوان اور انسان میں کیا فرق ہوا۔ اِس کا جواب مَیں نے مفصل طور پر دیدار الٰہی حصہ۲ میں دیدیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اِس جواب کا عنوان ہے "بعض سوالات اور اعتراضات کا جواب"۔

(۱۵) اب مَیں ذیل میں حسب وعدہ اُس ہستی کے ہونے کا ثبوت دیتا ہوں جو مذہب اسلام نے پیش کی ہے:۔

ثبوت!

حدیث شریف میں ہے :۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ یعنے جس نے اپنے آپ کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اِس حدیث شریف میں رب کا لفظ خدا شناسی کے لئے بطور بنیاد کے رکھا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے انسان کی نظر اپنے وجود پر پڑتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ میری پرورش تو ہو رہی ہے لیکن پرورش کرنے والا اُسے نظر نہیں آتا۔ تب وہ اس کی تلاش میں لگ جاتا ہے اور اُسے قرار نہیں آتا جب تک وہ اُسے نہ پالے۔ بالکل اِسی طرح جس طرح کسی بچے کی ماں اُس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو اُسے چین نہیں آتا جب تک اُسے دیکھ نہ لے۔ وجہ یہ کہ اُس کے دُکھ سے بچنے اور سُکھ حاصل کرنے کا مدار ماں پر ہوتا ہے۔ اِسی طرح ایک عقلمند کو چین نہیں آتا جب تک وہ اپنے حقیقی رب کو نہ پالے۔

(۱۶) مندرجہ بالا حقیقت کا ذکر قرآن شریف میں اِس طرح پر ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے جوان ہو کر ہوش سنبھالا تو اُنہیں سب سے پہلے یہ خیال آیا کہ میری پرورش تو یقیناً ہو رہی ہے تو میرا پرورش کرنے والا بھی ضرور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بغیر رب کے ربوبیت نہیں ہو سکتی۔ تب انہوں نے اپنے رب کو تلاش کرنا شروع کیا۔ کیونکہ جیساکہ اُوپر لکھا گیا ہے بچہ بغیر ماں کے نہیں رہ سکتا۔ اگر ماں پاس نہ ہو تو بچہ بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے رب کو پائے بغیر بے قرار تھے۔ ستاروں اور چاند اور سورج اور دُنیا کی دوسری چیزوں مثلاً ماں۔ باپ۔ رشتہ دار

دوست۔ بادشاہ۔ سلطنت۔ دولت۔ طاقت۔ عزت وغیرہ کی نسبت تو انہوں نے غور کرکے فیصلہ کر لیا کہ یہ چیزیں میری رب نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ یہ سب چیزیں خود محتاج اور کمزور ہیں اور کبھی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں لیکن میری پرورش تو ہر آن اور ہر وقت ہو رہی ہے لہٰذا میرا رب ان چیزوں کے سوا کوئی اور ہستی ہے جو ہر وقت اور ہر آن موجود ہے اور ہر لحظہ میرے ساتھ ہے۔ غرض وہ اپنے رب کی تلاش میں لگے ہوئے تھے کہ خدا تعالیٰ اُن سے ہم کلام ہوا اور اُنہیں اپنا مقرب بنا کر نبی بنا دیا۔

(۱۷) اب میں بموجب مضمون حدیث شریف مندرجہ عنوان ذیل میں بتاتا ہوں کہ انسان شناسی سے خدا شناسی کس طرح حاصل ہوتی ہے۔ اِس کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان کس طرح پہچانا جاتا ہے۔ سو واضح ہو کہ دُنیا کی کسی چیز کے ہونے پر یقین کرنے کے لئے صرف اُس چیز کی صفات کا معلوم ہونا ضروری ہے اُس کی ذات کی حقیقت اور کُنہ کے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ذات کا قیام صفات کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ اگر صفات نہ ہوں تو ذات بھی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً میرے ہاتھ میں جو پنسل ہے اُس کا گول ہونا پنسل نہیں بلکہ گول ہونا پنسل کی صفت ہے اِسی طرح پنسل کا لمبا ہونا پنسل نہیں بلکہ لمبائی پنسل کی صفت ہے۔ اِسی طرح اُس کا سخت ہونا پنسل نہیں بلکہ سختی پنسل کی صفت ہے۔ اِسی طرح پنسل کا سرخ ہونا یا نیلا ہونا اور پنسل کا کاغذ پر لکھنا یہ سب پنسل کی صفات ہیں۔ غرض پنسل کی ذات ہمیں نظر نہیں آتی بلکہ جو کچھ بھی آنکھوں کو نظر آتا ہے اور ہاتھ کو محسوس ہوتا ہے یہ سب پنسل کی صفات ہیں۔ پس باوجود اِس کے کہ ہمیں پنسل یا یوں کہو کہ پنسل کی ذات نظر نہیں آتی بلکہ صرف اُس کی صفات نظر آتی ہیں ہمیں پنسل کے ہونے پر پُورا یقین ہے۔ اور چونکہ ہم اُس سے پُورا پُورا فائدہ حاصل کر رہے ہیں اس لئے ہمیں پنسل کی ذات اور اُس کی کُنہ کی حقیقت کو معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ پنسل کے سوا دُنیا کی کوئی چیز لے لو اُس کی صرف صفات ہی نظر آئیں گی ذات نظر نہیں آئے گی۔ پس معلوم ہوا کہ ذات کا ظہور صفات کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور اشیاء کا نام قائم مقام ذات کے ہوتا ہے اور صفات کا دیکھنا ذات ہی کا دیکھنا ہے۔

دُنیا میں صرف چھ۶ قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اِن کے سوا اور کسی قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اوّل جمادات۔ دوم نباتات۔ سوم حیوانات۔ چہارم انسان۔ پنجم ملائکہ۔ ششم خدا تعالیٰ۔ یہ تمام کی تمام چیزیں صرف اپنی صفات سے پہچانی جاتی ہیں۔ ذات اِن میں سے کسی کی نظر نہیں آتی۔ پس معلوم ہوا کہ دُنیا کا تمام کارخانہ دُنیا کی اشیاء کی محض صفات کی معرفت پر ہی چل رہا ہے۔ اور

انسان کے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کیونکہ اس کی تمام ضروریات صرف صفات کی معرفت سے ہی پوری ہو جاتی ہیں۔ ذات اور کُنہ کے مشاہدہ کی اُس کو ضرورت نہیں۔ اور نہ ذات کسی چیز کی نظر آسکتی ہے۔ قرآن شریف نے صرف خدا تعالےٰ کی صفات ہی بیان کی ہیں اور ذات کی جگہ نام کو پیش کیا ہے۔ یعنے اَللّٰہ۔ یہ بھی واضح ہو کہ الہام اور کشف اور خواب میں بھی جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اور نظر آتا ہے وہ بھی صفات کا ظہور ہوتا ہے ذات نہیں ہوتی۔ چنانچہ الہام میں کلام ہوتا ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتی ہے ذات نہیں ہوتی۔ اِسی طرح کشف اور خواب میں جو اشیاء نظر آتی ہیں وہ بھی صفت خلق اور صفت صنعت کا ظہور ہوتا ہے۔ انسان بھی اپنی ذات کی حقیقت اور کُنہ کو معلوم نہیں کر سکتا حالانکہ دوسری چیزوں کی نسبت انسان اپنے آپ سے بہت قریب ہے۔ وہ بھی محض اپنی صفات کے مطالعہ سے اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور صرف صفات کے مطالعہ سے اُسے اپنے ہونے پر اطمینان اور شرحِ صدر ہو جاتا ہے۔ یہی صورت خدا تعالےٰ کے متعلق ہے۔ یعنے خدا تعالےٰ کے ہونے کو ثابت کرنے کے لئے صرف اُس کی صفات کا ثابت کرنا کافی ہے۔ صفات کے مشاہدہ سے اُس کی ذات کے ہونے پر کافی سے بڑھکر یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ مذہب اسلام نے اِس یقین کا نام ایمان بالغیب رکھا ہے۔ کیونکہ صفت ذات نہیں ہوتی بلکہ ذات کے ہونے پر علامت ہوتی ہے۔ مذہب اسلام نے اِس یقین کے یا ایمان بالغیب کے تین درجے قائم کئے ہیں۔ اوّل: علم الیقین۔ دوم عین الیقین سوم حق الیقین۔ اِن میں سے تیسرے درجے یعنے حق الیقین کا یہ مطلب نہیں کہ ذات کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ اس سے زیادہ کسی چیز کی معرفت نہیں ہو سکتی بلکہ حق الیقین سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کی جس قدر معرفت حاصل کرنے کی ضرورت تھی اس قدر حاصل ہو گئی اور جو فائدہ اُس چیز سے حاصل کرنا تھا وہ حاصل ہو گیا۔

(۱۸) تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مثلاً ہم نے کھانا پکانا ہے اور آگ کی ہمیں ضرورت ہے۔ اب دُور سے دُھواں اُٹھتا نظر آیا تو ہمیں اس بات کا علم ہوا کہ وہاں آگ ہے۔ یہ یقین کا پہلا درجہ ہے اس کا نام علم الیقین ہے۔ اِس درجہ میں آگ کی صرف ایک علامت نظر آئی ہے۔ پھر جب پاس جا کر آگ کی سُرخی اور اُس کی چمک اور اُس کے شعلوں کو دیکھا تو یہ یقین کا دُوسرا درجہ ہے۔ اِس درجہ کا نام عین الیقین ہے۔ اِس درجہ میں چونکہ آگ کی بعض اور صفات کا مشاہدہ ہوا ہے اِس لئے پہلے درجہ کی نسبت آگ کے ہونے پر یقین میں زیادتی ہو گئی ہے۔ مگر ابھی کوئی فائدہ ہمیں حاصل نہیں ہوا۔ پھر جب اور زیادہ نزدیک ہو کر ہاتھ کو حرارت محسوس ہوئی تو اب یقین کامل ہو گیا کہ یہ سینما کی نقلی

اور تصویری آگ نہیں بلکہ اصلی آگ ہے۔ اور یہ یقین کا وہ درجہ ہے جو مطلوب ہے۔ اس کا نام حق الیقین ہے یعنے اب ہمیں یہ یقین ہوگیا کہ ہم اپنا کھانا پکا سکتے ہیں۔ کیونکہ آگ سے مقصود کھانا پکانے کے لئے حرارت کا حاصل کرنا تھا سو وہ ہم نے حاصل کرلیا اور اپنا کھانا پکالیا اور کھا لیا جس سے بھوک کی تکلیف بھی جاتی رہی اور لذت بھی حاصل ہوئی۔ اور یہی انسان کی فطرت کا انتہائی اور اصلی مقصود ہے یعنے جسمانی دُکھ سے بچنا اور جسمانی لذت حاصل کرنا۔ اب ہمیں آگ کی نسبت زیادہ تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ مزید تحقیقات سے آگ کی مزید صفات کی معرفت بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آگ یعنے حرارت کی پیدائش کاربن اور آکسیجن کے ملنے سے ہوتی ہے۔ مگر ہمیں مزید تحقیقات کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمیں مزید صفات کے معلوم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ وجہ یہ کہ جو ہمارا اصلی اور انتہائی مُدعا اور مقصود تھا وہ ہمیں حاصل ہوگیا یعنے بھوک کی تکلیف دُور ہوگئی اور لذت حاصل ہوگئی۔

(۱۹) مندرجہ بالا تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ہمیں آگ کی ذات کے معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف اس کی چند صفات کے معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ خواہ کسی کو اِس بات کا علم نہ بھی ہو کہ آگ کاربن اور آکسیجن کے ملنے سے بنتی ہے تو اُس کا کچھ نقصان نہیں۔ اور معلوم ہوجانے پر بھی اُسے اِس بات کا غم نہ ہوگا کہ کھانا پکانے سے پہلے مجھے کاربن اور آکسیجن کا علم کیوں نہ ہوا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ انسان کا مدعا آم کھانا ہے پیڑ گِننا نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ کاربن اور آکسیجن کے معلوم ہونے سے تو بڑی بڑی ایجادیں ہوئیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ اِن ایجادوں کا مقصود بھی وہی بھوک کے دُکھ سے نجات پانا اور جسمانی لذات کا حاصل کرنا ہے۔ کسی کو کاربن اور آکسیجن کے علم کے بغیر یہ بات حاصل ہوگئی اور کسی کو کاربن اور آکسیجن کا علم ہوکر اور ایجاد فروخت کرکے حاصل ہوگئی۔ نتیجہ میں دونوں برابر ہیں۔ بلکہ جنہوں نے ایجادیں کیں وہی دُنیا کی مصیبت کا باعث ہوئے۔ پچھلی جنگ عظیم اور موجودہ جنگ جو قیامت کا نمونہ ہے اِنہی ایجادوں کی بدولت ہے۔ پس سائنس کی ترقی اور ایجادیں عذاب الیم کا باعث ہوئیں نہ کہ فائدہ کا۔ جب سے دُنیا بنی ہے تب سے اب تک لوگ اِن ایجادوں کے بغیر ہی زندگی بسر کر رہے تھے اور اکثر کر رہے ہیں۔ البتہ اِن ایجادوں سے دین کی اشاعت کو اور باخدا لوگوں کو فائدہ ہوا کہ اُنہیں خدا تعالےٰ کی صفتِ علم اور صفتِ حکمت اور صفتِ قدرت کی عظمت اور غیر محدود ہونے پر حق الیقین حاصل ہوگیا اور اُن کے ایمان اور تعلق باللہ میں ترقی ہوئی اور سائنسدان اُن کے خادم ثابت ہوئے لیکن خود دین سے دُور جا پڑے۔

(۲۰) اُوپر آگ کی مثال دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ حق الیقین سے مراد ذات کا مشاہدہ نہیں بلکہ مطلب

ہے کہ جس قدر کسی چیز کی معرفت حاصل کرنے کی ضرورت تھی وہ حاصل ہوگئی اور جو فائدہ اُس چیز سے حاصل کرنا تھا وہ حاصل ہوگیا۔ اب واضح ہو کہ یہی حال خدا تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی شناخت کے متعلق ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ کے متعلق اِس قدر معرفت کی ضرورت ہے جس سے ہم خدا تعالیٰ سے اپنا اصلی اور انتہائی مدعا اور فائدہ حاصل کرسکیں۔ جس کا ذکر پیرے گراف نمبر۱۳ کی آخری سطر میں آچکا ہے۔ یعنے دائمی طور پر ہر ایک قسم کے جسمانی اور روحانی دُکھوں سے نجات پانا اور دائمی طور پر ہر ایک قسم کی جسمانی اور روحانی لذات کا حاصل کرنا۔ سو اِس قدر معرفت اور دیدار کے لئے ہمیں صرف خدا تعالیٰ کی اُن صفات کا معلوم ہونا کافی ہے جن کا اِس دُنیا میں ظہور ہو رہا ہے۔ اور جنہیں خدا تعالیٰ نے انسان کے فائدہ کے لئے خود ظاہر کر دیا ہے۔ حدیث مندرجہ سطر ۸ صفحہ ۱۰ میں رویت سے مراد فائدہ پہنچانا ہی ہے۔

(۲۱) جو لوگ خدا تعالیٰ کی ذات کو دیکھنا چاہتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اپنے معشوق کا سر پھوڑ کر دیکھنا چاہے کہ اُس کے اندر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے سوائے دُکھ اور غم کے اُسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ معشوق بھی اُس کے ہاتھ سے جائے گا اور جو خوشی اُسے اپنے معشوق سے حاصل ہو رہی تھی وہ بھی جاتی رہے گی۔ فیج اعوج کے صوفی غلط فہمی سے ذات الٰہی کی تلاش میں لگے رہے۔ چنانچہ اُن کے زیرِ اثر امیر کا یہ شعر ہے ؎

شہرہ سے حُسن کے ہوئے مشتاقِ یار ہم
سُنکر صفات ہم کو ہوئی ذات کی تلاش

مگر اُن کے ہاتھ کچھ نہ آیا اور نہ آئے گا۔ غرض خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کے لئے صرف اُس کی صفات کا معلوم ہونا کافی ہے۔ مذہب اسلام کا یہ منشاء نہیں کہ لوگوں کا ایمان تب قبول ہوگا جبکہ اُنہیں خدا تعالیٰ کی ذات کی حقیقت اور کُنہ بھی معلوم ہو۔ مذہب اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ جس طرح دُنیا کی اور چیزیں پہچانی جاتی ہیں اُسی طرح خدا تعالیٰ کو پہچانا جائے۔

(۲۲) اب میں بتاتا ہوں کہ دُنیا کی اور چیزیں کس طرح پہچانی جاتی ہیں۔ سو واضح ہو کہ جیسا کہ پیچھے بتایا گیا ہے دُنیا میں ذات کسی چیز کی نظر نہیں آتی بلکہ ہر چیز اپنی صفات سے پہچانی جاتی ہے۔ مادی ہو خواہ غیر مادی۔ مادی چیزوں میں سے سب سے پہلے ہمیں کسی چیز کا رنگ اور اُس کی شکل اور اُس کا ساکن ہونا یا متحرک ہونا نظر آتا ہے۔ یہ چاروں باتیں اُس چیز کی صفات ہیں۔ اور اِن چاروں صفات کا معلوم کرنا حسِ باصرہ کا کام ہے۔ پھر حسِ لمس سے ہمیں اُس کا سخت ہونا یا نرم ہونا اور گرم ہونا یا

سرد ہونا اور اُس کا وزن معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں بھی اُس چیز کی صفات ہیں۔ پھر حِسّ ذائقہ سے اُس کا مزہ چکھا جاتا ہے اور حِسّ شامہ سے اُس کی خوشبو یا بدبو سونگھی جاتی ہے اور حِسّ سمع سے اُس میں آواز کا ہونا یا نہ ہونا معلوم کیا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں بھی اُس چیز کی صفات ہیں۔ اِن کے سوا ہمیں اُس چیز کی اور کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ اِس کے بعد ہم اِن تمام صفات کے مجموعہ کا ایک نام رکھ لیتے ہیں۔ مثلاً ہمیں ایک فٹ لمبا اور ایک فٹ چوڑا اور پانچ انچ موٹا مربع شکل یا مدوّر شکل کا غیر متحرک خاکی رنگ نظر آیا۔ پھر ہم نے اُسے ہاتھ لگایا تو اُس میں مزاحمت یعنے سختی پائی گئی۔ پھر جب ہم نے اُسے ہاتھوں سے اُٹھایا تو اُس میں وزن پایا گیا۔ اِن تمام صفات کو دیکھکر ہم نے یقین کر لیا کہ یہ دُنیا کی چیزوں میں سے ایک چیز ہے اور یہ مادہ کی بنی ہوئی ہے کیونکہ سائنس نے مادہ کے یہی خواص اور صفات بتائے ہیں یعنے مزاحمت[۱] کرنا۔ وزن[۲] رکھنا۔ جگہ گھیرنا[۳]۔ اپنی حرکت[۴] دوسری چیز میں منتقل کرنا۔ تب ہم نے دوسری چیزوں سے تمیز کرنے کے لئے اُس کا نام اپنی زبان میں پتھر رکھدیا۔ فارس والوں نے اُس کا نام سنگ رکھ لیا عربوں نے اُس کا نام حجر رکھ لیا۔ انگریزوں نے اُس کا نام سٹون رکھ لیا۔ اسی طرح دُنیا کی دوسری مادی چیزیں پہچانی گئیں اور ایک دوسرے سے تمیز کرنے کے لئے ہر ایک مجموعۂ صفات کا ایک نام رکھ دیا گیا۔ غرض دُنیا میں جمادات[۱]۔ نباتات[۲]۔ حیوانات[۳] اور انسان[۴] کے ہونے پر صرف اُن کی صفات کے ذریعہ سے یقین کیا جاتا ہے۔ صفات کے سوا ہمیں اور کوئی بات کسی چیز کی نظر نہیں آتی۔ یہی صورت خدا تعالےٰ کے ہونے پر یقین کرنے کی ہے یا یوں کہو کہ خداشناسی کی یا یوں کہو کہ دیدار الٰہی کی یہی صورت ہے کیونکہ صفات کا معلوم کرنا ہی قائم مقام دیدار کے ہے۔ دیدار میں صرف صفات ہی نظر آتی ہیں صفات کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مجازی عشق میں بھی عاشق کو معشوق کی صرف صفات ہی نظر آتی ہیں۔ ذات نظر نہیں آتی۔ مرد کو عورت کی صرف صفات کی ہی ضرورت ہے۔ جسم کی نرمی۔ گرمی۔ شکل۔ حُسن۔ لذت۔ کلام۔ حرکات۔ سیرت۔ اخلاق وغیرہ سب صفات ہیں اور صرف یہی چیزیں مرد کی مطلوب ہیں اور اُسے خوش کرنے کے لئے کافی ہیں۔ عورت کی ذات کی حقیقت سے اُسے کچھ سروکار نہیں۔ یہی مجموعۂ صفات اُس کے لئے ذات ہے۔ غرض عشقِ مجازی عشقِ حقیقی کے لئے ایک نمونہ اور ذریعۂ ہدایت ہے۔

(۲۳) اب میں بموجب مضمون حدیث شریف مندرجہ صفحہ ۹ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ بتاتا ہوں کہ دُنیا کی چیزوں میں سے خداشناسی کے لئے انسان کو کیوں چُنا گیا۔ سو واضح ہو کہ متذکرہ بالا چار چیزوں میں سے نباتات[۱]۔ حیوانات[۲] اور انسان[۳] میں بعض ایسی صفات ہیں جو جمادات میں نہیں۔ مثلاً زندگی اور نمو۔ اگر یہ دو صفات اِن میں نہ ہوتیں تو اِن تینوں کا شمار بھی جمادات میں ہوتا۔ پھر اِن

تینوں میں سے حیواناتؑ اور انسانؑ میں بعض ایسی صفات ہیں جو نباتات میں نہیں۔ مثلاً :۔ دیکھنا، سُننا، سُونگھنا، چکھنا، چھُونا یعنے حواس خمسہ۔ پھر حیوانات اور انسان میں سے صرف انسانؑ میں بعض ایسی صفات ہیں جو حیوانات میں نہیں۔ مثلاً :۔ بولنا، نتیجہ نکالنا، دُور اندیشی، انجام بینی، خداشناسی۔ اس تحقیقات سے ثابت ہوا کہ انسان باقی تینوں چیزوں سے اکرم اور افضل ہے۔ یعنے اشرف المخلوقات ہے اور باقی دُنیا کی تمام چیزیں انسان کے لئے بطور خادم کے ہیں۔ انسان کے اشرف المخلوقات ہونیکی ایک اور بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ باقی تینوں چیزوں میں سے خدا تعالےٰ نے بھی انسان ہی کو اپنی ہم کلامی کے لئے چُنا اور اُس سے کلام کرکے اُسے اپنا پتہ دیا اور اُسے نبی اور رسول بناکر لوگوں کی طرف ہدایت کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے :۔ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ یعنے مَیں ایک پوشیدہ خزانہ یعنے ایک مفید چیز تھا (کیونکہ خزانہ مفید ہوا کرتا ہے) پس مَیں نے چاہا کہ مَیں پہچانا جاؤں (یعنے مجھ سے فائدہ حاصل کیا جائے کیونکہ خزانہ کی حقیقی پہچان یہی ہے کہ خزانہ سے فائدہ حاصل کیا جائے۔) سو مَیں نے آدم کو (یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) پیدا کیا۔ یہاں سے انسان کا باقی تمام مخلوقات سے افضل ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ حضور انسان تھے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

(۲۴) پھر مزید ثبوت باقی تمام مخلوقات سے انسان کے افضل اور اکرم اور اشرف ہونے کا یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان میں محدود طور پر وہی صفات رکھیں جو اُس کی اپنی تھیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ :۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ۔ ترجمہ :۔ یقیناً پیدا کیا خدا نے آدم کو اپنی صورت پر۔ ہ کی ضمیر خدا تعالےٰ کی طرف ہے۔ صورت سے مراد یہاں صفات ہیں شکل مراد نہیں۔ کیونکہ نہ خدا تعالےٰ کی کوئی شکل ہے اور نہ انسان کی کوئی شکل ہے۔ انسان کا جسم انسان نہیں بلکہ وہ مادہ کا ایک محدود تودہ ہے جسے خدا تعالےٰ نے ایک نہایت احسن ترتیب کے ساتھ مرتب کرکے انسان کے قبضہ میں دیدیا ہے۔ خود انسان اس جسم کے اندر ایک پوشیدہ اور نامعلوم الکنہ شے ہے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ ہاں وہ اپنا ہونا اور اپنی مرضی جسم کے اعضاء کی حرکات سے ظاہر کرتا ہے۔ انسان کا جسم محض ایک مشین ہے جس سے انسان کام لیتا ہے۔ غرض انسان کا جسم انسان نہیں یہ جسم مرنے کے بعد اسی دُنیا میں رہ جاتا ہے۔ اور خواب میں تو ہر روز انسان کو ایک نیا جسم ملتا ہے موجودہ جسم نیند کی حالت میں چارپائی پر پڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ بھی اپنے آپ کو اور اپنی مرضی کو اس مادی جہان کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے۔ گویا یہ جہان اُس کے لئے بمنزلہ جسم کے ہے (دیکھو توضیح مرام

صفحہ ۱۰ سے تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔) غرض بموجب حدیث اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ خدا تعالےٰ نے اپنی تمام صفات محدود طور پر انسان میں رکھکر انسان کو اپنا مظہر بنایا۔ یہاں تک کہ ایک صفت خدا تعالےٰ کی بغیر اسباب کے محض قوت ارادی سے کام کرنا ہے جیسا کہ آیت اِنَّمَا اِذَآ اَرَدْنَاہُ لِشَيْءٍ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ سے ظاہر ہے۔ سو یہ صفت بھی خدا تعالےٰ نے محدود طور پر انسان میں رکھدی۔ یہی صفت مسمریزم کی بنیاد ہے یعنے جس طرح خدا تعالےٰ محض ارادہ سے بغیر سبب کے بھی کام کرتا ہے اُسی طرح انسان بھی محض قوت ارادی سے بغیر مادّی سبب کے محدود طور پر کچھ نہ کچھ کرلیتا ہے۔ یہ صفت ہر شخص کے اندر ہے۔ مذہب سے اِس کو کوئی تعلق نہیں۔ غرض اِس حدیث شریف سے ثابت ہوُا کہ انسان کی صفات خدا تعالےٰ کی صفات سے مشابہت رکھتی ہیں۔ یہی وہ وجہ ہے جسکی وجہ سے انسان کو خداشناسی کیلئے چُنا گیا۔ واضح ہو کہ صفتِ ازلیت میں مشابہت کی ضرورت نہیں۔

(۲۵) بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ دُنیا کی تمام چیزیں ہمیں ظاہری آنکھوں سے نظر آتی ہیں اس لئے ہمیں اُن کے ہونے کا یقین ہے۔ پس اگر خدا تعالےٰ بھی ہمیں ظاہری آنکھوں سے نظر آئے تو ہم اُس کے ہونے پر یقین کرلیں گے۔ ورنہ بغیر ظاہری آنکھوں سے دیکھے ہم اُس کے ہونے پر کس طرح یقین کرلیں۔ اِن لوگوں کا یہ خیال بوجوہات ذیل غلط ہے۔ اوّل:۔ یہ کہنا کہ دُنیا کی تمام چیزیں ظاہری آنکھوں سے نظر آتی ہیں اس لئے غلط ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آئیں لیکن اُن کے ہونے پر ہمیں یقین ہے۔ مثلاً:۔ ہوا۔ آواز۔ درد۔ لذّت۔ دوم:۔ یہ کہ دیکھنے کا لفظ صرف ظاہری آنکھوں سے دیکھنے پر ہی نہیں بولا جاتا بلکہ یقین کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور درحقیقت دیکھنا اِسی بات کا نام ہے کہ کسی چیز کے ہونے پر یقین آجائے۔ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا صرف یقین حاصل کرنے کا ذریعہ ہے مقصود نہیں۔ بلکہ بعض وقت ظاہری آنکھوں سے دیکھنے میں تو دھوکا بھی لگ جاتا ہے۔ مثلاً جس شخص کو سینما کی حقیقت کا پتہ نہ ہو وہ جب تصویروں کو دیکھے گا تو اُنہیں اصلی انسان اور اصلی چیزیں سمجھے گا۔ پھر ظاہری آنکھوں سے ستارے ایک پائی کے برابر نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بہت بڑے ہیں۔ سوم:۔ یہ کہ کسی چیز کے ہونے پر یقین کرنے کے لئے صرف آنکھوں سے ہی کام نہیں لیا جاتا بلکہ حسِّ بصر کے سوا باقی چار حواس سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً خوشبو اور بدبو کا عِلم ناک کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ آواز کا عِلم کان کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ گرمی اور سردی، سختی اور نرمی کا عِلم چھُونے کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ مٹھاس۔ کھٹاس۔ کڑواہٹ۔ نمکینی وغیرہ کا عِلم چکھنے سے ہوتا ہے۔ البتہ اِن چاروں حواس کے ساتھ حسِّ بصر بطور مددگار کے

کام کرتی ہے۔ مثلاً ناک سے گلاب کا پھول سونگھا تو آنکھوں نے اُس کے رنگ اور شکل اور بناوٹ کو دیکھا۔ ہاتھوں نے اُس کی نرمی کو معلوم کیا تب معلوم ہوا کہ یہ گلاب کا پھول ہے موتیا یا چنبیلی یا گیندے کا نہیں۔ کپڑے کو چھو کر اُس کا موٹا یا پتلا یا نرم ہونا معلوم کیا۔ آنکھوں نے اُس کا رنگ اور اُونی یا سُوتی ہونا بتلایا اور بعض چیزیں دُنیا میں ایسی ہیں کہ جن کے معلوم کرنے میں حواسِ خمسہ بلا واسطہ کام نہیں کرتے بلکہ بالواسطہ کام کرتے ہیں۔ مثلاً محبت۔ عداوت۔ غصہ۔ خوشی۔ غم۔ چنانچہ آنکھیں چہرہ کو دیکھکر بتائینگی کہ یہ شخص خوش ہے یا مغموم۔ خود غم ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آئیگا۔ غرض یہ خیال کہ خدا تعالےٰ ظاہری آنکھوں سے نظر آنا چاہئے غلط خیال ہے۔ البتہ خدا تعالےٰ کے ہونے پر یقین کرنے کے لئے ظاہری آنکھیں بطور مددگار اور واسطہ اور سبب کام دیتی ہیں یعنے خدا تعالےٰ کی مادی مصنوعات کو ظاہری آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے خدا تعالےٰ کی صفات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ پیچھے ثابت کیا گیا خدا تعالےٰ کی صفات کو دیکھنا خود خدا تعالیٰ کو دیکھنا ہے۔ ذات نہ انسان کی نظر آتی ہے نہ خدا تعالیٰ کی۔ پس اگر انسان کے جسم اور جسم کے افعال و صفات کو دیکھنا انسان کا دیکھنا ہے تو اس جہان کو اور اس جہان کی مادہ سے بنی ہوئی اشیاء اور اُن کی صفات اور افعال کو دیکھنا خدا تعالےٰ کو دیکھنا ہے۔ چنانچہ اسی لئے اِس جہان کا نام عالم ہے اور عالم اسم آلہ ہے جسکے معنے ہیں معلوم کرنے اور پہچاننے کا آلہ۔ پس اِس جہان کا نام عالم اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اِس کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ پہچانا جاتا ہے۔ دیکھو توضیح مرام صفحہ ۳۳۔

(۲۶) پچھلے صفحات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی صفات سے پہچانی جاتی ہے اور انسان کو بھی اپنے ہونے پر محض اپنی صفات کے مطالعہ سے ہی یقین آیا ہے۔ لہذا حدیث مندرجہ عنوان پیرگراف ۲۵ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کی روشنی اور ہدایت میں ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ انسان کی صفات کیا کیا ہیں۔ پھر تلاش کرکے دیکھنا چاہئے کہ کیا اسی قسم کی صفات انسان کی صفات کے علاوہ دُنیا میں پائی جاتی ہیں یا نہیں اگر پائی جاتی ہیں تو ہمیں اِس بات پر یقین کرنا ہوگا کہ انسان جیسی ایک اور ہستی بھی دُنیا میں ہے کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسلمہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوسکتی۔ اور اگر وہ صفات غیر محدود ہوں تو ہمیں یہ بھی یقین کرنا ہوگا کہ انسان کی نسبت وہ ہستی بہت بڑی ہے کیونکہ انسان اپنی صفات میں محدود ہے۔ پھر اگر ان صفات سے یہ بھی ثابت ہو کہ وہ خالق ہے دُنیا کی تمام چیزوں کا اور رب ہے ہر ایک مخلوق کا اور کامل ہے علم میں اور کامل ہے قدرت میں تو ہمیں یہ بھی یقین کرنا ہوگا کہ قرآن شریف نے جو ہستی پیش کی ہے یہ وہی ہستی ہے جس کا بعد تلاش ہمیں دیدار ہوا ہے۔ اور یہ کہ قرآن شریف نہایت سچی کتاب ہے اور مذہب اسلام بالکل سچا مذہب ہے کیونکہ ہم نے تلاش کرکے اُس ہستی کو دیکھ لیا جسے قرآن نے اور اسلام

نے پیش کیا ہے۔
(۲۷) اب ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان کی صفات کیا کیا ہیں۔ سو واضح ہو کہ انسان کی صفات حسب ذیل ہیں:۔ حیات۔ سمع۔ بصر۔ فعل۔ ارادہ۔ علم۔ قدرت۔ ربوبیت۔ خلق یعنے صنعت۔ حکمت۔ حکومت۔ رحم۔ مالکیت۔ تکلم۔ اب میں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی اِن صفات کے علاوہ بھی دُنیا میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں۔
(۲۸) سب سے پہلے مَیں صفتِ خلق یعنے صفتِ صُنعت کو لیتا ہوں۔ کیونکہ سب سے پہلے صفتِ صنعت کا ہی ظہور دُنیا میں ہوُا ہے اور اِسی صفتِ صُنعت سے ہی باقی تمام صفات کا علم انسان کو ہوُا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے خدا تعالےٰ نے اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کرنے کے لئے مادہ کو بنایا پھر مادہ سے باقی تمام چیزیں بنائیں۔ پھر انسان کو پیدا کیا اور اپنے پہچاننے کے لئے جس جس چیز کی اُسے ضرورت تھی اُسے عطا فرمائی۔ تب دُنیا کی اشیاء کی بناوٹ پر غور کرکے انسان کو خدا تعالےٰ کی تمام صفات کا علم ہوُا۔ یہاں تک کہ صفتِ تکلم کا علم بھی انسان کو صفتِ صُنعت کے ذریعہ سے ہوُا۔ مَیں آگے چل کر صفتِ تکلّم کے ثبوت میں اِس بات کا انشاء اللہ ثبوت دُوں گا کہ خدا تعالےٰ مصنوعات کے ذریعہ سے انسان کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اب مَیں ذیل میں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی اور جانوروں کی صفتِ صنعت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ صنعت پائی جاتی ہے۔

صفتِ صنعت کا ثبوت

انسان صانع ہے۔ یعنے اُس میں صفتِ صنعت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ میز۔ کرسی۔ چاکو۔ قینچی۔ کپڑا۔ دیا سلائی۔ موٹر۔ ہوائی جہاز وغیرہ اُس کی مصنوعات ہیں لیکن درخت اور اُس کے پتّے اور اُسکے پھُول اور اُس کے پھل انسان نہیں بناتا۔ جانوروں کو انسان نہیں بناتا۔ اپنا جسم انسان نہیں بناتا اپنے دانت نہیں بناتا۔ اپنے ناخن نہیں بناتا۔ اپنے بال نہیں بناتا۔ ماں کے پیٹ میں بچے کو انسان نہیں بناتا لیکن یہ چیزیں بن ضرور رہی ہیں۔ ہمارے سامنے بن رہی ہیں۔ لہذا ثابت ہوُا کہ انسان کی صفتِ صنعت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ صنعت پائی جاتی ہے۔ اور چونکہ بحکمِ علوم متعارفہ مسلّمہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوسکتی لہذا ثابت ہوُا کہ دُنیا میں انسان کے سوا بھی کوئی صانع ہے۔ اور چونکہ یہ صفت دُنیا میں غیر محدود طور پر پائی جاتی ہے اور سارے جہان پر حاوی ہے یعنے دُنیا کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اُس کی بنائی ہوئی نہ ہو یہاں تک کہ خود انسان بھی اُسی کا پیدا کردہ ہے۔ لہذا ثابت ہوُا کہ وہ

صانع یعنے اس صفت کا موصوف وہی ہستی ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔ اور جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ اور جس کا نام اُس نے اَللّٰہ بتایا ہے۔ اور جسے اُردو اور فارسی میں خدا کہتے ہیں۔ یہی وہ ہستی ہے جس کا ثابت کرنا اس مضمون کا موضوع ہے۔

(۲۹) واضح ہو کہ مصنوع کو دیکھکر صانع کے ہونے پر یقین ہو جانا عقل اور فلسفہ کے خلاف نہیں۔ کیا کوئی عقلمند کسی سلے ہوئے کپڑے کو یا لکھی ہوئی کتاب کو دیکھکر شک کر سکتا ہے کہ اس کپڑے کو کسی مُردے نے سیا ہے یا اس کتاب کو کسی مُردے نے لکھا ہے جو نہ زندگی رکھتا ہے نہ ارادہ رکھتا ہے نہ قدرت رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس دُنیا کی مصنوعات کو دیکھکر ہر شخص بشرطیکہ وہ پاگل نہ ہو یہی یقین کرے گا کہ اِن کا بنانے والا حیّ اور قادر اور صاحب ارادہ اور صاحب علم ہے۔ ایسے پاگلوں کا جواب جو سلے ہوئے کپڑے کی نسبت کہیں کہ اسے مُردے نے سیا ہے یعنے یہ خود بخود سِل گیا ہے اور کسی نے اِس کو سیا نہیں اِس مضمون کے آخر میں آتا ہے۔ انشاء اللہ۔

(۳۰) یہ بھی واضح ہو کہ انسان کے سوا بھی اِس دُنیا میں صانع پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بیا گھونسلا بناتا ہے۔ شہد کی مکھی شہد اور موم بناتی ہے۔ زرد بھڑ مصری بناتی ہے۔ سیپ کا کیڑا موتی بناتا ہے۔ مُونگے کا کیڑا مُونگا بناتا ہے۔ لاکھ کا کیڑا لاکھ بناتا ہے۔ ریشم کا کیڑا ریشم بناتا ہے۔ اور انسان بھی جیساکہ معلوم ہے بہت کچھ بناتا ہے لیکن یہ تمام صانع چونکہ خود مصنوع ہیں۔ اُن کے جسم بھی مصنوع ہیں۔ اُن کے اعضاء ظاہری اور باطنی بھی مصنوع ہیں۔ اُن کی ظاہری اور باطنی تمام طاقتیں بھی مصنوع ہیں۔ اور یہ سب محض مشینیں ہیں جن کا چلانے والا کوئی اور ہے۔ لہذا یہ حقیقی صانع نہیں کہلا سکتے اور اُس خدا کی برابری اور شریک ہونے کا دعوےٰ نہیں کر سکتے جو اِن کا خالق ہے اور ہر آن اِن کی پرورش کر رہا ہے اور اِن سب کا قیّوم یعنے اِن کو قائم رکھنے والا ہے۔ اور جو اپنی صفت صُنعت میں غیر محدود ہے۔ اس کے علاوہ یہ تمام جانور اپنی تمام عمر میں ایک دو مقررہ چیزیں ہی بناتے ہیں کوئی نئی چیز نہیں بناتے جس سے اُن کا اپنی صنعتوں میں محدود ہونا ظاہر ہے۔ اور یہی محدود ہونا اُنکے مصنوع اور مخلوق ہونے کی علامت ہے۔

(۳۱) اگرچہ انسان بھی بوجہ مخلوق ہونے کے محدود ہے اس لئے اس کی صُنعتیں بھی محدود ہیں لیکن بوجہ اشرف المخلوقات ہونے اور بوجہ خدا تعالےٰ کا مظہر ہونے اور اُس کے ساتھ کسی قدر مشابہت رکھنے کے دوسرے جانوروں کی نسبت وہ بہت زیادہ اور طرح طرح کی چیزیں بناتا ہے بلکہ جسقدر چیزیں بنا چکا ہے اُن کے علاوہ بھی مزید ایجادیں کرنے کا مدعی ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے انسان کو

دوسرے جانوروں پر عقل اور نطق اور نتائج نکالنے اور ایجاد کرنے کی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ دراصل خدا تعالےٰ نے انسان کو بوجہ اپنا مظہر ہونے اور بموجب حدیث قدسی کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ آدَمَ اپنی ہستی ثابت کرنے کے لئے ایک نمونہ بنایا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نمونہ یعنے ماڈل بہت چھوٹا ہوتا ہے اور مقصود اصلی کو پورا نہیں کر سکتا۔ جیسے لاہور کے عجائب خانہ میں جو بادشاہی مسجد کا ایک ماڈل گز ڈیڑھ گز کے قریب لمبا چوڑا رکھا ہوا ہے اُس میں جمعہ اور عید کی نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ البتہ اُس کو دیکھنے والا شاہی مسجد کو پہچان سکتا ہے۔ یہی صورت انسان کی اور خدا تعالےٰ کی ہے کہ انسان انسان کو دیکھکر خدا تعالےٰ کو پہچان سکتا ہے۔

(۳۲) مندرجہ بالا فضیلت کے سوا جو انسان کو جانوروں پر ہے خدا تعالےٰ نے انسان کو ایک خاص فضیلت بھی عطا فرمائی ہے جو اور کسی جانور کو نہیں۔ وہ یہ کہ انسان اگرچہ ازلی نہیں کیونکہ مخلوق ہے اور حادث ہے لیکن ابدی ضرور ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب کیمیائے سعادت کے پہلے صفحہ میں یہی لکھا ہے کہ:۔ "انسان اگرچہ ازلی نیست اما ابدی ہست"۔ خدا تعالےٰ نے ابدی ہونے کی صفت بھی انسان میں حدیث قدسی مندرجہ بالا کو پورا کرنے کے لئے ہی رکھی ہے۔ تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی باقی صفات تو اِسی دُنیا میں انسان کو نظر آجاتی ہیں لیکن خدا تعالےٰ کا ابدی ہونا انسان کو اِس دُنیا میں نظر نہیں آسکتا۔ کیونکہ دُنیا میں یہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ اِس کے معلوم ہونے کی یہی صورت ہے کہ جبکہ انسان بھی ابدی ہو اور خدا تعالےٰ کے ساتھ ساتھ چلتا رہے۔ اگر فنا ہوگیا تو حدیث مندرجہ بالا کا معا پورا نہ ہوگا کیونکہ اِس حدیث میں ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ خدا تعالےٰ پہچانا جائے۔ پس جبکہ خدا تعالےٰ کی ننانویں ۹۹ صفات میں سے ایک صفت بھی پوشیدہ رہی تو ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کو کامل طور پر انسان نے نہ پہچانا۔ اور نہ انسان کو ہی اپنے پیدا ہونے کا کچھ فائدہ حاصل ہوا۔ عدم سے آیا اور عدم میں چلا گیا۔ درمیانی زمانہ کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا۔ اور جیسا کہ اِس مضمون کے ابتدائی اوراق میں ثابت کیا گیا انسان کی حقیقی خوشی تو اِسی میں ہے کہ اُسے ابدی اور دائمی جنت ملے لیکن اگر اُسے دائمی جنت اور دائمی خوشی نہ ملی تو اُسے اپنے پیدا ہونے کا کیا فائدہ ہوا۔ چندروزہ جنت تو اس دُنیا میں دہریوں اور لامذہبوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے پھر ایمان لانے کا کیا فائدہ ہوا اور انبیاءؑ کے آنے کا کیا فائدہ ہوا اور مذہب کا کیا فائدہ ہوا۔ غرض از روئے مذہب اسلام و فطرتِ انسانی انسان کا ابدی ہونا ضروری ہے۔ اِسی لئے قرآن شریف میں ہے وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اور عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۔ لہٰذا مرنے کا نتیجہ معدوم ہونا نہیں بلکہ صرف نقل مکان ہے۔

(۴۳) ذیل میں مَیں خدا تعالیٰ کی چند اور صنعتیں سعدیؒ کے اشعار میں پیش کر کے صفتِ صُنعت کے بیان کو ختم کرتا ہوں کیونکہ بغیر محدود صنعتوں کا شمار کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ سعدیؒ کے اشعار حسب ذیل ہیں جو نہایت مزیدار ہیں ؎

قدیمے نکوکار نیکی پسند | بکلکِ قضا در رحم نقشبند
زابر افگند قطرۂ سوئے یم | ز صُلب آورد نطفۂ در شکم
ازاں قطرہ لولوئے لالا کند | وزیں صورتے سروِ بالا کند
دہد نطفہ را صورتے چوں پری | کہ کردست بر آب صورتگری
نگارندۂ کودک اندر شکم | نویسندۂ عمر و روزیست ہم
زمیں از تپ لرزہ آمد ستوہ | فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ
ز مشرق بہ مغرب مہ و آفتاب | رواں کرد و گسترد گیتی بر آب

صفتِ ربوبیّت کا ثبوت

(۴۴) دوسرے نمبر پر مَیں صفتِ ربوبیّت کو لیتا ہوں۔ کیونکہ جس آن صفتِ خلق اپنا کام کرتی ہے اُسی آن صفتِ ربوبیّت بھی اپنا کام کرتی ہے۔ وجہ یہ کہ کوئی مخلوق اور مصنوع چیز بغیر ربوبیّت کے قائم نہیں رہ سکتی۔ پس ان دونوں صفات کے ظہور میں کوئی پس و پیش نہیں۔ دونوں کے ظہور کا وقت ایک ہی ہے۔ اب مَیں ذیل میں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی اور جانوروں کی صفتِ ربوبیّت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ ربوبیّت پائی جاتی ہے۔

(۴۵) انسان ربّ ہے کیونکہ اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے اور جس جس چیز کی اُسے ضرورت ہوتی ہے اُنہیں دیتا ہے۔ بغرض انسان میں صفتِ ربوبیّت پائی جاتی ہے۔ اب اگر دُنیا میں انسان کی صفتِ ربوبیّت کے سوا بھی صفتِ ربوبیت پائی جائے تو یقین کرنا ہوگا کہ دُنیا میں انسان کے سوا بھی ایک ربّ ہے۔ اور یہ یقین اس لئے کرنا ہوگا کہ بحکم علوم متعارفہ مسلّمہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتی۔ اور اگر دُنیا میں یہ صفت غیر محدود طور پر پائی جائے تو اِس صفت کا موصوف وہی ہستی ہوگی جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔ اب مَیں ذیل میں اُس ہستی کے ربّ ہونے کا ثبوت دیتا ہوں۔

پہلا ثبوت۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کی چھاتیوں میں دُودھ پیدا ہو جاتا ہے اِس سے پہلے نہیں ہوتا۔ اِس دُودھ کو ماں نہیں بناتی بلکہ وہی بناتا ہے جس نے ماں کے پیٹ میں بچے کو بنایا اور جو

جانتا ہے کہ بچے کو پیدا ہوتے ہی دُودھ جیسی غذا کی ضرورت ہوگی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ صانع جس نے ماں کے پیٹ میں بچے کو بنایا رب بھی ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ ماں کے پیٹ میں بھی وہ صانع اُس بچے کی ربوبیت کرتا تھا۔ تشریح اسکی یوں ہے کہ حمل ہونے کے بعد رحم کی دیوار کیساتھ بچے کیلئے غذا کا ایک برتن چپکا دیا جاتا ہے جسے آنول کہتے ہیں۔ اِس آنول سے ایک نال نکلتی ہے جس کا دوسرا سرا بچے کی ناف میں لگا دیا جاتا ہے اُس نال میں دو نالیاں ہوتی ہیں۔ ایک نالی سے تازہ خون آنول میں سے ہو کر بچے کے پیٹ میں جاتا ہے اور بچے کے تمام بدن میں رگوں کے ذریعہ سے گردش کر کے اور غذا کا حصہ پہنچا کر دوسری نالی کے ذریعہ سے واپس آنول میں سے ہو کر ماں کے خون کے اثر سے صاف ہوتا ہے۔ نو ماہ تک یہ فعل یا یوں کہو کہ یہ ربوبیت ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ ربوبیت بجائے دودھ کے خون سے ہوتی ہے۔ اور ماں کے پیٹ کے اندر ہوتی ہے۔ غرض بچے کی ربوبیت کرنیوالا انسان کے سوا کوئی اور ہے۔ اور یہ وہی ہے جسے خدا کہتے ہیں۔

دوسرا ثبوت:۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں درختوں کے ذریعہ سے جانوروں کی اور انسانوں کی پرورش ہو رہی ہے۔ درختوں کو جانوروں کے مناسب حال بھی پھل لگتے ہیں اور انسانوں کے مناسب حال بھی پھل لگتے ہیں۔ اِن پھلوں کو حلوائے بے دُود کہتے ہیں۔ اِنکو بے دُود اسلئے کہتے ہیں کہ یہ آگ پر نہیں پکائے جاتے اور آگ میں دُھواں ہوتا ہے۔ تمام میووں میں سے کیلے کو حلوائے بے دُود کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ حلوے سے مشابہت رکھتا ہے۔ اِسکے علاوہ آگ پر پکا کر کھانے کے لئے بھی طرح طرح کے غلّے اور ترکاریاں اور دوسری چیزیں درختوں کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

تیسرا ثبوت:۔ درختوں کے علاوہ اور جس قدر بھی چیزیں دُنیا میں ہیں اُن سب کے ذریعہ سے جانداروں کی پرورش ہو رہی ہے۔ مثلاً سُورج۔ چاند۔ زمین۔ ہوا۔ پانی وغیرہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں رب نہیں کیونکہ نہ اِن میں جان ہے نہ سمجھ ہے نہ شعور ہے نہ مرضی ہے نہ ارادہ ہے۔ رب وہی ہو سکتا ہے جو اپنے ارادے اور مرضی سے دوسرے کی پرورش کرے۔ چنانچہ دُنیا میں جو ربوبیت ہو رہی ہے اُسمیں ارادہ اور مرضی پائی جاتی ہے ثبوت یہ ہے کہ جس طرح کا کوئی جانور ہوتا ہے اسکو اُسی طرح کا رزق پہنچتا ہے۔ جسکی خوراک گوشت ہے اُسے گوشت اور جسکی خوراک مچھلی ہے اُسے مچھلی اور جسکی خوراک شکر ہے اُسے شکر۔ پھر جو چل پھر نہیں سکتے تو اُنکو کمانا بھی نہیں پڑتا بلکہ اُن کا رزق آپ اُن تک دَوڑ کر آتا ہے۔ چنانچہ درختوں کو دیکھو چل پھر نہیں سکتے لیکن بذریعہ کشش اثابیب شعری درخت کے ہر ایک پتے کو پانی پہنچتا ہے اور ہوا کاربانک ایسڈ گیس کو لیکر خود اُنکے پاس آتی ہے۔ بچے کو ماں کی چھاتیوں سے دُودھ ملتا ہے اور جسقدر پتلے پن اور مٹھاس کی ضرورت ہوتی ہے اُس میں ہوتا ہے۔ اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ تمام جانداروں کا پالنے والا ارادہ اور مرضی رکھتا ہے اور اُنکی ربوبیت میں اپنی مرضی اور ارادہ سے کام لیتا ہے۔ غرض دُنیا میں انسان

کی نسبت زیادہ اور بہت بڑے پیمانہ پر ہم صفتِ ربوبیت کو کام کرتا دیکھ رہے ہیں۔ اور اس صفت کا سوائے اُس ہستی کے اور کوئی موصوف نہیں ہو سکتا جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔ ورنہ ثابت کیا جائے کہ اُسکے سوا اس عالمگیر صفت کا اور کون موصوف ہے؟ جو بھی اس عالمگیر صفت کا موصوف ہوگا اُسی کا نام مذہب اسلام نے اَللّٰہ بتایا ہے۔

صفتِ علم کا ثبوت

(۳۶) اب مَیں ذیل میں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی صفتِ علم کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ علم پائی جاتی ہے:-

انسان عالم ہے۔ یعنے اُس میں صفتِ علم پائی جاتی ہے۔ مثلاً وہ جانتا ہے کہ میز ایک ٹانگ پر یا دو ٹانگوں پر کھڑی نہیں رہ سکتی اسلئے وہ اُسکی تین یا چار ٹانگیں بناتا ہے۔ اور مثلاً وہ اِس بات کا علم رکھتا ہے کہ دُنیا میں سردی کا موسم گرمی کا موسم اور بارشوں کا موسم ہوا کرتا ہے اسلئے ان سے محفوظ رہنے کیلئے مکان بناتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اگر انسان کی اس صفتِ علم کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ علم پائی جائے تو یقین کرنا ہوگا کہ اِس صفت کا موصوف انسان کے سوا کوئی اور ہے کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسئلہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتی۔ اب مَیں ثابت کرتا ہوں کہ انسان کی صفتِ علم کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ علم پائی جاتی ہے۔ اور چونکہ وہ صفت غیر محدود ہے لہذا اس صفت کا موصوف وہی ہستی ہے جو مذہب اسلام نے پیش کی ہے۔ ثبوت یہ ہے:-

(۳۷) ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ پیٹ میں بنتا ہے کیونکہ شادی سے پہلے پیٹ میں کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن شادی کے بعد پیٹ بڑھنا شروع ہوتا ہے اور نو ماہ بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض پیٹ کے اندر نو ماہ تک ایک صنعت کا ہونا یقیناً ثابت ہے۔ اس بچے کو ماں نہیں بناتی۔ باپ بھی نہیں بناتا لیکن بنتا ضرور ہے۔ بس اِسکا بنانیوالا ضرور ہونا چاہئے کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسئلہ ہے صنعت بغیر صانع نہیں ہو سکتی۔ اب مَیں ثابت کرتا ہوں کہ وہ صانع جو بچے کو بناتا ہے صفتِ علم رکھتا ہے چنانچہ اُس صانع کو اِس بات کا علم ہے کہ اِس بچے کو پیدا ہونیکے بعد روشنی سے کام لینا پڑیگا اسی لئے وہ پیٹ میں اُسکی آنکھیں بناتا ہے ورنہ آنکھیں بنانیکی کیا ضرورت تھی۔ پھر اُس صانع کو اس بات کا علم ہے کہ سُورج زمین سے اتنی دُور ہے اور اتنا بڑا ہے اور اُسکی روشنی کی طاقت اس قدر ہے تبھی تو وہ بچے کی آنکھیں اُس اندازے کی بناتا ہے کہ سورج کی روشنی اور آنکھوں کی قوتِ بینائی میں پُوری پُوری مطابقت ہو۔ آنکھیں نہ اتنی بڑی اور نہ اتنی زیادہ طاقت کی ہوں کہ سُورج کی روشنی اُنہیں کافی نہ ہو سکے۔ اور نہ اتنی چھوٹی اور کم طاقت کی ہوں کہ روشنی کی زیادتی کی وجہ سے چُندھیا جائیں اور کچھ نظر ہی نہ آئے۔ غرض پیٹ میں بچے کے بنانیوالا آنکھوں کی حقیقت کو بھی پُوری طرح جانتا ہے اور سورج کی حقیقت کو بھی پُوری طرح جانتا ہے۔ اور آنکھوں کی بناوٹ کا سُورج کی بناوٹ سے موافق ہونا اُسکی صفتِ علم کو ظاہر کرتا ہے۔ پس جبکہ صفتِ علم پائی گئی تو بحکم علوم متعارفہ مسئلہ اس صفت کے موصوف کا ہونا بھی یقینی ہے اور وہ موصوف وہی ہو سکتا ہے جسکی

صفتِ علم غیر محدود ہو۔ مذہب اسلام نے ایسی ہی ہستی پیش کی ہے۔ پھر اُس صانع کو اس بات کا علم ہے کہ پیدا ہونیکے بعد بچے کو آواز سُننے کیلئے کانوں کی ضرورت ہوگی۔ تبھی تو وہ بچے کے کان بناتا ہے۔ ورنہ کانوں کے بنانیکی کیا ضرورت تھی۔ پھر اُس صانع کو اس بات کا علم ہے کہ آواز ہوا کی لہروں کے ذریعہ سے کان میں پہنچا کرتی ہے تبھی تو وہ کانوں کے پردے ایسے بناتا ہے کہ ان آواز کو سُن سکیں۔ پھر بچے کے صانع کو اس بات کا علم ہے کہ اس بچے کو چل پھر کر اپنا رزق حاصل کرنا ہوگا اسی لئے وہ اُس بچے کی ٹانگیں اور پَیر بناتا ہے۔ پھر اُس بچے کے صانع کو اس بات کا علم ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس بچے کو کام کرنے اور کھانا کھانے کیلئے ہاتھوں کی ضرورت ہوگی تبھی تو وہ اُس بچے کے ہاتھ بناتا ہے۔ پھر اُس بچے کے صانع کو اس بات کا بھی علم ہے کہ زندگی کا مدار ہوا پر ہے اسی لئے وہ سانس لینے کیلئے بچے کی ناک اور پھیپھڑے بناتا ہے۔ پھر اُس بچے کے صانع کو اس بات کا علم ہے کہ پیدا ہونے کے بعد دودھ پینے اور کھانا کھانے اور پانی پینے اور باتیں کرنیکی بھی ضرورت ہوگی اسلئے وہ پیٹ کے اندر ہی بچے کی زبان اور ہونٹ اور حلق اور حلق کے پردے اور دانت اور مسوڑے اور تھوک کے پیدا ہونے کیلئے منہ میں کئی غدود اور تالو اور جبڑے غرض منہ کے اندر کی تمام وہ چیزیں جنکی بچے کو بعد پیدا ہونیکے ضرورت پڑیگی بناتا ہے۔ پھر اُس بچے کے صانع کو اس بات کا علم ہے کہ پیدا ہونیکے بعد اس بچے کو پاخانہ پھرنے اور پیشاب کرنیکی ضرورت ہوگی تبھی تو وہ بچے کے پیدا ہونیسے پہلے پیٹ کے اندر ہی بچے کے پاخانہ اور پیشاب کے سُوراخ بناتا ہے ورنہ ان سُوراخوں کے بنانیکی کیا ضرورت تھی۔

(۲۸) غرض اگر صرف بچے کے جسم کی بناوٹ کے متعلق ہی اُس صانع کے علم کی وسعت کو دیکھا جائے تو احاطہ میں نہیں آسکتی۔ بجائیکہ دُنیا کی دوسری چیزوں کے متعلق اُسکے علم کا اندازہ کیا جائے۔ پس جبکہ ثابت ہوا کہ بچے کے صانع کا علم غیر محدود ہے تو معلوم ہوا کہ یہ صانع وہی خدا ہے جو اس جہان کا صانع ہے اور جسے مذہب اسلام نے علیم کے نام سے پیش کیا ہے۔ جس کے معنے ہیں غیر محدود طور پر جاننے والا۔

(۲۹) اسی طرح اگر ایک بہت بڑے درخت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے بنانیوالے کو اس بات کا علم تھا کہ دُنیا میں آندھیاں بھی چلا کرتی ہیں لہذا اُس نے اُسکی جڑوں کو زمین کے اندر چاروں طرف دُور دُور تک پھیلا دیا تاکہ آندھی کے صدمہ سے گر نہ جائے اور آندھی کا مقابلہ کرے۔ اور اسے یہ بھی علم تھا کہ زمین کے نچلے طبقہ میں پانی ہے پس بعض جڑوں کو اُس پانی تک پہنچا دیا تاکہ درخت وہاں سے پانی حاصل کرسکے۔ غرض دُنیا کی جس چیز کو بھی غور سے دیکھا جائے تو اُس میں خدا تعالیٰ کی صفتِ علم جلوہ نما ہے۔ اور چونکہ اس صفتِ علم کا سلسلہ لاانتہا ہے لہذا ثابت ہوا کہ اس صفت کے موصوف کا علم بھی غیر محدود ہے اور یہی وہ موصوف ہے جسے قرآن شریف نے علیم کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یعنے بہت زیادہ جاننے والا۔

اب میں صفتِ قدرت کو لیتا ہوں :۔

صفتِ قُدرت کا ثبوت

انسان قادر ہے ۔ موٹر بنانے کیلئے جس جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اُسے مہیا کرتا ہے ۔ مثلاً لوہا لکڑی ۔ ربڑ تیل کپڑا وغیرہ ۔ اگر قادر نہ ہوتا تو یہ چیزیں مہیا نہ کرسکتا لیکن اگر انسان کی اِس صفتِ قدرت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ قدرت پائی جائے تو یقین کرنا ہوگا کہ اِس صفت کا کوئی موصوف ضرور ہے کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسلمہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوسکتی ۔ اب مَیں ثابت کرتا ہوں کہ انسان اور جانوروں کی صفتِ قدرت کے سوا بھی دُنیا میں صفتِ قدرت پائی جاتی ہے ۔

واضح ہو کہ درخت کے بنانے کیلئے کاربن ۔ آکسیجن ۔ نائٹروجن ۔ ہیڈروجن ۔ سوڈیم ۔ پوٹاسیم وغیرہ کی ضرورت تھی ۔ اِسکے بنانیوالے نے یہ سب چیزیں مہیا کیں ۔ اگر قادر نہ ہوتا تو وہ یہ چیزیں مہیا نہ کرسکتا ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ درخت کا بنانیوالا انسان نہیں ۔ درخت کے علاوہ جس چیز کو بھی دیکھا جائے تو اُس میں صفتِ قُدرت کام کرتی ہوئی نظر آرہی ہے پس اِس صفتِ قُدرت کا موصوف ضرور ہونا چاہیئے کیونکہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوا کرتی ۔ اور چونکہ یہ صفتِ قُدرت غیر محدود طور پر دُنیا میں پائی جاتی ہے لہذا اِس کا موصوف وہی ہستی ہے جسے مذہب اسلام نے لفظ قدیر سے پیش کیا ہے جسکے معنے ہیں غیر محدود طور پر قادر ۔ اور جس کا نام مذہب اسلام نے اَللّٰہ بتایا ہے ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ کا بھی یہی مطلب ہے ۔ کہ خدا تعالیٰ اپنی تمام صفات میں غیر محدود ہے ۔ اب مَیں صفتِ بصر کو لیتا ہوں اور ثابت کرتا ہوں کہ انسان اور جانوروں کی صفتِ بصارت کے علاوہ بھی دُنیا میں صفتِ بصارت پائی جاتی ہے اور اِس صفت کا موصوف وہی خدا ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے ۔

صفتِ بصر کا ثبوت

انسان میں دیکھنے کی صفت ہے ۔ اور پیچھے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ انسان مخلوق ہے اور اِس کا ایک خالق ہے اسلئے اُس نے اپنی آنکھیں اور قوتِ بینائی آپ نہیں بنائی بلکہ یہ دونوں چیزیں اُسکے خالق اور صانع نے بنائی ہیں ۔ اب یہ بات یقینی ہے کہ اُسکے خالق میں بھی دیکھنے کی صفت ہے ۔ دلیل اِسپر یہ ہے کہ اگر اُسکا خالق دیکھنے والا نہ ہوتا اور اُسے علم نہ ہوتا کہ قوتِ بینائی کیا شے ہے اور اُسکی حقیقت کیا ہے تو وہ ہرگز انسان کی آنکھیں اور آنکھوں کے پردے اور رطوبتیں نہ بناتا اور نہ اُسے قُوتِ بینائی نہ دے سکتا ۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کا خالق یقیناً دیکھنے والا ہے اور یہی وہ ہستی ہے جس نے انسان کے سوا جانوروں کی بھی آنکھیں بنائیں اور اُنہیں قُوتِ بینائی عطا فرمائی کیونکہ جانوروں نے اپنی آنکھیں اور قُوتِ بینائی آپ نہیں بنائی ۔ مندرجہ بالا بیان سے دُنیا میں انسان اور جانوروں کی صفتِ بصر کے علاوہ بھی صفتِ بصر کا ہونا ثابت ہوگیا اور اُس صفتِ بصر کا غیر محدود ہونا بھی ثابت ہوگیا اور اِس غیر محدود صفتِ بصر کا موصوف بھی ثابت ہوگیا ۔ یہی وہ موصوف ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا اور جسے خدا کہتے ہیں ۔

دوسرا ثبوت:۔ اِس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کوئی چیز بغیر دیکھے نہیں بن سکتی اور اِس بات کا ثبوت پیچھے دیا گیا ہے کہ اِس جہان کا بنانیوالا خدا تعالیٰ ہے۔ پس ثابت ہؤا کہ خدا تعالیٰ دیکھتا ہے۔ اگر وہ دیکھنے والا نہیں اور صفت بصارت نہیں رکھتا تو اُس نے بغیر دیکھے یہ سارا جہان اور ما فیہا کس طرح بنا لیا؟ کیا اعمٰی اور بصیر برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں پس یقیناً ثابت ہؤا کہ خدا تعالےٰ دیکھتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی صفتِ بصارت کے غیر محدود ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ جس آن خدا تعالیٰ ایک چیز ایک مقام پر بناتا ہے تو اُسی آن وہ اُس مقام سے ہزارہا میل دُور دوسری چیز بنا رہا ہوتا ہے پس ثابت ہؤا کہ خدا تعالیٰ ایک ہی آن میں سارے جہان کی چیزوں کو دیکھتا ہے لیکن انسان میں یہ بات نہیں۔ وہ جس چیز کو دیکھ رہا ہوتا ہے تو اُسے اُس چیز کے سوا دوسری کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

ایک اور فرق خدا تعالیٰ کی صفتِ بصارت اور انسان کی صفتِ بصارت میں یہ ہے کہ انسان تو آنکھوں کے ذریعہ اشیاء کے صرف ظاہر کو دیکھتا ہے لیکن خدا تعالیٰ اشیاء کے ظاہر اور باطن دونوں کو ایک ہی آن میں دیکھتا ہے چنانچہ بچہ جو ماں کے پیٹ کے اندر بنتا ہے انسان کو نظر نہیں آتا اور اُسے صرف ماں کا پیٹ ہی نظر آتا ہے لیکن خدا تعالیٰ ایک ہی آن میں ماں کے پیٹ کو بھی دیکھتا ہے اور پیٹ کے اندر فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ بچے کو بھی دیکھتا ہے۔ جبھی تو وہ اُسے پیٹ کے اندر بناتا ہے۔ اب میں صفتِ سمع کو لیتا ہوں:۔

صفت سمع کا ثبوت

انسان میں سُننے کی صفت ہے اور پیچھے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ انسان مخلوق ہے اور اُس کا ایک خالق ہے اب یہ بات ضروری ہے کہ اُسکے خالق میں بھی سُننے کی صفت ہو کیونکہ اگر وہ سُننے والا نہ ہوتا اور اُسے قوتِ سمع کی حقیقت کا علم نہ ہوتا یعنے اُسے معلوم نہ ہوتا کہ سُننا کیا چیز ہے اور آواز کس طرح سُنائی دیتی ہے تو وہ انسان کے کان کس طرح بناتا اور انسان کو سُننے کی قوت کس طرح دیتا۔ پس ثابت ہؤا کہ انسان کا خالق یقیناً سُننے والا ہے اور یہی وہ خالق ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے اور یہی وہ ہستی ہے جسے خدا کہتے ہیں۔

دُنیا میں ہر جاندار کی آواز الگ الگ ہوتی ہے کسی کی موٹی کسی کی باریک کسی کی میٹھی اور سریلی اور کسی کی سمع خراش۔ انسانوں میں بعض کا لحن داؤدی ہے اور بعض کی آواز اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ کی مصداق بعض پرندوں کی آواز نہایت لذیذ ہوتی ہے اور بعض کی کرخت۔ اس اختلاف سے ثابت ہؤا کہ خدا تعالیٰ کو جو تمام جانداروں کا خالق ہے آواز کی کیفیت کا پورا پورا علم ہے جبھی تو اُس نے ہر جاندار کی آواز الگ الگ بنائی۔ اگر اُسے آواز کی حقیقت اور کیفیت کا علم نہ ہوتا تو وہ کس طرح ہر ایک جاندار کی آواز کو الگ الگ بناتا۔ حلق کے پردوں کی بناوٹ سے ظاہر ہے کہ جس طرح ستار بجانیوالا ستار کی ہر ایک تار کو ہلا ہلا کر اُسکی بناوٹ کو اپنی مرضی کے مطابق کر لیتا ہے اِسی طرح خدا تعالیٰ نے ہر ایک جاندار کے حلق کے

پردوں کی بناوٹ اور بناوٹ کو اپنی مرضی کے مطابق رکھا ہے تاکہ اُمیں سے ویسی ہی آواز نکلے جیسی کہ وہ چاہتا ہے۔ اور یہ کام بغیر آواز کو سُننے اور اُسکی حقیقت اور کیفیت کو جاننے کے ناممکن ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ انسانوں کی اور جانوروں کی آواز کو سُنتا ہے اور آواز کی حقیقت اور کیفیت کو کامل طور پر جانتا ہے۔ کیونکہ وہ اِس جہان کا اور اِس جہان کی ہر ایک چیز کا خالق ہے جیسا کہ پیچھے صفتِ صنعت کے بیان میں ثابت کیا گیا اسلئے وہ انسانوں اور جانوروں کی آواز کے سوا دوسری ہر قسم کی آواز کو بھی سُنتا ہے اور اسی لئے قرآن شریف نے اُسے سمیع کے نام سے پیش کیا ہے یعنے ایک ہی آن میں ہر قسم کی آواز کو اور ہر جگہ کی آواز کو سُننے والا۔ لہذا وہ غیر محدود طور پر سُننے والا ثابت ہوا اگر انسان دُنیا کی تمام آوازوں کو ایک ہی وقت میں نہیں سُن سکتا۔

خدا تعالیٰ کے سمیع ہونیکی ایک نہایت زبردست دلیل میں صفتِ تکلّم کے ثبوت میں انشاءاللہ دونگا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان جب خدا تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اُس سے سوال کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسکے پکارنے کا جواب دیتا ہے اور اُسکے سوال کو قبول کر کے اُسکی مراد اُسے عطا فرماتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا سمیع ہونا کامل طور پر ثابت ہوجاتا ہے۔ اِس دعویٰ کا ثبوت بھی انشاءاللہ وہیں دیا جائے گا۔

صفتِ ارادہ اور صفتِ حکمت کا ثبوت اور گذشتہ صفات کا مزید ثبوت

سڑک پر چلتے چلتے اگر ہم کچھ بکھرے ہوئے پیسے دیکھیں تو خیال آئیگا کہ کسی راہگیر کی جیب میں سُوراخ تھا اُس میں سے نکلکر گر پڑے ہیں۔ کیونکہ اُن پیسوں کے پڑے ہونے میں ترتیب نہیں۔ لیکن بجائے بکھرے ہوئے ہونیکے اگر پیسے سولہ سولہ کی تعداد میں ڈھیریوں کی شکل میں اور ایک دائرہ کی صورت میں رکھے ہوئے ہوں تو ہرگز یہ خیال نہیں آئیگا کہ جیب میں سُوراخ تھا بلکہ یہ خیال آئیگا کہ کسی نے دانستہ اور ارادتاً ایسا کیا ہے کیونکہ ان میں ترتیب پائی جاتی ہے۔ اِس مثال سے ثابت ہوا کہ ترتیب مرتّب کو چاہتی ہے یعنے جس چیز کی بناوٹ میں ترتیب ہوگی اُسکا مرتّب ضرور ہوگا۔

اب دُنیا کی کوئی چیز بھی لیلو اُس میں ترتیب پائی جائیگی جس کا ثبوت آگے آتا ہے انشاءاللہ۔ اور چونکہ ترتیب دینا صفت ہے اسلئے بحکم علومِ متعارفہ مسلّمہ کہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا ناممکن ہے اِس صفت کا موصوف ضرور ہونا چاہئے۔ پس ثابت ہوا کہ اِس جہان کا ایک مرتّب ضرور ہے اور اُسی کا نام خدا ہے۔ کیونکہ موصوف بغیر نام کے نہیں ہوا کرتا۔ اور چونکہ ترتیب دینے کا فعل بغیر علم اور قدرت اور ارادہ اور حکمت اور عقلمندی کے ناممکن ہے لہذا ثابت ہوا کہ وہ مرتّب علیم بھی ہے اور قادر بھی ہے اور مرید بھی ہے اور حکیم بھی ہے اور عقلمند بھی ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ عقلمندی کا کام تو ہو لیکن عقلمند کوئی نہ ہو حکمت تو پائی جاتی ہو لیکن حکیم کوئی نہ ہو۔ ارادہ تو پایا جاتا ہو لیکن مرید کوئی نہ ہو۔ قدرت تو پائی جاتی ہو لیکن قادر کوئی نہ ہو علم تو پایا جاتا ہو لیکن عالم کوئی نہ ہو۔ اور چونکہ یہ تمام صفات سارے جہان کے متعلق ہیں اور اِس جہان کے نہ ابتدا کا پتہ ہے اور نہ انتہا کا لہذا یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ تمام صفات غیر محدود

ہیں اور مذہب اسلام نے ایسی ہی ہستی پیش کی ہے جس کی صفات غیر محدود ہیں۔

اب میں بطور نمونہ دُنیا کی چند چیزیں جو انسان یا کسی جانور کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ کسی اور ہستی کی بنائی ہوئی ہیں پیش کر کے ثابت کرتا ہوں کہ اُنکی بناوٹ میں مندرجہ بالا صفتِ علم اور صفتِ قُدرت اور صفتِ حکمت اور صفتِ ارادہ پائی جاتی ہے سب سے پہلے میں اُونٹ کو لیتا ہوں کیونکہ قرآن شریف نے منجملہ اور اشیاء کے اونٹ کو بھی پیش کیا ہے۔ پس اگر اسکی بناوٹ میں مندرجہ بالا صفات پائی جائیں تو ثابت ہو جائیگا کہ ان صفات کا کوئی موصوف ضرور ہے کیونکہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتی۔ اور وہ موصوف انسان اور جانور کے سوا کوئی اور ہوگا کیونکہ اونٹ کا صانع انسان اور جانور نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ اِس بارے میں قرآن شریف کی آیت یہ ہے:۔ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ۔ اب ذیل میں اونٹ کی بناوٹ کی تھوڑی سی تشریح کی جاتی ہے۔

اونٹ کی بناوٹ کو دیکھکر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور ارادتاً باربرداری انسان کیلئے اور خاصکر ریگستانی ملکوں میں جہاں منزلوں ریت ہی ریت ہوتی ہے اور پانی اور چارہ کم ہوتا ہے سفر کرنے کیلئے بنایا گیا ہے کیونکہ منزلوں بغیر پانی پئے اور چارہ کھائے چلا جاتا ہے اور ریت میں اسکا پیر نہیں دھنستا۔ ذیل میں ان تینوں امور کی وجہ بتائی جاتی ہے۔

بغیر پانی پئے منزلوں چلے جانیکی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کے پیٹ میں ایک فالتو تھیلی ہوتی ہے۔ منزل پر اونٹ اپنی پیاس بجھانے کے بعد فالتو پانی اُس تھیلی میں بھر لیتا ہے اور ریگستان کے سفر میں جب اُسے پانی نہیں ملتا تو اُس تھیلی میں سے بقدر ضرورت پانی لیکر پی لیتا ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ اونٹ کے بنانیوالے کو اِس بات کا علم تھا کہ ریگستان میں پانی کم ہوتا ہے اور اونٹ کو جو خاص طور پر ریگستان میں سفر کرنے کیلئے بنایا گیا ہے پانی کی ضرورت پڑیگی اسلئے اُس نے پانی کے ذخیرہ کیلئے اونٹ کے پیٹ میں ایک فالتو تھیلی بنادی تاکہ بوقت ضرورت اِس تھیلی میں سے پانی لے لیا کرے اسکے علاوہ اُسے یہ بھی علم تھا کہ دُنیا میں ریگستان بھی ہوتے ہیں اور ریگستانوں میں لوگوں کو سفر کرنیکی بھی ضرورت ہوگی اسلئے انکو اونٹ جیسے جانور کی ضرورت پڑیگی۔ اِس تمام بیان سے اونٹ کے بنانیوالے میں صفتِ علم کے علاوہ صفتِ ارادہ اور صفتِ قُدرت کا ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ بغیر ارادہ اور بغیر قُدرت کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اونٹ کے پیٹ میں ایک فالتو تھیلی کا ہونا بغیر ارادہ کے نہیں ہو سکتا اور اگر قدرت نہ ہو تو تھیلی بن بھی نہیں سکتی۔ صفتِ ارادہ اور صفتِ قُدرت کے علاوہ صفتِ ربوبیت اور رحم اور شفقت کا ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ پیاس کی تکلیف کو دُور کرنے کیلئے اونٹ کے پیٹ میں پانی کی فالتو تھیلی کا بنادینا سراسر رحم اور شفقت اور ربوبیت ہے پس جبکہ صفات ثابت ہیں تو انکے موصوف کا ہونا بھی ضروری ہے۔

بغیر چارہ کھائے اونٹ کا منزلوں کو طے کرنیکی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کی پیٹھ پر جو کوہان ہے وہ دراصل چربی کا ایک پنڈا ہے جو بطور غذا کے ذخیرہ کے ہے اور چارہ کے نہ ملنے کے وقت غذا کا کام دیتا ہے اور خود بخود پگھل کر جسم کا بَدَلِ مَا يَتَحَلَّلُ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بھی اِس بات کی علامت ہے کہ یہ جانور ریگستان میں سفر کرنے کیلئے بنایا گیا ہے کیونکہ ریگستان میں جس طرح پانی کم ملتا ہے چارہ بھی کم ملتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اونٹ کے بنانیوالے کو اِس بات کا علم تھا کہ ریگستان میں چونکہ چارہ کی کمی ہوتی ہے اسلئے اُس نے

ارادہ کیا کہ اونٹ کے چارہ کا ذخیرہ اونٹ کے جسم کے اندر ہی رکھ دیا جاوے۔ سو اُس نے فالتو چربی کوہان کی شکل میں اونٹ کی پیٹھ پر رکھ دی جو چارہ نہ ملنے کے وقت غذا کا کام دیتی ہے۔ یہاں سے بھی صفتِ علم و ارادہ کے علاوہ صفتِ قدرت و ربوبیت و رحم و شفقت کا ہونا ثابت ہوا پس جبکہ صفات ثابت ہیں تو ان کے موصوف کا ہونا بھی ضروری ہے۔

یہ فالتو چربی جو اونٹ کی پیٹھ پر ہے جسم کے کسی اور حصے میں بھی رکھی جا سکتی تھی لیکن عین پیٹھ پر کوہان کی شکل میں اس چربی کو رکھنے میں ایک خاص حکمت اور غرض اور ارادہ پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ سواری کے وقت یہ کوہان دو آدمیوں کیلئے دو سیٹوں کا کام دیتا ہے۔ اسکے علاوہ محمل کو اسکے سہارے سے رسّوں کیساتھ کس دیا جاتا ہے۔ نیز دونوں کجاووں کے درمیان پُشتہ کا کام دیتا ہے غرض یہ کوہان سواریوں کو پھسل کر گرنے سے بچاتا ہے۔ یہاں سے بھی صفتِ علم و ارادہ و حکمت و قدرت و ربوبیت و رحم و شفقت کا ہونا ثابت ہوا پس جبکہ صفات ثابت ہیں تو انکے موصوف کا ہونا بھی یقینی ہے کیونکہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا محال ہے۔

اونٹ کے پیروں کا ریت میں نہ دھنسنے کی وجہ پر اگر غور کیا جاوے تو پیروں کی بناوٹ میں صاف طور پر صفتِ حکمت نظر آتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اونٹ کی ٹانگوں کو تو پتلا بنایا گیا ہے تاکہ اونٹ کا وزن بڑھ نہ جائے لیکن نیچے جاکر انکے سروں کو یکدم چوڑا کر دیا ہے تاکہ پیر ریت میں دھنس نہ جائیں اور اونٹ کو ریگستان میں چلتے وقت تکلیف نہ ہو کیونکہ پیر اگر چوڑے نہ ہوتے اور ٹانگوں جتنے ہی پتلے ہوتے تو ہر ہر قدم پر اونٹ کے پیر ریت میں گھس جاتے اور بار بار اونٹ کو دھنسے ہوئے پیروں کو باہر نکالنا پڑتا اور طاقت کے زیادہ خرچ ہونے سے اونٹ جلدی تھک جاتا اور منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکتا۔ ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھکر اونٹ کے پیروں کو چوڑا کر دیا گیا۔

پھر اونٹ کی ٹانگوں کو لمبا بنایا گیا ہے تاکہ اونٹ لمبی لمبی ڈگیں بھرے اور ریگستان کا سفر جلد ختم ہو۔ اگر ٹانگیں چھوٹی چھوٹی مثلاً ایک ایک فٹ کی ہوتیں تو دنوں کا سفر مہینوں میں ختم ہوتا اور ریگستان کی گرمی بھی زیادہ دیر تک برداشت کرنی پڑتی لمبے قدم کا یہ بھی فائدہ ہے کہ مسافر کو ہوا خوب لگتی ہے۔ چھوٹے قدم میں ہوا کم محسوس ہوتی ہے۔ غرض ریگستانی سفر کیلئے اونٹ کی ٹانگوں کا لمبا ہونا نہایت ضروری تھا۔ مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوا کہ اونٹ کی ٹانگوں کی بناوٹ میں صریح طور پر صفتِ حکمت اور ارادہ اور قدرت اور علم اور دُور اندیشی پائی جاتی ہے۔ پس جب صفت موجود ہے تو مقصود حاصل ہے کیونکہ کار آمد شے تو صفت ہی ہوتی ہے۔ بالفرض اگر موصوف ہو لیکن صفت نہ ہو تو موصوف کس کام کا؟ پس معلوم ہوا کہ دہریئے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو کم علمی کی وجہ سے دہریہ ہیں دوسرے وہ جو تعصب کی وجہ سے یا فلسفی کہلا کر بڑا بننے کے لئے دانستہ دہریئے بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب خدائی صفات دُنیا میں پائی جاتی ہیں اور نہایت آسانی سے پہچانی جا سکتی ہیں تو پھر انکارِ ذاتِ باری کے کیا معنے؟ صفت تو بغیر ذات کے نہیں ہو سکتی۔

پھر اونٹ کی گردن ملاحظہ ہو۔ چونکہ قد اونچا ہے اور جسامت بھاری اسلئے گردن کو لمبا بنایا گیا تاکہ اونٹ کھڑا کھڑا زمین پر سے دانہ اور گھاس کھا سکے اور پانی پی سکے اور اُٹھنے بیٹھنے کی تکلیف سے بچا رہے۔ گردن کو لمبا بنانے میں یہ غرض

بھی مدنظر ہے کہ اونٹ کھڑا کھڑا درختوں کے پتے بھی کھا سکے۔

خلاصہ یہ کہ اونٹ کی بناوٹ میں حسب ذیل صفات پائی جاتی ہیں۔ اول صفت خلق وصنعت۔ دوم صفت حکمت۔ سوم صفت ارادہ۔ چہارم صفت علم۔ پنجم صفت قدرت۔ ششم صفت ربوبیت۔ ہفتم صفت رحم وشفقت۔ ہشتم صفت بصر۔ کیونکہ اونٹ کی آنکھیں بھی ہیں۔ نہم صفت سمع کیونکہ اونٹ کے کان بھی ہیں۔ دہم صفت دوراندیشی اور انجام بینی کیونکہ صفت دوراندیشی اور انجام بینی سے کام لیکر پہلے سے ہی اونٹ میں وہ تمام چیزیں رکھدی گئی ہیں جنکی سفر ریگستان میں اونٹ کو ضرورت پڑتی تھی۔ پس جبکہ اونٹ کی بناوٹ میں مندرجہ بالا صفات پائی جاتی ہیں تو ان صفات کے موصوف کا ہونا بھی پایا گیا کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسلمہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا ناممکن اور محال ہے۔ اسی موصوف کا نام خدا ہے۔

دوسری مثال

قطب شمالی میں چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور چھ ماہ کا دن۔ چھ ماہ تک سورج کی روشنی وہاں نہیں پہنچتی۔ اس چھ ماہ کے اندھیرے کو دور کرنے کیلئے وہاں ارورا کی روشنی ہوتی ہے۔ ارورا کی تشریح یہ ہے کہ جب اندھیرا شروع ہونے لگتا ہے تو ایک روشنی دیوار کی شکل کی سی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ جوں جوں تاریکی بڑھتی جاتی ہے اس دیوار کی روشنی زیادہ ہوتی جاتی ہے چھ ماہ تک یہ دیوار رہتی ہے۔ پھر جب سورج کی روشنی پہنچنی شروع ہوتی ہے تو یہ دیوار بھی غائب ہونی شروع ہوتی ہے۔ یہانتک کہ جب سورج نکل آتا ہے تو یہ دیوار بھی نظر نہیں آتی۔ اب ظاہر ہے کہ ارورا کی صنعت کا ایک صانع ضرور ہونا چاہئیے کیونکہ مصنوع کا بغیر صانع کے ہونا ناممکن ہے۔ وجہ یہ کہ صنعت ایک صفت ہے اور صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوسکتی اور یہ صانع انسان یا جانور نہیں بلکہ ان دونوں کے سوا ایک ہستی ہے جسے اس بات کا علم ہے کہ دنیا میں روشنی کی کہاں کہاں ضرورت ہے۔ قطب شمالی میں ارورا کی روشنی کا ہونا اور کسی اور ملک میں نہ ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس روشنی کے بنانیوالے کو سارے جہان کا علم ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس کس جگہ سورج کی روشنی نہیں پہنچتی۔ نیز وہ اس بات کی قدرت بھی رکھتا ہے کہ سورج کی روشنی کے سوا اور طرح سے بھی روشنی پیدا کرسکے چنانچہ سورج میں اس نے گیسوں کو جلا کر روشنی کا انتظام کیا اور قطب شمالی کے ممالک میں اس نے گیسوں کو جلانیکے بغیر ہی ارورا کی روشنی بنائی۔ صفت علم اور صفت قدرت کے علاوہ صفت ارادہ بھی ثابت ہوئی۔ کیونکہ کوئی کام بغیر ارادہ کے نہیں ہوا کرتا۔ اور ارادہ کیلئے کوئی وجہ چاہئیے۔ چنانچہ ارورا اس غرض کیلئے بنایا گیا تاکہ قطب شمالی کا اندھیرا دور ہو۔ علم اور قدرت اور ارادہ کے سوا صفت ربوبیت اور صفت رحم وشفقت کا ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ اندھیرے کی تکلیف کو دور کرنا رحم وشفقت کی وجہ سے ہی ہوسکتا ہے۔

ارورا کی روشنی کوئی نئی پیدائش نہیں بلکہ جب سے یہ جہان بنا ہے تب ہی یہ روشنی قطب شمالی میں اپنے وقت پر ہورہی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ارورا کا بنانیوالا اس بات کو جانتا تھا کہ زمین کی بناوٹ اور اسکی گردش کی وجہ سے قطب شمالی کے ممالک میں چھ ماہ تک سورج کی روشنی نہیں پہنچیگی اسلئے وہاں ارورا کی روشنی کا انتظام ہونا چاہئیے۔ کیونکہ انسان کو اسکی ضرورت پڑیگی یہاں سے

معلوم ہوا کہ ارودا کا بنانیوالا موجود بھی ہے اور بدیع بھی ہے۔ اب میں دُنیا کی ایک اور چیز لیکر اُس کی بناوٹ سے دُنیا میں صفتِ حکمت و دانائی و علم و قدرت و ربوبیت وغیرہ کا ہونا ثابت کرتا ہوں جو انسان کی اور حیوانات کی صفات کے علاوہ ہیں۔

تیسری مثال

قطبِ شمالی کے مُلک آئس لینڈ کے اُلّو کی آنکھیں اُسکے صانع نے ایسی بنائی ہیں کہ وہ دن میں بھی دیکھتا ہے۔ یہ اسلئے کہ آئس لینڈ میں دن کئی ماہ کا ہوتا ہے۔ اگر وہاں کے اُلّو کی آنکھیں گرم مُلکوں کے اُلّوؤں کی آنکھوں کی طرح ہوتیں یعنے رات کے وقت دیکھتیں اور دن میں نہ دیکھتیں تو کئی مہینے کا دن ہونیکی وجہ سے اپنی غذا کیلئے شکار کی تلاش نہ کر سکتا اور بھوکا مرجاتا۔ کیونکہ اُسے اپنا شکار نظر نہ آتا۔ اگر دن چند گھنٹہ کا ہوتا تو گرم مُلک کے اُلّوؤں کی طرح دن کے وقت صبر سے بیٹھا رہتا اور رات کو شکار کرتا۔ مگر کئی ماہ کا لمبا دن صبر سے نہیں گذار سکتا تھا۔ اسلئے اُسکے خالق نے اُسکی آنکھوں کی بناوٹ بدل دی۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ اُسکا خالق صاحبِ علم و صاحبِ ارادہ ہے کیونکہ آئس لینڈ کے اُلّو کی ایسی آنکھیں بنانا کہ وہ دن کو بھی دیکھ سکے اسلئے ہے کہ اُسے اِس بات کا علم تھا کہ آئس لینڈ کا دن کئی ماہ کا ہوتا ہے لہذا اُس نے ارادتاً وہاں کے اُلّو کی ایسی آنکھیں بنائیں کہ دن میں بھی دیکھ سکے اور اپنی غذا تلاش کر سکے تاکہ بھوکا نہ مرجائے۔ نیز اِس مثال سے اُس خالق کا رب اور رحیم و کریم ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ اُس نے اُلّو کی پرورش کا انتظام کیا۔ اور اُس کا قادر ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ اگر اُسے قدرت نہ ہوتی تو وہ آئس لینڈ کے اُلّو کی ایسی آنکھیں نہ بنا سکتا۔ اب میں ذیل میں بغیر نمبر دیئے دُنیا کی چند اور چیزیں پیش کرتا ہوں جنکی تشریح سے مندرجہ بالا تمام صفات ثابت ہوتی ہیں۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ جب صفت موجود ہو تو اُسکا موصوف بھی اُسکے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے ہاتھ کو سختی محسوس ہوئی تو اب وہ سختی بغیر موصوف کے موجود نہیں ہو سکتی۔ یا تو وہ سختی لکڑی کی ہوگی یا پتھر کی یا کسی اور چیز مثلاً لوہے وغیرہ کی۔ اِسی طرح اگر کسی جگہ ہم حکمت یا علم پائینگے تو وہ حکمت کسی حکیم کی ہوگی اور علم کسی عالِم کا ہوگا۔ بغیر حکیم یا عالِم کے حکمت یا علم کا ہونا محال ہے۔ اب میں وہ چند اشیاء پیش کرتا ہوں:۔

چند اور مثالیں

ہوا میں اُڑنے والے جانوروں کے پر ہوتے ہیں چار ٹانگیں نہیں ہوتیں کیونکہ اُنہیں پروں کی ضرورت ہے چار ٹانگوں کی ضرورت نہیں۔ یہ حکمت ہے۔ اُنکے پنجے ایسے ہوتے ہیں کہ درخت کی شاخوں کو اچھی طرح پکڑ سکیں۔ یہ حکمت ہے کیونکہ پرندے درخت نشین ہوتے ہیں زمین نشین نہیں ہوتے۔ ہڈیاں کھوکھلی ہوتی ہیں ٹھوس نہیں ہوتیں تاکہ جسم کا بوجھ زیادہ نہ ہوجائے اور ہوا میں آسانی سے اُڑ سکیں۔ یہ حکمت ہے۔ برخلاف اِسکے زمین پر چلنے والے جانوروں کے پر نہیں ہوتے چار مضبوط ٹانگیں ہوتی ہیں کیونکہ اُنہیں ٹانگوں کی ضرورت ہے پروں کی ضرورت نہیں۔ اور اُنکی ہڈیاں گودے سے بھری قریباً ٹھوس ہوتی ہیں تاکہ زمینی حادثات کی سختی کو برداشت کر سکیں۔ پاؤں پر پنجے نہیں ہوتے بلکہ سخت سینگ کے قسم کے سُم یا کُھر ہوتے ہیں تاکہ سخت زمین اور پتھر کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ سب علم و حکمت کے کام ہیں۔

سمندر کی تہ کے جانوروں کی آنکھیں نہیں ہوتیں کیونکہ وہاں بباعث زیادہ گہرائی کے سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اسلئے انکو آنکھوں کی ضرورت نہیں ہے۔ برعکس اسکے سمندر کے اُس حصے میں جہاں آفتاب کی روشنی پہنچتی ہے جانوروں کی آنکھیں ہوتی ہیں کیونکہ اُن کو آنکھوں کی ضرورت ہے۔ یہ سب علم اور حکمت اور ربوبیت ہے۔

جب ہم ایک بانس کو کھڑا رکھنا چاہتے ہیں تو زمین میں ایک سوراخ کر کے اس میں بانس کو گاڑ دیتے ہیں اس کا نام حکمت ہے کیونکہ اگر بانس کو زمین میں بغیر گاڑنے کے زمین کے اوپر ہی کھڑا کر کے چھوڑ دیا جائے تو فوراً گر جائیگا یہی صورت درخت کو کھڑا کرنیکی ہے کہ اسے بھی زمین میں گاڑا ہوا ہے یعنے درخت کی جڑوں کو زمین کے اندر دور دور تک چاروں طرف پھیلا دیا ہے تاکہ درخت مضبوطی سے زمین پر کھڑا رہے اور اسے کھڑا کرنیکی اسلئے ضرورت تھی تاکہ اسکے سایہ کے تلے لوگ دھوپ کی تمازت سے محفوظ رہیں۔ گویا کہ وہ ایک بہت بڑی چھتری ہے۔ اور تاکہ درخت بلند ہو کر کھلے طور پر ہوا سے اپنی غذا لے سکے اور تاکہ چوپائے اسکے پھلوں کو کھا جائیں اور تاکہ اُڑنے والے جانوروں کیلئے پناہ گاہ بن سکے۔ یہ سب رحم و شفقت اور علم و حکمت کے کام ہیں۔ ان صفات کا موصوف وہی ہے جسے مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔

پھر درختوں کو طرح طرح کے پھل لگتے ہیں اور وہ پھل انسانوں اور جانوروں کی خوراک ہیں انسان اور جانور انہیں نہایت شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ انکے کام و دہان اور زبان اور قوتِ ذائقہ کو ان پھلوں کے مزے سے مناسبت اور موافقت ہے۔ اب ان پھلوں میں انسان اور جانوروں کی قوتِ ذائقہ کے عین مطابق و موافق مزہ رکھنا اُسی کا کام ہو سکتا ہے جو جانوروں اور انسانوں کی قوتِ ذائقہ اور پھلوں کی لذت کو جانتا ہو اور پھلوں کے بنانیکی قدرت بھی رکھتا ہو پس صفتِ علم و قدرت کے علاوہ صفتِ ارادہ اور صفتِ ربوبیت کا ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ ارادہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوا کرتا اور جانوروں اور انسانوں کے لئے درختوں کو پھل لگانا صفتِ ربوبیت کا ہی نتیجہ ہے۔ یہ تمام صفات وہی ہیں جو قرآن شریف نے اس ہستی کی بتائی ہیں جو انسانوں اور جانوروں اور تمام جہان کی دوسری اشیاء کا خالق ہے کیونکہ یہ تمام صفات دنیا میں غیر محدود طور پر پائی جاتی ہیں لیکن انسانوں اور جانوروں میں یہ صفات محدود ہیں۔

اونٹ اور درخت اور بعض جانوروں کی بناوٹ کی کسی قدر تشریح کرنے کے بعد اب انسان کے جسم کی بناوٹ کی کسی قدر تشریح کی جاتی ہے۔ پہلے ہاتھوں کو دیکھئے۔ بیچ کی انگلی بہ نسبت دوسری انگلیوں کے لمبی ہے اس لئے کہ بعض چیزوں کو پکڑتے وقت برابر رہے۔ دوسری انگلیاں بند کرتے وقت سب برابر ہو کر مٹھی بن جائے۔ اور کسی چیز کو پکڑنے کے وقت مٹھی کے اندر رہے اور اس پر گرفت بھی پوری طرح ہو۔ انگوٹھا ایسے مقام پر رکھا گیا ہے جہاں سے انگلیوں سے مساوی نسبت ہے اور تمام انگلیوں پر گردش کر سکتا ہے اور ایک ایک انگلی میں تین تین جوڑ دئیے تاکہ قبض و بسط آسانی سے ہو سکے۔

بھی بن سکے۔طشتری بھی بن سکے۔ چمچہ بھی بن سکے۔طمانچہ بھی بن سکے۔ اور اگر دوسرا ہاتھ ملا لیا جائے تو ایک بڑا پیالہ بھی بن جائے۔ انگلیوں کے سروں پر ناخن نہ ہوتے تو ضربات کے لگنے سے زخمی ہوتی رہتیں۔ پھر ناخنوں میں نشوونما ہے۔ تا کہ جس قدر گھسیں اُسی قدر بڑھ جائیں۔

سیب نہیں کھایا جا سکتا جبتک اسے کاٹا نہ جائے اور باریک نہ کیا جائے۔ سو اُوپر اور نیچے کے اگلے دانت کاٹنے کا کام دیتے ہیں اور پچھلے دانت یعنے ڈاڑھیں پیسنے کا۔ پس انسان کے پاس ہر وقت چاقو اور چکی موجود ہے۔ قینچی کی بناوٹ اوپر اور نیچے کے اگلے دانتوں کے اصول پر ہے۔ کیونکہ برعکس ڈاڑھوں کے اگلے دانت آگے پیچھے ہیں۔ اگر انسان کے مُنہ میں دانت نہ ہوتے تو کسی پھل کو انسان نہ کاٹ سکتا اور نہ باریک کر کے نگل سکتا۔ اس کی غذا دودھ یا حریرہ یا فرنی کے قوام کی طرح کی ہوتی۔ پس دُنیا میں صفت احسان کا ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور اس صفت احسان کا موصوف وہی ہے جسے قرآن شریف نے پیش کیا ہے۔

فونوگراف کی ایجاد تو اب ہوئی ہے لیکن انسان کے حلق اور مُنہ کی بناوٹ میں پہلے سے ہی پُورا فونوگراف موجود ہے۔ دماغ اور حلق سلنڈر ہے جس پر الفاظ کُھدے ہوئے ہیں۔ حلق کے پردے سوئی والی ڈبیا ہے جو ہوا کو دھکے دیتے ہیں۔ حلق سے آگے مُنہ کا اگلا حصہ جہاں تالو اور زبان اور دانت ہیں یہ تمام خلا ہارن ہے جو حلق سے نکلی ہوئی آواز کو بڑا کر دیتا ہے۔ جسمانی طاقت فنر ہے جو مشین کو چلاتی ہے۔ پس ایڈیسن کی کاریگری سے بڑھکر خدا تعالےٰ کی کاریگری کی تعریف ہونی چاہیئے جس نے ایڈیسن سے پہلے فونوگراف بنایا اور اپنے فونوگراف میں سُننے کی صفت بھی رکھی۔ اگر انسان سُننے والا نہ ہوتا تو ایڈیسن کا فونوگراف ایک بیکار چیز تھی۔ کیونکہ وہ صرف آواز نکالتا ہے سُنتا نہیں۔ انسانی فونوگراف میں آواز بھرنے والی کیف انسان کے کان ہیں۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

آنکھ کی بناوٹ میں فوٹوگرافی کا پُورا سامان موجود ہے۔ بلکہ انسانی موجودہ فوٹوگرافی سے زیادہ۔ کیونکہ آنکھ ریٹینا کے پردہ پر ہر ایک رنگ کی تصویر کھینچ دیتی ہے لیکن انسانی کیمرہ فوٹوگرافی میں یہ بات نہیں۔ دراصل انسانی فونوگراف اور انسانی فوٹوگرافی خدا تعالےٰ کے بنائے ہوئے فونوگراف اور فوٹوگرافی کی نقل ہے۔ بلکہ کوئی چیز بھی انسان کی بنائی ہوئی دُنیا میں ایسی نہیں جس کی مثال پہلے سے دُنیا میں نہ پائی جاتی ہو۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ قینچی کی بناوٹ انسان کے اگلے اوپر اور نیچے کے دانتوں کے اصول پر ہے۔ پس دراصل حقیقی صانع اور حقیقی موجد اور حقیقی حکیم خدا تعالےٰ ہی ہے۔

دیکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے۔ اور روشنی کا آنکھ کے اندر داخل ہونا ضروری ہے۔ روشنی

کثیف چیزیں داخل نہیں ہوسکتی۔ لیکن شیشے میں سے دوسری طرف گذرجاتی ہے۔ سو آنکھ کا سب سے باہر کا پردہ جسے کارنیا کہتے ہیں اسی قسم کا ہے۔ یعنے شیشے کی طرح شفاف ہے۔ اسی میں سے روشنی آنکھ کے اندر داخل ہوا کرتی ہے۔ انسان کے سارے جسم میں جلد کا کوئی حصہ بھی شیشے کی طرح شفاف نہیں۔ لیکن جس جگہ اس کے شفاف ہونے کی ضرورت تھی وہاں شفاف ہے یعنے آنکھ کا پردہ کارنیا شفاف ہے۔ پس کیا ایسا ہونا بغیر علم و قدرت و ارادہ کے ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور کیا یہ کام دانائی اور حکمت اور کاریگری کا نہیں؟ یقیناً اور ضرور ہے۔

گلاب جیسے خوبصورت اور ملائم پھول کی ٹہنی میں کانٹے ہوتے ہیں۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے تاکہ اُسے کوئی حیوان کھا نہ جائے اور وہ دیر تک اپنے حسن کی بہار دکھاتا رہے اور اپنی خوشبو سے دماغوں کو معطر کرتا رہے۔ اور تاکہ صرف انسان ہی اسے توڑ سکے۔ پس ٹہنی میں کانٹوں کا ہونا صاف طور پر ایک غرض اور صفت ارادہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوتی یہ موصوف انسان یا جانور تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ انسان یا جانور نے گلاب کے پھول کو نہیں بنایا۔ پس گلاب جیسے پھول کا بنانے والا وہی ہو سکتا ہے جو انسان کے بنانے والا ہو۔ اور جسے اس بات کا علم ہو کہ انسان قوت بینائی اور حس شامہ رکھتا ہے اور گلاب کے پھول کو دیکھنا اور سونگھنا اس کے لئے مفید ہوگا۔ ایسی ہی ہستی کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے جسے خدا کہتے ہیں۔

صفتِ تکلم کا ثبوت

جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کو پہچانتا ہے بالکل اسی طرح خدا تعالےٰ پہچانا جاتا ہے انسان اپنے فعل اور قول سے پہچانا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح خدا تعالےٰ بھی اپنے فعل اور قول سے پہچانا جاتا ہے۔ فعل یعنے صفتِ صنعت کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کے ہونے کا ثبوت تو پیچھے دیا جا چکا ہے۔ اب ذیل میں صفتِ تکلم کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کے ہونے کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

قبل ازیں کہ میں اس بات کا ثبوت دوں کہ اس دنیا میں انسان کی صفتِ تکلم کے سوا ایک اور ہستی کی بھی صفتِ تکلم پائی جاتی ہے۔ میں ذیل میں پہلے اس بات کو ثابت کرتا ہوں کہ قول دراصل فعل ہی ہے کوئی الگ مستقل چیز نہیں بعض کیا بلکہ اکثر کا خیال ہے کہ قول اور فعل دو الگ الگ مستقل چیزیں ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے۔ بولنا دراصل فعل ہے۔ ثبوت ذیل میں ہے :-

واضح ہو کہ اس دنیا میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ایک روحانی۔ دوم مادی مادہ سے بنی ہوئی اشیا چار قسم کی ہیں۔ اول جمادات۔ دوم نباتات۔ سوم حیوانات چہارم انسان ان

چاروں میں سے کلام کرنا صرف انسان کے متعلق ہے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ فعل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم فعل کی وہ ہے جس میں مادہ سے چیزیں بنائی جاتی ہیں جسے صنعت کہتے ہیں مثلاً چاکو بنانا۔ دیاسلائی بنانا۔ برتن بنانا۔ موٹر بنانا وغیرہ۔ دوسری قسم فعل کی وہ ہے جس میں مادہ سے بنی ہوئی چیز کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کاٹنا۔ اس میں چاکو کا استعمال ہے۔ اور مثلاً دوڑنا۔ اس میں ٹانگوں کا استعمال ہے۔ اور مثلاً دیکھنا۔ اس میں آنکھوں کا استعمال ہے۔ کترنا۔ اس میں قینچی کا استعمال ہے۔ پکڑنا۔ اس میں ہاتھوں کا استعمال ہے۔ چاکو۔ ٹانگیں۔ آنکھیں۔ قینچی۔ ہاتھ۔ یہ سب مادہ کی بنی ہوئی چیزیں ہیں۔

اب واضح ہو کہ بولتے وقت انسان فعل کی دوسری قسم یعنے مادہ سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال کرتا ہے۔ اور وہ چیزیں یہ ہیں:۔ ہونٹ۔ زبان۔ حلق۔ بولتے وقت انسان اپنی زبان اور ہونٹوں اور حلق کو صرف حرکت دیتا ہے۔ اُس کا صرف اِتنا ہی کام ہے۔ آواز کا پیدا کرنا اُس کا کام نہیں۔ اور نہ اُس کے اختیار میں ہے۔ بولتے وقت یہ تینوں مندرجہ بالا اعضاء مُنہ کے اندر کی ہوا کو انسان کی مرضی اور ارادہ کے موافق حرکت اور دھکا دیتے ہیں۔ پھر مُنہ کے اندر کی ہوا مُنہ سے باہر اپنے سامنے والی ہوا کو حرکت دیتی ہے۔ پھر وہ ہوا اپنے سے اگلی ہوا کو حرکت دیتی ہے۔ پھر وہ ہوا اپنے سے اگلی ہوا کو حرکت دیتی ہے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ ہوا کی یہ لہریں دوسرے انسان کے کان کے سب سے پہلے پردہ کو لگتی ہیں اور اُس میں وہی اور اُسی قسم کی حرکات پیدا کرتی ہیں جو زبان اور حلق اور ہونٹوں کی حرکت سے مُنہ کے اندر کی ہوا میں پیدا ہوئی تھیں۔ پھر کان کا وہ پردہ اپنے سے اگلی ہوا کو جو ایک نلی کے اندر ہوتی ہے جس میں حلق کا ایک سُوراخ کھلتا ہے وہی حرکتیں دیتا ہے جو خود اُس میں پیدا ہوئی ہیں۔ پھر نلکی کی وہ ہوا اپنے سے اگلے پردے کو حرکت دیتی ہے جس کی دوسری طرف رکاب D کی شکل کی ایک ہڈی لگی ہوتی ہے۔ پھر وہ پردہ اُس پانی کو وہی حرکتیں دیتا ہے جو اُس کے آگے ایک نلکی کے اندر ہوتا ہے۔ پھر وہ پانی وہی حرکتیں اُن سدہا باریک اعصابی ریشوں کو دیتا ہے جو اُس پانی کے اندر تیرتے ہیں۔ اور یہ ریشے اُس پٹھے کے سرے کے ہوتے ہیں جو دماغ سے اُس پانی کی نلکی میں آتا ہے۔ پھر یہ پٹھا اُن تمام حرکتوں کو جو اُس کے سرکے ریشوں میں پیدا ہوئی تھیں دماغ کے اُس مرکز تک پہنچاتا ہے جو سُننے کا مرکز ہے۔ وہاں رُوح اور اُس کی صفات یعنے قُوتِ حافظہ اور قُوتِ متفکرہ وغیرہ مل کر اُس حرکت کا ادراک کرتے ہیں اور اُس کی کیفیت کو پہچانتے ہیں۔ اِسی ادراک اور پہچان کا نام آواز ہے۔

غرض آواز کا پیدا کرنا انسان کے اختیار میں نہیں۔ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے حلق اور زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے۔ اور اسی کا نام فعل ہے۔ اس فعل کے نتیجہ میں آواز پیدا ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کا تکلم دراصل انسان کا ایک فعل ہے۔ یا یوں کہو کہ انسان کے ایک باقاعدہ فعل کے نتیجہ میں ایک باقاعدہ آواز پیدا ہوتی ہے جس کا نام انسان کا بولنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح ٹانگوں کے استعمال کا نام چلنا یا دوڑنا رکھا گیا ہے اور ہاتھوں کے استعمال کا نام پکڑنا اور آنکھوں سے کام لینے کا نام دیکھنا اور ناک سے کام لینے کا نام سونگھنا اور جلد سے کام لینے کا نام چھونا اور کانوں کے استعمال کا نام سننا رکھا گیا ہے۔ اسی طرح حلق اور زبان اور ہونٹوں سے کام لینے کا نام بولنا رکھا گیا ہے۔

مندرجہ بالا بیان کے لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ثبوت دینے سے پہلے بتلا دیا جائے کہ خدا تعالیٰ کس طرح بولتا ہے تاکہ ثبوتات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ سو واضح ہو کہ خدا تعالےٰ بالکل اسی طرح بولتا ہے جس طرح انسان بولتا ہے۔ انسان پہلے بولنے کا ارادہ کرتا ہے۔ پھر جو الفاظ اور عبارت بولنا چاہتا ہے اس کے موافق اپنی زبان اور ہونٹوں اور حلق کو حرکت دیتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ایک باقاعدہ آواز پیدا ہوتی ہے۔ جس کا نام کلام ہے۔ خدا تعالےٰ بھی بالکل اسی طرح کلام کرتا ہے۔ جب وہ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو لوگوں میں سے ایک انسان کو چن لیتا ہے جسے مذہب اسلام کی اصطلاح میں نبی کہتے ہیں۔ کلام کرتے وقت خدا تعالےٰ اس نبی کی زبان اور ہونٹوں کو اپنی زبان اور ہونٹ بنا لیتا ہے۔ اس وقت نبی کا اپنے اعضاء پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس کے اعضاء خدا تعالےٰ کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ اس وقت نبی کی زبان اور ہونٹ خدا تعالےٰ کی مرضی کے مطابق حرکت کرتے ہیں۔ نبی کی مرضی اور ارادہ کا اس حرکت میں مطلق دخل نہیں ہوتا۔ یعنے اس وقت وہ فعل انسان کا نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ اس حالت کے جاتے رہنے پر نبی اس کلام الٰہی کو حفظ کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اس کلام کو لوگوں کو سناتا ہے۔ سناتے وقت یعنے اس کلام کو دہراتے وقت اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دینا نبی کی مرضی اور ارادہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس وقت یہ حرکت انسان کا فعل ہوتا ہے مگر کلام خدا تعالےٰ کا ہوتا ہے۔ تحقیقات مندرجۂ بالا سے معلوم ہوا کہ جس طرح انسان کا کلام کرنا دراصل فعل ہے اسی طرح خدا تعالےٰ کا کلام کرنا بھی دراصل فعل ہے۔ کیونکہ کلام کرتے وقت اس نے نبی کی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دی۔ اور اس کے نتیجہ میں نبی کو خدا تعالےٰ کے کلام کا علم ہوا۔ یہ بھی واضح ہو کہ انسان کبھی بغیر آواز کے صرف اشاروں یعنے جسم کے اعضاء کی حرکات کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ چنانچہ عربی میں ہے۔ قَالَ بِیَدِہٖ یعنے اس نے ہاتھ کے اشارہ سے کہا۔ اور قَالَ بِرَأْسِہٖ یعنے اس نے سر کے اشارہ سے بتلایا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اس طرح سے کلام کرنا بھی فعل ہے۔ خدا تعالےٰ نے بھی اکثر اسی طرح بغیر آواز کے کلام کیا کرتا ہے۔ چنانچہ خواب اور کشف اسی قسم کا کلام ہے۔ خواب یا کشف میں یا تو تحریر دکھائی جاتی ہے یا بطور استعارہ کے کوئی اور چیز دکھائی جاتی ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کو باپ سورج کی شکل میں اور ماں چاند کی شکل میں اور بھائی ستاروں کی شکل میں دکھائے گئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تحریر بھی فعل ہے اور مصنوعات کو دکھا کر استعارہ کے رنگ میں کوئی بات سمجھانا یہ بھی فعل ہے۔ غرض کلام جس قسم کا بھی ہوگا وہ فعل ہوگا۔

اب میں ذیل میں ثابت کرتا ہوں کہ دنیا میں انسان کی صفتِ تکلم کے سوا بھی ایک اور ہستی کی صفتِ تکلم پائی جاتی ہے۔ یا یوں کہو کہ دنیا میں انسان کے سوا ایک اور متکلم بھی ہے۔ وہ متکلم وہ ہے جو انسان کا بھی خالق ہے۔ اور دنیا کی ہر ایک شے کا بھی وہی خالق ہے اور وہی رب العالمین ہے جس کو مذہب اسلام نے پیش کیا ہے۔

پہلا ثبوت:۔ پیچھے صفتِ صنعت کے عنوان کے ماتحت یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس دنیا میں انسان کے سوا ایک ایسا صانع پایا جاتا ہے جو دنیا کی ہر چیز کا صانع ہے اور انسان کا بھی صانع ہے۔ اور انسان کے جسمانی اعضاء اور باطنی قوٰے بھی اسی صانع کے بنائے ہوئے ہیں۔ اب جبکہ انسان کی زبان اور ہونٹوں اور گلے کی بناوٹ کو دیکھا جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا بنانے والا قوتِ تکلم کی حقیقت اور طریقہ تکلم سے خوب واقف ہے۔ اور وہ خود بھی کلام کر سکتا ہے۔ جبھی تو اس نے انسان کو قوتِ گویائی عطا فرمائی۔ ورنہ اگر وہ بولنے کی حقیقت سے ناواقف ہوتا اور خود نہ بول سکتا اور اسے علم ہی نہ ہوتا کہ بولنا کیا چیز ہے تو وہ انسان کو قوتِ گویائی اور آلہائے نطق کس طرح دے سکتا؟

یہ بھی واضح ہو کہ یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ کمالِ علم عمل کو چاہتا ہے۔ یعنے جس کو جس چیز کا کامل علم ہوگا عملی طور پر بھی وہ چیز اس سے صادر ہوگی۔ مثلاً کسی کو گھنٹہ کا کامل علم ہے تو اس کا گھنٹہ کی نسبت کامل علم ہونا تبھی ثابت ہوگا جبکہ وہ گھنٹہ کو بنا کر خود دیکھ لے۔ ورنہ اگر وہ اس کو بنا کر خود دیکھ نہ لے اس کا علم ناقص ہوگا کیونکہ بنے ہوئے گھنٹہ کو دیکھنا بھی گھنٹے کے متعلق علم میں شامل ہے۔ چنانچہ جس نے گھنٹے کو ایجاد کیا اس نے گھنٹہ کو بنا کر خود دیکھ بھی لیا۔ اگر وہ گھنٹہ نہ بناتا اور گھنٹے کے متعلق اس کا صرف دعوےٰ ہوتا تو اس کا محض دعوےٰ قابلِ قبول نہ تھا اور نہ خود اسے اپنے علم پر کامل یقین اور اطمینان ہوتا۔ پس انسان کے صانع کا انسان کو قوتِ گویائی عطا فرمانا یا یوں کہا جائے کہ اس صانع کا انسان کو ناطق پیدا کرنا ثابت کرتا ہے کہ اس صانع کو قوتِ گویائی کا اور اس کی حقیقت کا کامل علم ہے۔ اور قوتِ گویائی کا کامل علم ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ صانع کلام بھی کرتا ہے کیونکہ مطابق مسئلہ مسلمہ مندرجہ بالا کامل علم عمل کو چاہتا ہے۔

دوسرا ثبوت :۔ اب سوال ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے کلام میں اور انسان کے کلام میں مابہ الامتیاز ہونا چاہیئے جس سے ثابت ہو کہ یہ تو خدا تعالےٰ کا کلام ہے اور یہ انسان کا کلام ہے۔ لہٰذا ذیل میں وہ فرق بتایا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ آئندہ کی خبر دینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ انسان کا علم محدود اور ناقص ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا کلام پیش کرے جس میں آئندہ کی ایسی خبر ہو جس کا پورا کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہو اور پھر وہ خبر اسی طرح پوری ہو جائے تو یقین کرنا پڑے گا کہ یہ کلام اس شخص کا نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی کا ہے جو انسان کے علم سے زیادہ علم رکھتی ہے۔ مثلاً ایک نبی نے پیش از وقت اطلاع دی کہ یہ پہاڑ چھ ماہ کے اندر پھٹ جائے گا۔ پھر اگر وہ پہاڑ چھ ماہ کے اندر پھٹ جائے تو یقین کرنا ہوگا کہ یہ کلام اس نبی کا اپنا نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی کا ہے جو علم میں کامل اور قدرت میں کامل اور اس تمام جہان کا خالق ہے اور اسے اس پہاڑ کے اندرونی حالات کی پوری خبر ہے اور اسے معلوم تھا کہ اس پہاڑ کے نیچے ایک ایسا آتشگیر مادہ ہے جو فلاں وقت مشتعل ہو کر اس پہاڑ کو پھاڑ دے گا۔ اور ایسا یقین اس لئے کرنا پڑے گا کہ نبی انسان ہے اور انسان میں اتنا علم نہیں کہ آئندہ کی صحیح صحیح خبر دے سکے اور اس کے صحیح ہونے کا دعوےٰ بھی کر سکے۔ سو انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانہ میں ایسا ہی کلام پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ ہمارا اپنا کلام نہیں بلکہ زمین و آسمان اور مافیہما کے خالق کا ہے جو ہمارے ساتھ کلام کرتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ پیشگوئی تو نجومی اور رمال بھی کرتے ہیں۔ تو واضح ہو کہ اول تو وہ اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ کلام کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری پیشگوئی صرف حساب اور قیاس اور رمل کی بنا پر ہے ممکن ہے کہ غلط نکلے۔ لیکن انبیاء بڑے زور سے دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو ہم پیش کرتے ہیں اور یہ ضرور پورا ہوگا۔ اگر پورا نہ ہو تو ہم ہر ایک قسم کی سزا برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن نجومی سزا برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ نجومیوں کی پیشگوئیاں اکثر غلط نکلتی ہیں سو میں سے ایک آدھ پوری ہوتی ہے لیکن نبی کی ایک پیشگوئی بھی غلط نہیں نکلتی بلکہ سو فیصدی پوری ہوتی ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔

تیسرا ثبوت :۔ خدا تعالیٰ کے متکلم ہونیکا ثبوت جو مندرجہ بالا ثبوت نمبر ۲ میں دیا گیا خدا تعالیٰ کی مرضی پر ہے کہ جب چاہے نبی سے کلام کرے اور اس کلام میں کوئی پیشگوئی بھی رکھدے۔ اس ثبوت میں نبی کا کوئی اختیار نہیں۔ لیکن ایک صورت خدا تعالیٰ کے ہونے اور اسکے متکلم ہونیکا ثبوت حاصل کرنیکی ایسی بھی ہے جو انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور وہ دعا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو قرآن شریف میں بشارت دی ہے اور اجازت دی

ہے کہ جب چاہو دُعا کرو میں تمہاری دُعا قبول کرونگا چنانچہ فرمایا ہے ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ پس جب نبی کسی مخالف کو خدا تعالےٰ کے ہونیکا ثبوت دینے کیلئے یا اپنی کسی خاص ضرورت کیلئے خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے تو خدا تعالےٰ جواب دیتا ہے اور اُس جواب میں یا تو کوئی پیشگوئی ہوتی ہے یا خدا تعالیٰ کا دُعا کرنیوالے سے وعدہ ہوتا ہے کہ میں تمہاری مراد کو پورا کرونگا۔ پھر وہ پیشگوئی پوری ہوجاتی ہے یا دُعا کرنیوالے کی مراد پوری ہوجاتی ہے۔ اور چونکہ اُس پیشگوئی کا پورا کرنا یا اُس مراد کو پورا کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہوتا ہے تو صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ دُعا کے بعد جو جواب ملا وہ خدا تعالیٰ کا کلام تھا۔ پس خدا تعالیٰ کے ہونے پر یا اُسکے متکلم ہونے پر یقین کرنے کیلئے دُعا سب سے اعلیٰ ذریعہ اور ہر ایک قسم کے شک وشبہ کے دُور کرنیوالا طریقہ ہے کیونکہ یہ بات انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ جب چاہے دُعا کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ہونیکا ثبوت حاصل کرسکے۔ دُعا کے بعد جو جواب اُسے ملتا ہے اُسکے متعلق اُسے یقین ہوجاتا ہے کہ یہ جواب میری دُعا کے نتیجہ میں ہے کیونکہ یہ جواب اُس دُعا سے تعلق رکھتا ہے غیر متعلق نہیں ہوتا اور پھر جیسا کہ جواب کا مضمون ہوتا ہے ویسا ہی ہوجاتا ہے لیکن بغیر دُعا کے جو کلام الہٰی نازل ہوتا ہے اُسمیں انسان کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔ غرض دُعا کے نتیجہ میں جو پیشگوئی پوری ہو اُس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکتا اور اِس طریقہ سے انسان کو کامل یقین ہوجاتا ہے کہ کوئی ہستی ضرور ہے جو سُنتی ہے اور جب سُننا ثابت ہوُا تو ہونا بھی ثابت ہوُا۔ یہ بھی واضح ہو کہ جو کلام غیب سے نبی کے سوا کسی نئے آدمی پر اُترے اور اُسمیں پیشگوئی نہ ہو اُسکا کوئی اعتبار نہیں یقینی طور پر کلام الہٰی وہی ہوسکتا ہے جسمیں پیشگوئی ہو اور اُس پیشگوئی کا پورا ہونا انسانی طاقت سے باہر ہو پھر وہ پیشگوئی پوری بھی ہوجائے۔

چوتھا ثبوت:۔ چوتھا ثبوت اِس بات کا کہ دُنیا میں ایسا کلام موجود ہے جو اُسی ہستی کا ہوسکتا ہے جو زمین و آسمان اور مافیہما اور انسان کا خالق ہے قرآن شریف ہے۔ اگر کوئی قرآن شریف کو خوب غور سے اور سوچ سمجھکر پڑھے تو اُسے اِس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ یہ کلام انسان کا نہیں بلکہ انسان کے سوا کسی اور ہستی کا ہے اور وہ ہستی ایسی ہے جو کامل علم والی اور کامل قدرت والی اور تمام نقصوں سے پاک اور تمام خوبیوں سے موصوف اور ازلی اور ابدی ہے۔ یہ بات صرف مَیں ہی نہیں کہتا بلکہ جب سے قرآن شریف نازل ہوُا ہے تب سے ابتک بیشمار علماء اور فضلاء نے کہی ہے۔ اِسکے علاوہ اِسکی پیشگوئیاں ابتک پوری ہو رہی ہیں۔ قرآن شریف کے علاوہ ہر زمانہ میں انبیاءؑ نے پیشگوئیاں کی ہیں وہ بھی ابتک پوری ہو رہی ہیں۔ دیکھو توریت اور انجیل۔ پھر اِس زمانہ میں تازہ ثبوت کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے پورا ہونیکے چشمدید گواہ موجود ہیں۔

بالآخر واضح ہو کہ اگر خدا نہ ہوتا تو یہ تمام صفات جنکے ہونیکا پیچھے ثبوت دیا گیا اور جو یقیناً دُنیا میں پائی جاتی ہیں اور جنکے ہونیکا کسی کو بھی انکار نہیں یہ بھی دُنیا میں نہ ہوتیں کیونکہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا محال ہے۔ پھر جب صفات نہ ہوتیں تو یہ جہان بھی نہ ہوتا کیونکہ اِس جہان کا ہونا اِن صفات ہی کے نتیجہ میں ہے۔ مثلاً اگر صفتِ خلق نہ ہو تو مادہ سے بنی ہوئی کوئی چیز بھی نہ ہو اور مثلاً اگر صفت مبدع نہ ہو تو سرے سے مادہ کا وجود ہی نہ ہو لیکن چونکہ یہ جہان موجود ہے اور کسی کو بھی اِسکے ہونیکا انکار نہیں کیونکہ مادہ سے بنی ہوئی بیشمار

چیزیں ہمیں نظر آرہی ہیں جنکے مجموعہ کا نام ہی جہان ہے اور نیز تمام صفات بھی اس جہان میں پائی جاتی ہیں جنکا پیچھے ذکر آیا لہٰذا یقیناً ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ ہے کیونکہ بحکم علوم متعارفہ مسلمہ صفت کا بغیر موصوف کے ہونا ناممکن ہے اس بیان سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کرنے کیلئے اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف صفات کے ثبوت کے ذریعہ سے ہی خدا تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کرنا کافی ہے کیونکہ کسی چیز کی ہستی کو ثابت کرنیکے یہ معنے ہیں کہ اس چیز کی ذات کو ثابت کیا جائے۔ اور ذات ثابت نہیں ہو سکتی جبتک صفات کو ثابت نہ کیا جائے۔ پس اس مضمون دیدارِ الٰہی میں جبکہ صفات کو ثابت کر دیا گیا تو ذات کا ہونا خود بخود ثابت ہو گیا اور درحقیقت صفات کے ثبوت کے بعد کوئی نئی دلیل ہو بھی نہیں سکتی۔

خاتمہ مضمون دیدارِ الٰہی ۱

واضح ہو کہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ کی جو صفت دُنیا میں ظاہر ہوئی وہ صفتِ خلق یعنے صفت صنعت ہے۔ باقی تمام صفات اسی صفت صنعت کی شاخیں ہیں خواہ وہ کلام ہی ہو کیونکہ جیسا کہ پیچھے ثابت کیا گیا کلام دراصل فعل ہے اور فعل صنعت کا ہی دوسرا نام ہے۔ چنانچہ یہانتک جس جس صفت کا ذکر ہوا اُس کا ثبوت خدا تعالیٰ کی مصنوعات کی تشریح سے ہی دیا گیا ہے لیکن چونکہ اُس غیر محدود ہستی کی کاریگریوں کا شمار کرنا محدود انسان کی طاقت سے باہر ہے اور اُسکی ہستی کے ثبوت کیلئے اسی قدر صفات کا بیان کافی ہے۔ اور چونکہ صفت خوبی کو کہتے ہیں اور خوبی حُسن کا ہی دوسرا نام ہے لہٰذا میں اُس ہستی کی صفات کے بیان کو اس شعر پر ختم کرتا ہوں ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

دیدارِ الٰہی ۲

مضمون دیدارِ الٰہی ۱ ختم ہوا۔ اِس کے بعد مضمونِ دیدارِ الٰہی ۲ انشاء اللہ عنقریب شائع ہوگا۔ اُس میں مَیں نے ہستی باری تعالےٰ کے متعلق بعض اعتراضات اور سوالات کا جواب دیا ہے۔ اسکے علاوہ بعض حقائق و معارف کے ذریعہ صفاتِ الٰہی کی مزید وضاحت کی ہے اور رفیع العروج کے صوفیا اور علماء کے بعض غلط خیالات کا رد کیا ہے نیز محبت کی حقیقت اور اُس کا فلسفہ بھی خوب کھول کر بیان کر دیا ہے کیونکہ اس کے متعلق ایک بہت بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔

اپنی

تمام طبّی ضروریات

کے لئے

دواخانہ نورالدینؓ میں

تشریف لائیں

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ستّر کتابیں

(صرف)

پچیس (۲۵) روپے میں !

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ستّر کتابیں جو رسالہ ریویو کے سائز پر قریباً چھ ہزار صفحوں کی ہیں صرف پچیس (۲۵) روپے میں فروخت ہو رہی ہیں۔ پہلے یہ کتابیں تیس (۳۰) روپے میں فروخت ہوتی تھیں مگر اب پہلے سٹاک میں سے بعض ختم ہو گئی ہیں اسلئے قیمت پچیس (۲۵) روپے کر دی گئی ہے بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:-

براہین احمدیہ مکمل	تریاق القلوب
کتاب البریہ	ایام الصلح
آئینہ کمالات اسلام	اربعین ہر چہار حصہ
شہادۃ القرآن	نسیم دعوت
نور القرآن	شحنۂ حق
ملفوظات	تذکرۃ الشہادتین
مسیح ہندوستان میں	لجۃ النور

یہ سب کتابیں نئی ہیں۔ آرڈر کے ہمراہ دو روپے ارسال فرمائیں!

ملنے کا پتہ

مینیجر رسالہ ریویو اردو۔ قادیان

ماہنامہ اُردو

ریویو آف ریلیجنز (قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

مدیر

عبدالقدیر نیاز

[illegible] مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۵ء

[illegible] امان ۱۳۲۴ ہش

ع ۳

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اُردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنہ ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیشِ نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دار الامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے اتو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرون ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئے۔ ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ واری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اُردو ماہنامہ ہے، بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چھیالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	[illegible] روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	پچاس روپے	[illegible]

[illegible] اللہ محمد رسول اللہ

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۴ | ماہِ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۵ء | عدد ۳

فہرستِ مضامین

طیارات اور قرآن مجید

(از جناب مولنا جلال الدین صاحب شمس از لنڈن)

مسلمانوں نے قرآن مجید میں تدبر کرنا ترک کر دیا تھا۔ گذشتہ مفسرین کی تفسیروں سے زائد بیان کرنا ناممکن خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہوں نے قرآن مجید کی اصل حقیقت کو واضح کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید خدا کا قول ہے اور صحیفۂ فطرت خدا کا فعل ہے۔ جیسے صحیفۂ فطرت کے خواص و عجائب کی کوئی انتہا نہیں ویسے ہی خدا کے قول میں جو معارف و حقائق مضمر ہیں اُن کی کوئی حد نہیں۔ گویا قرآن مجید ایک بے کنار سمندر کی طرح ہے جس کی اتھاہ کی کوئی انتہا نہیں۔ ہاں یہ ایک شیریں ثمار خوشنما درخت کی مانند ہے۔ جو بلا انقطاع ہر زمانہ میں تازہ بتازہ پھل دیتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اگر یہ درست ہوتا کہ گذشتہ مفسرین نے قرآن مجید کے تمام معارف و حقائق کا احاطہ کر لیا تھا تو اس کی آیات میں تدبر کا حکم کیوں دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ کہ اُنہیں کیا ہو گیا۔ وہ قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ یعنی قرآن مجید میں تدبر نہ کرنا عدم ایمان کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور تدبر سے اس کے معارف و معانی پر عدم اطلاع قفل کی علامت ہے۔ پس جو شخص کھلے دل سے قرآن مجید کی آیات میں غور کرے گا۔ اس کے دل پر قرآن مجید کے معانی کا حسب استعداد ورود ہوگا۔

اس وقت دنیا میں ایک احمدی گروہ ایسا ہے۔ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مبارک نظریہ سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ وہ اس کی آیات میں غور کرتے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے بعض اوقات اُنہیں نئے معانی پر بھی اطلاع دے دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کو جو یہ الہام ہوا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن۔ تو اس کا یہی مطلب تھا کہ حضرت مسیح موعود کے ذریعہ معنوی لحاظ سے قرآن مجید کا دوبارہ نزول ہوگا۔ یعنی جیسے آنحضرت صلعم کے زمانہ میں قرآن مجید نے اپنا اعجاز دکھایا ویسے ہی اس زمانہ میں وہ اپنا معنوی اعجاز دکھا [illegible]

لے حضرت امیر المومنین مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا درس قرآن سُنا یا پڑھا ہے اور جنہیں قرآن مجید کی آیات میں تدبر کرنے کی عادت ہے اُن پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید اِس زمانہ پر بھی ویسے ہی چسپاں ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ کے وقت پر ہوا۔

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۙ

قرآن مجید۔ احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں اور تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں مکذبین کو عموماً اور تثلیث پرستوں کو خصوصاً جن میں سے اکثر دہریہ ہوں گے سخت عذاب دیا جائے گا۔ آخرت میں تو انہیں سزا ملے گی لیکن اس دُنیا میں بھی اُنہیں جنگوں کی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ چنانچہ اس عذاب کی مجمل سی کیفیت سورہ الذّٰریٰت میں بھی بیان کی گئی ہے۔ قدیم مفسرین نے سورہ الذّٰریٰت کی پہلی چار آیات کی اپنے زمانہ اور اپنے علم کے مطابق مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن اِس زمانہ کی ایجادات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ آیات پُورے طور پر ہوائی جہازوں اور اُن میں اُڑنے والی جماعتوں پر صادق آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۙ یعنی ہم اُن چیزوں کی یا اُن جماعتوں کی قسم کھاتے ہیں جو فضائے آسمانی میں اُڑنے والی ہیں۔ ذرا الشّی ذروًا کے معنے ہیں طار فی الھواء یعنی وہ چیز ہوا میں اُڑی پس ذاریات کے معنے ہوئے اُڑنے والی چیزیں یا جماعتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ۔ یہی نہیں کہ وہ محض چیزیں ہوا میں اُڑتی ہیں بلکہ وہ بہت سا بوجھ بھی اُٹھانے والی ہیں۔ وِقْر بھاری بوجھ کو کہتے ہیں جن سے نہ اُٹھایا جاسکے۔ جنگ کے دوران میں طیارات کی یہی کیفیت ہے۔ ان میں بوجھ کا اونسوں تک حساب کیا جاتا ہے۔ تا جتنا وزن طیارہ اُٹھا سکتا ہے اس سے زیادہ وزن نہ ہو جائے۔ گویا اتنا بھاری بوجھ اُٹھانے والی ہیں کہ اس سے زیادہ نہیں اُٹھا سکتیں۔ پھر اس بوجھ کے باوجود فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۙ۔ وہ نہایت آسانی سے بلا روک ٹوک تیز چلنے والی ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ پھر وہ کام کو تقسیم کرنے والی ہیں۔ اگر جماعتیں مُراد لیں تو ظاہر ہے۔ نیز ہر طیارہ میں پائلٹ۔ نیویگیٹر۔ بم کا نشانہ درست کرنیوالا۔ وائرلیس اوپریٹر وغیرہ ہر ایک کی ڈیوٹیاں اور کام مقرر ہوتا ہے پھر مختلف کمانڈوں کے ماتحت مختلف کاموں کیلئے طیارات ہوتے ہیں۔ اور اگر طیارات مُراد لیں۔ تو یہ مجازی رنگ میں ہوگا۔ یعنی ان سے مختلف کام لئے

جائیں گے۔ اور ان کے کاموں کے لحاظ سے طیارات کی کئی قسمیں ہوں گی۔ اور اُن کی اقسام کے مدنظر جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔

یہ چاروں صفات طیارات میں پائی جاتی ہیں۔ ان کا ہوا میں اُڑنا تو بالکل عیاں ہے دوسرے اُن میں بوجھ رکھکر بھی لیجایا جاتا ہے۔ ایک بمبار میں اسّی نوّے گیلن تو پٹرول رکھا جاتا ہے۔ جس کا وزن پانچہزار پونڈ کے قریب ہوتا ہے۔ برٹش Fully Utility بمبار جب loaded یعنی پورا لدا ہوا ہو تو اُس کا وقت بارہ چودہ ٹن کے قریب ہوتا ہے۔ دو سو میل سے زیادہ فی گھنٹہ رفتار ہوتی ہے۔ اور جب بمبار بم گرا دیتے ہیں تو اس کے لئے بھی یہی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں کہ اس نے اپنا بوجھ نیچے ڈال دیا۔ اب تو بارہ بارہ ہزار پونڈ کا ایک ایک بم گرایا جاتا ہے۔ پھر گلائڈرز ہیں جن میں فوجوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جاتا ہے۔ نیز ہلکے ٹینکس بھی ان میں لیجائے جاتے ہیں۔ ہوائی جہازوں کی تیز رفتاری کی یہ کیفیت ہے کہ پانچسو میل فی گھنٹہ رفتار کے ہوائی جہاز بھی ہیں۔ پس ان کے اَلْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ اور وہ مُقَسِّمٰتِ مجازی طور پر کہلائیں گے۔ کیونکہ اصل میں کام کی تقسیم اور اُن کی ڈیوٹیاں ایئر فورس کی کمانڈ والے کرتے ہیں۔ ان کی کاموں کے لحاظ سے بڑی تقسیم یہ ہے۔ بمبار جو بم اُٹھا کر لیجاتے ہیں اور دشمن کے علاقہ میں جا کر گرا دیتے ہیں۔ فائٹرز یعنی لڑاکے جہاز جو دشمن کے بمباروں کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے بمباروں کے ساتھ حفاظت کے لئے جاتے ہیں۔ تاکہ دشمن کے فائٹرز اگر بمباروں کو گرانا چاہیں تو اُن کا مقابلہ کریں۔ پھر بمباروں اور فائٹرز کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً برطانیہ کے مشہور بمبار چار انجن والے شارٹ سٹرلنگ کے علاوہ ہالیفاکس۔ ایورو مانچسٹر ولنگٹن۔ وٹلیز وغیرہ ہیں۔ اور فائٹرز۔ ہریکین۔ سپٹفائر۔ ٹائیفون۔ دو انجن بوفیٹر اور ورل ونڈ وغیرہ ہیں۔ یہ تو ایئر کمانڈ کے ماتحت ہیں۔ اس کے علاوہ Coastal Command (کوسٹل کمانڈ) ہے۔ جن کے ماتحت بمبار۔ فائٹرز کے علاوہ ٹارپیڈو اٹھانے والے اور مائنز ڈالنے والے جہاز ہیں۔ پھر بعض پتہ لگانے والے جہاز ہیں جو دشمن کے جہازوں وغیرہ کی آمد و رفت یا جو اپنے طیارات نے دشمن کو نقصان پہنچایا ہو اُس کا پتہ لگانے کے لئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے مشہور طیارات ہیڈسنز۔ اینسنز۔ سینڈرلنڈز وغیرہ ہیں۔ پھر فلیٹ ایئر آرم ہے۔ پھر فلائنگ بوٹس ہیں۔ فلائنگ بوٹ پر جب پورا بوجھ رکھا جائے تو اس کا کُل وزن پچیس (۲۵) ٹن ہوتا ہے۔ پھر ایک سروس Sea and Rescue ہے۔ جب فلائنگ بوٹ روانہ ہوتی ہے تو اُسے اگر کوئی حادثہ پہنچے تو اُس میں کام

کرنیوالوں کو بچانے کے لئے اس سروس کے ہوائی جہاز جاتے ہیں۔ پھر ایک آدمی کو اپریشن کمانڈ ہے یعنی فوجوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے جو ہوائی جہاز ہیں وہ ایک خاص کمانڈ کے ماتحت ہیں جو دشمن کی فوج پر بمباری کرتے ہیں۔ اس طرح گویا جہازوں کی کئی اقسام ہیں اور ان کے مختلف کام ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ سب قسم کے ہوائی جہاز اور جو جماعتیں ان میں اُڑتی اور کام کرتی ہیں اس بات کی علامت اور گواہ ہیں اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ اے مکذبو! جس عذاب کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور تم پر یقینی طور پر عذاب آنیوالا ہے۔ اور تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا۔ یہ انواع واقسام کے ہوائی جہاز جو تم نے ایجاد کئے ہیں تمہارے لئے ہی عذاب کا باعث بنیں گے۔ پھر فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ ہم فضائے آسمانی کو بھی پیش کرتے ہیں جو راستوں والی ہے۔ اس میں بتایا کہ فضاء میں بھی زمین کی طرح راستے مقرر کئے جائیں گے۔ چنانچہ ہوائی جہازوں کے لئے اسی طرح [illegible] اور لائنیں متعین کی جاتی ہیں۔ جیسے کہ زمین پر ریلوے وغیرہ کے لئے ہیں۔ فرمایا کہ یہ فضاء ہاں راستوں والی فضاء جس میں مختلف اقوام نے مختلف راستے طیارات کے لئے تجویز کئے ہیں اس امر کی دلیل ہوگی کہ تم حق کی تکذیب میں راستی پر نہیں۔ بلکہ تمہارا اعتقاد تمہاری باتیں حق سے بالکل مختلف ہیں۔ نیز حق کے مقابلے میں مختلف اور متناقض بات کرنا تمہارا شیوہ ہے۔ کبھی ایک خیال پر تمہیں ثبات نہیں ہے۔ سچے مذہب اور خدا کے رسول کے متعلق تمہاری حالت بالکل سیماب کی مانند ہے۔ کبھی کچھ کہتے ہو اور کبھی کچھ۔ کبھی کہتے ہو کہ محمد صلعم بڑے بزرگ اور ایک بے نظیر ریفارمر اور فلاسفر تھے۔ کبھی کہتے ہو کہ وہ دعوے وحی میں نعوذ باللہ مفتری اور کاذب تھے۔ کبھی کہتے ہو وہ دعوئے وحی میں دھوکہ خوردہ تھے۔ کبھی کہتے ہو وہ سچے نبی تھے لیکن صرف عرب کے لئے تھے۔ قرآن مجید کے متعلق کبھی کہتے ہو دوسری کتابوں کی نقل ہے۔ کبھی کہتے ہو اس میں واقعات کو غلط طور پر بیان کیا گیا ہے۔ غرضیکہ مذہب کے متعلق تمہاری کوئی بات تضاد سے خالی نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قرآن مجید حق ہے جزا کا معاملہ بھی برحق ہے۔ اور حق سے وہی پھیرا جاتا اور محروم رہتا ہے جو ضعیف العقل اور کم عقل ہو۔ اُفِكَ الرَّجُلُ کے معنے ہیں ضَعُفَ عَقْلُهٗ۔ کہ اس کی عقل کمزور ہوگئی۔ پھر فرمایا قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ یہ جھوٹے اور مذہبی امور میں اپنے نظریات کی ظن اور انکل پر بنیاد رکھنے والے ہلاک ہوگئے۔ جو شدت جہالت کی وجہ سے حقیقت سے غافل و بے پرواہ ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ اچھا بتلایئے تو وہ جزا کا دن کب آئیگا۔

جس دن کہ وہ آگ سے عذاب دیئے جائیں گے۔ لو اب اس دُکھ اور عذاب کا مزا چکھو یہی تو وہ عذاب ہے جسے تم جلدی چاہتے تھے۔

پھر ان کے مقابلے میں متقیوں کا انجام بتایا ہے۔ اور ان کی ان صفات کا ذکر کیا ہے جنکی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کے انعامات کے وارث ہوئے۔ آخر میں آسمان اور زمین کے رب کی قسم کھائی ہے۔ کہ ان کی صفتِ ربوبیت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ قرآن مجید حق ہے اور جزا سزا ضرور ہوگی۔ اور یہ کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے۔ اور یہ ایسی ہی یقینی اور پختہ بات ہے۔ جیسے تم بولتے ہو۔ یعنی خدا تعالیٰ کے بولنے میں بھی شک نہیں۔ اور یہ کہ جزا سزا کا ہونا ضروری ہے۔ پھر اس کے ثبوت کیلئے کہ خدا ایسے غافل اور بے پرواہ لوگوں کو عذاب دیا کرتا ہے حضرت لوطؑ کی قوم کی تباہی اور فرعون کا اپنے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں غرق ہونا اور عاد و ثمود کی تباہی اور حضرت نوحؑ کی قوم کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے۔ لیکن لوطؑ کی قوم کی بربادی کے ذکر سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو ایک غلامِ علیم کے دیئے جانے کی خوشخبری دی ہے۔ جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس سورت میں جن لوگوں کو عذاب دیئے جانے کا ذکر ہے انہیں بھی یہ آگ کا عذاب اُس وقت دیا جائے گا جبکہ اس زمانہ کے ابراہیمؑ کے علیم بیٹے کی روحانی بلوغت کا زمانہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت امیرالمؤمنین مصلح موعود ایدہ اللہ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ کہ وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ چنانچہ جس سال آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اُسی سال گذشتہ جنگ عالمی شروع ہوئی اور اب دوسری عالمی جنگ کے دَوران میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر آپ کے مصلح موعود ہونیکا انکشاف فرمایا۔ اور عذاب کی نوعیت حضرت لوطؑ کے واقعہ سے بتائی۔ کہ ان پر پتھروں کی بارش کی بجائے بموں کی بارش ہوگی۔ دوسرے فرعون اور قوم نوحؑ کی طرح سمندروں میں غرق ہونگے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اِن جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے۔ کہ نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔ اور لوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔

ظِلٍّ ذِي ثَلٰثِ شُعَبٍ ؕ

سورۃ المرسلات میں اِس عذاب کی اور تفصیل بیان کی ہے۔ فرمایا اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ لو اب تم اس عذاب کی طرف چلو جسکی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِي ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ ہاں تم اس سایہ کی طرف چلو جو تین شاخوں والا ہے لیکن نہ تو وہ کوئی

آرام وہ سایہ ہے۔ اور نہ اُس سے ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّھَبِ ۞ نہ ہی وہ شعلوں کی گرمی سے بچا سکتا ہے۔ بلکہ یہ تینوں شاخیں بڑے بڑے آگ کے انگارے قصر کی مانند پھینکیں گے اور وہ ایسے نظر آئیں گے جیسے کہ زرد یا سیاہی مائل اونٹ ہوتے ہیں۔ ان تین شاخوں والے سایہ سے مراد جنگ کے تین بڑے بڑے شعبے ہیں۔ ایئر فورس۔ نیوی اور لینڈ آرمی یعنی ہوائی طاقت۔ بحری طاقت اور فوج۔ یہ تینوں قسم کی قوتیں جنہیں یورپین اقوام اپنی حفاظت اور امن کا ذریعہ سمجھینگی وہی ان کے عذاب کا باعث ہونگی۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت بھی ہے کہ یہ صلیب کی عبادت کرنیوالوں سے کہا جائیگا۔ موجودہ جنگ میں ان تینوں قوتوں کا ذکر ہر موقعہ پر کیا گیا ہے انہلاؔ میں بھی عنوانوں میں ایئر فورس۔ نیوی۔ آرمی۔ تینوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یہ تینوں قوتیں بڑے بڑے گولے اور بم وغیرہ پھینکتی ہیں اور جب وہ بم پھٹتے ہیں تو اُن سے جو دھواں نکلتا ہے وہ اونٹوں کی مانند نظر آتا ہے۔ پیادہ فوجیں بھی اب ٹینکس مشین گنز وغیرہ کے ذریعے شرارے پھینکتی ہیں۔ جنگی جہاز بھی توپوں سے بمباری کرتے ہیں۔ اور اُن کی بڑی بڑی توپیں بھی کچھ کچھ اونٹوں سے مشابہ ہوتی ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِن مکذبینِ آخرت و قرآن کے لئے جو عذاب مقدر ہے اس کے تین شعبے ہونگے۔ ایئر فورس۔ نیوی اور آرمی۔ پس یہ ان کے لئے دُنیا کا عذاب ہوگا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا الہام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا۔ کہ آپ ہوا میں تیر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ عیسےٰؑ تو پانی پر چلتے تھے اور مَیں ہوا میں تیر رہا ہوں۔ اور میرے خدا کا فضل ان سے بڑھکر مجھ پر ہے۔ (تذکرہ ص۲۲۱)

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ متبعین حضرت مسیح موعودؑ کو ہوائی طاقت ملیگی تو اس وقت سورہ ذاریات کی پہلی چار آیات ان احمدی ہوا میں اڑنے والی جماعتوں پر بھی چسپاں ہوں گی۔ جو دُنیا میں خدا تعالےٰ کی توحید اور قرآن مجید کی صداقت کو پھیلائیں گی۔ تو اُس وقت جو وعدہ متقیوں کے لئے اِس آیت میں مذکور ہے وہ پُورا ہو جائے گا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞

ایک تبلیغی خط

(از جناب نواب اکبر یار جنگ صاحب بہادر حیدر آباد دکن)

عزیزی .... نے آپ کا خط مؤرخہ .... مجھے دکھایا۔ خط کو میں نے کئی مرتبہ پڑھا اور ہر مرتبہ پڑھنے کے بعد یہ یقین واثق ہوتا گیا کہ احمدیہ لٹریچر نے جو آپ کو پڑھنے کیلئے دیا گیا تھا آپ کے دل و دماغ کو اس طرح جھنجوڑا کہ آپ کے سوتے ہوئے شعور نے بیداری کے آثار ظاہر کرکے ایک انگڑائی لے کر کروٹ لے لی ہے۔ اور اس بحرانی کیفیت میں دل و دماغ پر چھائے ہوئے خیالات کو سمیٹ کر آپ نے استفسارات کی شکل میں جویائے حق کے شبہات کے طور پر جواب طلب کے لئے پیش کر دیا ہے۔ معلوم نہیں قادیان سے ان استفسارات کا کوئی جواب آیا یا نہیں۔ آئے گا تو کب آئے گا اور کیا آئے گا لیکن آپ کے نہایت مخلصانہ استفسارات اور قابلِ ہمدردی شبہات دیکھکر خود میرے دل میں جو اُبال پیدا ہوا ہے اُسکو آپ کے سامنے پیش کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ شائد میرے خیالات آپ کی نظر میں کچھ وسعت پیدا کر سکیں اور آپ خود اپنے شبہات پر اس کے سہارے سے مزید غور کر سکیں۔

آپ نے جتنے شبہات پیش کئے ہیں وہ زیادہ تر مفروضات اور ایسے قیاسات پر مبنی ہیں جو آپ کے اپنے ذاتی خیالات اور ذوقِ وجدان سے پیدا ہوئے ہیں۔ مذہب کی نسبت شائد یہ اصل آپ کے زیرِ نظر ہوگا کہ اُس کے احکام خصوصاً وہ احکام جو بناءِ ایمان و اسلام ہیں توقیفی ہیں نہ کہ توفیقی۔ کفر و اسلام تو اصطلاحیں ہیں جو اوصاف سے تعلق رکھتی ہیں نہ کہ اشخاص سے۔ جن اشخاص میں وہ اوصاف پائے جائیں گے اُن پر یہ اصطلاحیں منطبق ہو سکیں گی۔ وہ اوصاف جو اسباب و موجبات کفر ہیں اُن پر اس وقت کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فقہ کی کتابوں میں سے عالمگیری اور علم کلام کی کتابوں میں سے شرح مقاصد کے مطالعہ سے آپ پر یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ باوجود تمام احکام اسلامی کی پابندی کے محض ایک یا دو باتوں کے نہ ماننے سے بھی کفر کا اطلاق کس طرح ہو سکتا ہے

جس کو کفر دون الکفر کہا گیا ہے۔

آپ نے سب سے پہلے شبہ کو اس سوال میں ظاہر کیا ہے کہ "مثلاً ایک شخص پابندِ شریعت ہے۔ سنتِ مصطفوی کے راہ پر آنکھیں بچھاتا ہے اور جس طریق پر خود آپ جماعت کو چلنے اور گامزن رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں اُسی نقشِ قدم پر راہروی کرتا ہے۔ صرف جناب مرزا صاحب کو مسیح موعود ماننے میں قلب مطمئن نہیں ہے تو کیا وہ کافر ہے؟ کیا یہ انکار تمام اعمالِ صالحہ کو مٹا دے گا اور کیا یقین پیدا نہ ہوسکنے کی وجہ سے اُس کی نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ و حج سب باطل ہو جائیں گے؟"

اس سوال کو آپ نے جس طریقہ پر پیش کیا ہے اس کے الفاظ سے یہ بات تو قطعی طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کا طریقِ عمل خالص اسلامی اور سنتِ مصطفوی کے مطابق ہے۔ اور آپ یہ فرض کر کے کہ جو شخص ان اعمال کو اسی طرح بجالاتا ہے جس طرح احمدی بجالاتے ہیں تو وہ کافر کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب تفصیل میں جائے بغیر شاید یہ کہدینا کافی ہوگا کہ مسلمان بحیثیت مجموعی بلا لحاظ فرقہ و جماعت کے مسیح و مہدی کے منتظر ہیں جو ان کی اصلاح کے لئے بھیجے جائیں گے۔ اور اس طرح یہ مسئلہ ان کے عقائد میں داخل ہے جس کی تکمیل کے وہ منتظر ہیں اس لئے مسیح و مہدی جب آئیں تو ان کا ماننا ضروری ہے۔ ورنہ ان کی حالت یہود کی اس حالت کے مشابہ ہو جائیگی جس کو قرآن پاک نے بایں الفاظ ظاہر فرمایا ہے:۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ

ایک اور طریقہ پر بھی اس عقیدہ کی تائید ہو سکتی ہے۔ ایک مشہور و مسلمہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

وَمَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةِ۔

اور ظاہر ہے کہ مسیح و مہدی موعود کی موجودگی میں دوسرا کون امام زمانہ ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے مفروضہ اعمال صالحہ بجالانے والے شخص کا مسیح موعود سے انکار مسلمہ طور پر موجب کفر ہوگا۔ نیز اپنے سوال پر آپ اس طرح بھی غور فرمائیے کہ اگر کوئی غیر مسلم شخص یہ کہے کہ ہم موحد ہیں قطعی کوئی شرک نہیں کرتے اور تمام نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ صرف رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت قلب مطمئن نہیں ہوتا۔ کیا ہمارے سارے نیک اعمال محض رسولؐ کی شخصیت قبول نہ کرنے کی وجہ سے باطل ہو جائینگے؟ تب آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔ اُس وقت آپ جو جواب دیں گے وہی جواب ہمارا بھی تصور کیا جائے۔ ملا نا دوم کا جواب تو اس بارہ میں یہ ہے:۔

مگسل از پیغمبر ایام خویش ٭ تکیہ کم کن بر فن و بر کام خویش

اس سے زیادہ تر واضح اور برمحل مثال شاید خود عیسٰی علیہ السلام اور آپ کا مقابلہ کرنیوالے یہودیوں کی ہو سکتی ہے جو توریت پر عمل اور توریت کے مطابق اعمال صالحہ بجالانے کے دعویدار تھے۔ اور عیسٰی علیہ السلام توریت کے متبع اور اُس کی تنسیخ یا تبدیلی کے لئے نہیں بلکہ اُس کی تکمیل کے دعویدار تھے۔ باوجود اس نیک اعمالی کے جس کے یہود دعویدار تھے اُن کا دل عیسٰی علیہ السلام کی حیثیت و وجاہت و معجزانہ پیدائش کے مدنظر آپ کے ادعائے نبوت پر مطمئن نہ ہو سکا۔ کیا آپ اُن کو معذور سمجھ کر اُن کی نجات کا فتویٰ دے سکتے ہیں؟ جو جواب آپ کا ان یہودیوں کے متعلق ہوگا وہی جواب ہمارا اُس شخص کے متعلق تصور کر لیجئے جو مسیح موعود کی آمد اور اسکے ماننے کے بارے میں ہم سے متفق ہو کر کہے کہ تعیین شخصی کی حد تک "صرف جناب مرزا صاحب کو مسیح موعود ماننے میں قلب مطمئن نہیں ہو سکا۔ کیا ایقان صحیح نہ ہونے کی وجہ سے قلب مجبور ایمان سے دور متصور ہوگا۔ حالانکہ مخالفت اور عناد کا شائبہ بھی دل میں نہ ہو۔"

اس سلسلہ میں سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ قلب کی بے اطمینانی کے وجوہ کیا ہو سکتے ہیں۔ دعوےٰ صاف ہے اور الہام و وحی کے ساتھ اور اُس کی بناء پر ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ:۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ (پارہ ۲۴۔ آیہ اوّل)

پس اگر الہام و وحی الٰہی کی تکذیب نہیں کی جا سکتی تو ماننا ضروری ہے خواہ قلب مطمئن ہو یا نہ ہو۔ اطمینانِ قلب ثانوی کیفیت ہے ایمان اس پر مقدم ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے جنہوں نے اپنے رب سے عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ "اَوَلَمْ تُؤْمِنْ" حضرت ابراہیمؑ نے جواباً عرض کیا "بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ" یعنی یہ اقرار کیا کہ ایمان لا چکا ہوں لیکن اس ایمان پر اطمینانِ قلب چاہتا ہوں پس ایمان کو اطمینانِ قلب پر منحصر کر کے ملتوی نہیں رکھا جا سکتا۔ پہلے ایمان بالغیب لاؤ پھر نعمتِ اطمینانِ قلب عطا کی جائیگی۔ اس لئے ایمان کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ بین الخوف والرجا ہوا کرتا ہے۔ فرعون کی نسبت تو آپ نے قرآن شریف میں پڑھا ہوگا کہ جب وہ حالت احتضار میں مشاہدہ پر اطمینان قلب حاصل ہونے کے بعد ایمان لایا تو کیا جواب ملا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ الغرض قلب کا اطمینان دلائل و بیّنات سے ہونا چاہئے۔ دلائل و بیّنات سے قطع نظر کر کے صرف

دل کی رغبت و بے رغبتی کچھ کام نہیں ہو سکتی۔ اگر دلائل و بیّنات کے بغیر صرف دل کا ردّ و قبول کافی سمجھا جا سکتا تو ابوجہل کی بے اطمینانی اور اس یقین و استقلال کی حالت کا اندازہ فرمائیے جس نے غلافِ کعبہ کو پکڑ کر حضرت رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتے ہوئے آپ کے خلاف یہ دُعا کی تھی :-

اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (انفال۔ پارہ ۹۔ رکوع ۴)

دیکھا آپ نے دل کے نہ ماننے کا کرشمہ؟ کیا اس واقعہ میں عبرت کا کوئی سامان نہیں؟ ایسے صریح ہدایات و بیّنات سے قطع نظر کرنے کے جو رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک ممتاز اور اپنی قوم کا سب سے بڑا آدمی جو "ابو الحکم" مشہور تھا محض دل کی بے اطمینانی پر قائم رہ کر "ابوجہل" بن گیا۔

یہ تو ابوجہل کا حال تھا۔ دوسری طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ کے زمانہ کے واقعہ پر نظر کیجئے۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ ہے جبکہ ابھی اُس کی جڑیں مضبوط نہیں ہونے پائی تھیں رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک گروہ مسلمانوں کا اِس بات پر اڑ گیا کہ زکوٰۃ لینا صرف رسول کا کام تھا۔ اب رسول باقی نہیں رہا اس لئے ہم زکوٰۃ نہ دیں گے۔ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اعراب کے اِس انکار پر متردد ہو گئے اور ان کا دل بھی اُن کی رعایت پر راغب ہو گیا لیکن خلیفۂ وقت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان سب کو جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا باوجود سارے اعمالِ صالحہ مفروضۂ اسلامی کا مُقر و عامل ہونے کے کفّار کی طرح قابلِ جہاد قرار دیا۔ اور کوئی مصلحت یا ہمدردی کام نہ آئی اور عمرؓ جیسے صحابہ کی تائید نے بھی کام نہیں دیا۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ :-

"اَنُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ"

کا اصول قابلِ قبول نہیں ہے۔ قرآن پاک نے کھولکر بیان کر دیا ہے :-

وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ

(پارہ ٦۔ رکوع اوّل)

ایسا مذہب و متردّد ایمان کہ مصالح کے لحاظ سے بعض باتیں قبول نہ کی جائیں قابلِ اعتنا نہیں ہے اس لئے کہ توقیفی احکام کسی رائے و قیاس و مصلحت کے تابع نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں

کہا گیا ہے کہ :-

اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (سورہ جاثیہ رکوع ۲)

اس آیۂ مبارکہ میں ہَوٰی کا جو لفظ ہے اس میں رائے وقیاس ومصلحتِ وقت کی پابندی داخل سمجھئے۔ اسی سلسلہ میں یہ امر قابلِ وضاحت ہے کہ آپ کا سوال بظاہر ایک فرد یعنی شخص واحد سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم یہود اسلام نہ لانیکی وجہ سے ملزم گردانی گئی ہے۔ اور کل یہود کھلے ہوئے کافر قرار دیئے گئے ہیں۔ باوجودیکہ اس قوم میں بعض ایسے صالحین بھی تھے جو اعمالِ صالحہ بجالاتے تھے۔ جیساکہ فرمایا گیا ہے کہ :-

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران۔ پارہ ۴۔ رکوع ۱۲)

مگر اس انفرادی کیفیت صلاح وتقوےٰ کو تسلیم کرکے بھی اجتماعی حکم یہود کے متعلق وہی قائم رہا جو آپ جانتے ہیں۔ کسی فرد کا صرف اعمالِ صالحہ بجالانا اس ساری قوم وجماعت کو جس سے وہ شخص خاص متعلق ہے اطلاق کفر اور اُس کے نتائج وعواقب سے بچا نہیں سکتا۔ اور اگر یہ شخص باوجود اعمالِ صالحہ بجالانے کے اُس جماعت میں شریک رہا اور اُن سے علیحدہ ہوکر اپنی بیزاری و بے تعلقی کا اقرار نہیں ہوا تو جو حکم جماعت کے لئے ہے وہی فرد مذکور پر بھی عاید کیا جائے گا اور اگر وہ اس جماعت سے علیحدہ ہوگیا اور اُس نے اُس سے بیزاری کا اظہار کردیا تو گویا وہ خود بخود اس جماعت میں شریک ہوگیا جس کے اعمالِ صالحہ کی وہ نقل کررہا تھا۔ یہی وہ اصول ہے جس کو سعدی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

چو از قومے یکے بیدانشی کرد ٭ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

پس جب ساری قوم یا جماعت میں سے کوئی ایک بیدانشی کرے تو آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جائیگا۔ یا وہ اس گروہ سے علیحدہ ہوجائے ورنہ قوم سے تناصر کرنے کے عواقب جھیلے۔ آپ تو ذی علم آدمی ہیں اسلامی فقہ پر نظر ہوگی جو نہایت مکمل اور جامع ہے۔ فقہ کی کتاب المعاقل کے عنوان سے ایک باب بھی اس بارہ میں باندھا گیا ہے۔ کہ ایک "قاتل" کے قتل وجنایت کی بنیاد پر اس اصول پر کہ قوم یا گروہ یا جماعت میں باہمی تناصر مفروضہ شرعی ہے۔ پوری قوم یا گروہ یا جماعت پر ایسے

قتل کی ذمہ واری عائد کر دی جاتی ہے جس کا قاتل نامعلوم ومجہول ہو۔ اور جس کو قوم سزا کے لئے حوالہ نہ کرے۔ پس یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں آپ کو کوئی معقول اور واقعی شبہ کرنے کی گنجائش مل سکے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ اس اصولِ تناصر کو اس طرح بھی استعمال کیا گیا ہے :۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○ (پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع دوم)

دیکھئے! فسق کریں امراء ومتمولین اور اُن کے فسق کا نتیجہ بھگتے سارا گاؤں یا شہر۔ آٹے کے ساتھ گھن کا پسنا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ اسلئے آپ کا مفروضہ اعمالِ صالحہ بجالانے والا شخص اگر کسی ایسے گروہ یا جماعت سے تعلق رکھتا ہے جو مجرم ہے تو اُن کے ساتھ سزا پائے گا اور اُس کے اعمالِ صالحہ کسی طرح اُس کو بچا نہ سکیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ (پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۱۰)

مسیح موعودؑ کے دعوے کو نظر انداز رکھنے والے اور جانچ و پڑتال کے بغیر انکار کر دینے والے ظالم ہی ہیں اس لئے اُن کا شریک ... انہیں کے ساتھ (اگر وہ علیحدہ نہ ہوا ہو) عواقب برداشت کریگا۔ اب رہے اُس کے ذاتی اعمالِ صالحہ اگر فی الحقیقت وہ خدا کی نظر میں قابلِ قبول ہیں تو اُن کا نتیجہ وہ ہونا چاہئے جو حدیث میں واضح کیا گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہمارے اعمالِ صالحہ جو ہم نے اسلام سے پہلے کئے ہیں سب اکارت جائینگے؟ آپ نے فرمایا کہ :۔

" اَسْلَمْتَ بِمَا اَسْلَفْتَ "

یعنی اُن ہی اعمالِ صالحہ کا یہ اجر ہے کہ تم کو اسلام نصیب ہوا۔ پس آپ کے سوال مفروضہ کا بھی یہی جواب ہو سکتا ہے کہ اگر فی الحقیقت اعمالِ صالحہ اُس شخصِ مفروض کے ایسے ہیں جو مسیح موعودؑ مامور من اللہ سے مخالفت وعناد کا شائبہ رکھے بغیر ادا کرتا ہے اور وہ بارگاہ الٰہی میں قابلِ قبول ٹھہریں تو مجھے یقین ہے کہ وہ نعمتِ **احمدیت** سے محروم نہ رکھا جائیگا۔

یہی آپ کے اُس شبہ کا جواب ہے جو شاید سب سے زیادہ اہم اور ضروری الجواب تھا۔ بقیہ شبہات پھر پھرا کر اسی نقطہ پر آجاتے ہیں اسلئے اُن کے علیحدہ تفصیلی جواب کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ اس جواب میں بھی میں نے جہاں تک ممکن تھا محض مختصر اشارات کئے ہیں۔ اس پھر دوسرے پر

کہ ان اشارات سے آپ کا علم تازہ ہوجائے گا اور آپ تفصیلات پر خود عبور حاصل کرلیں گے۔
بقیہ شبہات میں جن حالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ خود آپکے غور مکرر کے محتاج ہیں۔ اسلئے میں انکو ایک جگہ جمع کرکے صرف اُن کی حیثیت آپ پر واضح کردیتا ہوں۔

(۱) "یہ امر کہ قرنِ اوّل کے واقعات شہادت حضرت عثمان و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ایسے سخت اور تباہ کن تھے جن کا اثر اب تک باقی ہے اسلئے اگر مسیح نے آنا تھا تو اُس زمانہ میں آنا تھا۔"

(۲) "جبکہ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی حدیث موجود ہے جس میں رسول اللہ کو شریک نہیں کیا گیا ہے تو یہ تفرقۂ عظیم کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھ سکے اور سارے مخالف کافر سمجھے جائیں گے شبہ انگیز ہے۔"

(۳) بجز اسلام کے کیوں مذاہب باطلہ نے اپنے رشی اور اوتار و مہاتماؤں کی نسبت جدتیں اختیار نہیں کیں اور کس لئے ہم مسلم شیرازۂ اتحاد کو بادِ مخالفت کے تند جھونکوں کا دفتر پریشان بنا رہے ہیں اور اخلاق کے بلند ترین اوج سے بوجہ اختلاف انتہائی حضیض کے غاروں میں دھکیلے جارہے ہیں؟

اگر آپ کے ذہن میں یہ امر محفوظ ہوتا کہ اسلام میں مامورین و مصلحین و مجددین کس غرض کیلئے بھیجے جاتے ہیں تو شاید آپ سوال اوّل پیش ہی نہ کرتے۔

تیرہ سو برس کے عرصہ میں مسلمانوں کے باہمی کشمکش و اختلافات سے دین میں جو خرابی پیدا ہوگئی ہے اور جس کی وجہ سے دین کی اشاعت بھی رُک گئی ہے کیا اُس کی اصلاح ضروری نہیں؟ یقیناً ضروری ہے اور اس کے ساتھ اشاعتِ دین جو ہر فردِ مسلم و جماعتِ مسلمین کا اہم ترین بلکہ اوّلین فریضہ ہے اور اُس کی ادائی بغیر امام و مامور من اللہ کے ناممکن ہے۔ قرنِ اوّل میں جو کچھ بھی کُشت و خون ہوا اُس کے لئے کسی مجدد کا آنا ضروری نہ تھا۔ محض کشت و خون کو روکنے کے لئے کسی مصلحِ آسمانی کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ اُس وقت دین بتانے والے اور اُس کی اصلاح و تبلیغ کرنے والے صحابہؓ موجود تھے مجدد کا اُس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

دوسرے سوال کا جواب اُوپر آگیا ہے کہ باوجود کلمہ پڑھنے اور اسلامی اعمال بجالانیکے بعض دیگر امور کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو جزءِ ایمان ہوتے ہیں اور اُن کے بغیر ایمان مکمل اور اعمالِ صالحہ بار آور نہیں ہوسکتے۔ ایکدوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے کے مسئلہ کو

آپ فقہ کی کتابوں میں پڑھنے اور پھر بتائیے کہ آیا نماز ایک دوسرے کے پیچھے پڑھنے یا نہ پڑھنے کا تفرقہ خود علماء نے پیدا کر دیا ہے یا ہم پیدا کر رہے ہیں۔ یہ تو صاف و صریح فقہی احکام ہیں۔ نماز میں جس طرح صحیح طور پر سمتِ قبلہ کو قائم رکھنے۔ جسم اور کپڑوں کے طہارت کی ضرورت ہے اُسی طرح عقائد و صحت عقائد کی بھی ضرورت ہے۔ اگر امام کے عقائد مثل مقتدی کے صحیح نہیں ہیں تو امامت بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور اس مسئلہ میں مقتدی کی رائے ہی معتبر ہوگی۔ امام کی رائے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ملاحظہ طلب) پس یہ مسئلہ کہ کون شخص امام ہو اور کون نہیں کوئی تفرقہ پیدا کرنے کی بات نہیں ہے۔ یہ تو فقہی احکام کے مطابق ہے۔ یہ امر کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے سے جنت واجب ہو جاتی ہے بلاشبہ صحیح حدیث میں آتا ہے لیکن قَالَ کے معنی محض تلفظ لسانی کے تو نہیں ہیں۔ قَالَ تو اظہارِ حال کے لئے ہوتا ہے۔ پس جس کا یہ حال ہو جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے تو کیا شبہ ہے کہ وہ جنتی ہوگا اور اس کلمہ پاک کی اشاعت اور دلوں میں اسکو ریا نے کے لئے کہ اس کے پڑھنے والوں کا حال یہی ہو جائے۔ مرزا صاحبؑ نے مسیح موعود ہو کر تبلیغ کی اور اپنے پیچھے ایک جماعت ایسی پیدا کر دی جس کا نہ صرف یہ حال ہے بلکہ وہ اس حال کو ساری دُنیا میں پھیلانا بھی چاہتی ہے۔ اور اس کے لئے اُس نے اپنا مال اور اپنی جان وقف کر کے امامِ وقت کے سپرد کر دی ہے۔ کیا ایسی جماعت میں جو تبلیغ ہی کے لئے مختص ہو شریک ہونا غیر ضروری تصور کیا جائے گا؟ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہو (جس کی ہرگز امید نہیں۔) تب تو خیر ورنہ کیا آپ قبول کریں گے کہ ایسے اشخاص کو ہم اپنا امام بنائیں جو تبلیغ کرنے والوں کو نہ صرف روکنا یا اس میں مزاحمت کرنا اور اُن کی مخالفت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں بلکہ انکو دائرۂ اسلام ہی سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ کی رائے یہ ہو کہ ایسے اشخاص کسی طرح مومنین و موقنین کی امامت کے قابل نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ کا یہ خیال کہ اس سے تفرقۂ عظیم پیدا ہوتا ہے آپ کے غورِ مکرر کا محتاج ہے۔

آپ کا تیسرا شبہ بہت ہی عجیب و غریب ہے جس کا منشاء یہ نکلتا ہے کہ تجدیدِ مذہب کے لئے مجددین کے آنے سے مسلم شیرازۂ اتحاد درہم برہم ہو جاتا ہے اور باہمی کشمکش کی وجہ سے وہ بجائے ترقی کے تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ اور آپ اس کو شدید بلائے بے درماں خیال کر کے تعجب کرتے ہیں کہ مذاہبِ باطلہ اپنے رشیوں اور اوتاروں کی نسبت ایسی جدتیں کیوں نہیں کرتے۔ آپ کا یہ خیال اس خیال سے کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتا جو "اصحاب القریہ" نے جن کا ذکر سورہ یٰسین میں آیا ہے

اُس وقت ظاہر کیا تھا جب اُن کے پاس رسول بھیجے گئے۔ رسولوں نے اُن کے پاس پہنچ کر جو کچھ کہا اس کا خلاصہ حسب فرمودۂ الٰہی یہ ہے:۔

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَآ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اصحاب قریہ نے اس تبلیغ کا جواب اس طرح دیا:۔

قَالُوْٓا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝

رسولوں نے جو جواب الٰہی کا دیا اُس کو سورۂ یٰسین کے رکوع دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔ جواب کا مفاد یہ تھا کہ تمہاری بدی تمہارے ساتھ ہے ہم تو صرف نصیحت کرتے ہیں۔ اس نصیحت کو تم بدی سمجھ کر آپس کی کشمکش و اختلاف اور اپنی شامتِ اعمال کے نتائج کو ہمارے طرف منسوب کرتے ہو۔ یہ رکوع آپ کی توجہ کا طالب ہے۔

ماموریں و مصلحین الٰہی و مجدّدین کی آمد کے اغراض و ضرورت کی نسبت میں اُوپر اشارہ کر چکا ہوں وہی کافی ہے۔ لیکن اگر کسی قدر صراحت آپ ضروری خیال کرتے ہوں تو دو باتیں اور ذہن میں رکھیئے۔ اوّل یہ کہ قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ خدا کی جانب سے ہے۔ مگر کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ حفاظت صرف الفاظ کی حد تک محدود ہے اور لوگ چھوڑ دیئے جائیں گے کہ جس طرح چاہیں اس کے معنی و مطالب اپنی باہمی کشمکش سے بگاڑ کر معنوی تحریف کر دیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہوں کہ حفاظتِ الٰہی قرآن پاک کے الفاظ اور معانی دونوں کے متعلق ہوگی تو یہ آپ کی توجہ کے قابل ہے کہ الفاظ کی حفاظت تو حفّاظ اور کتابت و سامانِ طباعت کی سہولت سے وجود میں آگئی۔ اب معانی کی حفاظت کا آخر کیا سامان ہو سکتا ہے، سوائے مجدّدین و مامورینِ الٰہی کے اور کون معانی کی حفاظت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ پس ایک طرف تو اس طرح حفاظت معانی قرآن کی ضرورت ہے دوسری طرف حکم یہ ہے کہ:۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ"

یہ صادقین کون ہوں گے۔ کیا سوائے حقیقی تابعینِ رسول و خلفاء یعنی مامورینِ الٰہی و مجدّدین کے کوئی اور لوگ صادقین ہو سکتے ہیں؟ اور پھر یہ ہر زمانہ یعنی ہر صدی میں ہونا چاہئے۔ اس لئے ہر صدی کے سرے پر مجدّدین کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ صحیح حدیثوں میں اس کا ذکر آتا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔

ان دونوں باتوں پر غور کر کے آپ خود یہ سوال حل کر سکتے ہیں کہ ایسے صادقین مامورین الٰہی و مجددین کی آمد و بعثت رحمت و کرم الٰہی ہے جو صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ یا وبال و نکال ہے جس کیلئے آپ جزع و فزع کر رہے ہیں۔ اگر آپ کا دل اس پر مطمئن ہو جائے کہ مجددین و مامورین کی آمد و بعثت فی الواقع مخلوق کیلئے نعمتِ عظمٰے ہے اور خاص کر اسلام پر اللہ کی رحمت و کرم ہے تو آپ کے بقیہ اشکال خود بخود حل ہو جاتے ہیں کہ اس نعمت سے انکار اور مامورین الٰہی کی مخالفت اس عذاب الٰہی کا باعث ہے جو مسلمانوں پر انکی تنزل کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل، پارہ ۱۵۔ رکوع دوم)

اور دوسرے مذاہب باطلہ اس نعمت سے محروم ہیں اور محروم رہینگے۔ تاہم یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ جملہ مذاہب عالم اس زمانہ میں اپنے نئے ایک مصلح موعود کے منتظر ہیں اسلئے میں ایک رسالہ جو "موعود اقوام عالم" کے نام سے ہماری جماعت کے ایک عالم نے قادیان سے شایع کیا ہے آپکے ملاحظہ کیلئے بھیجتا ہوں جس سے آپ پر واضح ہو جائیگا کہ مسیح موعود فی نفسہٖ جملہ مذاہب و اقوام عالم کا موعود ہے۔ اُسکے ابواب سوم و پنجم و ہفتم خصوصًا ملاحظہ کے قابل ہیں جس میں مصلح موعود اقوام عالم کی شناخت کے ذرایع بیان کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اور خاص بات آپکی توجہ کیلئے پیش کرتا ہوں۔ عقایدِ اسلامی میں نصب امام کا مسئلہ بھی آتا ہے فقہا و متکلمین نے اس مسئلہ کی جو کچھ توجیہیں کی ہوں اُنپر اسوقت نقد و نظر کا موقع نہیں۔ شرح عقائد نسفی میں آپ اس بحث کو مع حواشی کے ملاحظہ فرمائیے۔ میں اس مسئلہ کا حوالہ صرف اسلئے دے رہا ہوں کہ آپ موجودہ زمانہ کے حالات پر اسکو منطبق کر کے دیکھیں کہ اسلامی عقیدہ پر غیر اسلامی دنیا عمل کر کے کس طرح ترقی کے منازل طے کر رہی ہے اسلام نے تو اس مسئلہ پر یہانتک زور دیا ہے کہ جب گھر سے دو مسلمان بھی سفر کیلئے نکلیں تو ان میں ایک امام ہونا چاہئے۔ یہ عقیدہ اسلامی مذہبی سیاست کا اصل الاصول یعنی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ دیکھ لو جب سے مسلمانوں نے اس اصل پر عمل چھوڑ دیا ہے گویا اسلام کے جسم سے ریڑھ کی ہڈی نکل گئی۔ اور جسم کے تمام اعصاب پارہ پارہ اور بے قابو ہو گئے اور اغیار نے جو کالمیت پڑے ہوئے تھے اسپر عمل کرنیکی کوشش کے ذریعہ سے از سر نو اپنے اعصاب کو ریڑھ کی ہڈی سے پیوستہ کر کے آثار حیات ظاہر کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ گاندھی۔ ساورکر۔ آریہ سماجیوں سے جس طرح ہندو پیوستہ ہو کر عمل کر رہے ہیں وہ آپکے سامنے ہے۔ ہندوستان کے باہر بھی اس کا ظہور آپکو نظر آ سکتا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس اسلامی اصل کو اسلامی صراط مستقیم سے ہٹا کر اسپر عمل کرنیکا نتیجہ ہر جہ گیرد علتی علت شود ہی ہوا ہے اور ہونا چاہیئے تھا لیکن باوجود اسکے "نصب امام" نے اصل مسئلہ کی اہمیت تو واضح ہو جاتی ہے۔

کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ جس قوم کے ہاتھ میں "نصب امام" کا اصل دیکر قیامت تک کیلئے آبحیات پلا دیا گیا

تھا وہ قوم اس آبحیات کو تقویٰ کے ذریعہ سے اُس کرامت کے مسئلہ ہی سے بیگانہ ہو گئی اور نصب امام کو موجب فتنہ و فساد اور باعث ذلت و تنزل خیال کرنے لگی ہے۔ یہانتک کہ خود تو امام کا قائم کرنا تو کجا خدا کے قائم کردہ امام (مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے معاملہ میں بھی تردد اور متوحش ہو کر اسکی اور اسکی جماعت کی ساری خوبیاں تسلیم کرنیکے بعد بھی اس سے بیزار اور نفور ہے۔ حالانکہ زمانہ آخر کے فتن و شرور سے حفاظت کیلئے اسکو بتا دیا گیا تھا کہ جہاں جماعت اور امام ہو تم اسجگہ پہنچنا خواہ تمکو جنگل کے پودوں کی جڑیں کھا کر پہنچنے کو موقع ملے اور گھٹنوں کے بل چلنا پڑے۔

وائے بر قافلہ کز دونیٔ ہمت میخواست ؛ رہگذارے کہ در و پیچ و خطر پیدا نیست

اس طرح آپکے چاروں شبہات کا جو آپکے زیر جواب خط سے میں سمجھ سکا ہوں جواب ادا ہو جاتا ہے۔ ان شبہات کو معین کرنے کیلئے آپنے اور جو کچھ لکھا ہے اُس کی نسبت کسی خاص جواب کی ضرورت نہیں اس جواب سے سب باتیں واضح ہو جاتی ہیں لیکن میں آپ پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ حیات و وفات مسیح اور نبوت حضرت مرزا صاحب کے مسائل پر میں نے اسلئے کچھ نہیں لکھا ہے کہ آپ ان مسائل کو مابہ النزاع نہیں سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپنے لکھا ہے کہ حیات مسیح کے مسئلہ میں میرا ضمیر قریباً موافق ہے اور عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے حدود میں نبوتوں کی تاویل پر میرا ضمیر رضامند ہے۔ "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ" کے حدود کیا ہیں؟ یہی کہ وہ بحیثیت امتی کے نبی غیر تشریعی کی خدمات انجام دے سکتے ہیں انبیاء تشریعی کے نہیں۔ اور مرزا صاحب کا یہی دعویٰ ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کے حدود کے اندر ہے۔ اسلئے میں نے ان مسائل کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اگر آپ ان مسائل یا میرے خط کے کسی جزو کی نسبت کوئی مزید تصریح طلب کریں گے تو انشاءاللہ مہیا کی جائے گی۔

آپنے جہاں مسئلہ حیات مسیح پر اپنے ضمیر کی موافقت کا ذکر کیا ہے اُسی ذیل میں آپنے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تعیین کہ یہ منصب اعلیٰ کیونکر اور کب حاصل ہوگا اور کون جناب مسیح کے لباس میں مبعوث ہوگا اور کب مبعوث ہوگا ایمان کی حد تک لے جانے سے قاصر ہے۔ آپنے سچ لکھا ہے کہ یہ سوال مسئلہ حیات و وفات مسیح کے طے ہو جانے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ دعویدار آپ کے سامنے موجود ہے اُس کو جانچنے کے لئے اُس کی اصل کتابوں کو دیکھئے اور تصفیہ کیجئے اور جو مدد میں اس بارہ میں آپکو دے سکتا ہوں اُس سے دریغ نہ کروں گا۔ کتاب "دعوۃ الامیر" سے جو آپ کو دی گئی ہے اِن مسائل پر آپ کو کافی روشنی مل سکتی ہے۔ کتاب "موعود اقوام عالم" بھی ان مسائل میں آپ کی مدد کر سکیگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نیا عہد نامہ اور عقیدۂ ختم نبوت

(از جناب روشن الدین صاحب تنویر وکیل سیالکوٹ)

موجودہ اناجیل میں یسوع مسیح یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو "نبی" نہیں بلکہ خدا یا خدا کا بیٹا ظاہر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان میں ایسے حوالے بھی موجود ہیں جہاں لفظ نبی کا آپ پر اطلاق کیا گیا ہے۔ مگر اس مختصر نوٹ میں اس امر پر بحث کی گنجائش نہیں۔ اس کا ذکر یہاں محض اسلئے کیا گیا ہے۔ کہ ختم نبوت کا عقیدہ جس طرح عیسائیوں میں مانا جاتا ہے اس کا فرق عام مسلمانوں کے اس عقیدہ سے ہو سکے۔ عام مسلمان حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی ہی مانتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ آپ کے بعد نبوت بند ہوگئی ہے کسی قسم کا کوئی نبی اب قیامت تک نہیں آسکتا۔ مگر عیسائی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نبیوں سے کہیں بالاتر ہستی یعنی خدا یا خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ نبوت صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام تک تھی۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مسلمان شریعت اسلامیہ کو آخری شریعت سمجھتے ہیں مگر عیسائیوں کے خیال میں شریعت حضرت موسےٰ علیہ السلام تک ہی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی شریعت تو نہیں لائے مگر آپ شریعت سے اعلیٰ چیز یعنی "فضل" لائے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

"شریعت تو موسےٰ کی معرفت دی گئی۔ مگر فضل اور سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہنچی۔ خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے۔ اسی نے ظاہر کیا۔" (یوحنا ۱ باب ۱۷)

یہ حوالہ بطور مشتے نمونہ از خروارے دیا گیا ہے۔ ورنہ اناجیل اس عقیدہ سے پٹی پڑی ہیں۔ اور رسولوں کے خطوط وغیرہ میں تو زیادہ تر اسی بات پر زور دیا گیا ہے۔ یہ تو ہوا شریعت کے متعلق نبیوں کے متعلق یہ لکھا ہے:-

"اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادا سے حصہ بہ حصہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا۔" (عبرانیوں ۱ باب ۱)

یہ عقیدہ بھی اناجیل میں بکثرت پھیلا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ مصنفین اناجیل کی تمام تر کوشش یہی ہے کہ ان دونوں عقیدوں کو ایک دوسرے کے مؤید کے طور پر پیش کیا جائے۔ جنکو ہم اپنے

لفظوں میں یوں بیان کرسکتے ہیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نبیوں سے بالاتر ہستی خدا یا خدا کا بیٹا تھے۔ اور وہ شریعت نہیں بلکہ فضل لیکر آئے تھے۔ اسی اصولی عقیدہ کی بنا پر دیگر عقائد کفارہ وغیرہ کھڑے کئے گئے ہیں۔ صحیح تاویل کچھ بھی ہو مگر موجودہ عیسائیوں کی کثیر تعداد کا یہی عقیدہ ہے۔ موجودہ اناجیل میں ایسی آیات موجود ہیں جن میں اس عقیدہ کو صاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ خواہ ایسی آیات الحاقی ہوں یا تاویل طلب۔ چنانچہ خود مسیح علیہ السلام کی زبانی بیان کیا گیا ہے:۔

"سب نبیوں اور توراۃ نے یوحنا تک نبوت کی۔ چاہے تو مانو۔ ایلیا جو آنیوالا تھا یہی ہے جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے۔" (متی ۱۱ ؍ ۱۳-۱۵)

"شریعت اور انبیاء یوحنا تک رہے۔" (لوقا ۱۶ ؍ ۱۶)

اس سے صاف یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ عیسائی یوحنا (حضرت یحیٰی علیہ السلام) کو آخری نبی جن کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا۔ اور موسوی شریعت کو آخری شریعت مانتے ہیں۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام ان کے عقیدہ میں نہ تو نبی ہیں اور نہ حامل شریعت۔ وہ خدا یا خدا کے بیٹے اور حامل فضل ہیں۔ جو شریعت سے نوعاً الگ چیز ہے۔ نبی اور شریعت یوحنا تک ختم ہو چکے ہیں۔ شریعت اور نبی پرانا عہد تھا۔ اب نیا عہد فضل کا شروع ہوتا ہے جو قیامت تک رہے گا۔ اس امر کو ایک تمثیل میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زبانی یوں بیان کیا گیا ہے:۔

"پھر اُس نے لوگوں سے یہ تمثیل کہنی شروع کی کہ ایک شخص نے تاکستان لگا کر باغبانوں کو ٹھیکے پر دیا۔ اور ایک بڑی مدت کے لئے پردیس چلا گیا۔ اور پھل کے موسم پر اس نے ایک نوکر باغبانوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ تاکستان کے پھل کا حصہ اسے دیں لیکن باغبانوں نے اس کو پیٹ کر خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ پھر اُس نے ایک اور نوکر بھیجا انہوں نے اُس کو بھی پیٹ کر اور بے عزت کرکے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ اس پر تاکستان کے مالک نے کہا کیا کروں؟ میں اپنے پیارے بیٹے کو بھیجونگا شاید اُس کا لحاظ کریں۔ جب باغبانوں نے اُسے دیکھا تو آپس صلاح کرکے کہا کہ یہی وارث ہے اسے قتل کریں کہ میراث ہماری ہو جائے۔ پس اُس کو تاکستان سے باہر نکالکر قتل کیا۔ اب تاکستان کا مالک اُن کے ساتھ کیا کرے گا۔ وہ آکر ان باغبانوں کو ہلاک کریگا اور تاکستان اوروں کو دے دیگا۔ انہوں نے سُنکر کہا خدا نہ کرے۔ اُس نے اُن کی طرف دیکھکر کہا پھر یہ کیا لکھا ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی

کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا" وغیرہ (لوقا ۲۰ ؍ ۹-۱۸)

اس تمثیل میں مالک "خدا" نوکر "انبیاء" اور مالک کا پیارا بیٹا "یسوع مسیح" صاف نظر آتے ہیں یہی تمثیل متی باب اکیس آیت ۳۳ تا ۴۴ میں بھی آئی ہے۔ سب نبیوں کے اختتام پر آنے والا خدا کا پیارا اور اکلوتا بیٹا یسوع ہے۔ یہ قول کہ "جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا"۔ اناجیل میں متعدد بار حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے آیا ہے۔ دو مزید حوالے یہاں کافی ہیں متی باب اکیس آیت ۴۲ اور پطرس رسول کا پہلا عام خط باب ۲۔ آیت ۶-۷۔ ضمناً یہاں ایک حدیث بھی سن لیجئے۔

مثلی و مثل الانبیاء کمثل القصر ۔۔۔ فکنت انا سددت موضع اللبنۃ وختم بی البنیان ۔۔۔ (مشکوٰۃ)

میری اور انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے۔ میں نے اینٹ کی جگہ کو بند کیا اور عمارت پوری کی۔

اس حدیث کو یا اس قسم کی دوسری احادیث کو معیاروں پر جانچنا موجودہ بحث سے باہر ہے۔ مگر عیسائیوں اور عام مسلمانوں کے عقیدۂ ختم نبوت کی کسی قدر یکرنگی اس سے واضح ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی خیال کر لینا چاہیئے کہ انجیلی حوالوں اور ایسی احادیث کی الگ الگ تشریح کی گنجائش ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام سلسلۂ موسوی کے آخری پیغمبر تھے اور احمدیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ تشریعی نبوت کی رسول اللہ صلعم کے بعد ضرورت نہیں رہی کیونکہ اب کئی اسباب سے جن کا اللہ تعالٰے کو علم تھا قرآن کریم میں تحریف ناممکن ہو گئی ہے جس سے پہلی کتب سماوی محفوظ نہیں رہ سکیں۔ وقت کے مناسب اللہ تعالٰے نے پوری شریعت بصورت قرآن کریم انسانوں کی ہدایت کے لئے قیامت تک نازل فرما دی ہے۔

اس کے بعد اناجیل سے اب چند حوالے ایسے پیش کئے جاتے ہیں جن میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا زمانہ قیامت تک بلکہ ابدالآباد تک ہے۔ عبرانیوں میں اس خیال کو ایک طویل استعارہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اختصار کے طور پر ہم کچھ عبارت یہاں نقل کر دیتے ہیں :-

"خداوند نے قسم کھائی ہے اور اس سے پھرے گا نہیں کہ تو ابد تک کاہن ہے اس لئے یسوع ایک بہتر عہد کا ضامن ٹھہرا۔ اور چونکہ موت کے سبب سے قائم نہ رہ سکتے تھے اس لئے وہ تو بہت سے کاہن مقرر ہوئے۔ مگر چونکہ یہ ابد تک قائم رہنے والا ہے اسلئے اس کی کہانت لازوال ہے۔" (عبرانیوں ۷ ؍ ۲۱-۲۴)

"ورنہ بنائے عالم سے لیکر اس کو بار بار دُکھ اُٹھانا پڑتا۔ مگر اب زمانوں کے آخر میں ایک بار ظاہر ہوا تاکہ اپنے آپ کو قربانی کرنے سے گناہ کو مٹادے" (عبرانیوں ۹)

پھر متی میں ہے:۔

"دیکھو میں دُنیا کے اخیر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں" (متی ۲۸)

ہم نے یہ چند حوالے اختصاراً دیئے ہیں ورنہ اور بھی بہت سی آیات نکالی جاسکتی ہیں جن میں اس عقیدہ کی تصریح کی گئی ہے۔ اگر آج عیسائی یہ مان لیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ پہلے نبیوں کی طرح ایک نبی ہی تھے تو ان آیات کی روشنی میں ان کا عقیدہ یہی ہوگا کہ آپ آخری نبی تھے اور ان کے بعد قیامت تک اور کسی قسم کا نبی نہیں آئے گا۔ دونوں صورتوں میں عیسائیوں کا عقیدہ یہی ہے کہ "لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا" اور یہی عقیدہ ہے جو غیر احمدی مسلمانوں کا آجکل ہے۔

ہم کو عیسائیوں سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ یہ عقیدہ اُن کو کہاں سے کہاں لے گیا۔ آدمی پاک لوگوں کی محبت میں کیا کیا مبالغے نہیں کرسکتا۔ مگر جو محبت حدود اللہ سے باہر لیجائے اس کا کبھی نہ کبھی وہی حشر ہوگا جو عیسائیوں کی محبتِ ماسوا اللہ کا ہوا کہ مخلوق کو خدا یا خدا کا بیٹا بنادیا۔ یہ عقیدہ کس قدر خطرناک ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ خود مسلمانوں میں ایسے افراد موجود ہیں جو اَحَدْ کو میم کا پردہ اُٹھاکر اَحْمَدْ بنارہے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کو بشر کہنے والے کو کافر تصور کرتے ہیں۔ اور تو اور خود علامہ اقبال جیسا فلسفی شاعر بھی پکار اُٹھا ہے ؎

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اُٹھا کر
دیار یثرب میں آکے بیٹھے ہزار مُنہ کو چھپا چھپا کر

ایک اور شاعر اس طرح نغمہ سنج ہے ؎

وہی جو مستویٔ عرش ہے خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفٰے ہو کر

عیسائیوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو اور ہندوؤں نے حضرت کرشن علیہ السلام اور رام علیہ السلام کو خدا بنا دیا تو مسلمان کیوں پیچھے رہ جاتے کسی نیک بندے نے پردۂ میم کا مضمون کسی خاص پیرائے میں بیان کردیا۔ اب غلو کرتے کرتے یہاں تک نوبت پہنچا دی۔ شاعروں کے ہاتھ میں کوئی بات نہ آجائے کہ رائی کا پہاڑ کرکے دکھا دیا۔ کتنا نازک مقام ہے۔

آئیے اسی مضمون کو ایک سچے موحّد کی زبان سے بھی سُنیئے! ؎

شانِ احمدؐ را کہ داند جُز خداوند کریم
آنچناں از خود جُدا شد کز میاں افتاد میم

(مسیح موعود علیہ السلام)

جہاں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ احد پردۂ میم اوڑھ کر سرزمین یثرب میں آ بیٹھا ہے وہاں حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ احمدؐ نے قرب الٰہی میں اس قدر ترقی کی کہ احد کی ذات میں گم ہو گئے۔

ع بہ بہیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

دونوں مضمونوں میں جو فرقِ لطیف ہے وہی شرک و توحید میں فرق ہے۔ شاعر خواہ کتنے بلند مرتبہ کا ہو ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ لیکن اللہ کا بندہ ایسی ٹھوکر کبھی نہیں کھائے گا۔ ع

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سب سے بڑا احسان مسلمانوں پر یہی ہے کہ انہوں نے عام عقیدۂ ختم نبوت کے غیر اسلامی بداثرات سے ہم کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اور اگر حضرت اقدسؑ اس کے سوا اور کچھ بھی نہ کرتے تو بھی نبی کہلانے کے اہل تھے۔ فتدبر!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

شریعت اسلام

مسئلۂ نکاح

(از جناب عبدالرحیم صاحب راٹھور متعلم ایف۔ اے کلاس ڈی اے وی کالج سرینگر)

اسلام اکمل اور افضل مذہب ہے

تیمنا و تبرکاً ابدع بکلام سیدنا حضرت المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

"اور چونکہ پہلے نبی ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لئے آیا کرتے تھے۔ اسلئے ان کی تعلیم جو ابھی ابتدائی تھی مجمل اور ناقص رہتی تھی۔ کیونکہ بوجہ کمی قوم اصلاح کی حاجت کم پڑتی تھی۔

اور چونکہ انسانیت کے پودہ نے ابھی پورا نشوونما بھی نہیں کیا تھا اس لئے استعدادیں بھی کم درجہ پر تھیں۔ اور اعلیٰ تعلیم کی برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ استعدادیں تو بڑھ گئیں مگر زمین گناہ اور بدکاری اور مخلوق پرستی سے بھر گئی۔ اور نہ ہی توحید اور سچی راستبازی نہ ہندوستان میں باقی رہی اور نہ مجوسیوں میں اور نہ یہودیوں میں اور نہ عیسائیوں میں اور تمام قومیں ضلالت اور نفسانی جذبات کے نیچے دب گئیں۔ اس وقت خدا نے قرآن شریف کو اپنے پاک نبی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کرکے دنیا کو کامل اسلام سکھایا۔"

"اور پہلے نبی ایک ایک قوم کی طرف آیا کرتے تھے اور اسی قدر سکھلاتے تھے جو اس قوم کی استعداد کے اندازے کے موافق ہو اور جن تعلیموں کی وہ لوگ برداشت نہیں کرسکتے تھے وہ تعلیمیں اسلام کی ان کو نہیں بتلاتے تھے۔ اس لئے ان لوگوں کا اسلام ناقص رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دینوں میں سے کسی دین کا نام اسلام نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ دین جو ہمارے پاک نبی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا میں آیا اس میں تمام دنیا کی اصلاح منظور تھی اور تمام استعدادوں کے موافق تعلیم دینا مدنظر تھا۔ اسلئے یہ دین تمام دینوں کی نسبت اکمل اور اتم ہوا اور اسی کا نام بالخصوصیت اسلام رکھا گیا اور اسی کو خدا نے کامل کہا۔ جیساکہ قرآن شریف میں ہے اَلْیَوْمَ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یعنی آج میں نے دین کو کامل کیا اور اپنی نعمت کو پورا کیا اور میں راضی ہوا جو تمہارا دین اسلام ہو۔" (منقول از ست بچن مصنفہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

شریعت اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی صحیح اور بہترین رہنمائی کرتی ہے۔ قسط ہذا میں اسلام کی تعلیم نکاح کے متعلق تحریر کی جاتی ہے۔

اسلامی نکتہ نگاہ سے نکاح کی تعریف

نکاح اسلامی نکتہ نگاہ سے عورت و مرد کا وہ رضا و رغبت سے کیا ہوا پاک و مقدس معاہدہ ہے جس میں وہ تمام عمر خلوص نیت، ہمدردی اور محبت سے اکٹھے رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔

اس پاکیزہ معاہدہ میں مرد و عورت کے قریبی رشتہ داروں کی رضامندی اور شمولیت مستحب و مستحسن اور عورت کے والد یا "ولی" کی رضامندی ضروری ہے۔

اس معاہدہ کے وقت مرد عورت کے ایک معقول رقم (مہر) پیش کرنے کے علاوہ تاحیات اس کے مناسب حال کھانا، لباس، مکان، حسب الضرورت علاج اور دیگر جائز ضروریات زندگی کے مہیا کرنے کا ذمہ اپنے اوپر لیتا ہے۔

عورت خلوص نیت سے عہد کرتی ہے اور یقین دلاتی ہے کہ تاحیات اپنے خاوند کی ہمدرد و غمگسار رہے گی۔

اگرچہ یہ معاہدہ ساری عمر کے لئے ہوتا ہے تاہم اگر آئندہ زندگی میں کچھ ایسے حالات رونما ہوں جن کی بناء پر عورت و مرد باوجود بہت کوشش کے اکٹھے نہ رہ سکیں تو شریعت اسلام کی رو سے عورت معقول وجہ پیش کر کے بذریعہ خلع مرد سے جدا ہو سکتی ہے اور مرد بذریعہ طلاق عورت کو اپنے سے جدا کر سکتا ہے۔

لیکن خلع یا طلاق کے ذریعہ سے مرد و عورت کی جدائی کوئی پسندیدہ امر نہیں ہے بلکہ اس کی اجازت صرف مجبوری کی حالت میں ہے۔ چنانچہ ارشاد حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰہِ الطَّلَاقُ۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک طلاق بغیض اور ناپسندیدہ حلال ہے۔ جس کی صرف انتہائی مجبوری کی حالت میں اجازت ہے۔

بنی نوع انسان کے مختلف طبقات نے نکاح کی مختلف اغراض قرار دی ہیں

بنی نوع انسان کے مختلف طبقات اپنی اپنی استعداد ذہنی و اخلاقی کے مطابق نکاح کی مختلف

اغراض قرار دیتے ہیں۔

(الف) ایسے حضرات کی تعداد کچھ کم نہیں جو شادی کو محض شہوت رانی، عیاشی اور حیوانی جذبات کے پورا کرنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ یورپ کے لوگ جنہوں نے شادی کو محض اس جذبہ کے ماتحت رکھا ہے۔ ان سے بڑے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہماری نسلیں اس لئے کمزور ہیں کہ ہم شادی کی غرض سے ناواقف ہیں۔

(ب) بہتیرے حضرات شادی کو محض بقائے نسل کا ذریعہ اور عورت کو صرف بچے پیدا کرنے کی مشین قرار دیتے ہیں۔ بعض یورپین قوموں نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر عورت کے لئے ہر جائز و ناجائز طریق سے اولاد پیدا کرنے کو ملک کی بہترین خدمت قرار دیا ہے۔

(ج) ایسے لوگوں کی بھی دنیا میں کمی نہیں ہے جو شادی کو ایک رسم اور بیوی کو ایک نوکر اور خادمہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور ہمیشہ اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی زندگی کو تلخ کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

از روئے شریعت اسلام نکاح کے غلط اغراض کی تردید

خدائے علیم و حکیم کی نازل کردہ کامل ہدایت کی کتاب قرآن کریم نے آج سے قریباً پونے چودہ سو سال پہلے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کے متعلق بھی ایسی شاندار اور واضح تعلیم دی ہے جو ہر پہلو بے نظیر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ کہ شادی صرف مستی نکالنے کے لئے نہ ہو۔" (درس القرآن) یعنی شادی کی غرض محض حیوانی جذبات کو پورا کرنا نہیں ہے "حیوانی جذبات، محبت، شہوت فوری جذبات ہیں اور اپنے اندر شرابی مادہ رکھتے ہیں" کہ باوجود جاننے کے انسان ان جذبات کے اثر کے ماتحت ایک نارو امر کر گذرتا ہے اور مآل سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔ پس نکاح کے پاک و مقدس معاہدہ کو انجام سے غافل کرنے والے جذبات کا پورا کرنا قرار دینا ذہنی اور اخلاقی پستی کا بیّن ثبوت ہے۔

نکاح یا شادی کی غرض محض بقائے نسل قرار دینا بھی اسلام کی فطری تعلیم کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ عقلاً اس خیال کی تغلیط اس طرح سے ہوتی ہے کہ اگر شادی کی غرض محض بقائے نسل ہوتی تو اس کے لئے مرد و عورت کے تمام عمر اکٹھے رہنے کے معاہدہ کی کیا ضرورت۔ نو ماہ یا زیادہ سے زیادہ دو سال کی مدت اس غرض کے لئے کافی تھی لیکن واضح ہو کہ اسلام نے ایسے میعادی نکاحوں کو

حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں صحیح حدیث ہے۔ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نَھٰی عَنْ مُتْعَۃِ النِّسَآءِ یَوْمَ خَیْبَرَ وَعَنْ اَکْلِ لُحُوْمِ الْاِنْسِیَّۃِ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعۃ النساء حرام قرار دیا ہے بس میعادی نکاحوں کو حرام قرار دیکر نکاح کے معاہدہ کو ساری عمر کیلئے قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اسکی غرض و... بقائے نسل ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ اس سے بالا کوئی اور پاکیزہ اور مقدس غرض ہے۔

نکاح کی صحیح اغراض از روئے شریعت اسلام

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی چار اغراض بیان فرمائی ہیں۔ اول "احصان" جسکے لفظی معنے کسی قلعہ کے اندر محفوظ ہوجانے کے ہیں۔ شادی کی پہلی غرض احصان ہے یعنی انسان کا بعض جسمانی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کے بدنتائج سے محفوظ ہوجانا چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ[1] اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ (النساء) اور اے مسلمانوں جائز کی جاتی ہیں تمہارے لئے تمام عورتیں سوائے اُن عورتوں کے جن کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے۔ کہ تم ان کے مہر مقرر کرکے ان کے ساتھ نکاح کرو۔ مگر تمہارے نکاح کی غرض یہ ہونی چاہئے کہ تم بیماریوں اور بدیوں سے محفوظ ہوجاؤ۔ اور یہ غرض نہیں ہونی چاہئے کہ تم شہوت کے طریق پر عیش و عشرت میں پڑو۔" اس آیت میں احصان والی غرض بیان کی گئی ہے یعنی

(الف) یہ کہ نکاح کے ذریعہ سے انسان بعض ان خاص قسم کی جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہونے سے بچ جائے جو تجرد کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔

(ب) یہ کہ وہ بعض اخلاقی اور روحانی بیماریوں سے محفوظ ہوجائے۔ بعض ناپاک خیالات اور ناپاک تعلقات میں مبتلا نہ ہو۔

اسی غرض کی وضاحت کے لئے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ یا معشر الشبان علیکم بالنکاح۔ فانہ اغض للبصر واحصن للفرج .... (بخاری) اے نوجوانوں کے گروہ! ضرور نکاح کرو۔ کیونکہ یہ آنکھ نیچا کرنے اور شرمگاہ محفوظ کرنیکا بہترین ذریعہ ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے اسلئے قرآن کریم میں تعلیم دی ہے کہ پرہیزگار رہنے کی غرض سے

---

[1] اس آیت سے پہلے قرآن کریم میں اُن عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح ناجائز ہے۔

نکاح کرو۔۔۔ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (المائدہ) یعنی چاہئے کہ تمہارا نکاح اس نیت سے ہو کہ تا تم تقویٰ اور پرہیزگاری کے قلعہ میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کی طرح محض نطفہ نکالنا ہی تمہارا مطلب ہو۔ اور محصنین کے لفظ سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ جو شادی نہیں کرتا وہ نہ صرف روحانی آفات میں گر جاتا ہے بلکہ جسمانی آفات میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔"

(فتاویٰ احمدیہ جلد دوم)

نکاح کی دوسری غرض بقاءِ نسل صالح

دوسری غرض نکاح کی قرآن کریم نے بقاء نسل قرار دی ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ (بقرہ) یعنی اے مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں جن سے تمہاری آئندہ نسل کی فصل نے پیدا ہونا ہے پس اب تمہیں اختیار ہے کہ جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں کے ساتھ معاملہ کرو۔ اور جس قسم کی فصل اپنے لئے پیدا کرنا چاہو پیدا کر لو۔" اس آیت میں بقاء نسل کی غرض بیان کی گئی ہے یعنی کہ انسانی نسل کا سلسلہ قائم رہے اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے نہایت لطیف پیرایہ میں یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ جب بیوی کے ذریعہ آئندہ نسل کا وجود قائم ہونا ہے تو پھر انسان کو اپنی بیوی کے انتخاب میں احتیاط سے کام لینا چاہئے اور اس کے ساتھ تعلقات رکھنے میں ایسا طریق اختیار کرنا چاہئے کہ جس کے نتیجہ میں آئندہ نسل خراب نہ ہو بلکہ بہتر سے بہتر نسل پیدا ہو۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس بارے میں یہ ہے کہ اَنْكِحُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ (ترجمہ) مسلمانو! محبت کرنیوالی اور بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی بنا پر باقی امتوں پر فخر کرونگا۔

اس حدیث میں الولود فرما کر جہاں اعلیٰ جسمانی صحت کیطرف توجہ دلائی ہے وہاں الودود فرما کر اخلاقی رفعت اور روحانی پاکیزگی کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کیونکہ نیک سیرت بیوی ہی حقیقی طور پر الودود ہو سکتی ہے۔ اور اسی طرح اچھی صحت والی ہی الودود۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"اور پھر نکاح سے ایک اور بھی غرض ہے جس کی طرف قرآن کریم میں یعنی سورۃ الفرقان میں اشارہ ہے اور وہ یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا یعنی مومن وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں کے بارے میں اور فرزندوں کے بارے میں دل کی ٹھنڈک عطا کر اور ایسا کر کہ ہماری بیویاں اور ہمارے فرزند نیک بخت ہوں اور ہم انکے پیشرو ہوں۔" (فتاویٰ احمدیہ)

نکاح کی تیسری غرض
رفیق حیات و سکینت قلب کا حصول

نکاح کی تیسری غرض اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان کو رفیق حیات اور سکینتِ قلب حاصل ہو. کیونکہ انسان کی پیدائش کے ساتھ غم اور خوشی کے جوڑے نے بھی توام جنم لیا ہے۔ اور راحت و رنج، سکھ و دکھ، کامیابی و ناکامی، نفع و نقصان اور بلند و پست وغیرہ ہیں۔ اور صبح و شام اور دن و رات کی طرح وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں انسان جہاں رنج کی گھڑیوں میں ایک ہمدرد اور تسلی دینے والے کا محتاج ہوتا ہے وہاں خوشی کے لمحات سے لطف اندوز ہونے کے لئے اسے ایک محبوب، ہمدرد اور رفیق کی ضرورت ہوتی ہے باوقار ہمدرد و دوست مخلص غم کی تلخی اپنے حُسن عمل سے کم کر دیتا ہے، تو سچا محبوب حسن لیاقت سے لمحات راحت کو پُرسکون و پُرکیف بنا دیتا ہے۔ انسان جس کی پیدائش کے ساتھ ہی رنج و راحت کے دو متضاد لیکن متوازی سلسلے توام پیدا ہوتے ہیں۔ اور باری باری اس پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں، یقیناً ایک ایسے ہم سفر رفیق کی احتیاج رکھتا ہے جو اپنے سینے میں زندہ دلی اور دل میں محبت و ہمدردی کے سچے اور پاکیزہ جذبات رکھتا ہو، جو اپنے ساتھی کی خوشی میں خوشی اور اس کے رنج میں رنج محسوس کرتا ہو۔ پس انسان فطرۃً ایک معتبر رازدار، ہمدرد، مشیر اور باوفا ساتھی کا محتاج ہے. جو اس کے لئے ذہنی سکون، قلبی اطمینان اور وجدانی مسرت کا باعث بننے کے علاوہ اس کے روحانی منازل طے کرنے میں اس کا ممد و معاون ثابت ہو۔ اور ایک شریف مرد کے لئے ایسا ہم سفر رفیق ایک نیک صورت اور پاکیزہ سیرت عورت ہی ہو سکتی ہے۔

عورت جس کو خدا تعالیٰ نے نرمی اور حلم کے مادے میں محبت کی ضمیر ڈال کر پیدا کیا ہے اس میں اگر رنج کو راحت سے بدلنے کی صلاحیت ہے تو راحت کو مسرت کا جامہ پہنانے کی قابلیت بھی ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم) یعنی خدا تعالیٰ نے تمہاری جنس میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائی ہیں تاکہ تم ان کے تعلق میں سکینت قلب حاصل کرو۔ اور پھر اس تعلق کو خدا نے تمہارے درمیان محبت و رحمت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس آیت میں نکاح کی تیسری غرض بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ خاوند کو بیوی میں اور بیوی کو خاوند میں رفیق حیات میسر آجائے اور وہ دونوں

ایک دوسرے کے تعلق میں تسکین قلب پائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے جنہوں نے باوجود نوخیز جوان ہونے کے بیوہ سے شادی کی تھی فرمایا۔ لـم لا نکحت البکر تلاعبك و تلاعبها۔ کہ تو نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا۔ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :۔

"چاہئے کہ عورتوں سے انسان کا دوستانہ طریق اور تعلق ہو" (الحکم)

پھر قدرت نے "مرد کے فوائد کو عورت کے فوائد سے اور عورت کے فوائد کو مرد کے فوائد سے ایسا متحد کر دیا ہے کہ ان میں سوائے دوستی اور محبت کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ دوستی محبت اور پیار کا اصل اتحاد فوائد ہے" قدرت کی حکمتِ کاملہ نے ان کو اس حکمت سے بنایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بغیر حقیقی راحت سے لطف اندوز ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ لوہے اور مقناطیس کی طرح سے ایک دوسرے کی طرف زبردست طبعی میلان رکھتے ہیں جو کہ طبعی محبت اور یکجہتی ہمدردی کا باعث ہے۔" پس چونکہ نکاح کا اصل مدعا اور غرض اتحاد پیدا کرنا اور ایک دوسرے کی ترقی کے لئے مددگار پیدا کرنا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مرد کو عورت کا اور عورت کو مرد کا مددگار بنا دیا اور اس طرح انسان کی روحانی اور جسمانی ترقیات کے اسباب مہیا کر دیئے"

(از خطبہ نکاح فرمودہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز الفضل ۷ مارچ ۱۹۱۶ء)

نکاح کی چوتھی غرض محبت و اخوت

نکاح کی چوتھی غرض اللہ تعالیٰ نے محبت و اخوت کے تعلقات کو بڑھانا قرار دیا ہے۔ کیونکہ :۔

" انسان کی ترقی اور اس کا اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جانا بہت کچھ ایک دوسرے کی مدد اور تائید پر منحصر ہے۔ اگر دنیا میں انسان ایک دوسرے کے مددگار اور معاون نہ ہوں تو ضروری ہے کہ بہت سی کامیابیاں حاصل کرنے سے محروم رہ جائیں ...... اسلئے "ضروری ہے کہ ہر انسان کیلئے کوئی نہ کوئی مددگار ہو" اللہ تعالیٰ نے نکاح کو محبت و اخوت اور رشتہ داری کے بڑھانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم) فرما کر اس تعلق کو ہمارے درمیان محبت و رحمت کی زنجیر بنایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے خاوند اور بیوی کے متعلقین کے درمیان رشتہ و داد و اتحاد قائم ہو جائے۔ اور نسلی رشتہ داری کے تعلق کے علاوہ رحمی تعلق کے ذریعہ بھی مختلف خاندانوں اور مختلف قوموں کے درمیان محبت اور رحمت کی زنجیر سے منسلک ہو جانے کے مواقع میسر رہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:-

"جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے ... ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔" (کشتی نوح)

الغرض اسلامی شریعت میں نکاح کی چار اغراض بیان کی گئی ہیں۔ اوّل "احصان" یعنی بعض جسمانی اور روحانی بیماریوں اور ان کے بدنتائج سے محفوظ ہو جانا۔ دوئم بقاء نسل صالح۔ سوئم رفاقت حیات اور تسکین قلب۔ چہارم مختلف خاندانوں اور اقوام کا مل جانا۔ اور متحد ہو جانا۔ اور اگر غور کیا جائے تو یہ ساری اغراض نہ صرف بالکل جائز اور مناسب ہیں بلکہ نہایت درجہ پاکیزہ اور فطرت انسانی اور ضروریات بنی نوع انسان کے عین مطابق ہیں اور ان سے خاوند و بیوی کے تعلق کو ایک بہترین بنیاد پر قائم کر دیا گیا ہے۔ اور اس تعلق سے بہترین ثمرہ پیدا کرنے کی صورت نکالی گئی ہے۔ اور ان اغراض کے مقابلہ میں جس غرض کو قرآن شریف نے نام لے کر ناجائز قرار دیا ہے اور اس سے مسلمانوں کو روکا ہے وہ تعیش اور شہوت رانی کی غرض ہے۔

نکاح کی غرض تقویٰ اللہ

حقیقی اطمینان وسکون کسبی نہیں ہیں۔ اصحاب بصیرت پر واضح ہے کہ محض دُنیاوی مال و منال، جاہ و عزت، اہل و عیال اور ہمدرد ساتھیوں کا وجود ہی حقیقی اطمینان کا باعث نہیں ہے۔ محض کثرت مال حصول عزت اور اقرباء و احباب کے وجود نے آج تک نہ کسی کی فطری پیاس کو بجھایا اور نہ کسی کی طبیعت کو سیر کیا۔ یہ تو ایک امر مسلمہ ہے کہ کثرت مال اور حصول عزت ان چیزوں کی خواہش کو سیر کرنے کی بجائے بڑھاتی ہیں۔ جتنا جتنا کسی شخص کے مال میں ترقی ہو جائے گی اتنی اتنی اس کی حصول مال کی حرص بڑھتی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام

نے حصول مال و منال کی طرف چنداں توجہ نہیں دی۔ جاہ و عزت کا بھی یہی حال ہے۔ ہر درجہ عزت کے حصول کے بعد انسان کی نظریں اگلے درجہ کی طرف اُٹھتی ہیں اور طبیعت ہرگز سیر نہیں ہوتی یہی حال احباء و اقرباء کا ہے۔ دُنیا میں لوگوں کے بکثرت خدم و حشم ہوتے ہیں، دوست و احباب ہوتے ہیں، ہمدرد و غمگسار ہوتے ہیں، لیکن حقیقی اطمینان وہاں بھی مفقود ہوتا ہے۔ پس یہ تینوں چیزیں بلکہ بھی حقیقی سکون و اطمینان کا باعث نہیں بن سکتیں۔ لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے پیارے انبیاء و اولیاء باوجود ان چیزوں کے فقدان کے حقیقی اطمینان اور سکون کی دولت سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ غور طلب امر یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے زوج کی غرض سکون و اطمینان کا حصول قرار دی ہے۔ تو کیا محض بیوی کا وجود ہی حقیقی سکون کا باعث ہے؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہی دینا پڑے گا۔ البتہ نیک و صالح بیوی سکون قلب کے حصول میں ممد و معاون ہوتی ہے۔ پس جب انسان کے اپنے دل کی تاریں اطمینانِ حقیقی کی سروں سے ملی ہوں گی۔ تو ضرور نیک صورت صالح سیرت رفیق زندگی اس کے حقیقی اطمینان و سکون کے حصول میں ممد و معاون اور اس کی روحانی ترقی میں معاون و مددگار ہوگی۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے خطبے میں جن قرآنی آیات کی تلاوت مقرر فرمائی ہے وہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نکاح تبھی باعثِ سکون و راحت بن سکتا ہے جبکہ اس کی بنیادی غرض تقوی اللہ ہو۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

(الف) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ٥ "اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور غور کرو کہ تم نے کل کے لئے کیا کیا ہے۔ نکاح کا معاملہ آج کا ہی معاملہ نہیں۔ بلکہ عمر کے لئے ہے اور پھر قیامت تک کے لئے ہے۔ اس لئے تمہیں اس میں تقویٰ مدنظر ہونا چاہئے۔ اور تمہیں سوچنا چاہئے کہ نکاح کے بعد تم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس عورت اور اس کے رشتہ داروں کی طرف سے کیا ذمہ داریاں ہوتی ہیں... پس فرمایا کہ پہلے سوچو اور پھر کسی جگہ معاملہ کرو۔ یہ نہیں کہ پہلے کر دو اور پیچھے سے فضیحت ہوتی پھرے۔ اصل چیز تقوےٰ ہے۔ اگر خدا کا تقویٰ مدنظر ہوگا تو کام درست ہو جائیں گے۔ اور فرمایا دیکھو ہر ایک کام جو تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔ اس ذریعہ سے بھی نیتوں کی صفائی اور معاملات میں صفائی پیدا کرنے کی تعلیم دی۔" (از خطبہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ الفضل ۲۲ جولائی)

(ب) نکاح کیوں کریں؟ فرمایا تقویٰ کے لئے۔"

(ج) "اتقوا اللہ۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو اچھے انسان پیدا ہوں گے۔ یہ ایک بڑا نکتہ ہے۔ جو شخص اس کو سمجھ لے تو اس کے لئے بہت مفید ہوگا۔" (الفضل ۱۲؍اپریل ۱۹۲۱ء)

(د) پس اسلام نے جو نکاح کی غرض بتائی ہے وہ تقویٰ اللہ ہے۔ کہ دونوں میاں بیوی مل کر خدا کے غضب سے بچنے اور رحمت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔
۲۔ یہ کہ نسل باقی رہے۔ ایسی نسل جو آئندہ کارآمد ہو۔ پھر یہ بھی غرض ہے کہ میاں بیوی مل کر نیک اعمال میں ایک دوسرے کے ممد ومعاون ہوں۔ اور صدق و سداد کے قائم کرنے والے ہوں۔ اور اس غرض کو پورا کریں جو انسان کی روز ازل سے قرار دی گئی ہے۔" (الفضل ۲؍اگست ۱۹۲۰ء)

تقویٰ کی تعریف

(ر) "تقویٰ کے معنی عربی زبان کے لحاظ سے ... ... اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے ہیں ایسی چیزوں سے جو انسان کی ہلاکت کا اور نقصان کا موجب ہوں۔ اور ایسی چیزوں کا حاصل کرنا جو ہلاکت سے بچاتی ہوں۔ ...... اصل معنی تقویٰ کے حفاظت کے وہ سامان جمع کرنا جو ترقی کا موجب ہوں اور ہلاکت سے بچانے والے ہوں۔" (الفضل ۱۱؍نومبر ۱۹۲۰ء)

(س) "نکاح آرام وراحت سکینت اور تقویٰ کے حصول کے لئے کیا جاتا ہے۔" (الفضل ۱۶؍مئی ۱۹۱۵ء)

وی۔پی

قابلِ توجّہ بقایاداران

بعض بقایاداروں کو جن کا چندہ ۸ ہر فروری تک کی کسی تاریخ کو ختم ہوتا تھا پیشِ نظر پرچہ حسب اطلاع وی۔پی کیا جارہا ہے۔ اور اُن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ضرور وی۔پی وصول فرما کر اپنے اِس قومی مجلّہ کی اعانت فرمائیں گے۔

اِس کے علاوہ دیگر بقایاداران کی خدمت میں اپریل ۱۹۳۵ء کا پرچہ بذریعہ وی۔پی حاضر ہوگا۔ اُن کو چاہیئے کہ اپنا بقایا اور پیشگی چندہ جلد ارسال فرمادیں تا وی۔پی بھیجنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

امید ہے کہ بقایاداران اصحاب اِس پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔

منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ اُردُو

ریویو آف ریلیجنز (قادیان)

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

ایڈیٹر

عبد القدیر نیاز

بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ ۔ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۶ء

ماہ امان ۱۳۲۵ ہش

جلد ۴۳ عدد ۴

لا اله الا الله محمد رسول الله

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۵ | ماہِ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۶ء | عدد ۴

فہرست مضامین

مسئلۂ کفّارہ

موروثی گناہ

بنائے فاسد علی الفاسد

(از جناب پیر صلاح الدین صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی)

موروثی گناہ

مسئلہ کفارہ کی تمام تر بنیاد اس بات پر ہے کہ انسان گناہ کو اپنی صلب میں اٹھائے ہوئے ہے۔ اور وہ چار و ناچار اس کا شکار ہے وہ گناہ کرے یا نہ کرے بوجہ موروثی گناہ گاری کے بہرحال گنہگار ہے۔ اور یہ پتھر خواہ مخواہ اس کے گلے کا ہار ہے۔

اہلِ علم کے نزدیک کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے دو ہی طریق ہیں "استخراج" یا "استقراء" سو ہم اس مسئلہ کے متعلق اہل کفارہ کے ہر دو قسم کے دلائل پر غور کرتے ہیں تا معلوم ہو کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا۔

استخراج اور موروثی گنہگاری

موروثی گنہگاری کو ثابت کرنے کے لئے از روئے استخراج مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں:۔

ہم سب آدم کی اولاد ہیں۔
آدم نے گناہ کیا۔
ہم سب گنہگار ہیں۔

اہلِ علم پر یہ امر واضح ہے کہ صحیح نتیجہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صغریٰ اور

کبریٰ ہر دو کی صحت کو ثابت کیا جائے۔ لیکن ہم مفصل بحث کے بعد ثابت کر چکے ہیں کہ یہاں صغریٰ اور کبریٰ دونوں باطل محض ہیں۔ نہ ہی یہ درست ہے کہ ہم سب آدم ابو قائن کی اولاد ہیں[1] اور نہ ہی یہ درست ہے کہ اس آدم نے گناہ کیا[2]۔ پس وہ نتیجہ جو کہ ان میں سے صرف ایک کے باطل ہونے سے باطل ہو جاتا تھا ان ہر دو کے باطل ہو جانے سے بدرجہ اولیٰ باطل ہو گیا۔ اور ہمیں کوئی ضرورت باقی نہ رہی کہ اس دعوے کے متعلق مزید تحقیق کریں۔ تاہم ہم اہلِ انصاف پر مسئلۂ کفارہ کی لغویت کو کلی طور پر مبرہن کرنے کے لئے انہیں اس منطق کی کچھ مزید سیر کروانا ضروری سمجھتے ہیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس مثلث میں صغریٰ اور کبریٰ درست ہیں اور فی الواقع ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم نے گناہ کیا۔ تو بھی منطق کے اصولوں کے مطابق یہ نتیجہ جائز نہیں کہ ہم سب گنہگار ہیں۔ کیونکہ ان دونوں قضیوں میں کوئی حدِ اوسط (middle term) موجود نہیں اس لئے ان سے کوئی نتیجہ بھی نہیں نکل سکتا۔

اگر یہ منطق درست ہے تو ذیل کی سب شکلیں درست ہیں۔

زید آدم کا بیٹا ہے۔
آدم نے چوری کی۔

زید چور ہے۔

(اس اصول کے مطابق سب مجرموں کی اولادیں سزاوار نہیں)

ا۔ ہم سب آدم کی اولاد ہیں۔
آدم نے بہشت کے انواع و اقسام کے پھل کھائے۔

ہم سب نے بہشت کے انواع و اقسام کے پھل کھائے۔

ب۔ ہم سب آدم کی اولاد ہیں۔
آدم کو خدا نے مٹی سے بنایا۔ (پیدائش ۲)

ہم سب کو خدا نے مٹی سے بنایا۔

ج۔ ہم سب آدم کی اولاد ہیں۔

---

[1] ریویو نومبر ۱۹۴۲ء۔ [2] ریویو جون ۱۹۴۳ء +

آدم کے لئے عورت خدا تعالیٰ نے اس کی پسلیوں سے نکالی (پیدائش ۲: ۲۱)
ہمارے لئے بھی خدا تعالیٰ نے ہماری عورتیں پسلیوں سے نکالیں۔

د۔ ہم سب آدم کی اولاد ہیں۔
آدم پیدائشاً بے گناہ تھا۔ (پیدائش باب ۱ تا ۳)
اس لئے ہم سب پیدائشاً بے گناہ ہیں۔

ک۔ ہم سب آدم کی اولاد ہیں۔
آدم نے ۹۳۰ برس عمر پائی (پیدائش ۵: ۵)
ہم سب ۹۳۰ برس عمر پاتے ہیں۔

س۔ ہم سب آدم کی اولاد ہیں
آدم عورت کے پیٹ سے پیدا نہ ہوا تھا۔
ہم سب عورت کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوتے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

یہ نتیجہ پیدا کرنے کے لئے کہ ہم سب وراثتاً گنہگار ہیں۔ مندرجہ ذیل منطقی شکل بنانی پڑے گی۔

جو کچھ باپ سے واقع ہو اولاد کو وراثتاً ملتا ہے۔
ابا آدم سے گناہ واقع ہوا ہے۔
بنی آدم کو گناہ وراثتاً ملا۔

اب اس جگہ یہ ثابت کرنا ضروری ہو گیا کہ اولاد ہمیشہ باپ کے واقعات کو وراثت میں لیتی ہے۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ بطور قاعدۂ کلیہ کے درست نہیں کہ ہر "باپ" کے "تمام" واقعات کی وارث اولاد ہوتی ہے تو اس بات کے لئے کوئی دلیل نہیں رہ جاتی کہ باپوں میں سے ایک باپ یعنی "آدم" کے واقعات میں سے ایک واقعہ یعنی گناہ اس کی اولاد کی صلب میں جزوِ لاینفک کے طور پر داخل ہو گیا۔

اب ہمارا روز کا مشاہدہ ہمیں بتلاتا ہے کہ اِس صورت کو بطورِ کلیہ کے فرض نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اولاد اپنے باپ کے تمام واقعات اور نقصانات کی وارث ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ زانیوں کے بچے زانی نہیں بھی ہوتے۔ اور چوروں ہی کے بعض بچے چوری سے کراہت کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جاہلوں کے بچے عالم ہوتے

ہیں اور عالموں کے نیچے جائیں۔ غرضیکہ جب ہم اس اصولِ وراثت کو خود بنی آدم میں بطور عارضہ ضروری و لابدی کے جاری اور ساری نہیں پاتے تو یہ کیونکر یقین کر لیا جائے کہ خود آدم پر یہ اصول حاوی تھا۔ اور بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آدم جن نامعلوم وجوہ کی بناء پر اس اصول میں گرفتار رہا تو بھی اس کا یہ نتیجہ نکالنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام بنی آدم خود اس کے رہین ہوں۔ لیکن ہمارے پاس خود اس بات کو قبول کرنے کے لئے بھی کہ آدم پر یہ اصول حاوی تھا کوئی وجوہ موجود نہیں ہیں۔ گناہ بہرحال جنسِ فعل کی ایک نوع اور استخراجاً کسی نوع کے متعلق کسی بات کو قبول نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہی بات اس کی جنس کے متعلق متحقق نہ ہو۔ لیکن ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ آدم کے افعال و اعمال کی کوئی ایسی جنس بھی ہے جو کہ بنی آدم کی فطرت کا ایک جزوِ لاینفک بن گئی۔ استخراج ہمیشہ کل سے جزو کی طرف ہوتا ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آدم کا گناہ وراثت میں چلا۔ بہرحال اس گناہ کو کسی جنس کی نوع بنانا پڑے گا۔ یہ کسی طرح قبول نہیں کیا جا سکتا کہ صرف ایک فعل یا واقعہ وراثت میں چلا اور دوسرے نہ چلے۔ اگر چلے تو اس جنس کے سارے ہی چلے اور اگر نہ چلا تو کوئی بھی نہ چلا۔ آخر یہ کیا منطق ہے کہ اس کی ۹۳۰ سال کی زندگی کے تمام افعال و اعمال میں سے بنی آدم کی وراثت میں صرف ایک لغزش اور بھول ہی گناہ کی شکل اختیار کرتی چلی آتی ہے۔ آخر آدم نے نیکیاں کیں اور بغیر ماں باپ کے پیدا ہوا۔ اس کی جورو اس کی پسلیوں سے نکالی گئی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان باتوں میں سے تو ہمیں کسی سے حصہ نہ ملا۔ حالانکہ یہ بنیادی چیزیں تھیں۔ اگر حصہ ملا بھی تو لے دیکر ایک بھول سے۔ ؏

این چہ منطق بہ دلیل این چہ خیال است ایں

لہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر وراثت کے ساتھ کسی چیز کا گہرا اور دائمی جوڑ ہے تو وہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو کہ کسی کے خمیر میں اٹھائی گئی ہو نہ کہ وہ جو بیرونی اور آلائشی ہو۔ اور محض ماحول کا نتیجہ ہو۔ پس جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز آدم کی سرشت اور اس کے رگ و ریشہ کی جان ہے وہ اس کا خدا کی صورت پر پیدا ہونا ہے (پیدائش ۲۷) اور اس طرح پیدائش اور

پس معلوم ہؤا۔ کہ استخراجاً موروثی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) فطرتاً بے گناہ ہونا۔ تو ہمیں ماننا پڑا کہ یہی وہ چیز ہے جو کہ اس کی وراثت میں چل سکتی ہے۔ پس اگر ہمیں آدم کی وراثت سے کچھ پہنچنے کا حق ہے تو سب سے پہلا حق خدا کی صورت پر پیدا ہونے کا ہے۔ گویا ہمارا پیدائشی حق گناہ کے کلنک سے پاک ہونا ہے نہ کہ گناہ کی گندگی میں ملوث ہونا۔

جب فطرتاً آدم خدا کی شکل پر یعنی بے گناہ بنایا گیا تھا۔ اور گناہ محض آلائشی اور بیرونی تھا تو پھر یہ کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ محض ایک آلائشی اور بیرونی چیز نے دفعۃً اس کی فطرتِ صحیحہ کو ہمیشہ ہمیش کے لئے بدل ڈالا۔ ڈارون نے یہ بے بُنیاد نظریۂ ارتقا پیش کیا تھا جسے آج اکثر سائنسدانوں نے رد کر دیا ہے کہ حیوانی بیج مختلف دُوروں سے گذرتا ہؤا جن میں کبھی وہ بے ریڑھ کا کیڑا تھا اور کبھی بندر۔ آخر انسانی صورت کو پہنچا۔ لیکن اس نے اس تغیر و تبدل کے لئے ایک بے حد حساب عرصۂ دراز تجویز کر کے اسے کچھ نہ کچھ ممکن القبول صورت دیدی تھی۔ لیکن عیسائی لوگ تو ڈارون کے بھی کان کُترگئے کہ انہوں نے فطرتِ سالمہ راسخہ صحیحہ کی ایک منٹ میں کایا پلٹ دی۔

"وراثت" کے متعلق جس قدر شواہد اور تجارب میسّر آئے ہیں وہ سب اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ماحول کے اثر کے ماتحت بذریعہ وراثت کوئی ایسی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ جو کہ فطرتِ سالمہ راسخہ صحیحہ کے مخالف پڑی ہوئی ہو۔ کوئی "بیج" صرف اسی حد تک تبدیلی اختیار کر سکتا ہے جس حد تک کہ یہ بات اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہو۔ اس دائرہ سے باہر اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً یہ نہیں ہو سکتا کہ سانپ کا بیج قلبِ ماہیت کرتا کرتا انسان بن جائے۔ کیونکہ اس کی ترقی و تبدیلی بہرحال اپنے دائرہ کے اندر ہوگی۔ اسی طرح پر بندر کبھی انسان نہیں بن سکتا اور مچھلی کبھی بندر نہیں بن سکتی۔ کیونکہ کلٌّ فی فلکٍ یسبحون۔ یہ ایک ایسی صاف اور واضح بات ہے کہ اس کے خلاف کبھی مشاہدہ یا تجربہ نے گواہی نہیں دی۔ ڈارون کی "گم کڑی" (Missing link) تو گم کی گم ہی رہی۔ مگر جو کڑیاں کہ اس نے بزعمِ خود دریافت کر لی تھیں انہیں بھی مشاہدہ اور تجربہ سے کوئی ایسی تقویت نہ ملی کہ ان پر انحصار کیا جا سکتا۔

گنہگاری کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صک) پس معلوم ہؤا کہ فطرت صحیحہ راسخہ نہیں بدلتی۔ بلکہ وہی تبدیلی واقع ہوسکتی ہے جو کہ نہاں طور پر بیج میں موجود ہو۔ چنانچہ ہمارے قرآن پاک نے فرمایا ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ لا تبدیل لخلق اللہ۔ اس آیت میں موروثی گناہگاری کا خوب رد کیا ہے۔ ایک طرف تو یہ بتلایا ہے جس میں کہ بائبل کو بھی اتفاق ہے کہ انسان فطرت اللہ پر پیدا کیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مخلوق کی فطرت میں تبدیلی محض محال ہے۔ ان دونوں قضیوں کی موجودگی میں موروثی گنہگاری کا قضیہ خود بخود اٹھ جاتا ہے۔ اگر تو انسانی "بیج" میں پیدائشاً گناہ کی ملونی کر دی گئی ہے تب تو جائز ہے کہ کسی وقت یہ خصلت نہاں سے عیاں ہو جائے۔ لیکن اس صورت میں کہ خدا نے انسان کو اپنی فطرت اور شکل پر پیدا کیا اور اس طرح گناہ کی ملونی سے پاک رکھا یہ تجویز نہیں کیا جا سکتا کہ گناہ کی آلائش کبھی بھی آدم کی فطرت کا حصہ بن گئی۔ جیسے اس نے نسل آدم میں منتقل کر دیا۔ آخر اس بات میں تو بائبل ہمارے ساتھ متفق ہے کہ آدم کا گناہ ایک بیرونی چیز تھی۔ اب کیا کوئی عیسائی ہمیں دکھلا سکتا ہے کہ ایسی بیرونی چیز جس کا فطرت کیساتھ کوئی عہد نہ ہو۔ چہ جائیکہ وہ فطرت کے مخالف پڑی ہو نسل میں بلا استثناء ابد سے منتقل ہو سکتی ہے۔ یہ خیال کہ آدم کا ایک فعل یعنی گناہ اس کی نسل میں ایسا پیوست ہؤا کہ یکجان ہو گیا اور اب جو پیدا ہوتا ہے گنہگار پیدا ہوتا ہے ایسا ہی مضحکہ خیز ہے جیسا کہ یہ مان لیا جائے کہ ۵ نے ہیٹ پہنی اس لئے اس کی جس قدر اولاد نسلاً بعد نسل پیدا ہوئی وہ ماں کے پیٹ سے ہیٹ پہنے پہنائے پیدا ہوئی۔ بیشک اس قسم کے خیالات الف لیلیٰ کے قصوں کا زیور ہو سکتے ہیں مگر کوئی راسخ الخیال آدمی ان پر انحصار نہیں کر سکتا۔

ہم نے اس مسئلہ پر eugenics کی روشنی میں بہت غور کیا ہے مگر اس سے زیادہ غیر معقول بات ہمیں کوئی نظر نہیں آتی کہ ایک طرف تو یہ مانا جاتا ہے کہ آدم کی فطرت گناہ سے پاک تھی اور دوسری طرف محض ایک وقتی آلائش کے عوض فطرت صحیحہ سالمہ کا کلیۃً پلٹ جانا تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

آخر سائنسدانوں کے مشاہدات اور تجربات میں کوئی بات تو اس مسئلہ کے حق میں

استخراج تو ہمیشہ کل سے جزو کی طرف ہوتا ہے - یہ نئی منطق ہے

(بقیہ حاشیہ ص) ہونی چاہیے تھی - اگر کسی آدمی کے ایک فصل سے "بیج" (... Acquired characters) کی فطرت الٹ سکتی ہے تو یہ قانون ہمیں مخلوق میں مشاہدہ ہونا چاہیے لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ سائنسدانوں کے مشاہدات و تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ فطرتِ مستعار (Acquired characters) اس صورت میں جبکہ وہ فطرت طبعیہ کے مخالف پڑی ہو کبھی بھی نسل میں نہیں چلتی - اور اگر مخالف نہ پڑی ہو تو شاذ کے طور پر کبھی ایک دو نسلوں میں چلی جاتی ہے اور وہ بھی صرف بعض افراد میں اور نہایت کمزور حیثیت میں - چنانچہ مشہور سائنسدان جولین ہکسلے (Julian Huxley) لکھتا ہے :-

"فطرت مستعار یعنی وہ تبدیلی جو ماحول یا اعضاء کے استعمال یا عدم استعمال سے ظاہر ہوتی ہے یا تو نسل میں بالکل نہیں چلتی یا اسقدر قلیل درجہ میں چلتی ہے کہ وراثت اور ارتقاء میں اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں - اگر کتوں کی دمیں نسلاً بعد نسل کاٹ ڈالی جائیں تو اس سے نئی نسل کی دمیں چھوٹی نہیں ہوتیں - نہ ہی لوہار کی نسل کے پٹھے مضبوط ہوتے ہیں جبتک خود ان پر محنت نہ ہو - نہ چینی عورتوں کے بچے چھوٹے پاؤں لیکر پیدا نہیں ہوتیں (چین میں پیدا ہوتے ہی عورتوں کے پاؤں پر لوہے کی جوتی چڑھا دیتے تھے تاکہ پاؤں بڑھنے نہ پائیں - اسکو خوبصورتی سمجھا جاتا تھا - صلاح الدین) نہ ہی وہ انگریز بچہ جو فرانس میں رضاعی فرانسیسی والدین کے پاس پرورش پاتا ہے ایک فرانسیسی بچہ کی نسبت انگریزی بولنے کی زیادہ قابلیت رکھتا ہے" (Essays In Popular Science Heredity II)

"مکھیوں کی ۶۹ نسلیں اندھیرے میں پالی گئیں مگر انکی آنکھوں یا فطرت میں روشنی کے بارہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی - انکی ۹۰ نسلوں میں یہ کوشش کی گئی کہ وہ زیادہ گرمی

ف یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ سائنسدان ایسی کوئی "فطرتی تبدیلی" (Mutation) تجویز نہیں کرتے جو نسل کے سب افراد میں - چہ جائیکہ زیادہ سے زیادہ وہ اس کا بعض افراد میں چل جانا تسلیم کرتے ہیں - مگر آدم کے گناہ نے تو یہ کمال دکھلایا کہ یکلخت اور بلا استثناء اسکے بعد تمام نوع انسانی کو نسلاً بعد نسلٍ منتقل کر دیا - حالانکہ یہ کوئی فطرتی تبدیلی (Mutation) نہ تھی بلکہ زیادہ سے زیادہ مسخ یعنی (Modification) عارضی تبدیلی تھی جو کہ وراثت میں چل نہیں سکتی -

کہ ایک آدم کی گنہگاری سے تمام نوعِ انسانی کو

(بقیہ حاشیہ ص)

کو برداشت کر سکیں۔ مگر لاحاصل۔ گکروندا (ایک پودا) غیر معین وقت تک میدانوں میں رہ کر بھی جب پہاڑوں میں لے جایا گیا تو اپنی جسامت اور شکل میں تبدیلی کو روک نہ سکا۔

(Essays In Popular science — Inheritance of Acquired character)

"یہ بات پورے طور پر متحقق ہو چکی ہے کہ اکثر مؤثر اثرات کا بیج پر کوئی اثر نہیں پڑتا" (ایضاً)

رگلز گیٹس (R. Ruggles Gates) لکھتا ہے کہ:۔

"فطرتِ مستعار ... اگر نوعِ انسانی میں کبھی جاری ہو بھی تو اس کا عمل اس قدر سست ہوتا ہے کہ یہ Eugenics کے عملی پہلوؤں کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتا" (Heredity In Man P. 4)

"فطرتِ مستعار کے وراثت میں دخل انداز نہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ انسانی "بیج" انسان کا چھوٹا مثنیٰ نہیں جیسا کہ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اسے اس کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں اور وہ اپنی تخلیق کے اعتبار سے بہت زیادہ سادہ ہے۔"

(Essays In Popular science — The Control of Life cycle)

ہالڈین اور ہکسلے لکھتے ہیں کہ:۔

"تمام مستعار خصائل جسمانی ہیں اور جسم سے تعلق رکھتے ہیں مگر یہ کیونکر قرینِ قیاس ہے کہ جسم کی تبدیلی تخم کو بدل سکتی ہے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ایسی تبدیلی تخم کو بدل سکتی ہے۔ تو بھی یہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب اس تخم سے نیا جسم تیار ہو تو اس میں عین وہی تبدیلی ظاہر ہو جائے جیسا کہ

گنہگار بنایا جاتا ہے - اور

(بقیہ حاشیہ صہ ۹)

مشہور جرمن سائنسدان ویزمین (Weismann) کا کہنا ہے اس کے تو یہ معنے ہیں کہ ایک پیغام پیرس سے ٹیلیگرام کیا جاتا ہے اور وہ پیکن میں خود بخود چینی زبان میں ترجمہ ہو کر پہنچ جاتا ہے"

(Animal Biology by J. B. S. Haldane & Julian Huxley - ch. X - The Method of Evolution)

مندرجہ بالا سطور سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ سائنسدانوں کے مشاہدات اور تجربات نے اس بات کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے خاص فضل سے انسانی فطرت کو اس قدر محفوظ رکھا ہے کہ اگرچہ ایک شخص اپنی ذات میں بُرے ماحول سے ماؤف ہو سکتا ہے لیکن اس کا اثر اس کی اولاد میں منتقل ہونے نہیں پاتا۔ کیونکہ جو بات فطرت کے مخالف ہے اس کو فطرت صحیحہ کا ردِ عمل اثر پذیر ہونے نہیں دیتا - بیشک ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض تفاصیل جو فطرتِ متعارفہ صحیحہ کے خلاف نہ پڑی ہوں اولاد میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کا سدِ باب کرنے کے لیے فطرت میں کوئی جوش نہیں ہوتا۔ اسی طرح پر وہ امور جو فطرت سے ہم نوا ہوتے ہیں بدرجہ اولےٰ منتقل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ فطرت کو بیدار کرتے ہیں اور اسے جلا دیتے ہیں۔ اور اس کے ممد اور معاون ہوتے ہیں اور ان میں اور فطرت میں غیریت نہیں ہوتی - لیکن جس صورت میں کہ کوئی عارضہ فطرتِ صحیحہ کے مغائر پڑا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ فطرتِ صحیحہ اسے اپنے آپ پر قبول کرے اور اپنی حیثیت اور اصلیت کو اس سے بدل ڈالے - یقیناً اگر انسانی فطرت اس قدر غیر معیّن اور اثر پذیر ہوتی تو دنیا کبھی کی درہم برہم ہو چکی ہوتی۔ اور ماحول کے اثرات بار بار نسلِ انسانی میں اپنی پوری شدت اور زور کے ساتھ منتقل ہو ہو کر اسے کلیتہً زیر و زبر کر ڈالتے۔ اور ہماری نسل اس قدر کمزور اور فطرت اس قدر منتشر اور متبدل ہو جاتی کہ ہماری نوع کی صف بطور نوعِ انسانی مدت سے لپٹ چکی۔

Animal Biology کے مصنفین کا کہنا ہے کہ :-

جزء پر کل کو منطبق کیا جاتا ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صنا)

"اگر ناقص نشوونما وراثت میں چل سکتی تو اکثر نسل انسانی رو بہ انحطاط ہوتی لیکن اچھا بیج بُرے ماحول میں بھی درست اور صحت مند بچے پیدا کر رہا ہے جنکی قابلیتوں کے اظہار کے لئے صرف اچھے ماحول کی ضرورت ہے۔" (Ch. X)

اگر ماحول کا اثر اس قدر پائندہ اور وسیع اور اٹل ہوتا کہ آدم کے شیطان کی ایک بات مان لینے سے تمام نسل انسانی اپنی ابتدائی خدائی فطرت کو چھوڑ کر شیطانی فطرت کو اختیار کر لیتی اور انسان کے گھر میں خدا کے اظلال کی بجائے شیطان کے اظلال پیدا ہونے شروع ہو جاتے تو پھر ضروری تھا کہ جو قومیں کتوں سے پیار کرتیں ان کے بچوں کی فطرت کتوں کا قلب اختیار کر لیتی ۔ اور وہ قومیں جو سانپوں اور بچھوؤں اور کیڑوں کی پوجا کرتیں ان کی اثر پذیرائی انکی نسلوں کو سانپوں اور بچھوؤں اور کیڑوں میں بدل ڈالتی ۔

لیکن خدا تعالیٰ نے انسانی بیج کو اس قدر مختصر اور باریک اور نہاں در نہاں بنایا ہے کہ ماحول کے مخالف اثرات کی اول تو اس تک رسائی نہیں ہوتی اور پھر خدا تعالیٰ نے اس بیج کو ایسی احسن تقویم عطا کی ہے اور ایسی صحیح افتاد پڑا ہے کہ اگر کوئی مخالف اثر بفرض محال اس تک پہنچ بھی جائے تو اس کے قلعہ کی مضبوط دیواریں اور جوش فطرت اور ردِّ عمل اس کے رخنہ انداز ہونے میں سدِّ سکندری بن جاتے ہیں ۔

اور انسانی روح کا حصار تو اس سے بھی زیادہ محفوظ اور نہاں در نہاں ہے ۔ انسانی بیج اگر کسی اثر سے بالفرض ماؤف ہو بھی جائے تو ضروری نہیں کہ وہ روح جو کہ بعد میں اس سے برآمد ہوتی ہے اس سے ماؤف ہو ۔ کیونکہ جس طرح انسانی بیج جسم کے اندر نہاں در نہاں اور محفوظ ہے اسی طرح روح کا مادہ انسانی بیج کے اندر نہاں در نہاں اور مستور او محفوظ ہے ۔ گویا اس کے گرد دوہری حصار بندی ہے جس کو توڑنا ناممکن ہے ۔ بیج کی اثر پذیرائی کو اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ۔ جس طرح کہ جسم کی اثر پذیرائی کو بیج کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ۔ پس جبکہ ماحول کے تمام اثرات جسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ ماحول کے ایک معمولی کرشمہ نے روح کو جو کہ حصار اندر حصار اور نہاں در نہاں ہے نسلاً بعد نسلٍ الیٰ ابد

استقراء استقراء کے اعتبار سے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہم سب "موروثی گناہ" کے بار بردار ہیں، یہ ضروری ہے کہ ثابت کیا جائے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے گنہگار پیدا ہوتا ہے۔

اب عقلی طور پر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ سب بچے جو پیدا ہوتے ہیں وہ گنہگار ہیں بلکہ عقل تو پیدائشی گنہگاری کے اصول کو دھکے دیتی ہے۔ کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس میں شعور بالکل نہیں ہوتا اور شریعت کی حد شعور پر لگتی ہے۔ پس جس میں شعور نہیں اس پر شریعت کی حد نہیں لگ سکتی۔ وہ گنہگار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ کیونکہ "جہاں شریعت نہیں وہاں عدول حکمی بھی نہیں" (رومیوں ۴/۱۵)

پس عقل کی رو سے ہمارے پاس کوئی ثبوت یہ قبول کرنے کے لئے نہیں کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے گنہگار ہے۔

چونکہ استقرائی دلیل ایک استثنٰے پیش کرنے سے بھی ٹوٹ جاتی ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس جگہ چند ان افراد کی فہرست بیان کریں جنہیں خود بائیبل نے بھی بے گناہ مانا ہے

سو سب سے پہلے تو ہم ان اشخاص کے نام درج کرتے ہیں کہ جن کے بے گناہ ہونے پر خود خدا تعالیٰ کے فعل نے شہادت دی ہے۔ یعنی ان کو گناہ کی مزدوری یعنی موت سے بچا کر ان کی بے گناہی پر مہر لگا دی ہے۔

۱۔ ملک صدق سالم کے متعلق لکھا ہے :-

"یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخیر بلکہ خدا کے بیٹے کا مشابہ ٹھہرا" (عبرانیوں ۷/۳)

۲۔ "ایمان ہی سے حنوک اٹھا لیا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے" (عبرانیوں ۱۱/۵)

"حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور وہ غائب ہو گیا۔ کیونکہ خدا نے اُسے اٹھا لیا" (پیدائش ۵/۲۴)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱) ایسا مسخ کر دیا کہ وہ ربانی سے شیطانی ہوگئی۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

۳۔ "دیکھو ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے اُن دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیا بگولے میں آسمان پر چلا گیا۔" (۲ سلاطین ۲/۱۱)

مندرجہ بالا تین اشخاص کے متعلق صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب موت کے دام میں گرفتار ہونے کے نہیں۔ ملک صدق سالم اور حنوک کے متعلق تو خود عبارت بہت واضح ہے۔ اور ایلیا ایک عرصہ سے آسمانوں میں جا گزیں ہے اور موت کی لاچاری کو دیکھکر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خلاف اس کا حق زائد المیعاد ہو چکا ہے۔ یہ کہنا کہ یہ اشخاص کبھی ضرور مریں گے صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ جس پر کوئی ثبوت نہیں۔ آخر جب وہ طبعی موت اور طبعی حالات سے نجات پا چکے ہیں تو کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ موت ضرور ان پر اپنا وار کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ بے شک جب تک موت ان کو شکار کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتی ہمیں خیال کرنا پڑے گا کہ وہ اس بارہ میں مجبور اور لاچار ہے۔ اور اس خیال کا لازمی نتیجہ اس بات کو قبول کرنا ہے کہ یہ لوگ پاک اور راستباز اور بے گناہ تھے۔ تبھی تو گناہ کی مزدوری اُن کو ادا کرنا نہ پڑی۔

اب ذیل میں ہم اُن اشخاص کی فہرست پیش کرتے ہیں کہ جن کو خود بائیبل راستباز، پاک اور مطہر اور بے گناہ بیان کرتی ہے۔

۱۔ "ایمان ہی سے ہابل نے قائن سے افضل قربانی خدا کے لئے گذرانی اور اسی کے سبب سے اس کے راستباز ہونے کی گواہی دی گئی۔" (عبرانیوں ۱۱/۴)

۲۔ "ایمان ہی سے حنوک اٹھا لیا گیا تا کہ موت کو نہ دیکھے۔" (عبرانیوں ۱۱/۵)

۳۔ "نوح مرد راستباز اور اپنے زمانے کے لوگوں میں بے عیب تھا۔ اور نوح خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔" (پیدائش ۶/۹)

۴۔ "راستباز لوط کو جو بے دینوں کے ناپاک چال چلن سے دق تھا رہائی بخشی۔" (۲ پطرس ۲/۷)

۵۔ "ابرہام کے لئے اس کا ایمان راستبازی گنا گیا۔" (رومیوں ۴/۹)

"ابرہام خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کے لئے راستبازی گنا گیا۔" (گنتیوں ۴/۳)

۶۔ ملک صدق سالم کے متعلق لکھا ہے:۔
"یہ اوّل تو اپنے نام کے معنی کے موافق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر سالم یعنی صلح کا بادشاہ" (عبرانیوں ۷/۲)
۷۔ "ہارون کی اولاد کے سب مرد اس میں سے کھائیں۔ تمہاری پشت در پشت خداوند کی آتشیں قربانیوں میں سے یہ اُن کا حق ہوگا۔ جو کوئی انہیں چھوئے وہ پاک ٹھہرے گا" (احبار ۶/۱۸)
گویا ہارون کی اولاد میں سے جس قدر احبار نے اس کو چھوُا وہ سب پاک ٹھہرے۔
۸۔ "آسا کا دل عمر بھر خداوند کے ساتھ کامل رہا" (۱سلاطین ۱۵/۱۴)
"اور آسا نے وہی کیا جو خداوند اس کے خدا کے حضور بھلا اور ٹھیک تھا۔ کیونکہ اُس نے اجنبی مذبحوں اور اونچے مقاموں کو دُور کیا۔ اور لاٹوں کو گرا دیا اور یسیرتوں کو کاٹ ڈالا" (۲ تواریخ ۱۴/۲-۳)
۹۔ حزقیاہ کی بابت لکھا ہے:۔
"جو جو اُس کے باپ داؤد نے کیا تھا اُس نے ٹھیک اُسی کے مطابق وہ کام کیا جو خداوند کی نظر میں بھلا تھا" (۲سلاطین ۱۸/۳)
"اور وہ خداوند اسرائیل کے خدا پر توکل کرتا تھا۔ ایسا کہ اس کے بعد یہوداہ کے سب بادشاہوں میں اس کی مانند ایک نہ ہوا اور نہ اس سے پہلے کوئی ہوا تھا" (۲سلاطین ۱۸/۵)
۱۰۔ یوسیاہ کی بابت لکھا ہے:۔
"اس نے وہ کام کیا جو خداوند کی نظر میں ٹھیک تھا۔ اور اپنے باپ داؤد کی سب راہوں پر چلا۔ اور دہنے یا بائیں ہاتھ کو مطلق نہ مُڑا" (۲سلاطین ۲۲/۲)
"اس سے پہلے کوئی بادشاہ اس کی مانند نہیں ہوا تھا جو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنے سارے زور سے موسیٰ کی ساری شریعت کے مطابق خداوند کی طرف رجوع لایا ہو۔ اور نہ اس کے بعد کوئی اُس کی مانند برپا ہوا" (۲سلاطین ۲۳/۲۵)

"اس نے وہ کام کیا جو خداوند کی نظر میں ٹھیک تھا۔ اور اپنے باپ داؤد کی راہوں پر چلا اور دہنے یا بائیں ہاتھ کو نہ مُڑا" (۲ تواریخ ۲/۳۴)

۱۱۔ "عُوض کی سرزمین میں ایوب نام ایک شخص تھا۔ وہ شخص کامل اور راستباز تھا اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دُور رہتا تھا" (ایوب ۱/۱)

۱۲۔ مسیح اپنے حواریوں سے کہتا ہے:۔

"اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے کیونکہ گنہگار بھی اپنے محبت رکھنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اگر تم ان ہی کا بھلا کرو جو تمہارا بھلا کریں تو تمہارا کیا احسان ہے؟ کیونکہ گنہگار بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اگر تم انہی کو قرض دو جن سے وصول ہونیکی امید رکھتے ہو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ گنہگار بھی گنہگاروں کو قرض دیتے ہیں تاکہ پورا وصول کریں۔ مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو۔ اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہوگا۔ اور تم خدا تعالےٰ کے بیٹے ٹھہروگے۔ کیونکہ وہ ناشکروں اور بدوں پر بھی مہربان ہے"

(لوقا ۳۲ تا ۳۵/۶)

اس جگہ صاف حواریوں کو گنہگاروں سے الگ کیا گیا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ خدا جو بدوں پر بھی مہربان ہے تمہاری نیکوکاری کے عوض تمہیں اپنے بیٹے ٹھہرائیگا۔

۱۳۔ "یوسف نام ایک شخص مُشیر تھا جو نیک اور راستباز آدمی تھا"

(لوقا ۵۰/۲۳)

۱۴۔ یوحنا کے مکاشفہ میں لکھا ہے:۔

"پھر میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برّہ صیہون کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں" (۱/۱۴)

آگے اس کے تعبیر یہ لکھی ہے:۔

"یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے بلکہ کنوارے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جو برّہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ جاتا ہے یہ خدا اور برّہ کے لئے پہلے پھل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لئے

گئے ہیں اور ان کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔ وہ بے عیب ہیں" (۱۴/۴)

اس جگہ ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کا بے عیب ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ موروثی گنہگاری کا عقیدہ تو راستبازی اور بے گناہی کے امکان کو بھی باطل قرار دیتا ہے۔ لیکن ہمیں پرانے اور نئے عہد نامہ میں کثرت سے ایسے حوالجات ملتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ راستبازوں کا وجود ایک حقیقت مسلمہ ہے اور اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

"کیا تجھے یاد ہے کہ کبھی کوئی معصوم بھی ہلاک ہوا ہے؟ یا کہیں راستباز بھی کاٹ ڈالے گئے؟" (ایوب ۴/۷)

"راستباز اُس کا دیدار حاصل کریں گے" (زبور ۱۱/۷)

"میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہوں۔ تو بھی میں نے صادق کو بیکس اور اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا" (زبور ۳۷/۲۵)

"اُن کے نام کتاب حیات سے مٹا دیئے جائیں اور صادقوں کے ساتھ مندرج نہ ہوں" (زبور ۶۹/۲۸)

"صادق کھجور کے درخت کی مانند سرسبز ہوگا" (زبور ۹۲/۱۲)

"مبارک ہیں وہ جو عدل کرتے ہیں اور وہ جو ہر وقت صداقت کے کام کرتا ہے" (زبور ۱۰۶/۳)

"صادقوں کے خیموں میں شادمانی اور نجات کی راگنی ہے" (زبور ۱۱۸/۱۵)

"راستباز ملک میں بسیں گے" (امثال ۲/۲۱)

"خداوند صادق کی جان کو فاقہ نہ کرنے دیگا" (امثال ۱۰/۳)

"صادق پر کوئی آفت نہیں آئے گی" (امثال ۱۲/۲۱)

"گنہگار کی دولت صادقوں کے لئے ذراہم کی جاتی ہے" (امثال ۱۳/۲۲)

مندرجہ بالا شہادتیں اس بات پر قطعی دال ہیں کہ از روئے استقرا انسان کی موروثی گنہگاری کو قبول کرنے کے لئے ہمارے ہاتھ میں کوئی بھی دلیل نہیں بلکہ جس قدر بھی ہم اپنی تفتیش کے جال کو وسیع کرتے ہیں اُسی قدر ہمیں موروثی گنہگاری کے خلاف تقم گواہ اور شہادتیں میسر آتی ہیں۔ معقولی طور پر تو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام بچے جو پیدا ہوتے ہیں معصوم

کی آلائش سے پاک پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ گناہ بغیر شریعت کے ممکن نہیں اور شریعت بغیر شعور کے جائز نہیں۔ پس جہاں شعور نہیں وہاں گناہ نہیں۔

اور منقولی طور پر ہم خود بائیبل سے صدہا آدمیوں کے پاک اور بے گناہ اور راستباز ہونے کی شہادت پیش کر چکے ہیں۔

اب کہ موروثی گنہگاری کا عقیدہ استخراج اور استقراء ہر دو کی رُو سے ناقص اور باطل ثابت ہو چکا ہے، ناظرین کے لئے قابلِ غور یہ امر ہے کہ کیا موروثی گنہگاری کا خیال پولس کے وقت ہی کتمِ عدم سے منصۂ شہود پر آیا یا پہلے بھی اس کا کچھ حال معلوم تھا۔ آخر اگر خدا کے بیٹے نے محض اس غرض سے آنا تھا کہ موروثی گناہ سے دُنیا کو رہائی دے تو اس بات کا ذکر عہد نامۂ قدیم میں ضرور ہونا چاہئے تھا، اور چاہئے تھا کہ اس بات کو تواتر کے ساتھ بیان کیا جاتا۔ اور خدا تعالےٰ کے تمام صحیفے اور اس کے تمام انبیاء اس عظیم الشان خوشخبری کی منادی کرتے۔ لیکن برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں یہ ذکر نہیں آتا کہ موروثی گناہ سے رہائی دینے کے لئے خدا کا بیٹا بطور منجی کے آئے گا۔ بلکہ خود "موروثی گناہ" کا بھی کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ پُرانے عہد نامہ سے اُلٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان پیدائشاً بے گناہ ہے۔

مگر چونکہ اہلِ کفارہ کو بہرحال موروثی گنہگاری کی بُنیادیں بائیبل پر رکھنا منظور ہیں اور اس کے بغیر چارہ نہیں اس لئے وہ اپنی تائید میں اکثر ذیل کے حوالے پیش کرتے ہیں:-

(۱) "وہ سب کے سب گمراہ ہوئے۔ وہ باہم نجس ہو گئے۔ کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی نہیں" (زبور ۱۴/۳)

(۲) "دیکھ میں نے بدی میں صورت پکڑی اور میں گناہ کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پڑا" (زبور ۵۱/۵)

(۳) "تیری نظر میں کوئی آدمی راستباز نہیں ٹھہر سکتا" (زبور ۱۴۳/۲)

سو ہم ان اقتباسات کو ایک ایک کر کے دیکھتے ہیں کہ آیا واقعی ان کے یہی معنے ہیں جو ہمارے دوست کرتے ہیں۔

(۱) "وہ سب کے سب گمراہ ہوئے۔ وہ باہم نجس ہو گئے۔ کوئی نیکوکار

نہیں۔ ایک بھی نہیں " (زبور ۱۴)

اس کا سیاق و سباق اس طرح ہے :-

"احمق نے اپنے دل میں کہا ہے کہ کوئی خدا نہیں۔ وہ بگڑ گئے۔ انہوں نے نفرت انگیز کام کئے۔ کوئی نیکوکار نہیں۔

خداوند نے آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کی۔ تاکہ دیکھے کہ کوئی دانشمند کوئی خدا کا طالب ہے یا نہیں۔

وہ سب کے سب گمراہ ہوئے۔ وہ باہم نجس ہو گئے۔ کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی نہیں۔

کیا ان بدکرداروں کو کچھ علم نہیں۔

جو میرے لوگوں کو ایسے کھا جاتے ہیں جیسے روٹی۔ اور خداوند کا نام نہیں لیتے؟

وہاں ان پر بڑا خوف چھا گیا۔

کیونکہ خدا صادق (کی) پشت کے ساتھ ہے " (زبور ۱۴-۱-۵)

اب پوری عبارت پڑھنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس جگہ یہ نہیں بتلایا گیا کہ انسان اپنی پیدائش سے گناہ لیکر آیا بلکہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کی برائی کا نقشہ کھینچا ہے۔ اور خصوصاً یہ الفاظ کہ وہ گمراہ ہوئے۔ وہ باہم نجس ہو گئے" تو اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ شروع سے گمراہ اور نجس نہ تھے بلکہ اب "ہوئے" ہیں۔ اگر وہ شروع سے ہی گمراہ اور نجس ہوتے تو "ہوئے" اور "ہو گئے" کہنا بالکل فضول تھا۔ یہ الفاظ تو بتاتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا تھا جب وہ گمراہ اور نجس نہ تھے۔ لیکن اس کے بعد وہ گمراہ ہوئے اور نجس ہو گئے"۔

پھر یہ الفاظ کہ "خداوند نے آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کی تاکہ دیکھے کہ کوئی دانشمند کوئی خدا کا طالب ہے یا نہیں" اس بات کو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اس بات کا امکان زائل نہیں ہو چکا تھا کہ کوئی بھی دانشمند اور خدا کا طالب نہ ہوگا۔ اگر آدم کے گناہ کی وجہ سب بنی آدم گنہگار ہو چکے تھے، تو پھر خدا تعالےٰ کا آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کرنا تاکہ دیکھے کہ کوئی دانشمند اور خدا کا طالب ہے یا [illegible] تھی پس

خدا تعالےٰ کا آسمان سے دانشمندوں اور خدا کے طالبوں کے لئے دیکھنا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے ابنائے آدم میں اس جنس کے پائے جانے کا امکان جاتا نہیں رہا تھا۔

نیز عبارت کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "وہ سب کے سب گمراہ ہوئے" وغیرہ سے مراد بنی آدم کی ایسی اکثریت ہے کہ اس کے مقابلہ میں وہ معدودے چند جو خدا کو یاد کرتے ہیں کسی حساب اور شمار میں نہیں آتے۔ بلکہ کسور کی طرح گذر جاتے ہیں اور ان معنوں کی تائید میں ایک زبردست قرینہ خود عبارت کے سیاق نے پیدا کر دیا ہے جہاں لکھا ہے:-

"جو میرے لوگوں کو ایسے کھا جاتے ہیں جیسے روٹی"

. . . .

"خدا صادق (کی) پشت کے ساتھ ہے"

پس معلوم ہوا کہ خدا کے بعض صادق بندے بھی ہیں جن کو کہ وہ بنی آدم سے تمیز کر کے "میرے لوگ" کہتا ہے۔ اور نہیں چاہتا کہ وہ جماعت کہ جس کا اکثر حصہ خراب ہو چکا ہے اس سے ان پاک اور مطہر وجودوں کا جو کہ اس کے اپنے لوگ ہیں الحاق رکھے اور ان کو دوسروں کے ساتھ جو کہ گندے اور ناپاک ہیں ایک ہی جسم ٹھہرائے اور اس نام سے یاد کرے جو کہ اکثریت کے گمراہ ہو جانے کی وجہ سے خود اپنے ساتھ ایک طعن کو اٹھائے ہوئے ہے۔ بے شک اس کی غیرت نے اس بات کو برداشت نہ کیا کہ وہ لوگ کہ جن کو ان کے ہم جنسوں نے اپنے جسم کا حصہ نہ سمجھا اور مُردہ گوشت کی طرح مثل مُردار کے کاٹ کر علیحدہ پھینک دیا، وہ ان کو ان کے نام کے اعتبار سے لوٹا کر پھر انہی لوگوں میں شامل کرے۔ پس اس نے ان کی موت کو جو کہ اس کی راہ میں ان کو میسر آئی تھی قبول کیا اور ان کو نئی زندگی دی۔ اور اس جسم کے بدلہ جس سے کہ وہ کاٹے گئے تھے ان کو ایک نیا جسم دیا۔ اور "نئی پیدائش" میں اپنے جسم کا ایک حصہ ٹھہرایا اور پہلے نام کے بدلے نیا نام دیا۔ اور "بنی آدم" کی بجائے اپنے "بیٹے" کہا[۱]۔

---

[۱] "خداوند نے مجھ سے کہا تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا" (زبور ۲)

پس جن کو بنی آدم نے اپنے زمرہ سے نکال دیا وہ اسی کے ہو گئے کہ جس کو انہوں نے قبول کیا اور اسی کے کہلائے۔

(۲) "دیکھ! میں نے بدی میں صورت پکڑی اور میں گناہ کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پڑا۔" (زبور ۵۱)

اس حوالہ سے یہ استدلال کرنا کہ سب بنی آدم فطرتاً گنہگار ہیں یقیناً فن استدلال کو بدنام کرنا ہے۔

اگر داؤد کے یہ کہنے سے کہ میں ماں کے پیٹ میں گناہ کی حالت میں پڑا یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ سب بنی آدم فطرتاً گنہگار ہیں تو پھر اسی داؤد کے یہ کہنے سے

"پر میں تو کیڑا ہوں۔ انسان نہیں" (زبور ۲۲)

کیا یہ بدرجہ اولےٰ ثابت نہیں ہوتا کہ دنیا میں کوئی انسان نہیں بلکہ سب بنی آدم کیڑے مکوڑے ہیں؟

اور اگر داؤد کا یہ کہنا کہ "میں تو کیڑا ہوں۔ انسان نہیں" خدا تعالےٰ کے مقابلہ میں اپنے عجز کو ظاہر کرنے کے لئے ہے تو پھر اس کا یہ کہنا بھی کہ میں گناہ کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پڑا اسی عجز اور تذلل کا اظہار ہے۔

بات در اصل یہ ہے کہ انسان جب ماں کے پیٹ میں پڑتا ہے تو گناہ کی حالت میں نہیں بلکہ نطفہ کی حالت میں پڑتا ہے۔ لیکن چونکہ نطفہ کی غلاظت اور کمزوری گناہ سے مشابہ ہے اس لئے داؤد نے اس تشبیہ کو مکمل کرنے کے لئے گناہ کا لفظ بول دیا جس طرح دوسری جگہ انسانی کمزوری اور بے کسی کو ظاہر کرنے کے لئے کیڑے کا لفظ استعمال کیا۔ اور تشبیہ میں زور پیدا کرنے کے لئے انسانیت سے بھی انکار کر دیا۔ یہ قاعدہ ہر ایک زبان میں عام ہے کہ بعض دفعہ مشابہت میں کمالی دکھلانے کے لئے حروف تشبیہی کو درمیان سے گرا دیتے ہیں۔ اور جو نہایت بے وقوف ہو اُسے بجائے یہ کہنے کے کہ "تم گدھے کی طرح ہو" یہ کہہ دیتے ہیں کہ "تم گدھے ہو"۔ اور جو نہایت سخی ہے اُسے بجائے یہ کہنے کے کہ "تم حاتم کی طرح ہو" یہ کہہ دیتے ہیں کہ "تم حاتم ہو"۔ اسی طرح مذکورہ بالا حوالہ میں بجائے یہ کہنے کے کہ میرا ماں کے پیٹ میں پڑنا اپنی کمزوری اور غلاظت کے اعتبار سے گناہ کی حالت کے مشابہ ہے یہ کہہ دیا گیا کہ "میں نے

بدی میں صورت پکڑی اور گناہ کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پڑا۔"
پس زبور کے ان الفاظ سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ سب انسان گنہگار ہیں۔ بلکہ چونکہ زبور نظم میں ہے اور نظم میں باریک اور دلکش تشبیہات اور استعارات کا پایا جانا ایک خوبی اور کمال ہے اس لئے منجملہ کئی دیگر استعارات کے حضرت داؤدؑ نے ایک یہ بھی استعارہ استعمال کیا۔ ورنہ اگر زبور کے سب الفاظ کی ضرور مکھی پر مکھی ہی ماری جائے تو کوئی امان باقی نہیں رہے گا۔ اور عیسائی صاحبان ایک عجیب مخمسے میں پھنس جائیں گے۔ مثلاً زبور میں جو یہ لکھا ہے "اُٹھ اے خداوند جاگ تو کیوں سوتا ہے" (۲۳/۴۴) اگر ظاہر الفاظ پر اصرار کیا جائے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اللہ میاں سوتے بھی ہیں۔ اور پھر بے وقت تک سوتے رہتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ھذا السبل الاستدلال۔

(۳) اے خداوند! میری دُعا سُن۔ میری التجا پر کان لگا۔
اپنی وفاداری اور صداقت میں مجھے جواب دے۔
اور اپنے بندہ کو عدالت میں نہ لا۔
کیونکہ تیری نظر میں کوئی آدمی راستباز نہیں ٹھہر سکتا۔" (زبور ۱۴۳/۲)

ل۔ ہم نے اس حوالہ کو بہت غور سے دیکھا ہے مگر کچھ پتہ نہیں چلا کہ اس کی رو سے کیونکر ثابت ہؤا کہ سب انسان فطرتاً گنہگار ہیں۔ بلکہ یہ عبارت تو صاف ظاہر کرتی ہے کہ بعض انسانوں کا راستباز نہ ٹھہرنا ان کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے نہیں، بلکہ خدا تعالےٰ کی نظر کی بلندی کے سبب سے ہے۔ اور در اصل بے گناہی اور راستبازی میں ہزار کوس کا فاصلہ ہے۔ اور ضروری نہیں کہ جو بے گناہ ہو وہ راستباز بھی ہو سب بچے اور حیوانات بے گناہ ہوتے ہیں مگر وہ سب راستباز نہیں ہوتے۔ اسی طرح جو راستباز نہیں ضروری نہیں کہ وہ گنہگار ہی ہو۔ ممکن ہے کہ وہ گنہگار ہو۔ اور ممکن ہے کہ نہ ہو۔ مثلاً مسیح ہی کو لیلو وہ خود اقرار کرتا ہے کہ مَیں نیک نہیں[۲]۔

---

[۱] نیز دیکھو "تب خداوند گویا نیند سے جاگ اُٹھا" (زبور ۶۵/۷۸)
[۲] "تُو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک" (مرقس ۱۸/۱۰)

مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ وہ بد تھا۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ جو نیک نہیں وہ بد ہو۔ بدی اور گناہ سے دُور ہونا تو نفی کی حالت سے باہر آنے کے مترادف ہے اور یہ کوئی کمال نہیں۔ بلکہ اس میں تو بچے اور حیوان بھی شریک ہیں۔ اصلی کمال تو نیک اور راستباز بننا ہے کیونکہ اس میں صرف چھوڑنا ہی نہیں پڑتا بلکہ حاصل بھی کرنا پڑتا ہے۔ نفی کی حالت سے نکل کر تو انسان صفر پر ہی ٹھہر جاتا ہے مگر مثبت کی طرف دَوڑنا ایک بالکل جُدا صورت ہے۔

پس معلوم ہؤا کہ راستباز ہونے کے لئے بے گناہ بننے کے علاوہ کئی اور منزلیں بھی طے کرنی پڑتی ہیں۔ اور "کامل راستبازی" کے "انکار" سے گنہگاری کا "اقرار" لازم نہیں آتا۔ کیونکہ بے گناہ ہونا راستباز ہونے سے عام ہے اور خاص کے انکار سے عام کا انکار لازم نہیں آتا۔

ب۔ یہ قول کہ "تیری نظر میں کوئی آدمی راستباز نہیں ٹھہر سکتا" خدا کا قول نہیں بلکہ حضرت داؤدؑ کا ذاتی خیال ہے اور اس میں زیادہ تر وہ اپنی لاچاری اور بیکسی کو حدیث عن الغیر کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں خود خدا تعالےٰ یہ بتلاتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ انسان راستباز ہو سکتے ہیں بلکہ کئی اُن میں سے راستباز ہیں۔

موروثی گناہ کو ثابت کرنے کے لئے یہی کچھ دو چار رانٹ سنٹ حوالے ہیں جو اکثر دل کے خوش کرنے کو پیش کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس صرف اسی قدر ہے کہ ان سے مطلب حل نہیں ہوتا اور موروثی گناہ کا ثابت ہونا تو علیحدہ رہا اس کے لئے عذر لنگ تک میسّر نہیں آتا۔

اب ہم خدا تعالےٰ کی مدد اور نصرت اور فضل محض سے ذیل میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ عہد نامۂ قدیم سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پیدائشًا گنہگار نہیں۔

اِس بارے میں سب سے اوّل یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر موروثی گناہ کا انکار نہ کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ جو خدا تعالےٰ نے ایسا بندوبست کیا کہ جب تک آدم نے گناہ نہیں کیا "عورت" حاملہ نہیں ہوئی یہ اس بات کا کُھلا کُھلا ثبوت ہے کہ وہ خواہ مخواہ بنی آدم کے خلاف ایک گناہ تھوپنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ اور اسی لئے جب تک کہ اس کو ایک نامعقول

خُدا بن تو نہیں آگیا اُس نے آدم کی نسل کو چلنے نہیں دیا۔

اور اس بات پر ہر ایک عقلمند افسوس کرے گا کہ جس چال سے خدائے بزرگ و بالا نے بنی آدم کو جال میں پھنسایا وہ قطعاً اس کی عزت اور بلند حوصلگی کے شایانِ شان نہ تھی۔ بلکہ اس معاملہ میں تو ماننا پڑتا ہے کہ خداوند خدا نے آریوں کے پرماتما کو بھی مات کر دیا ہے۔ پرماتما نے تو جُونوں کا چکر چلانے کے لئے صرف یہ تدبیر نکالی کہ مکتی دینے سے پہلے ایک آدھ گناہ چھپا کر رکھ لیا۔ اور پھر اسی گناہ کے عوض پکڑ کر واپس دُنیا کے چکر میں لا پھینکا۔ لیکن خداوند خدا کو خوب دُور کی سُوجھی کہ شروع دن سے ہی ایسا گناہ آدم کے تخم میں ملا دیا کہ کچھ ہو وہ سرشت سے جُدا نہیں ہوتا۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

بے شک خدائے کفارہ کا آدم کو اس وقت تک افزائشِ نسل سے روکے رکھنا جب تک کہ اس نے گناہ نہ کر لیا جہاں ایک طرف اس کی سخت گیری اور اُلٹی ذہنیت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے وہاں یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ آنجناب عقل سے بھی بالکل کورے ہی تھے۔ اگر آدم کی کچھ اولاد گناہ کرنے سے پہلے بھی پیدا ہو جاتی تو دُنیا میں پاکبازوں کی نسل بھی قائم رہتی اور آپ کو خواہ مخواہ باپ سے بیٹا بنکر دُنیا میں آنیکی ضرورت نہ پڑتی۔ اور نہ ہی لعنت کی ذلّت اور صلیب کی مصیبت برداشت کرنا پڑتی۔ اور اگر بفرضِ محال کوئی ایسی اندھی مجبوری پیش آ بھی جاتی تو بیچارے کو خونِ حیض کھانیکے لئے تو کوئی گناہ کی آلائشوں سے پاک عورت مل جاتی۔ لوگ تو بچوں کے متعلق احتیاط کرتے ہیں کہ مریضہ جانور کا دُودھ اُنہیں نہ پلایا جائے۔ اور علم النفس کے ماہرین کا خیال ہے کہ بچے کو دُودھ پلانے والی عورت کے خیالات اور جذبات کا بھی بچہ پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ مگر "خداوند" نے تو حد ہی کر دی۔ اگر آپ نے خونِ حیض ضرور ہی کھانا تھا اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا تو کم از کم اتنا انتظام تو ضرور کر لینا چاہئے تھا کہ اس گند کے ساتھ موروثی گناہ کی غلاظت کا حصہ نہ ہوتا۔ سچ ہے ع

خسرواں دانند رموزِ خسروی

یہ سارے احتمالات جن سے ہم خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اسی صورت میں پیدا ہوتے ہیں جبکہ خواہ مخواہ نوعِ انسان پر موروثی گنہگاری کا عیب جڑ دیا جائے۔ لیکن

سچ یہی ہے کہ عہد نامۂ عتیق کی تعلیم اِس بدنما داغ سے پاک ہے۔ اور اگر دُور از کار تاویلات کو اختیار نہ کیا جائے اور عبارت کو اپنے محل سے پھیر نہ دیا جائے۔ تو خدائے قدوس پر اس بدظنی کے لیئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

چنانچہ ذیل میں ہم بائیبل کی وہ تعلیم پیش کرتے ہیں جو سراسر موروثی گنہگاری کے نقیض پڑی ہوئی ہے۔

پیدائش ۵/۱ میں لکھا ہے.... "جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اُسے اپنی شبیہ پر بنایا" پس جو خدا کی شبیہ اور صورت پر بنایا گیا اُس میں گناہ کہاں! کیا خدا کی فطرت میں گناہ ہے؟ اگر نہیں تو جو اصل میں نہیں وہ شبیہ میں کہاں سے آگیا۔ یا درکھو کہ گناہ تو اس وقت آیا جبکہ فطرت بن چکی تھی اور شبیہ تیار ہو چکی تھی۔ پس وہ جو شبیہ کو مسخ کرنے والا ہے وہ فطرت کا حصہ کیسے بن گیا اور فطرتی کیونکر ہو گیا؟ ابدی وراثت میں تو صرف وہ چیز چل سکتی ہے جو فطرتِ صحیحہ کا حصہ ہو۔ لیکن گناہ بیرونی ہے۔ پس وہ مستقل وراثت میں کیونکر چلا۔ البتہ پیدائشی بے گناہی جو آدم کو پیدائش کے ساتھ ملی اور جس پر خدا کی شبیہ پر بنائے جانے نے مُہرِ تصدیق ثبت کر دی ایک ایسی چیز ہے جسے بوجہ طبیعت اور فطرت کا رُکنِ اعظم ہونیکے ضروری تھا کہ وراثت میں پہنچتی۔ اور بائیبل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ آدم کے بیٹے سیت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اس کی صورت اور شبیہ پر پیدا ہوا (پیدائش ۵/۳) اب جبکہ آدم خدا کی شبیہ پر بنایا گیا تھا اور یہی اس کی اصل صورت تھی۔ تو ماننا پڑا کہ جو اس کی شبیہ پر بنایا گیا وہ خدا ہی کی شبیہ پر بنا۔ اور منجملہ آدم کے تمام انسانوں کا فطرتِ الٰہیہ یعنی خدا کی صورت پر بنائے جانے کا ثبوت ہمیں خود بائیبل سے ملتا ہے[1]۔ چنانچہ لکھا ہے۔

(چوپائے وغیرہ بنانے کے بعد) "پھر خدا نے کہا ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں۔ اور وہ سمندر کی مچھلیوں اور آسمان

[1] ہمارے قرآن پاک نے فرمایا ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ کہ سب انسان پیدائشاً فطرتِ الٰہیہ پر پیدا ہوئے ہیں اس لیئے پیدائشاً بے گناہ ہیں۔

کے پرندوں اور چوپایوں اور تمام زمین اور سب جانداروں پر جو زمین پر رینگتے ہیں اختیار رکھیں۔ اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا۔ نر و ناری اُن کو پیدا کیا" (پیدائش ۲۶-۲۷)

اب اس جگہ عبارت صاف گویا ہے کہ جس انسان کو خدا تعالےٰ نے اپنی صورت پر پیدا کرنے کا ارادہ کیا، وہ کوئی ایک خاص انسان نہیں تھا بلکہ جنس انسانی تھی۔ کیونکہ اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تمام زمین اور سب جانداروں پر اختیار رکھیں۔ اب "رکھیں" کا لفظ (اس کی جگہ عبرانی لفظ وَیِرْدُو ہے۔ جو کہ جمع کا صیغہ ہے) صاف بتلاتا ہے کہ وہ ایک شخص نہیں تھا بلکہ اس سے مراد جنس انسانی ہے۔ پھر یہ الفاظ کہ انہیں اس لئے پیدا کیا جا رہا ہے تاکہ وہ تمام زمین اور سب جانداروں پر اختیار رکھیں اور بھی وضاحت کر دیتے ہیں۔ اگر آدم ہی کو "وہ" انسان سمجھا جائے تو اس کے متعلق تو یہ کہنا کبھی درست نہیں ہو سکتا کہ اسے تمام زمین اور سب جانداروں پر اختیار تھا۔ کیونکہ یہ صفت ایک ایسی صفت ہے جو کسی فردِ واحد میں متحقق نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کا تعلق نوع کے ساتھ ہے۔ پس اس جگہ مراد لازماً تمام نوعِ انسانی ہے کیونکہ انسان کو بحیثیت نوع کے نہ کہ بحیثیت فرد کے تمام زمین پر اختیار حاصل ہے۔

پس سچ یہی ہے کہ ہم سب خدا کی شکل پر پیدا ہوتے ہیں اور پیدائشاً بے گناہ ہیں۔ اور آدم بھی پیدائشاً بے گناہ تھا۔ اس سے جو غفلت ہوئی وہ اس کی فطرت کا حصہ نہ تھا، بلکہ ایک بیرونی آلائش تھی۔ اور بیرونی آلائش ہر وقت دُور کی جا سکتی ہے۔ اور فطرت کو اس کی میل سے پاک کیا جا سکتا ہے۔ اسی بناء پر ہمارا قرآن پاک فرماتا ہے کہ فتلقّی آدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ (بقرہ ع۴) کہ آدم کی جو لغزش تھی اس سے خود آدم کا دامن پاک کر دیا گیا تھا۔ چہ جائیکہ اس سے ساری نسل انسانی کو متہم کیا جاتا۔ اور یہی خدائی اور رحمانیت اور ربوبیت ہے۔ ورنہ جس ربوبیت اور رحمانیت سے انسانیت شرمندہ ہے اس سے خدائی سے کیا واسطہ۔ اور طرّہ تو یہ ہے کہ خود مسیح بھی پیدائشی بے گناہی کے قائل تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"پھر اُس نے جاتے وقت ایک شخص کو دیکھا جو جنم کا اندھا تھا اور اس کے شاگردوں نے اُس سے پوچھا کہ اے ربّی! کس نے گناہ کیا تھا جو یہ اندھا پیدا

ہؤا اِس شخص نے یا اِس کے ماں باپ نے ؟ یسوع نے جواب دیا کہ نہ اِس نے گناہ کیا تھا نہ اِس کے ماں باپ نے۔ بلکہ یہ اس لئے ہؤا کہ خدا کے کام اِس میں ظاہر ہوں " (یوحنا ۹: ۱-۳)

اب شاگردوں کا سوال یہ تھا کہ یہ جو پیدائشی اندھا ہے آیا یہ تناسخ کی وجہ سے ہے، یا موروثی گناہ کی وجہ سے۔ یعنی یا تو اس کے اندھا ہونیکی یہ صورت ہوسکتی تھی کہ اِس نے پچھلے جنموں میں کوئی بُرا کام کیا ہو جس کی سزا میں اِسے اندھا پیدا کیا گیا۔ اور یا یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اس کے ماں باپ نے کوئی گناہ کیا ہو۔ اور مطابق " وہ باپ دادا کے گناہ کی سزا ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پُشت تک دیتا ہے " (گنتی ۱۴: ۱۸ نیز دیکھو یرمیاہ ۳۲: ۱۸) اِس کو اندھا بنایا گیا ہو۔ لیکن حضرت مسیحؑ اِن دونوں باتوں کو ردّ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ اِس نے گناہ کیا تھا، نہ اِس کے ماں باپ نے۔ یعنی نہ ہی اِس کی وجہ تناسخ ہے اور نہ ہی موروثی گناہ۔

پس اے طائفۂ عیسائیاں! تمہارے ... نجات خوشخبری کی منادی ہے۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے اور اسی میں تمہاری نجات۔ تم خوشی سے اچھلو اور اپنے رب کے حضور سجدۂ شکر بجالاؤ کہ اُس نے گناہ جیسی ناپاک چیز سے تمہاری فطرت کو عیب دار نہیں کیا۔ بلکہ اس کے قدیم صحیفے اور اس کا پیارا بندہ مسیح تمہاری فطرت کی راستی کے متعلق گواہی دینے آتے ہیں۔ پس اُٹھو اور احساسِ کمتری کے جذبۂ سلاسل کو کاٹ ڈالو کہ تمہیں اس خدائے رحیم و کریم نے کسی ناکردہ گناہ میں جبر اور زور سے ماخوذ نہیں کر رکھا۔ تم اپنے رب کے حضور جھکو اور اس کی راہوں سے پیار کرو اور اس کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو کہ یہی حقیقی نجات ہے، جو خدا کی شبیہ پر پیدا ہؤا ہے وہ نجات پر پیدا کیا گیا ہے۔ نجات اس کا وجود ہے اور وہ بہرحال نجات کی طرف لوٹے گا۔ کیونکہ کل شیء یرجع الی اصلہ۔ اس کے چھٹکارے کے لئے کسی بے گناہ کو گرفتارِ بلا ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ اسے ایسے کفارہ کی حاجت ہے۔ یہ سب ناامیدی اور مایوسی کی راہیں ہیں جن پر قدم مار کر کوئی فلاح نہیں پاسکتا۔

یاجوج ماجوج کی حقیقت

(از جناب مولوی عبد القادر صاحب)

مضمون کی اہمیت قرآن مجید، احادیث نبویہ اور صحف سابقہ کی پیشگوئیوں سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کو آخری زمانہ میں تمام دُنیا پر غلبہ و استیلا حاصل ہوگا۔ اور اس غلبہ کے بعد ان کی آپس میں آتشیں جنگیں رونما ہوں گی۔ ان پیشگوئیوں میں مسیح موعود کے زمانہ اور یاجوج ماجوج کے زمانہ کو ایک ہی قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو مسیح موعود کی آمد کی پیشگوئیاں اور خروج دجال وخروج یاجوج ماجوج کی پیشگوئیاں ایک ہی زنجیر کی دو کڑیاں نظر آتی ہیں۔ ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحریک احمدیت میں یاجوج ماجوج کی بحث کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

دورِ حاضر میں چونکہ اسلام اور دُنیائے اسلام کو ان قہرمانی طاقتوں سے ایک عظیم ترین فتنہ درپیش ہے۔ اور اس فتنہ کا علاج اور انجام بھی ان پیشگوئیوں میں موجود ہے اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس فتنہ کا جو علاج اللہ تعالےٰ نے تجویز کیا ہے اور اس کا جو انجام بتایا ہے وہ دُنیا کے سامنے پیش کریں۔

آج سے اڑھائی ہزار سال قبل حضرت حزقی ایل نبی ہمیں اُس یاجُوجی فتنہ سے مطلع کر رہے ہیں جس کا مرکز آپ نے روس بتایا ہے۔ یہ وہی فتنہ ہے جو کہ آج کمیونزم کے نام سے تمام دُنیا کے لئے خطرہ کا الارم ہے۔ آپ نے اللہ تعالےٰ سے علم پا کر یہ پیشگوئی کی کہ ایک زمانہ میں یاجوج جو کہ روس کا مالک ہے دُنیا کی زبردست طاقت بن جائے گا۔ اور وہ دُنیا کا سونا اور چاندی لوٹنے کے لئے غیر ممالک پر حملہ کرے گا۔

دور ہاداں کی طرح ان پر چھا جائے گا مگر آخر خدا کا غضب اس پر بھڑکے گا اور وہ آسمانی عذاب کا نشانہ بن کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حزقی ایل باب ۳۸، ۳۹)

آپ یاجوج ماجوج کے فتنہ کی ہیبت کا اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ حضرت حزقی ایل نبی فرماتے ہیں کہ اس سے اسرائیل کے تمام انبیاء ڈراتے آئے ہیں۔ (حزقی ایل ۳۸:۱۷)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ سے علم پا کر یہی فرماتے ہیں کہ آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت تک اس دجالی فتنہ سے بڑھکر کوئی امر نہیں۔ یہاں تک کہ دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی اُمت کو اس فتنہ سے نہ ڈرایا ہو۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یاجوج ماجوج کی حقیقت کو تحریک احمدیت کے زاویہ نگاہ سے دنیا کے سامنے پیش کرنا ایک ضروری امر ہے۔ یہاں پہنچکر پہلے تو یہ سوال پیدا ہو گا کہ یاجوج ماجوج ہیں کون؟ اگر دنیا کو یہی معلوم نہ ہو تو ان کے پیدا کردہ عظیم ترین فتن سے اس کو کیونکر بچایا جا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصریحات

اس ضمن میں یہ ذکر ضروری ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس حقیقت کو دنیا کے سامنے پورے طور پر منکشف فرمایا کہ یاجوج ماجوج سے مراد یورپ کی قومیں ہیں جو کہ دنیا پر غلبہ حاصل کر کے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں گی اور پھر یہ طاقتیں باہمی آویزش سے تباہ ہو جائیں گی۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) "توراۃ میں ممالک مغربیہ کی بعض قوموں کو یاجوج ماجوج قرار دیا گیا ہے اور ان کا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ٹھہرایا ہے۔ قرآن شریف نے اس قوم کیلئے ایک نشانی یہ لکھی ہے کہ من کل حدب ینسلون۔ یعنی ہر ایک فوقیت ارضی ان کو حاصل ہو جائے گی اور ہر ایک قوم پر وہ فتحیاب ہو جائیں گے۔"

(تحفہ گولڑویہ ص۱۱۱)

(۲) "ایسا ہی یاجوج ماجوج کا حال بھی سمجھ لیجئے۔ یہ دونوں پرانی قومیں ہیں جو پہلے زمانوں میں دوسروں پر کُھلے طور پر غالب نہیں ہو سکیں اور ان کی حالت

میں ضعف رہا لیکن خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کریں گی یعنی اپنی جلالی قوت کے ساتھ ظاہر ہوں گی جیسا کہ سورہ کہف میں فرماتا ہے۔ وترکنا بعضھم یومئذٍ یّموج فی بعض۔ یعنی یہ دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کرکے پھر ایک دوسرے پر حملہ کریں گی۔" (ازالہ اوہام ملا۲۵۴)

(نمبر ۳) "بائیبل سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یورپ کے عیسائی فرقے ہی یاجوج ماجوج ہیں۔ اور دوسرے قرآن شریف نے یاجوج ماجوج کی وہ علامتیں مقرر کی ہیں جو صرف یورپ کی سلطنتوں پر ہی صادق آتی ہیں جیسا کہ یہ لکھا ہے۔ کہ وہ ہر ایک بلندی پر سے دوڑیں گے یعنی سب طاقتوں پر غالب آجائیں گے اور ہر ایک پہلو سے دُنیا کا عروج ان کو مل جائے گا۔ اور حدیثوں میں بھی یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ کسی سلطنت کو ان کے ساتھ تاب مقابلہ نہیں ہوگی۔ (لایدان لاحد لقتالھما)

پس یہ تو قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ کہ یہی قومیں یاجوج ماجوج ہیں اور اس سے انکار کرنا سراسر تحکم اور خدا کے فرمودہ کی مخالفت ہے۔ . . . .

اور جب یہ ثابت ہوا کہ یہی قومیں یاجوج ماجوج ہیں تو خود یہ ثابت شدہ امر ہے کہ مسیح موعود یاجوج ماجوج کے وقت میں ظاہر ہوگا جیسا کہ قرآن شریف نے بھی یاجوج ماجوج کے غلبہ اور طاقت کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے ونفخ فی الصور فجمعنٰھم جمعًا۔ یعنی یاجوج ماجوج کے زمانہ میں بڑا تفرقہ اور پھوٹ لوگوں میں پڑ جائے گی اور ایک مذہب دوسرے مذہب پر اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ کرے گی۔ تب ان دنوں میں خدا تعالےٰ اس پھوٹ کے دُور کرنے کے لئے آسمان سے بغیر انسانی ہاتھوں کے اور محض آسمانی نشانوں سے اپنے کسی مرسل کے ذریعہ جو صُور یعنی قرنا کا حکم رکھتا ہوگا اپنی پُرہیبت آواز لوگوں تک پہنچائے گا۔ جس میں ایک بڑی کشش ہوگی۔ اور اس طرح پر خدا تعالےٰ تمام متفرق لوگوں کو ایک مذہب پر جمع کر دیگا۔

اور احادیث صاف اور صریح لفظوں میں بتلا رہی ہیں کہ یاجوج ماجوج کا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے۔ کہ جب قوم یاجوج ماجوج اپنی

قوت اور طاقت کے ساتھ تمام قوموں پر غالب آجائے گی اور ان کے ساتھ کسی کو تابِ مقابلہ نہیں رہے گی۔ تب مسیح موعود کو حکم ہوگا کہ اپنی جماعت کو کوہِ طور کی پناہ میں لے آوے۔ یعنی آسمانی نشانوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے اور خدا کی زبردست اور ہیبتناک عجائبات سے مدد لے!"

(چشمہ معرفت ص۸۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ یاجوج ماجوج یورپ کی طاقتوں کا نام ہے۔ یہ ایک تاریخی صداقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ قدیم یونانی، لاطینی اور اسرائیلی مؤرخین۔ بائیبل کے عہد جدید اور عہد قدیم۔ اسلامی مؤرخین اور جغرافیہ نویس سبھی یاجوج ماجوج کا ریکارڈ رکھتے اور ان کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ مقالہ انہی تاریخی شواہد کو پیش کرنے کے لئے سپردِ قلم کیا گیا ہے۔

یاجوج ماجوج کی مختصر تاریخ

یاجوج ماجوج سے مراد مشرقی یورپ اور شمالی ایشیا کے دُور اُفتادہ میدانوں کے وہ وحشی قبائل ہیں جن کا بے پناہ سیلاب زمانۂ قدیم سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف اُمنڈتا رہا۔ جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں۔ یہی وہ قبائل ہیں جنہوں نے یورپ کو پہلے برباد کیا اور پھر آباد کیا۔ یورپ میں شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً پھیلنے اور آباد ہونے والی اقوام فی الحقیقت یاجوج ماجوج ہی ہیں۔

اس ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ ان قبائل کی پہلی یورشیں ممالکِ ایشیا پر ہؤا کرتی تھیں جس کی وجہ ایشیا کی زرخیزی تھی۔ اگر ان حملوں میں یہ قبائل کامیاب ہو جاتے تو جس طرح یہ قومیں سرزمین یورپ میں جذب ہوگئیں اسی طرح ایشیا کے مختلف ممالک میں پھیل کر دوسری ایشیائی اقوام میں ضم ہو جاتیں۔ لیکن ہؤا یہ کہ ان کے راستے میں مہیب روکیں کھڑی کر دی گئیں۔ دربند۔ دیوار درّہ داریال۔ دیوارِ چین اور دوسرے استحکامات انہی کے حملوں کو روکنے کیلئے بنائے گئے۔ سائرس شہنشاہِ مادہ و فارس نے (جس کو قرآن مجید میں ذوالقرنین قرار دیا گیا ہے) ان اقوام کے مشرقی حملوں کو بڑی سختی سے روک دیا۔ اور یہ اقوام ایک نہایت درماندہ علاقہ یعنی ایشیا کے انتہائی شمال مغرب

اور یورپ کے مشرق میں گھر گئیں۔ سائرس (Cyrus) نے اور اس کے ساتھ مل کر سب ایشیا نے اس امر کا انتظام کیا کہ ان اقوام کے ایشیا میں آنے کی صورت ہی نہ رہے گویا ایک قسم کا انٹرنیشنل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ یہ اقوام یورپ میں پورے زور سے پھیلنا شروع ہوئیں۔ اور چونکہ یورپ میں مذاہب میں سے صرف مسیحی مذہب تھا۔ باقی بت پرستی ہی بت پرستی تھی اس لئے دُنیا کے پرانے مذاہب میں سے ان اقوام کو صرف مسیحیت سے واسطہ پڑا۔ اور یہ اقوام آہستہ آہستہ سب کی سب مسیحی ہو گئیں"۔

ایک تاریخی موازنہ

ہم بتا چکے ہیں کہ مشرقی یورپ اور شمالی ایشیا کے دُور اُفتادہ میدان ان قوموں کا سرچشمہ اور مخزنی علاقہ ہے۔ جہاں سے یکے بعد دیگرے ان وحشی قوموں اور قبیلوں کے نئے نئے سیلاب امنڈتے رہے۔ اور رفتہ رفتہ یورپ میں پھیلتے رہے۔ قدیم زمانہ سے یہ علاقہ یاجوج ماجوج قوموں کا مسکن سمجھا جاتا رہا۔ جو قومیں اس علاقہ سے مہاجرت و انشعاب کے بعد کٹ جاتیں وہ مختلف نام اختیار کر جاتیں اور یورپ کے مختلف علاقوں میں بس کر وہاں کی خصوصیات اختیار کرتے ہوئے رفتہ رفتہ وہ ایک مقامی قوم بن جاتیں۔

یہ وحشی قبائل یورپ میں کیونکر جذب ہو گئے، اس کا اندازہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے۔ کہ صدیٔ چہارم کے یورپ کے نقشہ کا سولھویں صدی کے نقشہ سے مقابلہ کیا جائے۔ اس موازنہ[1] سے یہ نظر آ جائے گا کہ سرزمین یورپ میں یہ قبائلی سیلاب کیونکر جذب ہؤا اور اس انجذاب کے بعد کیا کیا سیاسی، لسانی، مذہبی اور تمدنی تغیرات رونما ہوئے۔ چوتھی صدی کے نقشہ میں ہمیں صرف بڑی تقسیمیں نظر آئیں گی۔ سلطنت روما اور قبائل وحشی۔ اس صدی میں رومن ایمپائر کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اس شہنشاہی کے حدود مغرب میں بحر اوقیانوس، مشرق میں دریائے فرات، جنوب میں صحرائے اعظم اور شمال میں

---

[1] اس موازنہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ یورپ حصہ اوّل (مصنفہ آلیور تھیچر پی ایچ ڈی و فرڈیننڈ شیول پی ایچ ڈی۔

دریائے ڈنیوب، مین دراتین تک پھیلے ہوئے تھے۔ برطانیہ کا بھی اس میں شمول ہوگیا تھا۔ دوسرے یعنی سولہویں صدی کے نقشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ مشرقی یورپ کے وحشی قبائل معدوم ہیں، سلطنتِ روما بھی گو قائم ہے لیکن بالکل برائے نام اور اپنے تمام پچھلے تغیرات سے معرا۔ البتہ ان دونوں کی بجائے متعدد جداگانہ و مستقل قومیں آباد ہیں۔ اور مختلف سلطنتیں قائم ہیں۔ اس موازنہ سے روزِ روشن کی طرح یہ ظاہر ہے کہ بالآخر یہ وحشی قبائل اس طرح یورپ پر چھا گئے کہ نہ صرف رومن امپائر بلکہ رومن تمدن کو ہمیشہ کے لئے پائمال کر دیا اور اس خلا کو اپنے وجود سے پُر کر دیا۔

لسانی حیثیت سے بھی دو نقشوں کے تغیرات کچھ کم اہم نہیں۔ ابتداً یورپ میں صرف یونانی و لاطینی زبانیں رائج تھیں۔ لیکن سولھویں صدی میں وحشی قبائل کی غیر شستہ بولیاں السنۂ علمی کے مرتبہ پر مختار ہوگئیں۔ یونانی زبان صرف ایک مخصوص خطہ کے اندر اور لاطینی صرف تعلیم یافتہ جماعت تک محدود رہ گئی۔

مذہبی معیار سے عظیم الشان انقلابات رونما ہوئے۔ چوتھی صدی کی ابتدا میں یورپ کا عام مذہب شرک و بُت پرستی تھا۔ مسیحیت بھی شائع ضرور تھی مگر وہی ایک مختصر گروہ کے اندر۔ ہم حیرت و استعجاب سے اس انقلاب کو دیکھتے ہیں کہ جن کے لئے عیسائیت باعثِ صد نفرین تھی وہی وحشی قبائل گیارھویں صدی عیسوی تک رفتہ رفتہ عیسائیت کی آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔

آج یورپ والے انہی وحشی قبائل کی اولاد ہیں۔ یہ قبائل تاریخ میں مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے رہے۔ یاجوج ماجوج ان کا قدیمی نام ہے۔ جو سب سے پہلے اسرائیلیات میں ہمیں ملتا ہے۔ اسرائیلی لٹریچر میں ان قبائل کو یافث بن نوحؑ کی اولاد بتایا گیا ہے مزید براں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یافث بن نوحؑ کی نسل کے بعض دوسرے عناصر بھی یاجوج ماجوج کے ساتھ معاشرت کی وجہ سے انہی میں مدغم ہوکر اسی نام میں شامل ہوگئے۔ پھر مہاجرت و انشعاب کے بعد ان قبائل کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئیں۔ مثلاً گاتھ، فرانک، وینڈال، الامان، ٹیوٹن اور سکیسن وغیرہ۔ یہ قومیں یورپ کی بنیادی نسلیں شمار کی جاتی ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریحات

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (برطانوی دائرۃ المعارف) میں زیر لفظ Gog (یاجوج) ایک تحقیقی مقالہ درج ہے جس کے ضروری اقتباسات درج ذیل ہیں :-

(۱) "گاگ (یعنی یاجوج) ایک اسرائیلی نام ہے جس کا ذکر حزقی ایل ۳۸، ۳۹ باب اور مکاشفات ۲۰ باب میں پایا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایک دہریہ طاقت ہے کہ جس نے زمانہ قرب قیامت میں دُنیا میں عروج حاصل کرنا ہے۔ آخری دَور میں کہا جاتا ہے کہ گاگ اور "مے گاگ" (یعنی یاجوج اور ماجوج) دونو شریک کار ہوں گے ...... ان دونوں ناموں کا انحصار پیدائش ۱۰ پر ہے۔ اگرچہ یہاں صرف ماجوج ہی کا ذکر مندرج ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ نام یافث بن نوح کے دوسرے لڑکے کا ہے۔"

(۲) پھر لکھا ہے :

"According to Josephus, who is followed by Jerom, the Scythians were primarily intended by this designation. and this plausible opinion has been generally followed"

یعنی (اسرائیلی مؤرخ) "جوزیفس کے قول کے مطابق جس کی اتباع جیروم نے کی ہے ستھین قبائل ہی دراصل یاجوج سے مراد لئے جاتے تھے اور یہ مشہور و معروف رائے جو کہ درست معلوم ہوتی ہے۔ عام طور پر تسلیم کی گئی ہے۔"

(۳) قوم ستھین یعنی یاجوج کے ایشیا پر ایک زبردست حملہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"۶۳۰ قبل مسیح اس قوم نے ایشیا پر ایک زبردست حملہ کیا، اور بہت تباہی مچائی۔ یہ حملہ یوسیاہ بادشاہ کے وقت ہوا۔ ان شمالی حملہ آوروں کا ذکر یرمیاہ نبی نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو یرمیاہ ۴، ۶ باب) اور یونانی مؤرخ ہیرو ڈوٹس (۴۰۰ ق م) نے بھی اس کا حال لکھا ہے (ملاحظہ ہو ۱۰۶-۱۰۴-۱۰۱ [illegible]

(۴) آخر میں لکھا ہے کہ:-

"استراخان کے علاقہ میں ہنوز یہ قصہ مشہور ہے کہ یاجوج اور ماجوج دو زبردست قومیں تھیں جن کو سکندر اعظم[۱] نے مغلوب کر کے کوہ قاف کے اس پار ویران اور تنہا مقامات میں جلا وطن کر دیا۔ جب ان کے خروج کا وقت آئے گا تو وہ نکل کر دنیا کو تباہ و برباد کر دیں گی۔"

جیوش انسائیکلوپیڈیا کی شہادت

جیوش انسائیکلوپیڈیا (اسرائیلی دائرۃ المعارف) میں لکھا ہے۔ کہ قدیم اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کا بیان ہے کہ یاجوج وہی قوم ہے جو سیتھین (Scythian) کہلاتی ہے۔ جیروم لکھتا ہے کہ ماجوج کوہ قاف سے پرے بحیرہ خضر (Caspian Sea) کے اوپر رہتے ہیں (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۶ ص۱۹) یعنی شمالی یورپ کے علاقہ میں۔

سیتھین قبائل کون ہیں؟

مندرجہ بالا تاریخی شواہد سے ظاہر ہے۔ کہ مؤرخین قدیم یاجوج سے سیتھین قبائل مراد لیتے تھے۔ اور ماجوج سے شمالی یورپ کے دوسرے وحشی قبائل سیتھین ایک وسیع نام ہے۔ جو بلاد شمالیہ کی قوموں کے لیے قدیم یونانی مؤرخ استعمال کرتے ہیں قبائل سیتھین اصل میں شمالی ایشیا کے باشندے تھے لیکن ساتویں صدی قبل مسیح میں وہ مشرقی یورپ میں بحیرہ خضر اور بحیرہ اسود کے نواح میں آکر آباد ہو گئے۔ اور وہاں سے دریائے ڈنیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئے۔ اس قوم کی جو بقایا نسل وسطی اور شمالی ایشیا میں رہ گئی۔ وہ برابر سیتھین ہی کے نام سے پکاری جاتی رہی۔ اس طرح

---

[۱] سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اسکے عہد میں اور خود اسکے ساتھیوں نے قلمبند کر دیئے ہیں۔ ان میں کہیں بھی یاجوج ماجوج سے کاکیشیا کی اس لڑائی کا ذکر نہیں۔ یاجوج ماجوج کے حملوں سے ایشیا کو محفوظ کرنے والا خورس تھا۔ جس کو قرآن مجید نے ذوالقرنین قرار دیا ہے۔ (ناقل)

ان قبائل کے دو حصے ہو گئے۔ ایک مغربی ستھین" دوسرے مشرقی ستھین" ستھین کے ساتھ اس کی ایک ہم نسل قوم Sarmatians سرمات نے بھی اس مہاجرت میں حصہ لیا۔ اس قوم سے قدیم سارمیشیا یعنی روس اور پولستان کے باشندے منسوب ہیں۔ ستھین قبائل کی حقیقت کے متعلق بعض تاریخی شہادات درج ذیل ہیں :-

(۱)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں زیر لفظ Gog (یاجوج) لکھا ہے۔ کہ شمال کی کثیر التعداد اقوام میں سے کسی ایک پر یا سب پر اس نام کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۲)

اسی "انسائیکلو پیڈیا" میں زیر لفظ Scythia ستھیا لکھا ہے۔ کہ ستھیا اس علاقہ کا نام ہے کہ جس پر خانہ بدوش وحشی ستھین نسل کے لوگ قابض تھے۔ جب جمہوری اور سیاسی طاقت کے لحاظ سے یہ معدوم ہو گئے۔ تو ستھیا کا نام اپنے اصل سے بدل کر Sarmatia سارمیشیا ہو جاتا ہے۔

پھر لکھا ہے کہ اس لفظ کا اطلاق شمالی ایشیا کے غیر معروف مقامات پر بھی ہوتا ہے جو "اسٹرابو" (مشہور مؤرخ) کے نزدیک مشرقی ستھیا ہے"۔ آگے لکھا ہے کہ:-

مشہور و معروف یونانی اور رومن مصنفین کی تحریروں کی رو سے ستھیا سے مراد تمام وہ علاقے تھے جو کہ بحیرہ اسود کے شمال مشرق میں واقعہ تھے۔ اور ستھین سے مراد ہر وہ وحشی فرد تھا جو کہ ان علاقوں سے آتا تھا۔

اسی مقالہ میں ارض ستھیا کا ایک نقشہ بھی دیا گیا ہے۔ جو کہ ابو التاریخ یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کی تاریخ کے مطابق ہے۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ ستھین بحر کاسپین کے بالائی علاقہ سے لیکر بحر اسود کے شمالی کناروں تک اور وہاں سے دریائے ڈنیوب کی بالائی وادی تک پھیلے ہوئے ہیں۔

(۳)

ٹائمز اٹلس (The Times) میں مؤرخین قدیم کے تین نقشے دیئے گئے ہیں تفصیل درج ذیل ہے:-

(۱) ہیروڈوٹس Herodotus ۴۵۰ قبل مسیح۔

(۲) بطلیموس ۱۵۰ عیسوی

(۳) Hereford ۱۲۰۰ عیسوی

ان نقشوں پر ستھین قبائل کو شمالی ایشیا اور مشرقی یورپ میں دکھایا گیا ہے۔

(۴)

تاریخ عالم مصنفہ (World History By R. Flenley & W.N. Weech) کے ساتھ دیباچہ میں The Wandering of the Peoples کے عنوان سے ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ آریہ وسطی اور شمالی ایشیا میں آباد ہیں۔ وہاں سے ان کی مغربی شاخ بحر کاسپین اور بحر اسود کے شمال سے گذر رہی ہے۔ بحر اسود کے علاقہ میں آریہ نسل سے ایک اور شاخ پھوٹی جو کہ اسی علاقہ میں آباد ہوگئی۔ جو کہ ستھین کہلائی۔

ص۲۸ پر لکھا ہے کہ ستھین آریہ نسل سے تعلق رکھنے والے اور آرین زبان بولنے والے لوگ تھے، جن کے حملے مغربی ایشیا پر ہوا کرتے تھے۔

اسی طرح ص۴۷، ص۹۱، ص۲۰۹ کے ساتھ جو نقشے شامل کئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ ستھین اور ان کے ہمنسل سارمیشین قبائل مشرقی یورپ میں آباد ہیں۔

مندرجہ بالا تاریخی شہادات سے یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ مؤرخینِ قدیم کے نزدیک یاجوج سے مراد ستھین یا سارمیشین قوم ہے جو کہ شمالی ایشیا اور جنوب مشرقی یورپ میں آباد ہوئی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ماجوج سے کونسی قوم مراد لی جاتی ہے؟

ماجوج کی حقیقت

(۱) بائیبل میں ماجوج کو بھی بلادِ شمالیہ میں رہنے والی قوم بتایا گیا ہے۔ (تفصیل آگے آئیگی انشاء اللہ) چنانچہ تاریخ بائیبل مصنفہ پادری بلیکی صاحب سے ثابت ہے۔ کہ یاجوج سے اہل ستھیا نکلے اور ماجوج سے شمالی یورپ کے دوسرے وحشی قبائل (ص۲۵)

(۲) اردو انسائیکلوپیڈیا میں بحوالہ جیروم لکھا ہے کہ ماجوج کوہ قاف سے پرے بحیرہ اخضر کے اوپر رہتے ہیں۔ یعنی شمالی یورپ میں۔ (جلد ۲ ص۱۹۱)

(۳) سب سے مشہور عرب جغرافیہ نویس "ادریسی"[1] اپنے نقشہ عالم ۱۱۶۰ عیسوی میں

---

[1] ادریسی ہی کی تصنیفات نے جو لاطینی میں ترجمہ ہوئیں جغرافیہ کا علم یورپ کے ازمنہ متوسط

یاجوج کا مقام شمال مشرقی ایشیا میں اور ماجوج کا مقام بحیرہ اخضر کے بالائی علاقہ میں دکھاتا ہے (ملاحظہ ہو ڈاکٹر لی بان کی تصنیف تمدن عرب ص۴۳ کے ساتھ ملحقہ نقشہ)

ان سب تاریخی حقائق اور جغرافیائی تصریحات سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ یاجوج ماجوج سے مراد شمالی ایشیا اور مشرقی یورپ کے وحشی قبائل ہیں۔ یہ وہ قبائل ہیں کہ جن کا بے پناہ سیلاب برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا اور رفتہ رفتہ سارے یورپ پر چھا گیا۔ یورپ میں یہ قبائل گوتھ، فرانک، ونڈال، الان، ٹیوٹان، سکسن وغیرہ ناموں سے موسوم ہوئے۔ انہی قبائل کی ایک وسیع شاخ وہ تھی جو کہ بحر اسود سے لیکر دریائے ڈنیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور سیتھین کے نام سے موسوم ہوئی۔ جس کے حملوں کی روک تھام کے لئے خورس (ذوالقرنین) نے سد تعمیر کی تھی۔

یاجوج ماجوج اسرائیلی لٹریچر کی رُو سے

یاجوج ماجوج کن اقوام کا نام ہے؟ ان کا ابتدائی مسکن کون سا تھا؟ ممالک مغربیہ میں مہاجرت و انشعاب۔ ان سب امور پر اب بائبل کی رو سے روشنی ڈالی جائیگی۔ وباللہ التوفیق۔

نسلی تحقیق

اس ضمن میں اوّلین شہادت ہمیں تورات سے ملتی ہے۔ تورات کے صحیفہ پیدائش میں یافث بن نوح علیہ السلام کے بیٹوں میں ماجوج کا نام بھی درج ہے۔ یافث کے بیٹے یہ ہیں:-

جُمر[1]۔ ماجوج[2]۔ مادی[3]۔ یونان[4]۔ توبل[5]۔ مسک[6]۔ تیراس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) میں پھیلایا۔ اس نے اپنا مشہور جغرافیہ ۱۱۵۴ عیسوی میں لکھا جس میں متعدد نقشے بھی تھے۔ تین صدیوں سے زیادہ عرصہ تک یورپ نے محض اس کتاب کی تقلید پر قناعت کی۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر لی بان کی تصنیف تمدن عرب ص۴۳۱، ص۴۳۲)

ظاہر ہے کہ اس سلسلۂ نسب میں صرف "ماجوج" کا نام ہے۔ "یاجوج" کا نام نہیں لیکن یہ متحقق ہے کہ یاجوج بھی یافث بن نوح کی نسل سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں زیر لفظ Gog (یاجوج) لکھا ہے۔ کہ ان دونو ناموں کا انحصار پیدائش ۱/۲ کے سلسلۂ نسب پر ہے۔

تاریخ بائیبل مصنفہ پادری ولیم جی بلیکی کے ص۴۲ پر یاجوج ماجوج دونوں کو یافث کی نسل قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

"ماجوج ابن یافث کی نسبت عام طور سے یوں مشہور ہے کہ یاجوج اسی کے صلب سے ہیں۔" (ملاحظہ ہو ترجمہ تاریخ علامہ ابن خلدونؒ جلد اول ص۱۴)

معلوم یہ ہوتا ہے کہ ماجوج کی نسل آگے چل کر دو بڑے حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ ماجوج اور دوسرا حصہ یاجوج کہلانے لگا۔

بعض محققینِ اسلام اس طرف بھی گئے ہیں کہ یاجوج "روبن" بن اسرائیل کی نسل سے ہے۔ جس کی اولاد کو ۷۰۰ قبل مسیح میں "تلگات پلناصر" اور "پول کا دل" اسوری بادشاہان نے جلا وطن کر کے ماجوج کے ممالک سیتھیا (گیلان) کے پاس جا آباد کیا اور وہاں یہ قومیں بل جُل گئیں اور یاجوج ماجوج دو ناموں سے مشہور ہو گئیں (واللہ اعلم) بائیبل میں روبن بن اسرائیل کے سلسلۂ نسب میں یاجوج کا نام بھی دیا گیا ہے اور اس جلا وطنی کا ذکر بھی دو ایک جگہ ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو تواریخ ۱/۵ ۴/۶ ، ۲۶/۵ و سلاطین ۲ ۶/۱۵ و ۱۱/۱۸)

یاجوج ماجوج کی نسلی تحقیق کے ضمن میں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یافث بن نوحؑ کی نسل سے تعلق رکھنے والے مندرجہ بالا دوسرے قبائل کے بعض حصے بھی یاجوج ماجوج کے ساتھ شامل تھے۔ چنانچہ حزقی ایل ۳۸/۲ ، ۳۹/۱ اور ۳۸/۶ سے ظاہر ہے کہ یاجوج مسک اور توبل ایک ہی جگہ آباد ہوئے۔ یعنی بلادِ شمالیہ میں۔ اسی طرح لکھا ہے کہ جُمر بن یافث اور اس کی نسل کے بنو تجرمہ یاجوج کے ساتھ شمالی بلاد میں رہتے تھے (حزقی ایل ۳۸/۶) اس رہائش و معاشرت کا نتیجہ یہ ہؤا کہ مرورِ زمانہ کے باعث یاجوج ماجوج اقوام میں یافث کی نسل کے بعض دوسرے عناصر رفتہ رفتہ جذب ہوتے گئے اور یہی نام اختیار

کرلیا۔ اسلامی تاریخوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یافث کی نسل کا ایک حصہ یاجوج ماجوج میں ضم ہوکر اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ چنانچہ معجم البلدان یاقوت حموی میں لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج کے چھ قبیلے ہیں۔

(۱) یاجوج (۲) ماجوج (۳) تادیل (یعنی توبل) (۴) تاریس یعنی (تیراس) (۵) منسک (یعنی مسک) اور کماری۔ ان کے علاوہ بعض دور کے قبائل ہیں۔ چنانچہ بعضوں نے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج کے بائیس ۲۲ قبیلے ہیں (ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۴۳۹) اب ظاہر ہے کہ تادیل، تاریس، منسک وہی ہیں جن کو بائیبل کے یافث کے سلسلۂ نسب میں توبل، تیراس اور مسک بتایا گیا ہے۔ اور یاجوج ماجوج کا ساتھی قرار دیا گیا ہے۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ بلاد شمالیہ کی یافثی نسل میں چونکہ یاجوج ماجوج نمایاں تھے اس لئے بعض دوسرے قبائل بھی جو کہ یافث کی نسل سے تعلق رکھتے تھے اسی نام میں شامل ہوگئے۔ بلادِ شمالیہ کی اقوام کا مجموعی نام مؤرخین قدیم یاجوج ماجوج ہی بتاتے ہیں۔ چنانچہ سب سے مشہور عرب جغرافی ادریسی نے اپنے نقشۂ عالم سنہ ۱۱۶۰ء میں شمال مشرقی ایشیا اور بحیرہ اخضر کے بالائی علاقہ میں یاجوج ماجوج کا مقام دکھایا ہے۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر لی بان (فرانسیسی محقق) کی کتاب تمدنِ عرب صفحہ ۲۳ کے ساتھ ملحقہ ادریسی کا نقشۂ عالم) جس سے ظاہر ہے کہ مؤرخین قدیم بلادِ شمالیہ کی اکثر قوموں کو یاجوج ماجوج ہی کا نام دیتے ہیں۔ یہی قومیں ہیں جو کہ یورپ میں آباد ہوئیں۔

ممالکِ مغربیہ میں انتشار

یاجوج ماجوج کی نسلی تحقیق کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کون کون سے ممالک میں یہ قومیں منتشر ہوئیں۔ بائیبل جس نے سب سے پہلے ہمیں یاجوج ماجوج سے روشناس کرایا یافث بن نوح کی نسل کے ایک بڑے حصہ کو یاجوج ماجوج قرار دیتی ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ یافث کی نسل کا اکثر حصہ یورپ میں آباد ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ تورات معلومہ دنیا کی اقوام کو تین خاندانوں پر تقسیم کرتی ہے۔ حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے۔ یافث، حام اور سام۔ بروئے تورات دنیا کی بڑی بڑی قومیں انہی تین

نسلوں کی یادگار ہیں۔

بنو یافث کے انساب

طبقاتِ انساب

(۱) نوحؑ کے بڑے بیٹے یافث کی سات اولادیں ہوئیں۔ جُمر، ماجوج، مادی، یونان، تُوبل، تیراس۔

(۲) جُمر ابن یافث کے بیٹے یہ ہیں۔ (۱) اسکناز (۲) ریفت (۳) تجرمہ

(۳) یونان بن یافت کے بیٹے یہ ہیں۔ (۱) الیسہ (۲) ترسیس (۳) کِتّی (۴) دُوددانی

تورات کا بیان ہے کہ جزائر میں رہنے والی اقوام اسی خاندان سے ہیں چنانچہ لکھا ہے اِن سے قوموں کے جزیرے آباد ہوئے (پیدائش ۵/۱۰) بائیبل کے محاورہ میں جزائر سے مراد یورپ کے بحری ممالک ہیں (ملاحظہ ہو زبور ۷۲/۱۰، ۲۵/۲۲ صفنیاہ ۲/۱۱ یرمیاہ ۲/۱۰ میں تو صاف لکھا ہے کہ کِتّی بن یونان ساحلی علاقوں میں آباد ہوئے)

مزید برآں جہاں یہ لکھا ہے کہ یافث کی نسل سے قوموں کے جزیرے آباد ہوئے اس کے حاشیہ پر کیتھولک بائیبل میں علمائے کلیسیا کی طرف سے مندرجہ ذیل نوٹ دیا گیا ہے:۔

"یہودی لوگ دُور کے مُلکوں کو جن میں وہ بذریعہ جہازوں کے مال و اسباب بھیجتے جزیرے کہتے تھے مثلاً یونان، اٹلی، ہسپانیہ۔"

(ملاحظہ ہو کیتھولک بائیبل جلد ا)

اِن تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وحشی قبائل کی آمد سے قبل کی یورپین قومیں بھی (مثلاً یونان و روم وغیرہ) یافث کی نسل سے تعلق رکھتی ہیں وحشی قبائل کے ذریعہ یافثی نسل خصوصاً یاجوج ماجوج قبائل کا ایک بہت بڑا سیلاب اقوام یورپ میں جذب ہو گیا۔

الغرض تورات کی پیش کردہ فہرستِ انساب سے صاف ظاہر ہے کہ یورپ یافث کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ تورات کی یہ تقسیمات کہاں تک تحقیقاتِ علمی کے مطابق ہیں؟ اِس سوال کے مختلف جوابات ہیں۔ علمائے یورپ میں سے زیادہ محقق فرقہ کہتا ہے کہ یہ تقسیمات نسبی اور لسانی نہیں ہیں بلکہ صرف جغرافی اور سیاسی ہیں (ملاحظہ ہو

(انسائیکلو پیڈیا برٹانکا جلد ۲۴ صفحہ ۶۱ VOL 24)

لیکن یورپ کا وہ گروہ جو معقول اور منقول کی تطبیق میں کوشاں ہے۔ وہ تورات کے بیانات اور علم و بحث کے نتائج کو ایک ہی سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تورات نے جو نام گنائے ہیں وہ تلاش و تحقیق کے بعد تھوڑے سے تغیر کے ساتھ قدیم تاریخی ناموں سے خواہ وہ خود اشخاص کے ہوں یا ان کے مقامات کے ہوں بالکل مطابق ہیں (ملاحظہ ہو جغرافیہ تورات Bauan بحوالہ ارض القرآن صفحہ ۱۰)

بہرکیف اس امر پر تو محققین متفق ہیں۔ کہ یافث کی نسل کا اکثر حصہ یورپ میں آباد ہوا۔ اس کے لئے ہم آپ کے سامنے پادری ولیم جی بلیکی صاحب ڈی ڈی کی کتاب "A Manual of Bible History" کے اردو ترجمہ "تاریخ بائیبل" سے چند اقتباس رکھیں گے جن میں اس تحقیق کا نچوڑ موجود ہے۔ لکھتے ہیں:-

تاریخ بائیبل کی شہادت

(۱) "نوح کی طرف سے جا بجا پھیلنے کی برکت یافث کی اولاد کو دی گئی جس سے یہ مراد تھی کہ وہ زمین کے بہت بڑے حصے پر پھیل جائیں گے۔ بعد میں جو کچھ واقعہ ہوا وہ مذکورہ بالا ثبوت سے مطابقت رکھتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے ...... کہ بہت سا حصہ یورپ کا یافث کی اولاد سے بھرپور ہوا۔ ایک آرمینی روایت کے بموجب ...... یافث کو گلفام یا لعل گوں اشخاص کی مملکت نصیب ہوئی۔"

(۲) پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"بنی سام بہت ترقی کرنے والے نہ تھے۔ وہ ایک ہی جگہ ٹک رہنے والے لوگ تھے۔ طاقت، ارادہ اور ترقی کرنے والی قدرت میں یافث کی اولاد ان سب پر سبقت لے گئی۔ البتہ کئی زمانوں تک یافث کی نسل گمنام سی رہی۔ مگر وہ اس عرصہ میں اپنی قوتِ بازو کو یورپ اور شمالی ایشیا کے دور افتادہ میدانوں میں وحشی اور جنگی مشغلوں سے بڑھا رہی تھیں۔ اور اب دو ہزار برس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ اس کی شاخیں تمام دنیا میں سب سے زیادہ زور آور سمجھی

جاتی ہیں۔ ہر سال یافث کی نسل روئے زمین پر فزوں در فزوں پھیلتی جاتی ہے پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ملکوں کے ملک بنی یافث سے بھرے پڑے ہیں اور ہر جگہ ان کا نقش پا، دکھائی دیتا ہے۔"

(۳) یافث کی کون کون سی اولاد کہاں کہاں آباد ہوئی اس تحقیق کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

"جمر[1] کی نسبت جو یافث کا سب سے بڑا بیٹا تھا گمان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ان قوموں میں سے بہت سی قوموں کا بانی تھا جنہوں نے یورپ اور اس کے بہت سے جزیروں کو آباد کیا۔ جن میں سے کئی ایک کے نام میں اب تک جمر کے بڑے بڑے حروف صحیح یا ان کے سے دیگر قریب المخرج حروف پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جرمن، کریمیا، کمبری، کمیرائی وغیرہ۔ یاجوج سے اہل سِتھیان نکلے (جو مشرقی یورپ میں آباد ہوئے۔ ناقل) اسکناز کی نسبت جو جمر کا بڑا بیٹا تھا یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اس نے بحیرہ اسود کے ساحل کو آباد کیا جس کا پہلا نام اکسی نس پڑ گیا اور جو بعد میں یگزین کہلانے لگا۔ ماجوج، توبل اور مسک کا ذکر حزقی ایل (۳۸ باب ۲، ۱۴، ۱۵ آیت) کرتا ہے۔ کہ وہ شمال میں آباد ہوئے اور شاید ان کے ناموں کا کچھ کچھ سراغ الفاظ مغل، منگولیا، ٹوبالسکی، ماسکو اور ماسکووی وغیرہ میں اب تک ملتا ہے۔ اب یا تو ان میں سے (یعنی یاجوج سے) اور یا یافث کی اولاد کی ان شاخوں میں سے جنہوں نے جزیروں یا غیر قوموں کے دُور دُور کے ساحلوں کو آباد کیا۔ یورپ کی بڑی بڑی قومیں مثل اہلِ یونان و روم کے نکلی ہوں گی۔" (ملاحظہ ہو تاریخ بائیبل ص۴۷،۴۸)

اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ یافث کی نسل کا ایک بہت بڑا حصہ یورپ میں آباد ہوا بشمول یاجوج ماجوج کے۔ اور ان کے دوسرے بھائی بند قبائل کے۔ جو کہ مرورِ زمانہ کے باعث اسی نام میں شامل ہوگئے۔

اسی ضمن میں یہ مناسب ہوگا کہ یہاں بعض رومانی اور اسلامی مؤرخین کی تحقیق بھی درج

[1] بائیبل سے ثابت ہے کہ جمر کی نسل کا ایک حصہ یاجوج ماجوج کے ساتھ شامل تھا۔

کر دی جائے ۔اس کے لئے تاریخ علامہ ابن خلدونؒ سے استفادہ کیا جاتا ہے ۔

تاریخ علامہ ابن خلدونؒ کی تصریحات

(۱) علامہ ابن خلدون (۷۳۲ھ تا ۸۰۸ھ) اپنی مشہور و معروف تاریخ میں ثابت کرتے ہیں کہ یافث بن نوح کی نسل یورپ میں آباد ہوئی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ بنو جُمر سے ترکوں کی سب شاخیں نکلی ہیں جُمر کے بڑے بیٹے کا نام ترک تھا۔ ریفاث ابن ترک سے فرنج ہیں۔ اور اشبان ابن ترک سے صقالبہ (یعنی روس، بلغاریہ اور سرویہ کے باشندے ؛ اسی طرح لکھتے ہیں کہ کیتم ابن یونان کو علمائے نسب پدر روم اور ترسیس ابن یونان کو اہل طرسوس کا مورث اعلیٰ بتاتے ہیں ...... توبال ابن یافث (جو کہ بروئے تاریخ یاجوج ماجوج قبائل میں شامل تھا) کی اولاد نے بھی خوب نسلی ترقیاں کیں۔ اس کی نسل سے مشرق میں اہل چین اور مغرب میں الماان (جرمن) والے ہیں۔ بعض لوگوں نے فرنج کو بھی توبال ہی کی نسل سے شمار کیا ہے۔ اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اہل اندلس بھی اسکی نسل سے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد اوّل ص۱۲، ص۱۳)

(۲) اسی طرح جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ یونان، روم اور اٹلی کے لوگ باتفاق محققین سب یافث بن نوح کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ یونان کا نام تورات میں آیا ہے کہ وہ یافث کی صلبی اولاد میں سے ہے۔ اس کا نام یاقان تھا۔ عرب نے اس کو معرب کرکے یونان کر لیا۔ (ص۹۶)

(۳) اہرشیوس رومانی مؤرخ کے حوالہ سے علامہ ابن خلدون ایک شجرہ انساب دیتے ہیں جس سے مندرجہ ذیل امور ظاہر ہیں (ملاحظہ ہو جلد دوم)

اوّل

ماجوج بن یافث کی اولاد سے قوط اور لطین ہیں۔ لطین تو ظاہر ہے کہ اس سے لاطینی نسل مراد ہے۔ قوط۔ گاتھ (GOTHS) کو کہتے ہیں۔ یورپ کی یہ ایک قدیم نسل ہے۔ ان کے بعض مؤرخین اپنے آپ کو سکنڈے نیویا کے رہنے والے بتلاتے ہیں لیکن زمانہ حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ قدیم جرمن ہیں۔ تیسری صدی مسیحی

میں ان کا بحر اسود پر آکر آباد ہونا تاریخ میں درج ہے۔ تیسری اور چوتھی صدی کے مابین جن بے تعداد وحشی گروہوں نے رومن ایمپائر کو روند ڈالا ان میں کوئی گروہ اتنا نمایاں نہیں رہا جتنا کہ گروہ گاتھ۔ آگے چل کر یہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ایک آسٹروگاتھ (مشرقی گاتھ) اور دوسرے وزیگاتھ (مغربی گاتھ) کہلانے لگے۔ کیونکہ پہلے بحر اسود کے رہنے والے تھے اور دوسرے سواحل ڈینیوب کے۔

گاتھوں نے ایطالیہ فرانس اور اسپین پر حکومتیں قائم کیں۔ اسی خاندان کا آخری بادشاہ راڈرک تھا جس سے مسلمانوں نے ملک اسپین فتح کر لیا۔ جبکہ یہ نسل تین سو برس سے اندلس پر قابض اور حکمران چلی آتی تھی۔ بعض محققین یورپ ایک بہت بڑی وحشی قوم وینڈال (Vandals) کو بھی گاتھوں کا ہم جد کہتے ہیں۔ گاتھوں کا ایک بڑا حصہ چوتھی صدی کے وسط تک عیسائی ہو چکا تھا۔

علامہ ابن خلدون بحوالہ ہروشیوس (رومانی مؤرخ) قوم گاتھ کو ستھین (Scythian) نسل سے بھی بتلاتا ہے۔ (جلد دوم ص۱۱) کیونکہ زمانہ قدیم کے مؤرخ ستھین کو یاجوج قرار دیتے ہیں۔

ان تحقیقات سے ظاہر ہے کہ یاجوج ماجوج کی نسل سے ستھین، گاتھ، وینڈال اور لاطینی نسل کے لوگ ہیں جو کہ یورپ کی بڑی بڑی قومیں ہیں۔

(دوئم)

دوسرا امر جو کہ ابن خلدون کے پیش کردہ اس شجرہ انساب سے ظاہر ہے (جو کہ اس نے ہروشیوس رومانی مؤرخ کے حوالہ سے درج کیا) یہ ہے کہ توبل بن یافث کی نسل سے (۱) المان (یعنی اہل جرمنی) (۲) اندلس (۳) ایطال (یعنی اہل ایطالیہ) کو دکھایا گیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ توبل بائیبل اور خصوصاً اسلامی مؤرخین کے نزدیک یاجوج ماجوج میں ہی شامل ہے (ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد ۶ ص۴۳)

(سوئم)

تجرمہ بن جُمر کی نسل سے (جو کہ بروئے بائیبل یاجوج کے ساتھ شمال بعید میں سکونت

رکھتے تھے۔ حزقی ایل ۳۸ باب۔ اور اس گروہ کا بھی کچھ عنصر یاجوج ماجوج میں شامل تھا۔ صقلب اور فریخ کو دکھایا گیا ہے۔ صقلب یا صقالبہ وہ یورپین قوم ہے جسکو (سلاو) کہتے ہیں۔ یہ روس، بلغاریہ اور سرویہ کے باشندے ہیں۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانکا جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۵)

اس شجرہ انساب سے بھی ظاہر ہے کہ یافث کی اولاد یورپ میں آباد ہوئی۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ یافث کی نسل کا ایک بڑا حصہ یاجوج ماجوج کے نام سے موسوم ہوا تو ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یاجوج ماجوج اقوامِ یورپ کا نام ہے۔

مندرجہ بالا تحقیق ہروشیوس رُومی مؤرخ کے حوالہ سے علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں درج کرتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک یہ مؤرخ نہایت قابلِ اعتبار اور ثقہ مؤرخ ہے۔ جابجا اس مؤرخ سے استفادہ کرتے اور بعض جگہ اس کی خوب تعریف بھی کرتے ہیں۔

حزقی ایل نبی کی الہامی تعیین

اب ہم حضرت حزقی ایل نبی کے صحیفہ کی شہادت پیش کریں گے۔ یہ صحیفہ آج سے اڑھائی ہزار سال پیشتر کا ہے۔ اس میں یاجوج ماجوج اقوام اور ان کے علاقہ کی الہامی تعیین موجود ہے۔ حزقی ایل نبی جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملۂ بیت المقدس میں گرفتار کرکے بابل لے گیا تھا ایک عظیم الشان پیشگوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(۱) "اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا اے آدم زاد تُو جُوج کی طرف اپنا مُنہ کرکے ان کے برخلاف نبوّت کر۔ جُوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے۔ اور رُوس، مسک اور تُوبل کا سردار ہے۔ ...... نیز جُمر اور شمالِ بعید کے اطراف کے باشندگانِ تجرمہ اور ان کا سارا لشکر۔ بہتیرے لوگ جو تیرے (یاجوج ـــــ کے) ساتھ ہیں۔" (حزقی ایل ۳۸ ۱تا۶)

(۲) "اے یاجوج تُو اپنے مکان سے شمال کے کناروں سے آئیگا۔" (حزقی ایل ۳۸ ۱۵)

(۳) "میں شمال کے کناروں سے تجھے چڑھا لاؤں گا۔" (حزقی ایل ۳۹/۲)
(۴) میں ماجوج پر اور جزیروں میں امن سے سکونت رکھنے والوں پر ایک آگ بھیجوں گا۔ اور وہ جانیں گے کہ میں خداوند ہوں۔ (حزقی ایل ۳۹/۶)
(۵) یرمیاہ نبی نے بھی بلادِ شمالیہ کی ان قوموں کے متعلق پیشگوئیاں کی ہیں۔
(ملاحظہ ہو یرمیاہ ۱۱ تا ۱۵/۱ ، ۳/۱۸ - ۴ باب سارا - ۲۲/۶ ، ۲۳)

ان حوالہ جات پر ایک نظر ڈالیئے، صاف ظاہر ہے کہ یاجوج ماجوج "ایک ہی نسل" یعنی بلادِ شمالیہ میں رہنے والے قبائل ہیں۔ ان کے ساتھ شمالِ بعید کے انہی اطراف و جوانب میں مسک، توبل، جُمر جو کہ سب بنو یافث سے ہیں اور تجرمہ بن جُمر قبائل کے بعض لوگ سکونت پذیر تھے۔ ان کا مقام "روس"۔ "مسک"۔ "توبل" بتایا گیا ہے۔ جزائر[۱] میں ان کی یا ان کے بھائی بندوں کی سکونت کا ذکر کیا گیا ہے۔ روس وہی ہے جس سے رشیا نکلا۔ مسک وہی ہے جو "ماسکو" ہوا۔ اور توبال بحر اسود کے بالائی علاقہ کا نام ہے۔ یا بعض کے نزدیک وہ مقام جہاں اب ٹوبالسک ہے۔ سوائے ٹوبالسک کے ان سب ناموں کا علاقہ مشرقی یورپ میں ہمیں ملتا ہے۔ الغرض یہ وہی وحشی قبائل ہیں جو کہ مشرقی یورپ میں زمانہ قدیم کے پھیلے ہوئے تھے۔ اور یہاں سے ان کا سیلاب بعدہٗ مغربی یورپ پر امنڈ آیا اور سارے یورپ میں یہ قومیں پھیل گئیں۔

مکاشفاتِ یوحنا لاہوتی کی شہادت

عہد عتیق کے بعد یاجوج ماجوج کا ذکر ہم یوحنا لاہوتی کے مکاشفات میں پاتے ہیں۔ ان مکاشفات میں یاجوج ماجوج قوموں کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو کہ اقوام یورپ پر لفظ بلفظ صادق آتی ہے۔ اس پیشگوئی میں ایک عجیب حکیمانہ ترتیب ہے۔

اوّل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی گئی ہے۔ آپ کے لقب "صادق"

---

[۱] ہم آگے ثابت کر چکے ہیں کہ جزائر سے مراد محاورہ بائیبل میں یورپ کے بحری ممالک ہیں۔

"امین" بتلائے گئے۔ آپ کو راستی سے عدالت کرنے والا" اور "انصاف کی لڑائی" لڑنے والا قرار دیا گیا۔

دوئم۔ یہ ذکر ہے کہ آپ اور آپ کے ملائکہ صفت ساتھیوں کے مقابلہ میں تمام دُنیا کے بادشاہ اپنی افواج قاہرہ کے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے۔ لیکن وہ ہزیمت اٹھائیں گے۔ آپ لوہے کے عصا سے دُنیا پر حکومت کرینگے۔ اس طرح آپ کو "بادشاہوں کے بادشاہ اور خداوندوں کے خداوند" بنا دیا جائے گا۔ آپ کے مقابلہ میں اُٹھنے والے تمام بادشاہوں، فوجی سرداروں، زور آوروں اور قاہر فوجوں اور ان کی سواریوں کا گوشت درندوں اور پرندوں کی نذر ہوگا۔ ان کو دعوتِ عام دی جائے گی کہ "آؤ اور خدائے عظیم کے اس بڑے دن کی ضیافت میں شریک ہو" (یہاں سورۃ الفیل والا مضمون بیان کیا گیا ہے۔)

سوئم۔ شیطان کو ایک ہزار برس کے لئے قعرِ عمیق میں مضبوط زنجیروں سے جکڑ دیا جائے گا۔ یعنی طاغوتی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

چہارم:۔ "اور جب یہ ہزار برس پورے ہو جائیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا۔ ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہو گا۔ اور وہ تمام زمین پر پھیل جائے گی۔ (وھم من کل حدب ینسلون) اور مقدسوں کی لشکرگاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائے گی۔"

پنجم:۔ اس کے بعد پھر نیا آسمان اور نئی زمین ہوگی اور نیا یروشلم آسمان پر سے خدا کے پاس سے اُترے گا۔ اس دُلہن کی مانند آراستہ پیراستہ جس نے اپنے شوہر کے لئے سنگار کیا ہو۔ یعنی مسیح کی آمد ثانی کے ذریعہ خدا کی بادشاہت دُنیا میں قائم کی جائے گی۔" اس کے بعد نہ ماتم رہے گا نہ آہ و نالہ نہ درد۔ غمزدہ لوگوں کے آنسو پونچھ دیئے جائیں گے۔ پُرانی باتیں سب جاتی رہینگی"۔ یعنی نیا نظامِ عالم قائم ہوگا۔ (ملاحظہ ہو مکاشفاتِ یوحنا ۱۹/۱۱ تا ۲۱/۸)

ان پیشگوئیوں سے یہ امر اظہر من الشمس ہے۔ کہ یاجوج ماجوج قومیں یورپ سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل جائیں گی۔ ان کی ترقی کا یہ زمانہ سیدالانبیاءؐ "بادشاہوں کے بادشاہ اور خداوندوں کے خداوند" کی بعثت سے ایک ہزار[ا] برس بعد شروع ہوگا۔ یعنی سولھویں صدی کے آخر یا سترھویں صدی میں۔ اور یہی زمانہ یورپین قوموں کے عروج کا ہے۔ اس کے بعد یہ ذکر ہے کہ اس عروج کے بعد اضمحلال شروع ہوگا۔ اور ان اقوام کی آپس میں آتشبار جنگیں شروع ہوں گی۔ گویا آگ کے بپتسمہ کے ذریعہ دُنیا کو پاک اور صاف کیا جائے گا۔ اور مسیح موعود کے ذریعہ ایک نئی زمین اور نئے آسمان کا قیام عمل میں لایا جائیگا

[ا] اگر ہم شیطان کی ہزار سالہ قید اور اس ہزار سالہ قید کے بعد رہائی کی میعاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بجائے یوحنا لاہوتی کے زمانہ سے شمار کریں تو بھی درست ہوگا۔ یوحنا عارف کے یہ مکاشفات ۹۶ء عیسوی کے ہیں (ملاحظہ ہو سن برحاشیہ مکاشفات) اسمیں ہزار سال ملائیں تو ۱۰۹۶ ہوئے۔ اب ادھر دیکھتے ہیں کہ دسویں صدی عیسوی کے آخر تک یورپ کے تمام وحشی قبائل جنہیں یاجوج ماجوج قرار دیا گیا ہے حلقہ بگوش عیسائیت ہوچکے تھے۔ "انہیں رومی حکومت کے اثر کے ماتحت عیسائی تمدن سے شناسائی اور عیسائی مذہب سے واقفیت ہوئی۔ اسکے بعد نارمن کی حکومت کے زیر اثر ان میں حرکت پیدا ہوئی اور بیرونی دُنیا سے واقف ہوئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں صلیبی جنگیں ہوئیں اور اقوام یاجوج ماجوج نے ان میں حصہ لیا۔"

صلیبی جنگوں کی طرح یوں پڑی کہ جب طغرل بیگ کے جانشین مغرب میں برابر اپنی فتوحات بڑھاتے گئے یہانتک کہ تمام ایشیائے کوچک کو انہوں نے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکال لیا اور خود قسطنطنیہ انکی وجہ سے خطرے میں پڑ گیا۔ اس موقع پر اسلامی شہنشاہ سے ایک بدترین کمزوری سرزد ہوئی جو کہ مستقبل کے اسلامی زوال کی ایک دل ہلا دینے والی نشانی تھی۔ اسلامی شہنشاہ نے پوپ سے مدد کیلئے درخواست کی۔ پوپ اسلامی زوال کی اس رمز کو خوب سمجھا۔ سنہ ۱۰۹۵ء عیسوی میں اربن ثانی فرانس گیا اور تمام مغرب کو یہ عام صدا دی کہ ہر شخص کو ہتھیار ہاتھ میں لیکر مقاماتِ مقدسہ کو واپس لینا چاہیئے۔ یہ ہے اسلامی زوال اور محارباتِ صلیبی کی ابتدا جس کے لکھنے سے انگلیاں فگار ہیں اور خامہ خونچکاں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یوحنا عارف کے مکاشفہ کے ٹھیک ایک ہزار سال بعد یعنی سنہ ۱۰۹۶ء عیسوی میں پہلی صلیبی جنگ کی باقاعدہ طرح پڑی جو کہ ۱۰۹۹ء تک ممتد رہی۔ یورپ کی عیسائی اقوام نے ان محارباتِ صلیبی میں بے پناہ جوش و خروش سے حصہ لیا۔ اس طرح انہوں نے یوحنا عارف کے اس کشف کو پورا کیا کہ جب ہزار سال ہوچکیں گے۔ تب شیطان قید سے چھوٹے گا تاکہ یاجوج اور ماجوج قوموں کو فریب دے اور انہیں لڑائی کے لئے جمع کرے۔"

اور اسی طرح خدا کی بادشاہت زمین پر قائم ہوگی۔

یاجوج ماجوج اور دجال ایک ہی ہیں

یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے۔ کہ یاجوج ماجوج اور دجال دو مختلف نام نہیں بلکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ یاجوج ماجوج نام نسلی اور قومی حقیقت اور سیاسی فتنہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور دجال کا نام مذہبی فتنہ پر۔ علمائے بائیبل بھی دجال اور یاجوج ماجوج کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حزقی ایل ۳۸ باب (جس میں یاجوج ماجوج کا ذکر ہے) کے حاشیہ پر علمائے کلیسیا کی طرف سے یہ نوٹ دیا گیا ہے۔ کہ یاجوج سے مراد مسیح الدجال ہے۔ جو مکاشفات * کی رو سے آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ (ملاحظہ ہو کیتھولک بائیبل جلد ۴ صفحہ ۳۴۱)

حبوب عنبری جوہری

یہ گولیاں عنبر، مشک، موتی، زعفران اور دیگر قیمتی اجزا سے مرکب ہیں۔ انکا استعمال ان لوگوں کے لیئے ہے جن کی قوت رجولیت کم ہو چکی ہو۔ اعصاب سو چکے ہوں۔ دل ٹھنڈا ہو گیا ہو، سرور مٹ گیا ہو۔ چہرہ بے رونق [illegible] ہو۔ اعضائے رئیسہ سرد پڑ گئے ہوں۔ کمر درد ہوتا ہو۔ کام کرنے کو جی نہ چاہتا ہو۔ حبوب عنبری کا استعمال بجلی کا اثر دکھاتا ہے۔ گئی ہوئی طاقت واپس آجاتی ہے۔ دل میں خوشی اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ اعصاب یعنی پٹھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ جسم فربہ و چست و چالاک ہو جاتا ہے۔ گویا ضعیفی کی دشمن ہے۔ جوانی کی محافظ ہے۔ حاجتمند آرڈر روانہ کریں۔ حبوب عنبری ایک بار کھانے سے ۴۰ سال تک مقوی ادویات کھانے سے چھٹی ہوتی ہے۔ قیمت ایکماہ کی خوراک گولی [illegible]

بچوں کی چونڈی

یہ ان بیماریوں کا مجرب علاج ہے۔ بدہضمی۔ قے۔ دست۔ سبز دست۔ ایٹھا پاخانے۔ زکام۔ نزلہ۔ کھانسی۔ بخار۔ نمونیہ۔ پسلی کا درد۔ نیند کم آنا۔ نیند سے ڈر کر اٹھنا۔ دانت نکلتے وقت یہ بیماریاں زیادہ حملہ کرتی ہیں۔ معدہ خراب ہو جاتا ہے اور سبز دست آتے ہیں صحت بگڑ جاتی ہے۔ لہذا آپ اپنے بچوں کی صحت کی نگرانی کرتے ہوئے فوراً اطلاع دیویں تاکہ آپکے بچوں کی محافظ حب مسان و چونڈی دونوں روانہ کی جاویں۔ خدا کے فضل سے حب اٹھرا کی طرح یہ دونوں اکسیر ہیں اور ہر گھر میں انکی موجودگی ضروری ہے۔ قیمت فی شیشی خورد ۱۲؍ کلاں عہ؍

حب مسان

ایسے بیمار بچے جن کا معدہ۔ جگر۔ انتڑیاں کمزور ہو گئی ہوں۔ اور بچہ سوکھا بخار میں مبتلا ہو چکا ہو۔ بدن ایسا کمزور ہو گیا ہو کہ ہڈیوں پر صرف چمڑا ہی دکھائی دیتا ہو۔ سبز سفید دست آتے ہوں۔ پاخانہ بار بار پیچش سے اور خون آلودہ آتا ہو۔ کانچ نکلتی ہو۔ بخار رہتا ہو۔ عموماً جب بچے کے دانت کچلیاں ڈاڑھیں نکلتی ہیں تو یہ شکایات پیدا ہوتی ہیں۔ سب یا ان میں سے کوئی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت میں حب مسان کا استعمال ازحد ضروری ہے۔ بفضل خدا بچہ تندرست موٹا تازہ۔ خوبصورت ہو جاتا ہے۔ اگر پہلے سے ہی

حب مسان و چونڈی

کا استعمال جاری رہے تو ان امراض سے بچہ محفوظ ہو جاتا ہے

قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنے۔

خاکسار حکیم نظام جان اینڈ سنز دواخانہ معین الصحت قادیان

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز

قادیان

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

عبدالقدیر نیاز

[illegible] ۱۹۴۸ء

[illegible]

عدد

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اُردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقاید کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دار الامان سے شایع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرون ہند تین روپے اور بیرون ہند چار روپے ہے طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداروں کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئے، ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ واری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اُردو ماہنامہ ہے، بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں، اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:-

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	[illegible]س روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	[illegible] روپے	اڑتالیس روپے	[illegible] روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	[illegible] روپے	[illegible]یس روپے	[illegible] روپے	[illegible] روپے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد [illegible] | ماہ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۵ء | عدد ۵

فہرست مضامین

اخلاقِ حسنہ

(از جناب مولوی محمد صدیق صاحب واقف زندگی ۔)

اسلام کی ہر شے میں خواہ وہ عقیدہ سے متعلق ہو یا اخلاق و معاملات سے ، مرکزی نقطہ اللہ تعالےٰ کی خوشنودی ہے ۔ ہر وہ چیز جسے اللہ تعالےٰ پسند فرماتا ہے وہ اچھی ہے اور جسے ناپسند فرماتا ہے وہ بُری ہے ۔ اس میں عقلی بُرائیاں اور خلق اللہ کے نقصان ہوتے ہیں ۔ اس بناء پر اسلامی اخلاق دو قسم کے ہیں ۔ اوّل وہ اخلاق جن کو اللہ تعالےٰ پسند فرماتا ہے ، دوئم وہ اخلاق جنہیں اللہ تعالےٰ ناپسند فرماتا ہے ۔ ذیل میں قسم اوّل میں سے چند اخلاق لیکر ان کی توضیح کی جاتی ہے ۔

سچائی

اخلاقِ حسنہ میں سے جس خُلق کو سب سے بڑا درجہ حاصل ہے وہ صدق یعنی سچائی ہے ۔ نفسیاتی اور منطقی لحاظ سے اسی ایک خُلق کے نیچے بہت سے اخلاق آجاتے ہیں ۔ انسان کے ہر قول کی درستی اور صحت کی بنا یہی امر ہے کہ اسکا دل اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق ہوں اس کا نام صدق اور سچائی ہے ۔ جو شخص راستباز اور صدق گو نہیں اس کا دل ہر بُرائی کا گھر ہو سکتا ہے اور جو شخص صدق کو اپنا شعار بنا لیتا ہے ہر نیکی کے حصول کا راستہ اور کامیابی و کامرانی کا ہر طریق اُس کے لئے آسان ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں مروی ہے کہ نبی کریم صلعم کے عہد مبارک میں ایک شخص آنحضرت صلعم کی خدمت اقدس میں پیش ہو کر عرض پرداز ہوا کہ میرے اندر چار برائیاں پائی جاتی ہیں ۔ میں بدکار ہوں ، چوری کرنا میری عادت ہے ، شراب بھی پیتا ہوں اور پھر جھوٹ بھی بول لیتا ہوں ۔ ان چاروں میں سے جس کے متعلق حضور انور کا ارشاد ہو آپ کی خاطر ترک کر دوں ۔ حضرت نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ جھوٹ نہ بولا کرو ۔ چنانچہ اس نے اس بات کا عہد کیا اور دربار نبوت سے رخصت ہو کر گھر چلا گیا ۔ جب رات ہوئی شراب کا وقت ہو گیا ، اس کا دل چاہا کہ وہ شراب پیئے اور پھر بدکاری کے لئے آمادہ ہو تو اس کو خیال گذرا کہ

کل جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرمائیں گے کہ کیا تم نے رات کو شراب پی اور بدکاری کی ؟ تو کیا جواب دوں گا ۔ اگر اقرار کروں گا تو شراب اور زنا کی حد لگے گی اور اگر انکار کیا تو عہد کی خلاف ورزی ہوگی ۔ یہ بات سوچکر وہ ان دونوں سے باز رہا ۔ جب رات گذری اندھیرا چھا گیا تو چوری کے لئے گھر سے نکلنا چاہا تو پھر اسی خیال سے رُک گیا کہ صبح دربار نبوت میں کیا جواب دوں گا ۔ اگر اقرار کیا تو ہاتھ کٹ جائے گا ورنہ بدعہدی ہوگی ۔ صبح ہوتے ہی حضرت نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ! جھوٹ نہ بولنے سے میری چاروں بُری خصلتیں مجھ سے چھوٹ گئیں ۔ پس سچائی کی عادت انسان کو بہت سی بُرائیوں سے بچاتی ہے اور بہت سی خوبیاں اس کے اندر پیدا کرتی ہے ۔ مثلاً جو سچا ہوگا اور سچ کو اپنا شیوہ بنالے گا وہ ہر بُرائی سے پاک ہونے کی کوشش کرے گا ، وہ راست باز اور راست گو ہوگا ، وہ ایماندار ہوگا ، وعدہ کو پورا کرنے والا اور عہد کو نبھانے والا ہوگا ، دلیر اور شجاع ہوگا ، صاف دل ہوگا نہ کہ ریاکار ، وہ خوشامدی نہ ہوگا ، سب اس کا اعتبار کریں گے ۔ غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے سچائی بہت سی اخلاقی خوبیوں کی بنیاد قرار پائے گی ۔

حدیث شریف میں ہے تخلقوا باخلاق اللہ ۔ کہ جن اوصاف کا ظہور اللہ تعالےٰ سے ہو رہا ہے اس کے بندوں کو بھی اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنا چاہئے ۔ سچائی بھی صفات ربانی میں سے ایک صفت ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ قیامت کے بارہ میں بطور ثبوت کے بیان فرماتا ہے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَیَجْمَعَنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ؕ (نساء ع) کہ اللہ تعالےٰ سے بات میں کون سچا ہے ۔ اسی طرح جنت کے بیان میں بھی فرمایا وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ؕ (نساء ع[۱۸]) کہ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے سچ اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر بات میں ۔ اسی طرح تمام انبیاء میں بھی صدق کی صفت ہوتی ہے ۔ پھر خدا تعالےٰ نے جن لوگوں کے لئے اپنی مغفرت اور اجر عظیم کے وعدے کئے ہیں ان میں اسلام اور ایمان اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بعد پہلا درجہ سچائی کا ہی ہے ۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ؕ (احزاب ع)

سچائی کی اقسام | سچائی کی تین قسمیں ہیں ۔ زبان کی سچائی ، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی ۔

زبان کی سچائی یعنی زبان سے جو بولا جاوے وہ سچ بولا جاوے اور مُنہ سے کوئی حرف صداقت کے خلاف نہ نکلے۔ یہ سچائی کی عام اور مشہور قسم ہے جس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ وعدہ کو پُورا کرنا اور پابندیٔ عہد بھی اسی قسم میں داخل ہے اور یہ ایمان اور اسلام کی بڑی نشانی ہے۔ اس کے مقابل کا جُھوٹ نفاق کا ہم معنی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ احزاب کے تیسرے رکوع میں اللہ تعالےٰ نے صِدق کو ایمان کا اور جُھوٹ کو نفاق کا سرمایہ قرار دیا ہے۔ فرمایا لِیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ۔ اسی حقیقت کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ مومن جُھوٹا نہیں ہوسکتا۔ مؤطا امام مالک باب ما جاء فی الصدق والکذب۔ پھر بخاری شریف میں ایک روایت میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ سچ بولنا نیکی کا راستہ بتاتا ہے اور نیکی جنّت کو لے جاتی ہے۔ اور آدمی سچ بولتا ہے اور سچ بولتے بولتے وہ صدیق ہوجاتا ہے۔ (بخاری کتاب الادب)

پس معلوم ہوا کہ سچائی سے ہی ایمان کے بیج کی پرورش ہوتی ہے اور انسان کے اندر ایمان اور نیکی کا جذبہ اُبھرتا ہے اور اس کو صدیقیت کا بلند پایہ مقام حاصل ہوتا ہے۔

دل کی سچائی دوسری قسم سچائی کی دل سے تعلق رکھتی ہے اور اس حیثیت سے صدق اور اخلاص دونوں ایک ہی چیزیں بن جاتے ہیں اور اس حالت میں بسا اوقات زبان سے سچ کا اظہار بھی اس لئے جُھوٹ ہو جاتا ہے کہ وہ دل کی تہ سے نہیں نکلتا۔ چنانچہ منافقین رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کی رسالت و نبوت کا اقرار زبان سے کرتے تھے لیکن چونکہ ان کا یہ اقرار ان کی ضمیر کے خلاف تھا اس لئے اللہ تعالےٰ نے انہیں کاذب قرار دیا۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (منافقون ع) پس سچائی صرف زبان سے اظہار کا نام نہیں بلکہ زبان سے دل کی صحیح ترجمانی کرنے کا نام ہے۔

عمل کی سچائی صداقت کی تیسری قسم عمل سے تعلق رکھتی ہے کہ جو نیک عمل ہو وہ ضمیر کے مطابق ہو۔ ظاہری اعمال باطنی اوصاف کے مطابق ہوں۔ پس سچائی کے لئے ضروری ہے کہ زبان اور دل کی سچائی کے ساتھ عمل کی سچائی بھی ہو۔ اسلئے جن مسلمانوں نے غیر متزلزل ایمان کے بعد خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا وہ ہمیں دیں وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک سچے ٹھہرے۔ فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (حجرات ع) یہ سچے اسلئے ٹھہرے کہ ان کا یہ عمل ان کی دلی کیفیت کا سچا ترجمان تھا اور زبان اور دل سے جس ایمان کا اقرار انہوں نے کیا تھا اس کی تصدیق عمل کے ساتھ کر دی اور ان کا نام ابدالآباد تک زندہ رہیگا اللہ تعالےٰ بھی ان سے راضی ہوا۔ اور وہ بھی اس سے راضی ہوئے۔

دیانت وامانت

آپس کے لین دین کے معاملات میں جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانت وامانت ہے۔ یعنی انسان کو چاہئے کہ اپنے کاروبار میں ایماندار ہو اور جو چیز کسی کے ذمہ ہو وہ دوسرے کو پوری پوری ادا کرے۔ اسی کو عربی زبان میں امانت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود بھی شرعی تکلیف کو جو اس نے بنی نوع انسان کے سپرد فرمائی امانت کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الخ (احزاب ع) پھر خدا تعالیٰ کا فرشتہ جو اس کا پیغام لیکر اس کے بندوں کے پاس آتا ہے وہ چونکہ بلا کمی بیشی خدا تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے لہذا اسے بھی امین کے نام سے پکارا گیا۔ فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (شعراء ع) پھر خدا تعالیٰ کے رسول بھی اسی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کے پیغام کو بندوں تک من وعن پہنچاتے ہیں چنانچہ اکثر رسولوں کی صفت میں یہ لفظ قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے۔ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (شعراء ع) پھر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی عرب میں امین کے نام سے مشہور تھے۔ کیونکہ جو چیز آپؐ کے سپرد کی جاتی تھی وہ لوگوں کو پوری پوری واپس کیا کرتے تھے۔ پھر خدا تعالےٰ نے اپنے نیک بندوں کو بھی اسی صفت سے موصوف فرمایا ہے۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (مومنون ع)

صرف روپیہ پیسہ کا ادا کر دینا ہی امانت نہیں بلکہ اور بہت سے امور کا لحاظ رکھنا بھی امانت ہے۔ مثلاً اگر کوئی مشورہ پوچھے تو اس کو صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے۔ کسی کا راز محفوظ رکھنا بھی امانت ہے۔ کسی مجلس میں سُنی ہوئی باتیں اپنے تک محدود رکھنا بھی امانت میں سے ہے۔ فتنہ اور ہنگامہ کا باعث نہ بننا بھی امانت ہے۔ نوکر کا اپنی نوکری کو پوری ذمہ واری کے احساس سے ادا کرنا بھی دیانت وامانت ہے۔ وھلمّ جرّاً۔

پس امانت و دیانت ایک ایسا خلق ہے کہ جس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا چنانچہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں" (کنز العمال) نیز امانت کے جاتے رہنے سے انسان کی فطری صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری اُمت اُس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہیگی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی۔" (کنز العمال ج۲)

پس صراط مستقیم کے حصول کے لئے دیانت اور امانت ایک کنجی ہے جس کے بغیر اِس راستہ پر چلنا دشوار اور محال ہے۔

عدل و انصاف

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دینا کہ ان میں سے کسی میں ذرہ بھر کمی یا بیشی نہ ہو عربی زبان میں عدل کہلاتا ہے۔ اسی سے وہ معانی اِس لفظ کے اندر پیدا ہوتے ہیں جنہیں ہم اپنی زبان میں اِس لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔ یعنی جو بات ہم کہیں یا جو کام ہم کریں اس میں سچائی کی میزان اور انصاف کا ترازو کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ اور وہ بات کہی جائے یا وہ کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پُورا اُترے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت عدل بھی ہے۔ چنانچہ اسماءِ حُسنیٰ میں سے ایک نام عادل بھی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ صاحبِ عدل ہے اور دُنیا کا یہ سارا کارخانہ جو آسمان سے لیکر زمین تک پھیلا ہوا ہے یہ صرف خدا تعالےٰ کے عدل و انصاف پر ہی قائم ہے۔ عدل و انصاف صرف نظم و سلطنت ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ کیلئے عدل و انصاف ضروری ہے اور نظامِ عالم محض عدل کی وجہ سے قائم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (نحل ع۱۳)

عدل قانون کا اقتضاء ہے اور احسان اور درگزر کرنا اخلاق کا مطالبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظامِ عالم کو قائم رکھنے کے لئے عدل کا حکم دیا اور اس کے بعد احسان کی تاکید فرمائی جس سے اشخاص کی روحانی تکمیل ہوتی ہے۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے عدل و انصاف زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ضروری ہے مثلاً معاشرتی زندگی کو ہی لے لیا جائے اس میں سب سے زیادہ عدل و انصاف کی ضرورت ان لوگوں کو ہے جو ایک سے زیادہ نکاح کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا فَاِنْ

...تُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء ع ۱)

پھر عورتوں کی طرح یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے بھی عدل و انصاف کو ضروری قرار دیا فرمایا وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ (نساء ع ۱۹) کہ یتیموں کے حقوق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔

پھر عام معاملات میں عدل و انصاف کی سب سے زیادہ ضرورت روزانہ خرید و فروخت میں ہے اس لئے فرمایا وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (انعام ع ۱۹) قرآن کریم بار بار اس امر میں انصاف کی تاکید کی گئی ہے۔ چونکہ اس کی ہر انسان کو ضرورت ہوتی ہے اس لئے وزن و پیمانہ میں کمی کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے وہ نہایت عام اور وسیع ہے اس کے ساتھ انسان کی سخت دناءت ثابت ہوتی ہے اور اس سے روح میں سخت گندگی پیدا ہوتی ہے۔

پھر عدل و انصاف کی ضرورت عدالتی معاملات میں بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کا لحاظ رکھا ہے۔ تحریر دستاویزات کے متعلق فرمایا۔ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ (بقرہ ع ۳۹) پھر شہادت یا فیصلے کے وقت عام طور پر اکثر لوگوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ یا تو فریق مقدمہ کے اپنا قرابت دار ہونے کی وجہ سے یا حاکم کو عداوت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (انعام ع ۱۹) پھر فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ ع ۲)

غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ عدل سے انسان خدا تعالیٰ کے سایہ میں پہنچنے کا حقدار ہو جاتا ہے جیسے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت کے روز جس دن خدا تعالیٰ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اس دن سات اشخاص خدا کے سایہ میں ہوں گے ان میں سے ایک امام عادل بھی ہوگا" (بخاری)

حسنِ سلوک

احسان یعنی بھلائی کرنا ایک ایسی صفت ہے جو ہر نیکی کے کام کو محیط ہے اسی وجہ سے اس کی اتنی صورتیں ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے البتہ ان تمام صورتوں کی ایک عام شکل یہ بنتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسا نیک سلوک کرنا

جس سے اس کا دل خوش ہو اور انہیں آرام پہنچے۔ حُسنِ سلوک اور اچھے برتاؤ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ضروری قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے بار بار اس کی تاکید فرمائی ہے۔

حُسنِ سلوک کے بہت سے مراتب ہیں۔ ان میں سے ایک صورت قرابت داروں کی مالی امداد ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (نحل ع ۱۳) پھر حسن سلوک صرف مالی امداد سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اس کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں اور عام لوگوں کے علاوہ ماں باپ، قرابت دار، یتیم، محتاج قرابت دار، پڑوسی اجنبی پڑوسی، آس پاس بیٹھنے والے، مسافر اور لونڈی اور غلام سب سے زیادہ مستحق ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء رکوع ۵ میں ان سے حُسن سلوک کا خصوصیت کے ساتھ حکم دیا ہے۔ حُسنِ سلوک تو ہر انسان کے فرائض میں داخل ہے لیکن جن کی مالی وسعت کا دائرہ زیادہ وسیع ہو ان کو اس کے مطابق حُسنِ سلوک کا دائرہ وسیع کرنا چاہئے اور ہر فرد کو اپنے جاہ و مال سے فائدہ پہنچائیں۔ اسی وجہ سے قارون کی قوم نے اس سے اس اخلاقی امداد کا مطالبہ کیا تھا۔ واحسن کما احسن اللہ الیک (قصص ع ۸)

مالی امداد کے علاوہ حُسن سلوک کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ کسی کو مصیبت سے نجات دلائی جائے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب خدا تعالیٰ نے قید سے نکالا تو انہوں نے اس کو بڑا احسان اور حسن سلوک سمجھا چنانچہ قرآن مجید میں ہے وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ رَبِّیْ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ (یوسف ع ۱۱)

مالی امداد اور مصیبت سے نجات دلانے کے علاوہ اور بھی بہت سے شریفانہ و فیاضانہ افعال حُسنِ سلوک میں شامل ہیں۔ مثلاً کسی کا کچھ تم پر واجب ہو تو اس کو بلا لیت و لعل ادا کرنا بھی حُسنِ سلوک ہے۔ فرمایا فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ (بقرہ ع ۲۲) پھر قصور وار کا قصور معاف کرنا اور اس کے مقابلہ میں اپنے غصہ کو دبانا بھی حسن سلوک ہے۔ غرضیکہ اسلام نے دوسروں کے ساتھ بھلائی اور حُسنِ سلوک کرنے کو کسی خاص معنی میں محدود نہیں کیا بلکہ اس کو نیکی کی راہ میں وسیع کر دیا ہے۔ زندگی تو درکنار موت میں بھی اسلام نے اس کے وسیع دائرہ کو تنگ نہیں کیا۔ چنانچہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کرنا فرض کیا ہے۔ اگر تمہیں کسی کو شرعی حکم کے لحاظ سے جان سے مارنا بھی پڑے تو اس کو بھی اچھائی کے ساتھ کرو۔ کسی جانور کو ذبح کرنا پڑے

[illegible] کے ساتھ کرو۔ چھری کو خوب تیز کرو اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم کتاب الصید [illegible])

حسن سلوک ایک ایسی خوبی ہے جس سے انسان دشمن کے دل پر بھی قابو پا لیتا ہے اور اس وصف سے متصف انسان با خدا اور خدا دوست انسان بن جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالے نے اپنے کلام الہیٰ میں فرمایا ہے وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (آل عمران ع)

بشاشت

بشاشت سے یہ مراد ہے کہ انسان کا دل ہر وقت خوش رہے اور اسکے چہرہ پر بھی خوشی کے آثار ظاہر ہوں۔ دوسروں سے باتیں کرنے میں ادب احترام اور لطف و محبت کا پہلو ملحوظ رہے تاکہ آپس میں تعلقات خوشگوار ہوں اور باہمی محبت اور مروت بڑھے۔ اللہ تعالےٰ نے بشاشت کے مقابلہ میں عبوست کو منع فرمایا ہے۔ فرمایا لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان) کہ لوگوں کے ساتھ ناک بھوں چڑھا کر نہیں بلکہ بشاشت کا پہلو اختیار کرو۔

بشاشت سے انسان کی صحت پر نہایت عمدہ اثر رہتا ہے۔ اس کا دل قوی ہو جاتا ہے اور قوت ارادی مضبوط ہو جاتی ہے۔ دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں عبوست سے انسان کی صحت گر جاتی ہے۔ ہر وقت دل کڑھتا رہتا ہے اور دوست و دشمن سب نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

صدقہ و خیرات

اپنے مال سے کسی کو بخاطر ثواب عطیہ دینا صدقہ کہلاتا ہے۔ کوئی چیز دیتے وقت صرف ثواب کی ہی نیت ہو۔ اظہار اکرام وغیرہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کی یہ شان بیان کی ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (بقرہ ع) کہ مومن کی صفات میں سے ایک یہ وصف بھی ہے کہ وہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ غریبوں اور حاجتمندوں پر خرچ کرنے کے لئے حصہ نکالتا ہے۔ صدقہ و خیرات بھی فیاضی و سخاوت کی ایک جزو ہیں۔ جس کا دل سخی ہوگا وہی صدقہ و خیرات دیگا۔ چونکہ صدقہ میں کسی قسم کا اظہار احسان وغیرہ نہیں ہونا چاہیئے اس لئے فرمایا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (بقرہ) کہ صدقات دیکر بعد میں احسان نہیں جتلانا چاہئے۔

صدقہ دینے کا قومی فائدہ یہ ہے کہ اس طرح قوم کے غرباء کی حاجت روائی کا خیال انسان کے دل میں پیدا ہوگا اور بوقت ضرورت اپنے اموال سے ان کے لئے خرچ کرنیکا عادی ہوگا۔ پھر صدقہ

سے انسان آفات سے نجات پاجاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مروی ہے کہ صدقہ بلا کو روکتا ہے۔

صدقہ دینے والے کے اندر خدا تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا پرتو ہوتا ہے۔ وہ اپنے قرب وجوار میں رہنے والوں کی ضروریات کا خیال رکھیگا اور ہر وقت ان کی مدد کرتا رہے گا۔

مہمان نوازی

مہمان کی خدمت وحفاظت کو اسلام نے ایک اہم فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ اور آپؑ کے مہمان کی حکایت بیان فرماتے ہوئے مسلمانوں کو مہمان نوازی کے اصولوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ فرمایا هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۚ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ (ذاریات ع ۲) اس آیت میں مہمان نوازی کے متعلق حسب ذیل باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) مہمان اور میزبان میں کلام کی ابتداء باہمی سلام سے ہو۔ (۲) مہمان کے کھانے پینے کا فوراً انتظام کرنا چاہیئے۔ (۳) مہمانوں کے کھانے پینے کا سامان مخفی طور پر ان کی نگاہ بچا کر کرنا چاہیئے کیونکہ اگر مہمانوں کو معلوم ہوجائے گا تو وہ اسے ازراہِ تکلف روکیں گے (۴) کسی بہانے سے تھوڑی دیر کے لئے مہمانوں سے الگ ہوجانا چاہیئے تاکہ آرام کرنے یا دوسری ضروریات سے فارغ ہونے میں انہیں تکلیف نہ ہو۔ (۵) مہمانوں کے سامنے عمدہ سے عمدہ کھانا پیش کرنا چاہیئے (۶) مہمانوں کے کھانے سے خوش اور نہ کھانے سے مغموم ہونا چاہیئے۔ پھر سورۂ حجر میں حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا کھلانے کے علاوہ میزبان مہمان کی عزت وآبرو کا بھی محافظ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ (حجر ع ۵)

مہمان نوازی کی یہ اہمیت تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے لیکن نبی کریم صلعم نے اس سے بھی بڑھکر توضیح فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ اس کو ایمانِ کامل کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ "جو شخص خدا تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اُسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ دے۔" عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! اس کا جائزہ کیا ہے؟ کہ ایک دن

اور ایک رات اور مہمانی تین دن کی ہے اس کے آگے مہمان پر صدقہ ہے۔" (بخاری کتاب الادب)

مہمان نوازی کی بیان شدہ اہمیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بلند خُلق ہے۔ انسان میں اس کا پیدا ہونا اس کے ایمان کی تکمیل کا موجب ہے۔ اس خُلق کے حامل انسان میں بخل جیسا قبیح فعل سرزد نہیں ہو سکتا۔ جب ایک قبیلہ کا شخص دوسرے قبیلہ کے شخص کی مہمان نوازی با حسن طریق کرے گا تو دونوں قبیلوں اور قوموں میں اُنس و محبت کا جذبہ پیدا ہوگا اور بہترین تعلقات قائم ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو کسی قسم کا خوف نہیں رہے گا۔ ان میں سے ہر ایک ایک دوسرے کی عزت و آبرو اور جان و مال کا محافظ اور بہی خواہ ہوگا۔

عفت شہواتِ دنیویہ کے ترک کرنے اور طہارت جسمانیہ کو قائم کرنے کا نام عفت ہے۔ اور بُری خواہشات اور ناجائز چیزوں سے بچنے والے کو عفیف کہتے ہیں۔ عفت و پاکبازی ان تمام اخلاقی خوبیوں کی رُوحِ رواں ہے جن کا تعلق عزت و آبرو کے ساتھ ہے اس لئے اسلام نے عفت کو ان اخلاقی محاسن میں شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے چہرہ کا نور ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مومنون میں مسلمانوں کے امتیازی اوصاف میں سے ایک وصف عفت کو بھی قرار دیا ہے۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ۔ اسی طرح سورۂ معارج میں جن اوصاف کو بیان فرمایا گیا ہے ان میں سے ایک عفت بھی ہے۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ (معارج ع) علاوہ تکمیلِ ایمان کا موجب ہونے کے عفت و پاکبازی خدا تعالیٰ کی بخشش کے حصول کیلئے ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے ان میں عفیف بھی ہیں۔ فرمایا وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ (احزاب ع)

اسلام میں عفت اور پاکبازی کا وہ درجہ ہے کہ جو نبوت اور رسالت کا لازمی جزو ہے۔ یعنی نبی کے سلسلہ اور نبی کے اہل بیت کا دامن ہمیشہ اس داغ سے پاک رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت مریمؑ سے یہود کے الزام کو دُور فرماتے ہوئے فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم ع)، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے اس الزام کو ان الفاظ کے ساتھ دُور کیا گیا ہے وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ [1] (یوسف ع)

عفت اور پاکدامنی سے انسان کی روحانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ وہ ان تمام راہوں سے محفوظ رہتا ہے جو بے حیائی اور بدکاری کی طرف کھینچتی ہے۔ عفت سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل

[1] اہل بیت نبوی کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ (نور ع)

ہوتا ہے اور دُعا کی قبولیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور قیامت کے روز خدا تعالیٰ کا سایہ حاصل ہوجاتا ہے۔ (بخاری کتاب الحدود باب ترک الفواحش)

تسامح تسامح کے معنی ہیں عفو اور درگذر۔ عفو اور درگذر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو دُنیا ایک لمحہ کے لئے بھی آباد نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ کے خوش ناموں میں سے ایک نام عَفُوٌّ بھی ہے یعنی عفو اس کی شان ہے۔ انسان کو چاہئیے کہ خدا تعالیٰ کی اس صفت کو اپنے اندر پیدا کرے اور باوجود طاقتِ انتقام کے اپنے بھائی کے قصور سے درگذر کرے۔ خدا تعالیٰ جس کی قدرت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ وہ معاف فرماتا ہے تو انسان کے لئے بھی اپنے قصور واروں سے درگذر کرنا ضروری ہے تاکہ گناہوں کی مغفرت ہوسکے۔ چنانچہ فرمایا وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (نور ع) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عفو کی تعلیم میں یہ ترغیب دلائی ہے کہ اگر تم دوسروں سے درگذر کروگے تو خدا تعالیٰ اس کے عوض میں تمہارے سارے گناہ بخش دیگا۔

یہ اخلاقی وصف انتہا درجہ کی کشادہ دلی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی اس کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ فرمایا جو کشادہ دلی سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کا صلہ بھی اس قدر مقرر فرمایا کہ جو انتہائی وسعت رکھتا ہے۔ فرمایا وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (آل عمران ع) اسی اخلاقی وصف سے شریفانہ عزت اور وقار سب پر چھا جاتا ہے۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا وَمَا جَعَلَ اللهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا (ترمذی ابواب البر والصلۃ) کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو عفو اور تسامح سے کام لیتا ہے عزت میں بڑھاتا ہے۔

پس اس وصف کے حامل انسان میں جرأت و دلیری کشادہ دلی اور بلند حوصلگی پائی جاتی ہے اور اس کی عزت اور وقار لوگوں کی نگاہ میں قائم ہوجاتا ہے۔

شفقت کسی کے ساتھ نرمی، لطف اور رأفت کے ساتھ پیش آنا شفقت کہلاتا ہے۔ یہ اخلاقی وصف بھی انسان کے بُنیادی اوصاف میں سے ہے۔ دُنیا میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ

بلکہ محض ثواب کے حصول کے خیال سے نیکی کے جو کام کرتے ہیں ان کی تہ میں بھی رحم اور شفقت کا جذبہ کام کر رہا ہوگا۔ جس کے دل میں یہ جذبہ نہ ہوگا وہ بے رحم، سنگدل ہوگا اس کا دل ظلم اور قساوت سے بھرا ہوا ہوگا۔

جہاں خدا تعالیٰ کی صفت رؤف و رحیم ہے وہاں اس کے نبی کی بھی یہ شان ہے۔ فرمایا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (توبہ ع۱۶) پھر مسلمانوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (فتح ع۴) شفقت درحقیقت خدا تعالیٰ کی رحمت کا پرتو ہے اس سے صلہ رحمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے پس انسان کو چاہئے کہ نہ صرف عمر میں چھوٹے سے شفقت کرے بلکہ ہر حیثیت کے چھوٹوں پر رحم کرے پھر اپنی قوم کی ہمدردی، محبت اور اعانت کا جذبہ اسی اخلاقی وصف سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمانوں کی باہمی رحمدلی، باہمی دوستی اور باہمی مہربانی کی مثال انسان کے جسم کی سی ہے کہ جب کسی عضو کو درد پہنچتا ہے تو تمام جسم متاثر ہو جاتا ہے (بخاری کتاب الادب)

الغرض یہی وہ وصف ہے جس سے یتیموں کی غمخواری، مسکینوں کی تسکین، بیماروں کی تسلی، غریبوں کی امداد، مظلوموں کی حمایت اور زیردستوں کی اعانت ہوتی ہے۔

رواداری

اپنوں کے علاوہ غیروں کے ساتھ اظہار ہمدردی اور نیک سلوک کرنا بھی ایک اخلاقی وصف ہے جو رواداری کہلاتا ہے۔ یہ وصف اس قدر بڑا ہے، کہ ایمان کی تکمیل کے لئے اس کا پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو اس وصف کے اظہار کا قرآن مجید میں کئی مرتبہ حکم دیا گیا ہے۔ باوجود مذہبی اختلافات اور روحانی غیرت کے مخالفین اور اعداء کے ساتھ دنیاوی معاملات اور اخلاق کے بارہ میں رواداری کا حکم دیا۔ چنانچہ عین لڑائی کے وقت میں فرمایا وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ (توبہ ع۱) کہ اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اس کو پناہ دی جاوے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے اور پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دیا جاوے۔ یہ اس لئے کہ وہ نادان لوگ ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ ایک جنگجو مذہبی دشمن کے ساتھ اس سے زیادہ رواداری اور حسن سلوک کیا ہو سکتا ہے اور پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کفار کے ساتھ باوجود دلی بے تعلقی کے یہ حکم دیا کہ اگر کسی مسلمان کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں تو بھی ان کی خدمت بجالانا دنیاوی امور میں

ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور رواداری سے پیش آنا مسلمان اولاد پر فرض ہے۔ فرمایا وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (لقمان ع ۲) مذہبی دشمنوں کے ساتھ اس سے بڑھکر رواداری کیا ہو سکتی ہے کہ باوجود مذہبی مخالفت کے ان کی دُنیاوی خدمت اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک اور بہترین برتاؤ میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔ اِس اخلاقی وصف سے قوموں اور مُلکوں، قبیلوں اور خاندانوں کی آپس کی جدائیاں اور پھوٹ و انشقاق جاتا رہتا ہے اور ایک دوسرے سے امن و امان میں رہ سکتے ہیں۔ عالی حوصلگی اور شرافت کا یہ جُزو ہے اور دنائیت اور پستی قریب نہیں آسکتی۔

جرأت وشجاعت

خدا تعالیٰ کی صفات عفو، درگذر، ربوبیت، مالکیت، رحیمیت اور رحمانیت کی طرح بعض صفات ایسی بھی ہیں کہ جن سے قدرت وعظمت اور طاقت وجبروت کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ قادر ہے، قوی ہے، عزیز ہے، غالب ہے۔ جب اِن صفات کا پرتو کسی انسان پر پڑ جاتا ہے تو وہ اخلاقی اور جسمانی طور پر شجاع اور بہادر بن جاتا ہے۔

یہ اخلاقی وصف ایمان اور اتقاد کے لئے نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے دشمنوں اور مخالفوں کے مقابل پر میدانِ جنگ میں جُرأت وبہادری کے جوہر دکھائے اور ثابت قدم رہے۔ ان کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝ (بقرۃ ع ۲۲)، پس ہر وہ شخص جو کسی جماعت یا ملت کا فرد ہے وہ مُنہ سے اقرار کرے یا نہ کرے اس کا یہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت میں اپنی جان تک کی بازی لگا دے۔ اور جب وہ ایسا کر گذرتا ہے تو وہ اللہ تعالےٰ اور اپنی قوم کے روبرو راستباز اور سچا ٹھہرتا ہے۔ اور جو جذبہ اسکو اس فرض پر آمادہ کرتا ہے وہ شجاعت اور جُرأت ہی ہے اور یہی اتقاد اور ایمان کا منشا ہے۔ اگر یہ وصف نہ ہو تو ظلم وستم کی روک تھام اور باطل قوتوں کا بہادرانہ مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اِس اخلاقی وصف کی بدولت دوستوں میں مستعدی اور سرگرمی پیدا ہوتی ہے اور دشمن پر رعب قائم ہوتا ہے۔

قناعت

اللہ تعالےٰ کے اوصاف میں سے ایک وصف استغناء اور بے نیازی کا بھی ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے انسان کو اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا مظہر بننا

چاہیئے ہر مومن کے لئے خدا تعالیٰ کی تمام صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے صفت استغناء کے حصول کا بڑا ذریعہ قناعت ہے کم سے کم جو ملے اسی پر طمانیت کے حصول کو قناعت کہتے ہیں یعنی اسی پر اکتفاء کیا جائے اور زیادہ کی حرص و آرزو نہ کی جائے۔ اسی کی طرف توجہ دلاتا ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ (نساء ع) کہ اے مسلمانو! جس چیز میں تم میں سے بعض کو بعض پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہے اس کی حرص و ہوس نہ کرو۔ پھر اسی طرح فرمایا وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ (طٰہٰ ع) کہ لوگوں کے طرح طرح کے سامان کو دیکھکر ان کی طرف آنکھ نہیں اٹھانی چاہیئے کہ ہمیں بھی وہ مل جائے جس انسان میں قناعت کا وصف نہیں وہ باوجود دولت مند ہونے کے محتاج ہوتا ہے اور وہ شخص جو اسی پر خوش ہو جو اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، وہ باوجود مال کی کمی کے مستغنی اور بے نیاز ہے۔

قناعت کے وصف سے انسان کے رُوح اور قلب پر بہترین اثر پڑتا ہے حتّٰی کہ یہی وصف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب بن جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلعم کی ایک حدیث سے یہی ثابت ہے۔ فرمایا۔ خوشخبری ہو اس کو جس کو اسلام کی ہدایت ملی اور اس کی روزی ضرورت کے مطابق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اُس پر قانع بنا دیا ہو۔ (زوائد صحیح ابن حبان باب فی القناعۃ)

حلم حلم کے معنی ہیں کہ باوجود بدلہ و انتقام کی طاقت و قدرت حاصل ہونیکے کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لیا جاوے اور قصوروار سے اس کے لئے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے صفت حلم اخلاقی لحاظ سے ہر حالت میں قابلِ تعریف ہے لیکن جب قصوروار پر غصہ آجائے تو اس وقت اس غصہ کے موجب عیب اور خطاء کے علاوہ اگر اس کی خوبیاں بھی ہمارے سامنے آجائیں تو ہم باوجود قدرتِ انتقام کے اُس کی خوبیوں کے پیشِ نظر اس سے اظہارِ حلم کریں تو پھر اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام ہوگا۔ قصوروار خواہ کس قدر ہی ہمارا مخالف کیوں نہ ہو ہمارا مطیع ہو جائیگا اور ہمیشہ اس کی گردن احسان سے جھکی رہے گی۔

حلم کی صفت خدا تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے۔ چنانچہ ایک شخص کے متعلق حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ حلم اور جلد بازی نہ کرنا۔ (ترمذی ابواب البرّ والصلۃ) اسی طرح جو شخص باوجود قدرت کے غصہ کو ضبط کرتا ہے اور حلم کا اظہار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خاص انعام کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے

کہ جو شخص باوجود قدرت کے غصہ کو دبائے گا اور حلم کا برتاؤ کرے گا، اللہ تعالےٰ قیامت کے روز اُسے سب کے سامنے بُلا کر اُسے اپنے خاص انعام کا مستحق ٹھہرائیگا۔ (بخاری کتاب الادب)

تقویٰ تقویٰ کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ سے ڈرنا اور اپنے تمام اعمال کو اس کی اطاعت میں بجالانا۔ یہ وصف ہر فرد میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ رنج و غم، عُسر و یُسر، کرب و بلاء غرضیکہ ہر حالت میں انسان کا دل خشیت اللہ سے لبریز ہونا ضروری ہے۔ متقی لوگ خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کرسکتے ہیں اور متقی کا دل ہی جلد ہدایت کو قبول کرتا ہے۔ دُنیا میں جس قدر نیکیاں ہیں وہ تقویٰ سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ اِسی وجہ سے اِس زمانہ کے مُرسَل و مامور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

پس تقویٰ پر ہی دینی و دُنیوی فلاح و بہبودی کا مدار ہے۔

اخلاقِ حسنہ کا مختصر سا خاکہ اُوپر پیش کیا گیا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنے اندر ان اوصاف کو پیدا کرنے میں دن رات کوشاں رہے تا بموجب ارشاد تخلقوا باخلاق اللّٰہ ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہرِ کامل بن سکے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ؃

خلافتِ راشدہ

(از جناب چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے)

ہم احمدی اس امر کے قائل ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم۔ کے بعد خلافت کا سلسلہ قائم ہوا اس سلسلہ کو خلافتِ راشدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ خلفاء جن کا زمانہ قریباً تیس برس ہے حقیقی طور پر رسول اکرم صلعم کی نیابت میں آیۃ استخلاف کے مطابق کام کرنیوالے تھے۔ ہمارے عقیدے کے مطابق اس سلسلۂ خلافت میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ خلفاء ہوئے۔ اس کے برخلاف شیعہ حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ پہلے اصحابِ ثلاثہ برحق خلفاء نہ تھے۔ بہت سے شیعہ ان کے ایمان میں بھی شک کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے بعد بلا واسطہ و بلا فصل خلیفہ تھے اور آنحضرت صلعم کے نائب برحق صرف وہی تھے۔ خلافتِ راشدہ کے متعلق شیعہ سُنّی جھگڑے کی ساری بُنیاد اسی اختلاف پر ہے۔ اس سلسلہ میں ایک احمدی کو مندرجہ ذیل امور ثابت کرنے پڑتے ہیں:۔

(۱) ایمانِ اصحابِ ثلاثہ۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ۔

(۲) خلافتِ اصحابِ ثلاثہ۔

(۳) حضرت علیؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے کے دلائل کا رد۔

اگر یہ تین امور ثابت ہو جائیں تو شیعہ سُنّی جھگڑا بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

ایمانِ اصحابِ ثلاثہ

کسی شخص کے ایمان کے تین ہی طریق ہو سکتے ہیں:۔ (۱) خدا تعالیٰ (۲) اور رسول کے قول و فعل سے اُس کے ایمان پر شہادت۔ (۳) مومنین کی شہادت۔

خلفاء ثلاثہ کا ایمان ان تینوں طریقوں سے ثابت ہے۔ اوّل۔ خدا تعالیٰ نے جو صفات مومنین کی بیان کی ہیں وہ ان تینوں اصحاب میں پائی جاتی ہیں اور منافقین کی صفات سے وہ منزہ ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

(۱) اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

مومن مرد ہوں یا عورتیں وہ باہم محب و مددگار ہوتے ہیں نیکی کا حکم کرنا اور بدی سے روکنا، نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا یہ ان کی صفات ہیں اور یہ تمام صفات اصحابِ ثلاثہ میں واضح طور پر پائی جاتی ہیں کیونکہ آپ نے نیکی کو دُنیا میں پھیلایا اور بدی سے روکا۔ اور نہ صرف خود ہی تقیم الصلوٰۃ اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی پابند بنایا۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (بقرہ ع)

جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں جہاد کیا وہی رحمتِ الٰہی کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۳) اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (مائدہ ع) اللہ کے گروہ ہی غالب ہیں۔

(۴) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (نساء ع)

جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا، راہِ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بڑے درجے ہیں اللہ کے حضور اور یہی مراد پانے والے ہیں۔

مہاجر و مجاہد ہونے کے لحاظ سے فائزون کا وعدہ ان کے متعلق پورا ہونا ان کی صداقت کی دلیل ہے۔

(۵) فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ ...الخ (آل عمران ع)

(۶) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

سے منہ پھیر کر اور ذلیل کر ان پر۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور پھر جانے کی بُری جگہ ہے۔
اگر خلفاء کرام نعوذ باللہ منافقین میں سے ہوتے تو آنحضرت ان پر سختی کرتے اور ان کیساتھ جہاد کرتے مگر ایسا نہ ہونا ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ صادق الایمان اور سچے مومن تھے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ
الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ
وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

یہ بیعت الشجرۃ کے اصحاب میں سے جن سے خدا راضی ہوا حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی تھے۔ پس رضی اللہ کے الفاظ میں آپ بھی حقدار اور شریک ہیں۔
یہ علامات مومنین کے لئے جن تو ہیں اور صفات کا وجود بتا رہی ہیں وہ ان ہر سہ خلفاء کرام میں پائی جاتی تھیں۔ اس لئے ان کا ایمان ثابت ہے۔ پھر جو صفات منافقین کی بتائی گئی ہیں ان سے منزہ ہونا بھی آپکے ایمان کی دلیل ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے :-

اِنَّ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ
بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ
نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

بدی کا حکم کرنا نیکی سے روکنا، خدا کو بھول جانا، بدعہدی اور بدکاری کرنا۔ یہ وہ صفات ہیں جو آپ میں ہرگز نہ پائی جاتی تھیں۔ پس آپ کا عدم نفاق ثابت ہے جو ایمان کی دلیل ہے۔
یہی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ایمان کے نتائج کیا ہیں۔ اور کیا وہ بھی ان ہر سہ بزرگوں پر مترتب ہوتے ہیں یا نہیں۔ ایمان کے بعض نتائج قرآن کریم میں حسب ذیل بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ
يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝

مومنین کو نصرت کا وعدہ دیا گیا ہے جو خلفاء کی زندگی میں پورا ہوا۔

(۲) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ

مہاجرین کے لئے جن میں خلفاء ثلاثہ بھی شامل تھے اسی دنیا میں حسنات کا وعدہ ہے جو روز روشن میں پورا ہو کر ان کے صدق کی دلیل بنا۔

(۳) وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ٥

خلفاء ثلاثہ کی اپنے مقاصد میں کامیابی اور مملکتِ اسلامی میں وسعت اور تمکین دین وغیرہ نصرتِ الٰہی کا ثبوت ہیں۔

برسبیلِ تذکرہ یہ امر بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں کوئی ملک مملکتِ اسلامی میں داخل نہیں ہوا۔

مذکورہ بالا آیات خلفاء ثلاثہ کے ایمان پر خدا تعالےٰ کی قولی وفعلی شہادت دیتی ہیں۔ جہاں تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تعلق ہے حضورؐ نے اپنی علالت کے دوران میں حضرت ابوبکرؓ کو امامت کا ارشاد فرما کر اُن کے مقام کی توثیق فرما دی۔ حضرت عمرؓ کا اسلام بھی رسول اکرم صلعم کی قبولیتِ دُعا کا نتیجہ ونشان ہے۔ آپکے اسلام کے ساتھ حضورؐ کی دُعا قبول ہوئی کہ اُن کی شمولیت سے اسلام کو معزز کیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹیوں سے شادی کی۔ اور اپنی صاحبزادیاں حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیں۔ اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نعوذ باللہ مومن نہ ہوتے تو رسول اکرم صلعم ولا تمسکوا بعصم الکوافر کے ارشاد کے ماتحت ان کی بیٹیوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھ سکتے تھے۔ حضورؐ کا اپنی علالت کے زمانہ میں حضرت عائشہؓ کے گھر میں ڈیرہ لگانا خاندانِ حضرت ابوبکرؓ پر اعتماد کا ثبوت ہے۔

عام مومنوں کی شہادت بھی آپکے ایمان کے حق میں ہے۔ کیونکہ اُن کا سلوک وبرتاؤ آپ سے محبت وپیار کا رہا۔ اگر خدا نخواستہ آپ منافق ہوتے تو خود حضرت علیؓ کا آپ اصحاب سے محبت کا سلوک رکھنا باعثِ اعتراض ٹھہرتا۔

حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کے چند حوالے کتب شیعہ سے بھی دیئے جا سکتے ہیں:-

(۱) ان ابا بکر هو اوّل من اظهر اسلامه" (شرح نہج البلاغہ جزو ۴ ص۱۱۳)

(۲) عن ابراهيم النخعی قال اوّل من اسلم ابو بكر (ایضاً)

(۳) عن ابی نصر قال قال ابو بكر لعلی انا اسلمت قبلك فی حديث ذكره فلم ينكره عليه (ایضاً) اِس حدیث کے مطابق حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ سے بھی پہلے اسلام لائے جیسا کہ حضرت علیؓ کی تسلیم سے ظاہر ہے۔

(۴) حضرت علیؓ کی شہادۃ مندرجہ نہج البلاغہ (کتاب شیعہ) بھی قابلِ غور ہے لکھا ہے:-

"قال علیؓ والزبیر ما غضبنا الا فی المشورۃ وانا لنری ابوبکر احق الناس بہا انہ لصاحب الغار وانا لنعرف لہ سُنّتہٗ ولقد امرہ رسول اللہ صلعم بالصلوٰۃ بالناس وھو حیٌّ"

(نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ)

یعنی حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ ہم نے سوائے اس مشورہ کے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ ہم یقیناً حضرت ابوبکرؓ کو اپنوں میں سب سے زیادہ اس امر کا مستحق خیال کرتے ہیں کیونکہ آپؓ صاحبِ غار ہیں۔ اور ہم اُن کے اچھے طریقوں کو جانتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے جبکہ آپؐ زندہ تھے ابوبکرؓ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

(۵) شہادت امام ابوجعفرؓ متعلق ابوبکرؓ:۔

"نعم الصدّیق۔ نعم الصدّیق۔ فمن لم یقل لہ الصدّیق فلا صدق اللہ قولہٗ فی الدنیا" (کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ)

حضرت ابوجعفرؓ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق کہتے ہیں کہ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ اور جو ان کو صدیق نہ کہے خدا دُنیا میں اس کی بات کو سچا نہ کریگا۔

(۶) شہادت حضرت علیؓ متعلق حضرت عثمانؓ:۔

"انت اقرب الی رسول اللہ" (نہج البلاغہ صفحہ ۱۱۲)

(۷) شہادت امام جعفر صادقؒ متعلق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ:۔

"ھما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق فعلیھما رحمۃ اللہ یوم القیٰمۃ" (ادلۂ نقیہ فی ثبوت تقیہ مؤلفہ سید محمد رضا صاحب مجتہد)

حضرت ابوبکرؓ کے مقام کو بیان کرنے کے لئے مندرجہ ذیل آیۃ شاہد ناطق ہے:۔

"اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"

جب اُس کو کافروں نے نکالا تو یہ صرف دو ہی آدمی تھے۔ جب نبی کریمؐ نے اپنے "صاحب" (ابوبکرؓ) سے کہا کہ تو کوئی غم نہ کر کیونکہ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پس خدا کی نصرت و محافظت کا وعدہ رسول کریم صلعم کی معیت میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی تھا۔

پس اِن ہر سہ اصحاب کا ایمان اور اعلیٰ مقام واضح ہے۔

مسئلہ خلافت اصحاب ثلاثہؓ

(۱) آیۃ استخلاف حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کو بالبداہت ثابت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا" (سورہ نور ع)

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور نیکوکاروں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلیفے بنائے گا جیسے کہ اُس نے اُن لوگوں کو خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اُن کے لئے بالضرور اُن کے دین کو جو اُس نے اُن کے لئے پسند فرمایا ہے مضبوط کریگا اور اُن کے خوف کو ضرور امن سے بدل دیگا۔ اور یہ خلفاء میرے عابد بندے ہوں گے، اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں نیکوکار مسلمانوں کو خلافت کی نعمت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کے مقاصد یہ بتائے ہیں کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دین کو مضبوط کیا جائے گا اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کیا جائے گا۔

یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی خلافت بلافصل کے لئے اور حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کی تردید کے لئے نص قطعی ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت کے زمانہ میں یہ سب باتیں علیٰ وجہ الاتم ظہور میں آئی ہیں۔ چنانچہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر عرب میں فتنہ ارتداد اُٹھا اور مدعیانِ نبوتِ کاذبہ کھڑے ہوئے اور اسلام پر ایک زلزلہ کی کیفیت طاری ہوگئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اِس بدامنی کے زمانہ میں حضرت صدیقؓ کو کھڑا کرکے ان کے ہاتھ سے ان فتنوں کا استیصال کیا اور دین کو کمال تمکین عطا فرمائی اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی فعلی شہادت سے اس بات کی گواہی دیدی کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل اور آپ کے معاً بعد اس آیت کے مصداق ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کی خلافت کو بھی یہ آیت ثابت کرتی ہے

کیونکہ تکمیل دین جس کے لحاظ سے وہی دین قائم ہوا جو ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کا تھا اور ان کے ہر ایک فتنہ کو جو مسلمانوں کے ارتداد اور نصاریٰ اور فارسیوں کی لشکر کشی سے پیدا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے دفع کیا۔ برخلاف اس کے حضرت علیؓ کو ان کی نسبت میں ایسی طاقت نہ ملی۔ نہ ان کے ذریعہ سے دین کی کچھ ترقی ہوئی نہ ہی حضرت علیؓ نے پہلے خلفاء کے ترویج دیئے ہوئے دین میں کوئی اصلاح کی۔

حضرت ابوبکرؓ کے اعلیٰ مقام کے متعلق کتب شیعہ کے حوالے گذر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے متعلق بھی ایک ایک حوالہ درج ہے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق ملاحظہ ہو۔

"لله بلاء فلان فقد قوّم الاود وداوى العمد خلّف الفتنة واقام السنة ذهب نقيّ الثوب قليل العيب اصاب خيرها وسبق شرها ادى الى الله طاعته واتقاه بحقه"

(نہج البلاغہ [illegible])

فلاں آدمی (حضرت عمرؓ) کیا ہی اچھا تھا۔ کیونکہ اس نے کجی کو درست کیا اور دلوں کی بیماری کا علاج کیا۔ فتنہ کو پیچھے ہٹایا اور سنت کو قائم کیا۔ اور انتقال کیا اس حالت میں کہ وہ پاکدامن و بے عیب تھا۔ خلافت کا اچھا پھل پایا۔ اور پیدا ہونے والے شر سے پہلے گذر گیا۔ اللہ کی طاعت کی اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں تقویٰ سے کام لیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت حضرت عثمانؓ کے متعلق:۔

"والله ما ادرى ما اقول لك ما اعرف شيئاً تجهله ولا ادلك على امر لا تعرفه انك لتعلم ما نعلم ما سبقناك الى شيء فنخبرك ولا خلونا بشيء فنبلغكه وقد رأيت كما رأينا وسمعت كما سمعنا وصحبت رسول الله كما صحبنا وما ابن ابى قحافة ولا ابن الخطاب اولى بعمل الحق منك وانت اقرب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم .... وقد نلت من صهره ما لم ينالا" (نہج البلاغہ [illegible])

حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بخدا میں نہیں جانتا کہ میں آپ کی خدمت میں کیا عرض کروں۔ مجھے کوئی ایسی نئی بات معلوم نہیں جو آپ کو معلوم نہ ہو۔ اور نہ میں آپ کو کوئی

ایسی تو بات نہیں بتا رہا. تو آپ کو معلوم نہ ہو کیونکہ آپ سے زیادہ میرا علم نہیں۔ ہم آپ سے کسی بات میں آگے نہیں بڑھے کہ ہم آپ کو اس کی اطلاع دیں۔ اور نہ ہی ہم کسی چیز میں منفرد ہیں تا اس کو آپ تک پہنچائیں۔ بلا ریب آپنے بھی وہ سب کچھ دیکھا اور سُنا جو ہم نے دیکھا اور سُنا۔ اور آپنے بھی ہماری طرح آنحضرتؐ کی صحبت اختیار کی۔ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آپ سے بڑھکر کسی نیک کام میں سبقت نہیں رکھتے تھے۔ اور آپ تو رشتہ داری اور دامادی کے لحاظ سے بہ نسبت اُن دونوں کے زیادہ قریب تھے۔

"قال رسول اللہ صلعم اعز الاسلام بعمر" (شرح نہج البلاغہ جزو اول ص۲۹)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے ذریعہ اسلام کو معزز کیا۔

حضرت علیؓ اپنی خلافت کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دلیل حضرت معاویہ کو لکھتے ہیں جو اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو ثابت کر رہی ہے۔

"ومن کتاب لہ الیٰ معاویۃ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علیٰ ما بایعوھم علیہ فان اجتمعوا علیٰ رجل وسموہ اماما کان ذٰلک للہ رضا" (نہج البلاغہ ص۱۵۱)

کہ میری بیعت انہوں نے کی جنہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی کی۔ یہ لوگ چونکہ مہاجرین و انصار ہیں جس پر اتفاق کر کے اس کا نام امام رکھ دیں وہی خدا کی رضاء کا موجب ہے۔

اصول کافی از کتب شیعہ ص۳ میں ہے کہ جو غیر مستحق سلاطین کے پاس اپنا مقدمہ لے جائے وہ طاغوت کے پاس اپنا مقدمہ لے جاتا ہے لیکن حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ اپنے مقدمات حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے پاس لیکر آئے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ مستحق سلاطین اور خلفاء برحق تھے حضرت علیؓ کا خلفاء سے بیعت کرنا بھی ثابت ہے۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ آیت میں آتا ہے:۔

اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا۔ یہاں یہ ذکر ہے کہ خدا نے خود تسلی اُتاری اور ایسے لشکروں سے تائید کی جسے تم لوگوں نے نہ دیکھا۔ یہ تسلی اور تائید تو حضرت نبی کریم صلعم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کی ہوئی تھی۔ مگر ضمیر واحد غیب رکھکر حضرت ابوبکرؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت پر مُہر لگائی گئی ہے کیونکہ پہلے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہکر آنحضرتؐ اس سکینت و تائید میں حضرت ابوبکرؓ کی شمولیت کا ذکر فرما چکے ہیں۔

پس ان دلائل سے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کی خلافت بالکل واضح اور ثابت ہے۔ اب اس بات کی تردید باقی ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل تھے۔ اس کیلئے ہمیں شیعہ حضرات کے دلائل اور ان کی تردید دیکھنی چاہیئے۔

تردید دلائل شیعہ متعلق خلافت بلافصل حضرت علیؓ

(۱) دلیل شیعہ :- قرآن کریم میں ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ (مائدہ ع)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے اہل تشیع حضرت علیؓ کو مراد لیتے ہیں۔ اور ولی کے معنی حاکم کے کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب خدا تعالےٰ نے حضرت علیؓ کو حاکم مقرر کر دیا تو اُن کی موجودگی میں کوئی اور حاکم نہیں ہو سکتا پس حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل ہیں۔

الجواب :- (۱) اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ اگر وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علیؓ ہوں تو اس سے شیعوں کے باقی ائمہ کی امامت باطل ہوئی۔ کیونکہ پھر سوائے اللہ، اس کے رسول اور حضرت علیؓ کے کسی اور کی امامت باطل ہو جائے گی۔

(۲) لفظ ولی دوست اور ناصر اور حاکم کے معنی میں مشترک ہے۔ لفظ مشترک کسی ایک معنی میں قطعی حجت بلا دلیل نہیں ہو سکتا۔

(۳) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جمع کا صیغہ ہے اس سے علیؓ واحد مراد نہیں لیا جا سکتا۔

(۴) اس کے آگے ہے يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ۔ زکوٰۃ دینا حضرت علیؓ پر صادق نہیں آسکتا۔ جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ وہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں مالک نصاب تھے۔

(۵) اگر اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علیؓ ہوں تو ان سے دوستی کرنے والے گروہ کو اللہ تعالےٰ نے غالب قرار دیا ہے لیکن حضرت علیؓ کو خلیفہ بلافصل ماننے کر اُن کا اور اُن کے گروہ کا غلبہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۶) اس آیت میں ولی کے معنی محب و ناصر کے اولیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ آیت نصاریٰ اور یہود کی دوستی سے روکنے کے بعد اللہ اور رسول اور مومنوں کی دوستی کی ترغیب میں ہے۔

(۷) اس آیت سے پہلے یہ آیت ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ ... الخ کہ جب لوگ مرتد ہونگے تو خدا ایک غالب قوم کو لائے گا جو کافروں پر غلبہ حاصل کریں گے، اور

مومنوں کے ساتھ نرمی کریں گے اور مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عرب لوگوں کو ارتداد کی حالت میں مسلمان بنانے کے لئے کھڑے ہونے والے حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھی تھے۔ پس یہ آیت تو اُن کی صداقت کی دلیل ہے۔

(۸) اس آیت کے بعد ہے کہ الذین آمنوا سے دوستی رکھنے والے غالب ہوں گے یہ غلبہ خلفاء ثلاثہ کو ملا۔ پس اس سے اُن کی صداقت ثابت ہوئی۔ اور حضرت علیؓ کی نسبت زیادہ شان سے ثابت ہوتی ہے۔

دلیل شیعہ از حدیث:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے غدیر خم کے موقع پر ایک لاکھ بیس ہزار کے مجمع میں یہ اعلان کیا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے۔ اور مولیٰ کے معنی حاکم کے ہیں

الجواب:۔ (۱) اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں اُس سے علیؓ بھی محبت رکھتا ہے یا یہ کہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ علیؓ سے بھی محبت کرے۔ حاکم ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

(۲) اگر ایک لاکھ بیس ہزار صحابہؓ نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہوتا کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل ہیں تو حضورؐ کی وفات کے بعد وہ صحابہ کہاں گئے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرلی۔

(۳) حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کے سامنے اُن کے انکار پر اپنی خلافت کی تائید میں متعدد دلائل بیان کئے مگر غدیر والے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں آتا۔

(۴) اگر حضرت علیؓ اپنے آپ کو خلیفہ بلافصل سمجھتے تھے تو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر خاموش رہنے کے کیا معنے ہیں؟ کیا یہ مناسب تھا کہ وہ اصحاب ثلاثہ کے سامنے جو بقول شیعہ غیر شرعی حاکم تھے محکوم اور رعیت بنکر رہیں۔ یا اگر اس وقت وہ اعلان نہ کرسکے تو کم از کم حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کی خلافت پر ہی اعلان کرتے۔ لیکن وہ ہمیشہ خاموش رہے۔

(۵) خود حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

"دعونی والتمسوا غیری. وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم وانا لکم وزیراً خیراً لکم منی امیراً"

یہ لوگ ایسے چھوڑ دو کسی اور کو تلاش کرو۔ جیسے بھی تم خلیفہ بناؤ گے میں اس کا خوب مطیع فرمانبردار رہوں گا۔ میرا وزیر رہنا تمہارے لئے نہایت اچھا ہے بنسبت اس کے کہ میں امیر بنوں۔ (فتح التواریخ جلد ہو کتاب ۲ صفحہ)

حضرت علیؓ کے اس قول سے صاف ثابت ہے کہ آپ اپنے آپ کو خلیفہ بلافصل ہرگز نہ سمجھتے تھے۔

(۶) رسول اکرم صلعم کی کوئی وصیت ثابت نہیں جس میں حضورؐ نے حضرت علیؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا ارشاد فرمایا ہو۔

دلیل شیعہ: حضرت رسول اکرم صلعم نے فرمایا ہے کہ انا مدینۃ العلم وعلیؓ بابھا۔ کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔

الجواب: یہ ضروری نہیں کہ حضرت علیؓ ہی صرف ایک دروازے ہوں شہر کے اور بھی بہت سے دروازے ہو سکتے ہیں۔ ایک کے ذکر سے باقیوں کے عدم وجود پر یہ بات شہادت نہیں ہو سکتی۔

(۷) حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کو فرماتے ہیں:۔

"انک لتعلم ما نعلم" کہ تو وہ کچھ جانتا ہے جو ہم نہیں جانتے۔

اس سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کو اپنے سے علم میں فائق سمجھتے تھے پھر اس حدیث سے یہ استدلال کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں کہ حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل تھے۔

باغ فدک

جہاں تک اصولی اختلافات کا سوال ہے شیعہ سنی جھگڑے کی بنیاد انہی امور پر ہے جن پر مذکورہ بالا صفحات میں بحث کی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ بعض فروعی امور بھی ہیں جن میں سے سب سے زیادہ اہم باغ فدک کا واقعہ ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ نے بیٹی کی حیثیت سے باغ کا مطالبہ بطور ترکہ کے کیا مگر حضرت ابوبکرؓ نے دینے سے انکار کیا۔ اور یہ حدیث بطور دلیل بیان کی کہ لا نورث ولا نورث یعنی انبیاء کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ اس پر حضرت فاطمہؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی کہ:۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ

مگر اس پر بھی حضرت ابو بکرؓ نے باغ نہ دیا۔

الجواب :۔ (۱) حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ضد سے ایسا نہیں کیا کیونکہ آنحضرت صلعم کی حدیث (قطع نظر اس کے کہ اس کے حقیقی معنی کیا تھے) انہوں نے سنی ہوئی تھی۔ وہ قرآن کریم کو آنحضرت ہی زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ پس انہوں نے یہی خیال کیا کہ اس آیت کے معنی آخر آنحضرت کے سامنے ہوں گے۔ اس کے باوجود حضور کا لا نورث ولا نورث فرمانا ضرور کوئی معنی رکھتا ہے۔

(۲) اگر حضرت فاطمہؓ سے ضد تھی تو چاہیئے تھا کہ دیگر ازواج مطہرات بالخصوص حضرت عائشہؓ کو جو اُن کی اپنی بیٹی تھیں ورثہ میں دیدیں مگر ایسا نہ ہوا حتیٰ کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد بھی کسی کو نہیں دیا۔

(۳) حضرت ابو بکرؓ کی پیش کردہ شیعوں کی کتاب کافی میں صحیح مانی گئی ہیں۔

(۴) اگر حضرت ابو بکرؓ نے ذاتی اغراض کے مدنظر اس باغ کو نہیں دیا تو کیا خود رکھ لیا یا اپنے خاندان کو دیدیا۔ جواب یہ ہے کہ نہیں۔

(۵) اگر حضرت فاطمہؓ کو اس سے محروم رکھا تو اپنی اور حضرت عمرؓ کی بیٹی کو بھی محروم رکھا۔

(۶) اگر یہ باغ قابلِ تقسیم ہی تھا تو چاہئے تھا کہ حضرت علیؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے امام حسنؓ و حسینؓ میں تقسیم فرما دیتے۔

(۷) اس واقعہ کے بعد حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکرؓ سے راضی بھی ہوگئی تھیں جس کا ذکر شیعہ کتب مثلاً حجاج السالکین میں موجود ہے کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور انہیں منایا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ وہ جو رسول مقبول صلعم کرتے تھے انہوں نے کہا ایسا ہی کروں گا پھر وہ کہنے لگیں کہ تم کو قسم ہے خدا کی کہ تم ایسا ہی کرو۔ انہوں نے تصدیق کی اور فاطمہؓ نے کہا کہ اے خدا تو گواہ رہ۔ پھر راضی ہوئیں۔ اور عہد کیا ابو بکرؓ سے اور وہ ان کو گذارہ کے مطابق دیتے تھے باقی فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

(۸) شیعوں کی کتاب نہج البلاغہ میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ باغ فدک حضرت فاطمہؓ کو دیدیا گیا تھا۔ اصل عبارت یہ ہے :۔

"انّہ لمّا وعظت فاطمۃ ابا بکر فی فدک کتب لہا

کتابا ورد علیھا:

یعنی جب فاطمہؓ نے ابوبکرؓ کو فدک کے معاملہ میں بہت نصیحت وغیرہ کی تو انہوں نے اس کو نوشتہ لکھ دیا۔ شیعوں کی مستند کتاب کے مطابق کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

(۹) تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ مطبوعہ مصر میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ سے راضی ہو گئی تھیں۔ لکھا ہے:-

"فاقسم علیھا لترضی فرضیت"

کہ حضرت فاطمہؓ کو راضی ہونے کی قسم دی گئی۔ پس وہ راضی ہو گئیں۔

یہی نہیں بلکہ شرح نہج البلاغہ جزء دوم صفحہ ۲ میں ہے کہ حضرت عمرؓ سے بھی راضی ہو گئیں لکھا ہے:- "فمضی الیھا ابوبکر بعد ذالك وشفع لعمر وطلب الیھا فرضیت عنه"

کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے ہاں گئے اور حضرت عمرؓ کی سفارش کی۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ سے بھی راضی ہو گئیں۔

(۱۰) دیکھنا چاہئے کہ کیا اس باغ میں صرف حضرت فاطمہؓ حصہ دار تھیں یا کوئی اور بھی۔ تو ہمیں قرآن کریم سے اموال رسول کے حصہ داروں کا پتہ چلتا ہے۔ سورۃ حشر میں ہے:-

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

جو پہنچایا اللہ نے اپنے رسول کو ان بستی والوں میں سے۔ پس اللہ اور اسکے رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

باغ فدک چونکہ مال فیٔ میں سے تھا پس ظاہر ہے اس کے کتنے حصہ دار ہو سکتے تھے۔ اور یہ باغ صرف حضرت فاطمہؓ کو دے دینا کیسے اعتراض کا موجب ٹھہر سکتا تھا۔

باقی جہاں تک آیت "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ" کا تعلق ہے، یاد رکھنا چاہئے کہ بیشک یہ آیت عام ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول کریم صلعم بھی شریک ہوں جیسا کہ

وَانکِحُوا الأیَامٰی مِنکُم میں خطاب عام ہے پھر بھی رسول کریم صلعم کی بیویاں اس سے مستثنےٰ ہیں۔ اسی طرح یوصیکم اللہ والی آیت ہے۔ اور ضروری نہیں کہ آیت یوصیکم اللہ سے حضورؐ کا استثناء قرآن کریم میں موجود ہے کیونکہ حضورؐ کے متعلق کئی استثناء قرآن کریم میں موجود ہیں۔ مثلاً یہ ظاہر ہے کہ آیت لَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ میں آنحضرت صلعم شریک نہیں کیونکہ حضورؐ کے والدین تو حضورؐ کے بچپن کے زمانہ میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس [illegible] حضورؐ کا استثناء قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ پس باغ فدک کے متعلق اعتراض کسی طرح بھی صحیح نہیں

حدیث القرطاس

یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی آخری علالت میں کچھ وصیت کرنے کیلئے کاغذ قلم دوات مانگی اور آپؐ کو اس لئے نہ دی گئی کہ آپؐ حضرت علیؓ اور اہل بیت کے حق میں وصیت نہ کر سکیں۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ :-

(۱) یہ روایت صرف ابن عباسؓ کی ہے جو عمر کے لحاظ سے صرف گیارہ برس کے تھے۔ اسلئے واقعات کے مکمل انضباط کا اہتمام یقینی نہیں۔

(۲) رسول اکرم صلعم کے ارشاد کا مخاطب کوئی خاص شخص نہیں۔ اس لئے اگر حضرت عمرؓ قلم دوات نہ لا کر دینے کے مجرم ہیں تو حضرت علیؓ بھی ہیں۔

(۳) جو گروہ یہ کہتا تھا کہ قلم دوات نہ لانا اچھا ہے وہ تو پھر بھی ایک حد تک الزام سے بری ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس حالت میں حضورؐ کو تکلیف دینا ہرگز مناسب نہیں لیکن جو گروہ یہ سمجھتا تھا کہ قلم دوات لا کر دینی چاہئے اور پھر بھی اس نے لا کر نہیں دی وہ یقیناً ملزم ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھنے کے باوجود کہ قلم دوات لا کر دینی چاہئے لا کر نہ دی۔

(۴) حضورؐ کے الفاظ قوموا عنّی لا ینبغی عند النبی التنازع (میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو۔ نبی کے پاس جھگڑا نہ کرنا چاہئے) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو قلم دوات نہ لا کر دینا برا نہیں لگا بلکہ حضورؐ کے قرب میں جھگڑا اور تنازع برا محسوس ہوا ہے۔

(۵) وہ کوئی ایسا پیغام نہ تھا جس کا پہنچانا ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا ہی ہوتا اور حضورؐ نہ پہنچا سکے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ نعوذ باللہ حضورؐ نے اس آیت کی تکمیل نہ فرمائی کہ

یَا أَیُّھَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔

اگر ایسا پیغام ہوتا جو پہنچانا ضروری ہوتا اور حضور اُسے نہ پہنچاتے تو حضور کی نبوت کے منافی ٹھہرتا پس غرض اس کے متعلق شیعوں کا اعتراض ان کے دوسرے اعتراضات کی طرح بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ حضرت علیؓ دوسرے خلفاء کی طرح انہیں کی لڑی کے ایک موتی تھے۔ [illegible] ایک حصہ۔ یہی چاروں کے چاروں خلفاء مل کر ہی خلافت راشدہ کے سلسلہ کی تکمیل کر سکتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا انکار اس سلسلہ کو توڑ دیتا ہے۔ کیونکہ یہ چاروں خدا کے مقرر کردہ خلفاء تھے۔

اطلاع

ترسیل زر اور خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں کیونکہ اس طرح دفتر کا بہت سا وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ نیز اپنی تبدیلیٔ ایڈریس سے بھی دفتر کو مطلع فرما دیا کریں۔ تا پرچہ باقاعدہ آپ کے پاس پہنچتا رہے۔

—— منیجر

احمدیت کا مطمح نظر

(از جناب حافظ قدرت اللہ صاحب دار المہاجرین)

احمدیت کیا چیز ہے

اس کے متعلق علم حاصل کرنا کہ احمدیت کیا چیز ہے اس مضمون کے لکھنے سے قبل نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ دراصل مطمح نظر کا ہی ایک لحاظ سے خلاصہ کہلانے کا مستحق ہے۔ اگر اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو ہمارا سوال بہت آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔

سو اس کے متعلق واضح رہے کہ احمدیت نہ کوئی نئی شریعت ہے اور نہ کوئی نیا دین ہے نہ یہ کوئی دُنیوی سوسائٹی ہے اور نہ یہ کوئی عام انسانی گروہ یا فرقہ ہے۔ بلکہ احمدیت حقیقی اسلام کا نام ہے اور اسلام کی نشأتِ ثانیہ کا نام ہے۔

مطمح نظر!

ہمارا مطمح نظر کوئی نیا مطمح نظر نہیں، بلکہ وہی ہے جو آج سے ۱۳۰۰ برس قبل اسلام کا تھا لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ پہلا دَور تکمیلِ شریعت کا تھا جیسا کہ کلام پاک میں اس کے متعلق صراحت سے ذکر ہے۔ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ کہ آج ہم نے شریعت اسلامیہ کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے لئے اِسی دین کو ہم نے پسند کیا ہے۔

اِس کے بعد دوسرا دَور غلبۂ اسلام بر دیگر ادیانِ باطلہ کا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بوضاحت مذکور ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ۔ اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ تکمیلِ اشاعت کا کام آخری زمانہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوگا جس کی طرف اشارہ و اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم میں بھی ہے۔

جس طرح تکمیلِ شریعت کا کام ایک نبی کے ذریعہ سے ہوا اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے دَور کے لئے بھی ایک نبی ہی برپا ہو جس کے ذریعہ سے تلاوت آیات تعلیم حکمت

اس کیلئے خلوص کا کام انجام پذیر ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر تکمیلِ اشاعتِ دین کا کام ناممکن ہے۔ اور یہ چار مقاصد بھی غیر نبی باحسن الوجوہ انجام نہیں دے سکتا۔ ہر دُو دَور ایسی جماعت کا تقاضا کرتے ہیں جو تقویٰ و طہارت میں نمونہ ہو۔ خدا کی بادشاہت قائم کرنے والی ہو، ایثار و قربانی ان کا طریقِ کار ہو، دین کی عزت کو دُنیا کی خواہشات پر مقدم رکھنے والی ہو۔ اس لئے ضروری ہؤا کہ ہر دُو دَور میں ایک پارسا جماعت قائم کی جائے۔

احمدیت جس بلند مقصد کو لیکر اُٹھی ہے وہ کوئی معمولی مقصد نہیں، بلکہ احمدیت دُنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتی ہے۔ احمدیت اسلام کی مٹی ہوئی شان و شوکت کو پھر دوبارہ زندہ کرنا چاہتی ہے۔ احمدیت اس اخلاص اور محبت کو جو صحابہؓ کے اندر تھی دوبارہ دُنیا میں ظاہر کرنا چاہتی ہے۔ احمدیت اسی جوشِ ایمان اور ایثار و قربانی کا مظہر بننا چاہتی ہے۔ کیونکہ وہ خدا جس نے مسیح موعودؑ کو بھیجا ہے اس نے خود کہا اور مسیح موعودؑ سے کہلوایا کہ :-

"ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔" (تذکرہ)

یہ اہم مقصد و مطمح نظر آسانی سے پیدا نہیں ہوگا اس کے لئے ہمیں مشکلات کو برداشت کرنا ہوگا۔ جب تک ہم میں سے ہر ایک فرد خدائی صفات کا مظہر نہ ہوگا، جب تک ہم میں سے ہر ایک فرد نیکی کا فرشتہ اور پاکیزگی کا مجسمہ نہ ہوگا یہ کام نہیں ہو سکتا۔

مطمح نظر کی صورت و تجزیہ

ہمارے مطمح نظر کے تحت میں ایک لحاظ سے اگر ہم چاہیں تو بہت سے امور بھی لا سکتے ہیں مثلاً (۱) زندہ ایمان پیدا کرنا۔ اس ضمن میں بھی ہمارے مقاصد وسیع سے وسیع تر ہو سکتے ہیں۔ اللہ پر ایمان۔ اسکے ملائکہ پر، یوم آخر پر، قضاء و قدر پر، اس کی کتابوں پر ایمان۔ غرض اس کی کافی شقیں پیدا کی جا سکتی ہیں اور وہ سب کی سب ایسی ہیں جو مطمح نظر سے باہر نہیں ہیں بلکہ اسمیں شامل ہیں۔

دوسرے نمبر پر یہ کہ اسلام کی خوبیوں کو، اس کے دلائل و براہین کو، اس کے دلائل و حجج کو دُنیا کے سامنے مبرہن طور پر اس کی اصلی اور حقیقی صورت میں پیش کرنا ہے۔ لوگوں کے غلط خیالات کو صحیح اور درست کرنا ہے۔ اس کے متعلق بدگمانیوں کو دُور کرنا ہے۔ اور اسی طرح اسی قسم کے اور اس کے لوازمات سرانجام دینا بھی ہمارا مطمح نظر ہے۔ کیونکہ تکمیلِ اشاعت کیلئے یہ چیزیں ازبس ضروری ہیں۔

تیسرے نمبر پر مثلاً یہ کہ پھر جو حملے اسلام پر ہوں، جو اعتراضات اس پر وارد ہوں دشمن

اسلام کے خلاف جو حربے استعمال کرے اُس کا دفاع کرنا بھی ہمارا عین فرض اور مطمح نظر ہے۔ جو قوم اپنے دفاعی مورچے تیار نہیں کرتی وہ ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی۔

چوتھے نمبر پر مثلاً یہ کہ آخرکار جب دُنیا آستانۂ وحدت پر متحد ہو جائیگی اور وہ دُنیا حال کی دُنیا نہ رہیگی اُس وقت اسلامی شریعت کا نفاذ کیا جائیگا۔ اُسوقت امن ہوگا، سلامتی ہوگی، وہ پیغام جو صلح و امن کا شہزادہ اِس دُنیا کے لئے لایا تھا حقیقی طور پر جلوہ گر ہوگا۔ اور وہ دن یقیناً اسلام کی صداقت کا دن ہوگا۔ کفر والحاد مٹ چکا ہوگا۔ تمام اندھیروں کو خدا تعالیٰ کے نور کی شعاعیں منور کر رہی ہونگی۔ عیسائیت کی تباہ کاریوں کا خاتمہ ہوگا۔ دجّال کے دجل و فریب کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اُڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔ اور ضروری ہے کہ فتنہ پاش پاش ہو کہ مسیح موعودؑ کے آنے کی یہی غرض ہے۔ اور وہ پوری ہو کر رہیگی جیسے کہ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"مَیں ہر دم اسی فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔ میرا دل مُردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے۔۔۔۔ مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئیگی۔ نیز اب اس کا بیٹا ضرور مریگا۔۔۔۔ اور وہ تمام استعدادیں بھی مرینگی جو جھوٹے خداؤں کو قبول کر لیتی تھیں۔ نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھیگا۔۔۔۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹیگا نہ کُند ہوگا۔ جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔۔۔۔۔ اُسدن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہیگا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔"

مطمح نظر کی موٹی دو صورتیں

مطمح نظر کو دو شقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو قومی اور اجتماعی رنگ رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے نظام دُنیا پر اُتر پڑے گا۔ ایک نیا نظام قائم ہوگا۔ اور نئی دُنیا ہوگی۔ اس کے متعلق خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے ہیں اور بشارتیں ہیں جن کا کچھ ذکر پہلے گذر چکا ہے اور کچھ بعد میں کیا جائیگا۔

دوسرا حصہ مطمح نظر کا وہ ہے جو انفرادی حیثیت رکھتا ہے جس کا تعلق ہر فردِ اسلامی ذات کے ساتھ ہے۔ اور وہ گویا براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کی اُن تعلیمات کا مخاطب ہے جو اصلاحِ نفس کے لئے آپ نے اپنی جماعت کو دیں۔ اور نیک اعمال کی تحریک کی ہے تقویٰ اللہ

حفاظت کی ہدایات دی ہیں۔

اجتماعی اور قومی ترقی کے متعلق جیسا کہ حضورؓ نے بارہا فرمایا ہے کہ ہمارا مقصد اور مطمح نظر اس دُنیا میں عظیم الشان انقلاب پیدا کرنا ہے۔ حتّٰی کہ خدا نے فرمایا "مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" اور ایک دن کی یہ حالت ہوگی کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

تبلیغ کا کناروں تک پہنچنا اپنے اندر ایک وسیع حقیقت رکھتا ہے۔ اس سے یہ مُراد نہیں کہ چار پانچ آدمی دُنیا کے کناروں کے احمدی ہو جائیں تو یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ بلکہ دراصل اس سے مقصد یہ ہے کہ احمدیت دُنیا کے کناروں تک اچھی طرح پھیل جائیگی۔

مطمح نظر کے ۳ حصے

ہمارا مطمح نظر نظام نَو کی تعمیر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کیا ہوگا اور کیسے ہوگا۔ اس کے متعلق مَیں محترم ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کے ایک مضمون سے کچھ حصہ وضاحت کے لئے سامنے لاتا ہوں۔ آپ نے نظام نو سے یہ مراد لیا ہے:۔

"باصفا متقی انسانوں کی ایک ایسی مقدس جماعت جن کے دلوں، دماغوں، جانوں اور جسموں پر مبارک شریعت غرّائے اسلام کو کھڑا کیا جا سکے۔ اور جسے کوئی زلزلہ، کوئی پانی، کوئی جانور، کوئی بوسیدگی اور کوئی حملہ دشمن کا کمزور نہ کر سکے . . . ." چنانچہ دُنیا کی دیگر تعمیروں کی طرح اس بنیاد کے لئے بھی ۳ چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) ایمان، یقین اور تقویٰ اللہ۔ (۲) ایسے لوگ جو ان صفات سے بکمال متصف ہوں۔ (۳) نہ صرف کچھ لوگ ایسے ہوں بلکہ جہاں جہاں اور جس جس مُلک میں یہ نظام پھیلتا چلا جائے وہاں ان کی اکثریت ہو اور ہوتی چلی جائے۔ پس یہی چیز احمدیت کا مطمح نظر ہے۔

اس موضوع کے تحت میں "کیسے" ہی کے متعلق بیان کرنا نہیں آتا بلکہ "کیا؟" کے متعلق بھی بیان کرنا ہے۔ مجمل لفظ جس کے لئے صرف یہ ہے کہ "صحیح حقیقی اسلامی نظام کو دُنیا میں قائم کرنا"

دُنیا کے نظام مختلف حصوں میں منقسم ہیں۔ تمدنی نظام ہے، معاشرتی نظام ہے۔ اسکے علاوہ اخلاقی اور مذہبی نظام جس کی بنا مادہ روحانیت پر رکھنا ہی صحیح ہے۔ غرض یہ تمام نظام جو دُنیا میں نظر آتے ہیں ان تمام کو بدل کر اسلامی نظام میں تبدیلی کرنا ہمارا مقصود ہے۔ اور اسی طریق پر دُنیا کا امن قائم ہو سکتا ہے۔ اس نظام کے قائم کرنے میں "نظام الوصیت" کا بڑا حصہ ہوگا۔ اسکے ذریعہ سے لوگوں کو امن ملیگا، غرباء کو پیٹ بھر کر کھانا دیا جائیگا، آسودہ حالی کا دَور دَورہ ہوگا، تمام دُنیا کی جائدادوں کا کثیر حصہ احمدی حکومت کے زیر انتظام ہوگا اور اس سے لوگوں کی ضروریات کا خیال

دیکھا جائیگا اور ہر ایک محتاج کی حاجت روائی کیجائی - اور در اصل یہی مطمح نظر ہے جس کی کوشش میں ہر احمدی کو کوشاں رہنا ضروری ہے -

ذریعہ حصول اس نظام کے حصول کیلئے دو چیزیں نہایت ضروری ہیں اور انہی کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں توجہ دلائی ہے - ایک امر انفرادی اور اجتماعی تبلیغ کا کام ہے جس کے ذریعہ سے جماعت پھیلیگی اور اسکی کثرت ہوتی چلی جائیگی - یہانتک کہ تمام روئے زمین پر احمدیوں کا ہی غلبہ دکھائی دے گا -

دوسرا قدم جو اسکے ساتھ ساتھ ہی جاری رہیگا اور جس کا جاری رہنا نہایت ہی ضروری ہے - وہ تربیتِ افراد اور جماعت کا کام ہے - یہ کام اگر صحیح رنگ میں نہ ہوسکا تو پھر تبلیغ بالکل بے نتیجہ ثابت ہوگی - اس کثرت کا کوئی فائدہ نہیں ہے جسکے قلوب میں نورِ ایمان کی شمع نہ جل رہی ہو - اگر احمدیوں کے اخلاق اچھے نہ ہونگے تو وہ احمدی کس کام کا - پھر انقلاب کیا پیدا ہوا اور مسیح موعود کی بعثت بالکل بیکار اور اکارت جائیگی - پس یہ انقلاب ایک حقیقی تبدیلی کا طلبگار رہے - پچھلی عمارت جو بوسیدہ اور خراب ہوچکی ہے - لوگوں نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اسکو بالکل مسمار کرکے ایک نئی عمارت قائم کی جائیگی - تاکہ وہ اہم مقصد جسکے لئے خدا نے اپنے مسیح کو بھیجا ہے وہ پورا ہو - ورنہ اہالیانِ حکومت کے صرف نام بدلنا جبکہ ان کے دل احمدیوں کے دل نہ ہوں گے کوئی حقیقت نہیں رکھتا - جیساکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنے خطبۂ جمعہ میں فرماتے ہیں :-

"ایک تیسرا گروہ احمدیوں کا ہے جو سمجھتا ہے کہ احمدیوں کیلئے بادشاہت مقدر نہیں بلکہ ایک عظیم الشان انقلاب مقدر ہے - اور جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ احمدیت کو دُنیا میں پھیلا دیگا ، اور طاقت احمدیوں کے ہاتھ میں آجائیگی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکومت اسی طرح جس طرح کہ اب دوسروں کے ہاتھ میں ہے احمدیوں کے ہاتھ میں منتقل ہوجائیگی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک ڈاکٹر جسم کے گندے پھوڑے کو چیر پھاڑ کر صاف کرتا اور گندہ مواد نکالکر اُسے دھوتا ہے اسی طرح ایک وقت آنیوالا ہے جب احمدیوں کے ہاتھ میں نشتر دیا جائیگا اور وہ سر سے لیکر پیر تک جسمِ انسانی کو پھاڑینگے اور ہر جگہ سے پیپ اور گندے مواد کو خارج کرکے اور دھو دھا کر صاف کرکے ٹانکے لگائینگے - اور صحیح احمدی وہی ہے جو اس بات کو سمجھتا ہے - ایسا احمدی معلوم کرتا ہے کہ قرآن کریم دُنیا میں کس قسم کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اور خوب سمجھتا ہے کہ میرے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں - رسول کریم صلعم کا مقصد کیا تھا - حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیا مشن لیکر آئے تھے اور کس قسم کا تغیر دُنیا میں پیدا کرنا چاہتے تھے اور اس

تغیر کو پیدا کرنے کے صحیح ذرائع کیا ہیں؟ اقتصادی طور پر کیا ذرائع اختیار کرنے چاہئیں کہ دُنیا سے اس اقتصادی نظام کو منوایا جاسکے جو اسلام دُنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ کونسے علوم ہیں جو سیکھوں تاکہ دُنیا کو بھی اس طرح سکھا سکوں۔ وہ سائنس، اخلاق، فلسفہ غرضیکہ ہر شعبہ علم کے متعلق سوچتا ہے کہ انہیں اسلامی تعلیم کے مطابق کرنے کے لئے کیا تبدیلیاں ضروری ہیں۔"

سچا احمدی

پھر فرماتے ہیں۔ "صحیح معنوں میں احمدی وہی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ احمدیت کے دُنیا میں غالب آجانے کے معنے یہ ہیں کہ یورپ، امریکہ، جاپان، چین غرضیکہ دُنیا کے ہر ملک کے بڑے بڑے مؤرخ، فلاسفر، سائنسدان لائے جائینگے اور ان سے کہا جائیگا کہ یہ تمہارے شاگرد ہیں انکو پڑھاؤ اور پھر اسکے لئے تیاری کرتے ہیں۔ تم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ کتنے ہیں جو ان لوگوں کو پڑھا سکینگے۔"

پھر فرماتے ہیں۔ "کہ رسول کریم صلعم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کرنیوالا وہی ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ آپکی بعثت کی غرض یہ ہے کہ دُنیا کے خیالات، عقائد اور مذاہب میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جائے کہ جسے پیدا کرنا اسلام کا مقصد ہے اور یہی ایک ایسی چیز ہے جسے تسلیم کر کے ہم دُنیا کے سامنے گردنیں بلند کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایک ایسے مقصد کو لیکر کھڑے ہوئے ہیں جو دُنیا میں اور کسی کا نہیں۔" (الفضل ۲۳ اپریل)

حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بارہا جماعت سے خطاب کر کے اُسے اسکی ذمہ داریوں اور اصلاحی امور کیطرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ کشتی نوح میں حضورؑ فرماتے ہیں۔ "سوا اے وے تمام لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اُسوقت میری جماعت شمار کئے جاؤگے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے ... کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے ... خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔"

پھر فرماتے ہیں۔ "یہ مت خیال کرو کہ ہمنے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا۔ دیکھو میں یہ کہکر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اسکو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔ دعا کرو دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے۔ جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دُنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کیطرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص حقیقت

دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے اور رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص بدرفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصوروار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص امور معروفہ میں میری اطاعت کرنے کیلئے طیار نہیں ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم۔ دروغگو۔ جعلساز اور ان کا ہمنشیں اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانیوالا۔ جو افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے۔" یہ وہ ہمارا مطمح نظر ہے جس کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا ہر سچے احمدی کا فرض اولیں ہے۔ اور یہی وہ گر ہے جس کے واسطہ سے ہم اسلام کا حقیقی گوہر مقصود حاصل کر کے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ قومی ترقی کا سارا انحصار انفرادی اصلاح پر مبنی ہے۔ اگر اس بنیاد کو ہٹا دیا جائے تو عمارت کھڑی نہیں رہ سکتی۔

پھر تقریر جلسہ سالانہ سنہ ۱۹۰۶ء میں حضور فرماتے ہیں :- "ایسا نہ ہو کہ بار بار تم مجھ سے یہ نصائح سنو اور پھر عمل نہ کرو۔ ہنگامہ پردازی سے بچو۔ دشمنوں کے ساتھ نرمی کرو۔۔۔ خدا کو راضی کرو۔ لا الہ الا اللہ کا یہی مضمون ہے۔ اگر تم لوگوں کو راضی رکھنے کیواسطے مداہنہ سے پیش آؤ گے تو اس میں تمہیں ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اپنی تقریر جلسہ سالانہ سنہ ۱۹۱۶ء میں فرماتے ہیں :- "تم یہ مت سمجھو کہ اب ہمیں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ایسا خیال کریگا وہ گر جائیگا۔ اسلئے ہر دم اور ہر گھڑی آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاؤ۔" یہ تمام امور ہمارے مطمح نظر ہیں جن کو مختلف رنگوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اسلام چونکہ انسان کو حقیقی انسانیت کا مظہر بنانے آیا ہے اسلئے انسانیت کے مفہوم کے اندر یہ تمام امور

[illegible] آجاتے ہیں۔ انسان اگر صحیح انسان بننے کی کوشش کرے تو درحقیقت یہی احمدیت کا مطمح نظر ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمۂ مسیحی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:۔ "خدا میرے ہاتھ پر ایسی تبدیلی پیدا کر یگا کہ گویا آسمان و زمین نئے ہو جائینگے۔ اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔" احمدیت کا مطمح نظر سفرِ آخرت کیلئے صحیح رنگ میں تیار ہونا بھی ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین میں فرماتے ہیں:
"اے میری جماعت خدا تعالیٰ آپ لوگوں کیساتھ ہو۔ وہ قادر کریم آپ لوگوں کو سفرِ آخرت کیلئے ایسا طیار کرے جیسا کہ آنحضرت صلعم کے اصحاب طیار کئے گئے تھے۔ خوب یاد رکھو کہ دُنیا کچھ چیز نہیں ہے لعنتی ہے وہ زندگی جو محض دنیا کیلئے ہے۔ ایسا انسان اگر میری جماعت میں ہے تو وہ عبث طور پر اپنے تئیں میری جماعت میں داخل کرتا ہے کیونکہ وہ اس خشک ٹہنی کی طرح ہے جو پھل نہیں لائیگی۔"
پھر فرماتے ہیں:۔ "اے میری عزیز جماعت یقیناً سمجھو کہ زمانہ اپنے آخر کو پہنچ گیا ہے اور ایک صریح انقلاب نمودار ہو گیا ہے۔ سو اپنی جانوں کو دھوکہ مت دو اور بہت جلد راستبازی میں کامل ہو جاؤ۔"
پھر فرماتے ہیں:۔ "خدا اس جماعت کو ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جسکے نمونہ سے لوگوں کو خدا یاد آئے۔ اور جو تقوے و طہارت کے اوّل درجہ پر قائم ہوں۔ اور جنہوں نے درحقیقت دین کو دُنیا پر مقدم کر لیا ہو لیکن وہ مفسد لوگ جو میرے ہاتھ کے نیچے ہاتھ رکھکر اور یہ کہکر کہ ہمنے دین کو دُنیا پر مقدم کیا پھر وہ اپنے گھروں میں جا کر ایسے مفاسد میں مشغول ہو جائیں کہ صرف دُنیا ہی دُنیا اُنکے دلوں میں ہوتی ہے۔ نہ اُنکی نظر پاک ہے، نہ اُنکا دل پاک ہے اور نہ اُنکے ہاتھوں سے کوئی نیکی ہوتی ہے اور نہ اُن کے پیر کسی نیک کام کیلئے حرکت کرتے ہیں اور وہ اُس چوہے کیطرح ہیں جو تاریکی میں ہی پرورش پاتا ہے اور اسی میں رہتا اور اسی میں مرتا ہے وہ آسمان پر ہمارے سلسلہ میں سے کاٹے گئے ہیں۔"
یہ تمام نصائح حضورؑ بار بار اسلئے فرماتے ہیں کہ یہ امور ہمارے پیش نظر رہیں۔ یہی ہمارا مقصود ہو اور یہی ہمارا مطمح نظر۔ اگر اس حد تک ہماری اصلاح ہو جائیگی تو جماعتی طور پر بھی کامیابی ہمارے قدم چومیگی اور پھر وہ دن قریب تر ہوگا بلکہ وہی دن ہوگا جو حقیقی انقلاب کیلئے مقدر ہے۔

نئے نظام کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "کھنڈر کو صاف کرنا کوئی بُرا کام نہیں بلکہ بعض اوقات نقصان دہ ہوتا ہے . . . اور وفات مسیح کو تسلیم کرنیکے یہ معنے ہیں کہ ہمنے اس کھنڈر کو ہٹا دیا ہے کسی کھنڈر کو اگر ہٹا دیا جائے تو اسکی یہ غرض ہوتی ہے کہ وہاں نئی عمارت بنائی جائے . . . پس نئی عمارت کا بنایا جانا زیادہ اہم ہے اور وہی دراصل مقصود ہے . . ."
پھر فرماتے ہیں:۔ "پس اسکی حفاظت کیلئے پہلی چیز تو یہ ہے کہ ہم اسے پھیلا دیں تا اگر اکثر حکومتیں بھی اسے

مٹا دیں تب بھی ایسی جگہیں باقی رہ جائیں جہاں احمدیت پوری شان کیساتھ قائم ہو اور ترقی کی طرف قدم اٹھاتی دوسرے اُسے زمانہ کے لحاظ سے قائم کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم اُسے ساری دُنیا میں قائم کر دیں لیکن ہماری آئندہ نسلیں احمدیت پر مضبوط نہ ہوں تو ہماری ساری محنت رائیگاں جائیگی ... پس ہمارا فرض ہے کہ اُسے نہ صرف مقام کے لحاظ سے بلکہ زمانہ کے لحاظ سے بھی مضبوط کریں اور اُسے سینکڑوں ہزاروں سال تک پھیلانے کا انتظام کریں۔" (الفضل ۱۵ نومبر ۳۸ء)

پھر انہی دو صورتوں کا دوسری جگہ وضاحت سے ذکر فرماتے ہیں:۔ "غرض احمدیت کی ترقی کیساتھ اسلام کی ترقی اور اسلام کی ترقی کیساتھ دُنیا کی ترقی وابستہ ہے اور دو کام کرنے احمدیت کی ترقی کیلئے نہایت ضروری ہیں (یعنی پہلے تو اسلام اور دُنیا کی ترقی بطور مطمح نظر ذکر ہوئے ہیں۔ پھر اسکے بعد ذریعہ حصول ذکر کیا گیا ہے۔ ناقل) ایک تعلیم و تربیت کا اور دوسرا تبلیغ و اشاعت کا۔ انکے بغیر نہ جماعت پھیل سکتی ہے اور نہ اسکے پھیلنے کا کوئی فائدہ ہے .... فرض کرو احمدی ساری دُنیا میں پھیل جائیں مگر مذہبی، سیاسی، اقتصادی، تمدنی اور تعلیمی ماحول وہی رہے جو پہلے تھا تو ایسی احمدیت کے پھیلنے کا فائدہ کیا۔ اور اگر احمدیوں میں وہ روح نہ ہو جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور ایک ظالم کی بجائے اگر دوسرا ظالم کھڑا ہو گیا تو اس سے بنی نوع انسان کو کیا فائدہ پہنچیگا پس تبلیغ اور تعلیم و تربیت دو نہایت ہی اہم کام ہیں۔" (الفضل ۱۴ نومبر ۳۸ء)

ان مذکورہ بالا حوالجات میں احمدیت کا مطمح نظر جس احسن پیرایہ میں حضور نے بیان فرمایا ہے وہ گویا تمام تفصیلات کی روح ہے۔ اصل مقصد اس سے یہی ہے کہ ایک نئی اسلامی دُنیا کے پیدا کرنے کی طرف ہماری تمام توجہ صرف ہو۔ وہی ہر وقت ہمارے پیش نظر ہے اور اسی کو ہم اپنی زندگی کا مقصود تصور کریں۔

انسان کا مقصود

اگر اس مضمون کو ہم اور زیادہ مختصر کرنا چاہیں اور یہ معلوم کرنا چاہیں کہ کونسی ایک چیز ہے جسکے لئے احمدیت کا قیام ہوا ہے۔ تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت سہل انداز میں ہمارے سامنے رکھدیا ہے۔ احمدیت اور اسلام ہی کا وہ نصب العین نہیں بلکہ ہر جن و انس کا مطمح نظر اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کہ دُنیا کو پیدا کرنے سے مقصد یہی ہے کہ لوگ صرف خدا کے بندے ہو جائیں اور اسی اصل کو کلمہ طیبہ میں بیان کرتے ہوئے دو حصے کر دیئے گئے ہیں:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یعنی دُنیا میں توحید کا قیام تمہارا مقصود ہو۔ اور چونکہ توحید کا عظیم الشان داعی علمبردار اسوقت صرف محمد (صلعم) ہے اسلئے اسکے آستانہ پر گرنا ہی لوگوں کیلئے کامیابی کا موجب ہے۔ کیونکہ یہی توحید کا صحیح راستہ دکھانیوالا کامل انسان ہے پس یہ تمام ہمارے مطامح نظر ہیں جنکو مختلف طرق سے مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ راستے بہت سے نظر آتے ہیں

ہمارا مقصود ایک ہی ہے ہمارا مطمح نظر بہت اہم اور بلند ہے ہمیں ایک عزم کی ضرورت ہے۔

حضور فرماتے ہیں "میں جماعت کے نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں میں ایک عزم اور ارادہ لیکر کھڑے ہوں کہ ہم نے خدا تعالیٰ کو حاصل کرنا ہے"

پھر فرماتے ہیں "موجودہ دُنیا کی کایا پلٹنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ دُنیا کی تہذیب اور دُنیا کے تمدن کی عمارت جو اس وقت قائم ہے اسکی صفائی کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے۔ اسکی لپائی کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے۔ اسکو پوچنے کیلئے... اسپر رنگ اور روغن کرنے کیلئے... اس کا پلستر بدلنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے۔ اسکی چھت پرمٹی ڈالنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے... بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسلئے بھیجا ہے کہ توڑ دو اس تہذیب و تمدن کی عمارت کو جو اسوقت کھڑی ہے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اس قلعے کو جو انسانوں نے اسمیں بنایا ہے۔ اسے زمین کیساتھ لگا دو۔ بلکہ اسکی جڑ اکھیڑ کر پھینکدو۔ اور اسکی جگہ وہ عمارت کھڑی کرو جس کا نقشہ میں تمہیں دیتا ہوں... اسکی جگہ نئی عمارت بنانا جو قرآن کریم کے بتلائے ہوئے نقشہ کے مطابق ہو۔ ہمارا کام ہے۔" (مشعل راہ)

اسی ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"ہم نے دُنیا کی موجودہ سلطنتوں کو، دُنیا کے موجودہ مذاہب کو، اور دُنیا کے موجودہ تمدن کو، دُنیا کی اقتصادی انجمنوں کے نظام کو اور ان سب کو بدلکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام کو قائم کرنا ہے... ہمارے سامنے ایک ہی بات ہونی چاہئے اور وہ یہ کہ ہم اس ذمہ داری کو پوری طرح ادا کریں جو خدا تعالےٰ نے ہم پر رکھی ہے۔ اور ہم اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو اپنی طاقتوں اور سامانوں کو کلی طور پر اس لئے صرف کریں کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت جس طرح آسمان پر ہے زمین پر بھی قائم ہو" (الفضل ۲۷ر دسمبر ۴۸ء)

اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ان مقاصد کے حصول کی توفیق عطاء فرمائے مطمح نظر بہت بلند اور منزل بہت کٹھن ہے۔ اور جب تک اس کی تائید شامل حال نہ ہو ہمارے ناکارہ وجود کیا کام کرسکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق ٭

وادیٔ بکہ میں برکاتِ شریعت کا نزول

کتاب زبور میں ــــ ایک عظیم الشان پیشگوئی

ــــ (از جناب شیخ عبدالقادر صاحب اکونٹنٹ کالونی غلہ منڈی بہاولپور)

(ا) اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ... قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۳/۹۸ تا ۹۵)

"پہلا گھر جو لوگوں کے افادہ (روحانی) کیلئے تعمیر کیا گیا یقیناً وہی ہے جو بکہ میں ہے۔ وہ برکت دیا گیا ہے اور اقوامِ عالم کیلئے ہدایت و رُشد کا موجب ہے۔ اس کے متعلق بڑی کُھلی پیشگوئیاں ہیں مقامِ ابراہیم اسی میں ہے۔ اور جو اس میں داخل ہوگیا وہ گویا امن میں آگیا ... کہو اے اہلِ کتاب کیوں اُسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو جو ایمان لائے تم اس کیلئے ٹیڑھا پن چاہتے ہو حالانکہ تم خود اسکی عظمت کے گواہ ہو اور اللہ غافل نہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔"

(ب) پھر آیاتِ تحویلِ کعبہ میں بھی یہی اشارہ کیا گیا فرمایا ... وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۲/۱۴۲)

"اہلِ کتاب صُحفِ سماوی کی رُو سے خوب جانتے ہیں کہ یقیناً وہ (کعبۃ اللہ) تیرے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ غافل نہیں اس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔"

اِن آیاتِ بیّنات سے صاف ظاہر ہے کہ بیت اللہ کے بارہ میں صُحفِ سماوی میں کُھلی کُھلی پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اسی سلسلہ میں اب وادیٔ بکہ اور کعبۃ اللہ کے متعلق کتابِ زبور کی ایک روشن پیشگوئی درج کی جائیگی جو پیشگوئی کہ قرآن مجید کے مذکورہ دعویٰ پر صاد کر رہی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے علم پاکر مکہ معظمہ اور کعبۃ اللہ کے متعلق ایک پیشگوئی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اِس مقدس شہر اور اِس مقدس گھر کی زیارت کیلئے بیتاب ہیں یہ پیشگوئی وادیٔ بکہ میں برکاتِ شریعت کے نزول اور ایک مقدس انسان اور اسکی مقدس اُمت کے ذکر پر مشتمل ہے۔

زبور ۸۴ باب

"اے لشکروں کے خداوند تیرے مسکن کیا ہی دلکش ہیں۔ میری روح خداوند کی بارگاہوں کیلئے آرزو مند بلکہ غش ہوتی ہے۔ میرا دل اور میرا جسم زندہ خدا کیلئے گیت گاتا ہے۔ چڑیا کو ٹھکانا مل گیا اور ابابیل کو گھونسلا جہاں وہ اپنے بچے رکھے۔ تیرے مذبح اے لشکروں کے خداوند میرے بادشاہ میرے خدا۔ مبارک وہ ہیں جو تیرے گھر میں بستے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ تیری ستائش کرینگے۔ سلاہ۔ مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے جنکے دل میں تیری ہی شاہراہیں ہیں۔ وہ بکا کی وادی میں سے گذرتے ہوئے اُسے ایک چشمہ بناتے ہیں بلکہ پہلی برسات اُسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی ہے۔ وہ قوت سے قوت تک (یا قافلہ بہ قافلہ) ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کے آگے صیہون میں حاضر ہوتے ہیں۔

اے خداوند ربُّ الافواج میری دُعا قبول کر۔ اے یعقوب کے خدا کان دھر۔ دیکھ اور اپنے ممسوح کے چہرے پر نظر کر کیونکہ تیری بارگاہوں میں میرے لئے ایکدن ایک ہزار سے بہتر ہے۔ میرے لئے خدا کے گھر کی دربانی شریروں کے خیموں میں رہنے کی نسبت بہتر ہے۔ کیونکہ خداوند ایک آفتاب ہے اور سپر ہے۔ خداوند فضل اور جلال بخشتا ہے۔ ان لوگوں سے جو صراط مستقیم پر قدم مارتے ہیں کوئی اچھی چیز دریغ نہ کرے گا۔ مبارک وہ انسان جسے تیرا بھروسا ہے۔"

تراجم میں اختلاف

پیشتر اسکے کہ اس پیشگوئی کو واقعات سے مطابقت دیجائے یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مذکورہ زبور کی ایک آیت کے ترجمے میں اختلاف کیا جاتا ہے۔

(۱) پراٹسٹنٹ بائیبل میں وہ آیت یوں ہے "پہلی برسات اُسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی ہے۔"

(۲) کیتھولک بائیبل میں یہ ہی الفاظ ترجمہ کیا گیا ہے "کیونکہ واضع قانون (یعنی شریعت وضع کرنیوالا یا نازل کرنیوالا) ان کو برکتوں سے ڈھانپ دیگا۔

(۳) عربی بائیبل مطبوعہ بیروت سال ۱۹۱۲ء میں یہ ساری آیت اس طرح درج ہے "عابرین فی وادی البکاء یصیرونہ ینبوعاً ایضاً ببرکات یغطون مورة"۔ "وہ وادی البکاء میں گذر کرتے ہوئے اُسے ایک کنُواں بناتے اور برکتوں سے مورة کو ڈھانک لیتے ہیں"۔ ظاہر ہے کہ پہلے دو ترجموں میں مقام مورة کا ذکر مفقود ہے۔ شاید اس مقام کی تعیین نہ ہو سکنے کے باعث اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے یا پھر یہ تحریف لفظی ہے۔

پیشگوئی کا استقصا

مندرجہ بالا پیشگوئی میں ذیل کی نو (۹) باتیں قابلِ غور ہیں:-

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کسی مقدس مقام کی زیارت کیلئے بیتاب ہیں جو انکے وطنِ مالوف سے کہیں دور ہے
(۲-۳) جس میں بیت اللہ ہے اور قربان گاہ بھی ہے۔
(۴) وہ مقام وادیٔ بکاء کے نام سے مشہور ہے۔
(۵) وہی مقام مورہ بھی ہے جو کہ برکتوں سے ڈھانپ دیا جائیگا۔
(۶) وہاں ایک مقدس انسان اور اسکی مقدس امت کے ذریعہ جنکو خدا تعالیٰ کی طرف سے قوت دی گئی ، ہمیشہ خدا کی ستائش ہوگی۔
(۷) وہاں ایک شریعت نازل کی جائیگی جسکی آبشاریں اس وادی کو سیراب کریں گی۔
(۸) مذکورہ انسان کی اُمت قافلہ بہ قافلہ ترقی کرتی جائیگی یہانتک کہ خدا کے آگے صیہون میں حاضر ہوگی۔
(۹) اس اُمت سے جو کہ صراطِ مستقیم پر چلنے والی ہے دُنیا کی کوئی اچھی چیز دریغ نہ کی جائے گی۔
یہ نونشانات دُنیا کی تاریخ میں صرف آنحضرتؐ اور آپ کی مقدس امت میں ہی جمع کئے گئے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

وادیٔ غیر ذی زرع کیلئے اشتیاق

مذکورہ زبور کو بغور پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کسی مقدس مقام کی زیارت کیلئے بیتاب ہیں اور کہتے ہیں "خداوند تیرے مسکن کیا ہی دلکش ہیں۔ میری جان خداوند کی بارگاہوں کیلئے آرزومند بلکہ گداز رہتی ہے۔" "تیری بارگاہوں میں میرے لئے ایکدن ایکہزار سال سے بہتر ہے پس صاف ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جس مقام کی زیارت کیلئے ہمہ تن مشتاق ہیں وہ ان کے وطنِ مالوف سے دُور ہے۔ ورنہ یروشلم اور بیت مقدس کی زیارت تو انکو ہر آن نصیب تھی۔ یا ان کیلئے بالکل سہل الحصول تھی۔ چنانچہ اپنی ایک دوسری زبور میں یہ وضاحت کر دیتے ہیں۔ فرمایا :-

"اے خدا تو میرا خدا ہے۔ میں صبحدم تجھکو تلاش کروں گا۔ میری جان تیری پیاسی ہے اور میرا جسم خشک ماندہ اور دھوپ کی جلی ہوئی زمین میں جہاں پانی نہیں تیرا مشتاق ہے۔ تاکہ تیری قدرت اور تیری حشمت کو دیکھے جیسا کہ میں نے بیت مقدس میں دیکھا ہے۔" (زبور ۱-۲/۶۳)[۱]

اس زبور سے ظاہر ہے کہ بیت مقدس کا وصال تو ان کو حاصل ہے۔ انکا دل مشتاق ہے تو کسی

[۱] زبور ۶۳ باب کا عنوان ہے "داؤد کا زبور جب وہ دشتِ یہودہ میں تھا"۔ اس عنوان سے کسی کو دھوکا نہ لگے اس قسم کے سب عنوانات فرضی ہیں۔ چنانچہ پادری ولیم جی بلیکی صاحب ڈی ڈی اپنی کتاب تاریخ بائبل کے صفحہ

ایسی سرزمین کیلئے جو بیت مقدس سے دور ہے۔ جو خشک اندھا اور دھوپ میں جلی ہوئی زمین ہے۔ جہاں پانی نہیں تھا۔ اس سرزمین میں حضرت داؤد علیہ السلام خدا تعالیٰ کے جلوہ کیلئے آرزومند ہیں۔ یہ وہی زمین ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں "وادی غیر ذی زرع" قرار دیا گیا۔ حدیث میں ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدہ ہاجرہ کو اس زمین میں تنہا چھوڑ کر واپس جانے لگے ہیں تو آپ پوچھتی ہیں۔ یا ابراھیم این تذھب وتترکنا بھذا الوادی الذی لیس فیہ انس ولا شیئ۔ (بخاری کتاب الانبیاء) کہ اے ابراہیمؑ! کہاں جاتے ہو ہمیں ایسی وادی میں چھوڑتے ہوئے جہاں نہ کوئی متنفس ہے نہ کوئی اور چیز۔ یہی وادی ہے جس کا ذکر زیرِ نظر زبور میں ہم پاتے ہیں۔

وادیٔ بکا میں برکاتِ شریعت کا نزول!

آگے حضرت داؤد علیہ السلام خود وضاحت فرما دیتے ہیں کہ وہ مقام جسکی زیارت کے لئے میری آنکھیں ترس رہی ہیں اور جس کیلئے میری جان پیاسی ہے وہ وہی ہے جسے وادی البکاء کہتے ہیں جس میں خدا کا گھر ہے اور قربانگاہ بھی۔ جس مقام میں ایک مبارک انسان اور اسکی مقدس اُمت وارد ہوگی۔ فرمایا :-

"تیرے مذبح اے لشکروں کے خداوند میرے بادشاہ اور میرے خدا + مبارک وے ہیں جو تیرے گھر (بیت اللہ) میں بستے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ تیری ستائش کرینگے۔ مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے۔ انکے دلوں میں (منازلِ سلوک طے کرنے کیلئے) تیری طرف سیڑھیاں ہیں۔ وہ بکا کی وادی میں سے گذرتے ہوئے اُسے ایک چشمہ بنا دیتے ہیں۔ شریعت نازل کرنیوالا ان کو برکتوں سے ڈھانپ دیگا۔"

ان آیات میں وادیٔ بکہ کی روحانی آبپاشی کا ذکر ہے جوکہ ایک شریعت کے ذریعہ مقدر تھی۔ وہ شریعت ایک ایسے انسان پر نازل ہونیوالی تھی جس میں سب قوت خدا تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کی گئی۔ وہ

بقیہ حاشیہ ص۴۴ - پر لکھتے ہیں۔ "(علمائے بائیبل کیطرف سے) اکثر یہ کوشش کیجاتی ہے کہ داؤدؑ کے زبوروں میں سے ہر زبور کیلئے اس کی زندگی میں سے کوئی ایسا واقعہ تلاش کیا جائے جسکی طرف وہ زبور اشارہ کرتا ہو لیکن یہ کوشش بہت کامیاب نہیں ہوئی۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاید وہ زبور عموماً ایسے مفید نہ ہوتے ..... اگر ہر زبور کیلئے اس کا موقعہ پختگی کے ساتھ ظاہر کیا جاتا۔" پس ظاہر ہے کہ یہ سب عنوان فرضی ہیں اور جب حضرت داؤدؑ کا "دشتِ فاران" یا "حجاز" میں آنا ثابت ہے تو ہم مجاز ہیں کہ اس زبور کو حضرت داؤدؑ کے ورودِ حجاز پر منطبق کریں جبکہ دوسرے قرائن بھی اس کی تائید میں ہیں۔

انسانِ کامل یا ایک پاک اُمت کا پیشوا ہوگا جس اُمت کے ذریعہ ہمیشہ ہمیش کیلئے خدا کی ستائش کی جائیگی۔
یاد رہے کہ بکہ اور مکہ ایک ہی نام کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ چنانچہ مکہ معظمہ کا نام قرآن مجید میں بکہ
وارد ہوا ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
دعا میں اس مقام کو ایک وادی قرار دیا گیا۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع
عند بیتک المحرم۔ پس ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جس وادی بکا کا ذکر کیا ہے وہی
ہے جس کو مذکورہ دعا میں وادی غیر ذی زرع قرار دیا گیا جس میں کعبۃ اللہ موجود ہے۔

"ورودِ صیہون"

"وے قافلہ بہ قافلہ ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کے آگے صیہون میں حاضر ہوتے ہیں"
اب واقعات کی روشنی میں دیکھ لیجئے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت مدینہ منورہ میں
آہستہ آہستہ بڑھتی گئی۔ پھر دس ہزار قدوسیوں پر مشتمل یہ اُمت صیہون یعنی مکہ معظمہ میں داخل ہوئی (صیہون کے
معنے ریتلی اور خشک زمین کے ہیں) اس پیشگوئی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صیہون نہیں جو یروشلم میں ہے
بلکہ وہ صیہون ہے جس کا تعلق وادی بکہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زبور میں وادی بکہ اور صیہون کا ذکر
ایک جا کیا گیا۔ اور ویسے بھی بائیبل سے ثابت ہے کہ دو یروشلم ہیں، ایک ہاجرہ کا اور ایک سارہ کا تو
تو لازماً صیہون بھی دو ہوئے۔ کیونکہ صیہون یروشلم میں واقع ہے پس جس صیہون کا یہاں ذکر ہے وہ وادی
کا صیہون ہے۔ ہاجرہ کا صیہون ہے یروشلم کا صیہون نہیں۔ یہ وہ صیہون ہے جو کہ یوحنا عارف کے مکاشفات
کی رُو سے بعد میں آسمان سے اُترنے والا تھا۔ (مکاشفات ۲۱ باب) ہاں یہ وہ صیہون ہے جس کے متعلق
یسعیاہ نبی کی کتاب سے ثابت ہے کہ یہ صیہون بعد میں مقرر ہوگا۔ (۲۸/۱۶) قیدار کی ساری بھیڑیں اور نبیط کے
سارے مینڈھے جس صیہون کے مذبح پر چڑھائے جائینگے (یسعیاہ ۶۰/۷) (یہ تو ظاہر ہے کہ قیدار اور نبیط
حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹے ہیں (پیدائش ۲۵/۱۳) جن کی نسل عرب خصوصاً حجاز میں آباد ہوئی) گویا یہ عربی صیہون
ہے نہ کہ اسرائیلی صیہون۔ پھر اس صیہون کے لوگوں کی نسبت یسعیاہ نبی کی کتاب میں وہی کچھ لکھا ہے جو زبور
کی پیشگوئی میں بیان ہوا۔ مثلاً اُمت کی قافلہ بہ قافلہ ترقی کا ذکر یسعیاہ نبی کی کتاب میں بایں الفاظ کیا گیا
"تیرے لوگ سب کے سب راستباز ہونگے۔ وے ایک چھوٹے سے ایک ہزار ہونگے اور ایک حقیر سے
ایک قوی گروہ۔ میں خداوند اسکے عین وقت میں یہ سب کچھ کرونگا۔" (یسعیاہ ۶۰/۲۱) ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ
بائیبل کی رُو سے صیہون دو ہیں ایک پرانا ایک نیا۔ اور اسی طرح بیت اللہ بھی دو ہیں ایک بیت المقدس اور

ایک کعبتہ اللہ۔ چنانچہ حجاجی نبی پیشگوئی کرتے ہیں:" رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ ایک دفعہ تھوڑی مدت کے بعد میں آسمان اور زمین اور بحر و بر کو ہلا دونگا۔ اور میں ساری قوموں کو ہلا دونگا اور سب قوموں کا متمنی آئیگا (یعنی قومیں جس کیلئے چشم براہ ہیں وہ آئیگا) اور میں اس گھر کو جلال سے بھر دونگا ..... اور اس پچھلے گھر کا جلال پہلے سے زیادہ ہوگا۔ رب الافواج فرماتا ہے میں اس مکان میں سلامتی اور امن عطا کروں گا۔" (حجاجی ۲/۹ کیتھولک بائیبل)

مقام مورۃ کی تعیین

عربی بائیبل میں ہے۔ .... ببرکات یغطون مورۃ۔ وہ وادی البکا میں سے گذرتے ہوئے اُسے ایک چشمہ بنا دیتے اور برکتوں سے مورۃ کو ڈھانک لیتے ہیں۔"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مقام مورۃ بھی اسی وادیٔ بکا کے آس پاس ہے۔ اگر غور کریں تو مکہ کے پاس کی پہاڑی "مروہ" کے ساتھ یہ نام اور یہ تشریح بالکل منطبق ہوجاتی ہے۔ اور نام میں جو معمولی فرق ہے وہ اختلافِ السنہ کی رعایت سے قابلِ لحاظ نہیں۔

دراصل یہ مقام وہ ہے کہ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے لے گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ذبیح کے راہِ مولیٰ میں سرِ تسلیم خم کر دینے کے عوض میں ایک عظیم الشان قربانی اس کی یادگار قرار دے دی ہے: "فَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ"۔ بیشک یہ درست ہے کہ اب حج کے موقعہ پر قربانی مروہ کے پاس نہیں ہوتی بلکہ منٰی میں ہوتی ہے۔ لیکن اول تو منٰی اور مروہ ایک دوسرے کے پاس ہی ہیں۔ دوسرے حدیث میں آنحضرت صلعم کے فرمان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصل قربان گاہ مروہ ہی تھی۔ (موطا امام مالک) گو بعد میں حاجیوں کی کثرت کے باعث آبادی سے فاصلہ پر مقرر کر دی گئی۔ (سیرت خاتم النبیین حصہ اول ص۹۱)

مقام مروہ کے متعلق محققین میں بہت بحث رہی ہے اور بحث کا انحصار اِس بات پر ہے، کہ موجودہ تورات میں چونکہ حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ قرار دیا گیا ہے اور اسی سلسلہ میں مقام ذبح کا ذکر "موریاہ" کا بھی ذکر آیا ہے۔ (پیدائش ۲۲/۲) اب ظاہر ہے کہ حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ تسلیم کرتے ہوئے مقام ذبح کسی عرب کی پہاڑی کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے یہ نام مختلف مقامات پر منطبق کیا گیا۔ لیکن مخالف قرائن کے باعث کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ ابتداءً بائیبل میں بھی اسمٰعیلؑ کو ہی ذبیح بیان کیا گیا تھا۔ مگر بعد میں قومی

رقابت کے جذبات سے متأثر ہو کر یہودی علماء نے اس نام کو بدل کر اسحاق کر دیا مگر تفسیروں میں بعض ایسی باتیں باقی رہ گئیں جو اِس تحریف کو بے نقاب کر رہی ہیں۔ چنانچہ جہاں اسحاقؑ کو ذبیح قرار دیا گیا وہاں ساتھ ہی اُنہیں نہ ایک بار بلکہ تین بار اکلوتا بیٹا کہکر پکارا گیا ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ حضرت اسحاقؑ کسی صورت میں بھی حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے نہیں کہلا سکتے بلکہ اکلوتا کہلانے کا حق اگر کسی کے لئے سمجھا جا سکتا ہے تو وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ کیونکہ پلوٹھے بیٹے وہی تھے۔ اور وہی حضرت اسحاقؑ کی پیدائش سے قبل ذبیح قرار پائے۔ چنانچہ اِسی تحریف کو انجیل برنباس اوپر بے نقاب کر دیا گیا ہے۔ لکھا ہے:۔

ذبیح اللہ کون ہے؟ انجیل برنباس کی گواہی

مسیح نے کہا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یقیناً عہد اسمٰعیلؑ کے ساتھ کیا گیا ہے نہ کہ اسحاقؑ کے ساتھ۔ (اور عہد کا رسول بھی اسمٰعیلؑ ہی کی نسل سے آئے گا) تب شاگردوں نے کہا کہ اے معلم! موسیٰ کی کتاب میں یونہی کہا گیا ہے کہ عہد اسحاق کے ساتھ کیا گیا۔ یسوع نے آہِ سرد بھر کر جواب دیا۔ "لکھا تو یہی ہے۔ لیکن موسیٰ نے اِس کو نہیں لکھا اور نہ یشوع نے بلکہ ہمارے احبار نے جو کہ خدا کی نہیں ڈرتے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم فرشتہ جبرائیل کے کلام میں غور کرو گے تو تم کو ہمارے کاتبوں اور فقیہوں کی بدباطنی کا علم ہو جائے گا۔ کیونکہ فرشتہ نے کہا (جو کہ تورات میں درج ہے) ..... کہ اے ابراہیم تو اپنے پلوٹھے (یا اکلوتے) بیٹے اسحاق کو لے اور پہاڑ پر چڑھ جا تاکہ اس کو قربانی کے طور پر پیش کرے۔" پس اسحاق کیونکر پلوٹھا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ جب وہ پیدا ہوا اُس وقت اسمٰعیل کی عمر سات سال کی تھی۔ تب اُس وقت شاگردوں نے کہا بے شک فقیہوں کا دھوکا صاف ظاہر ہے۔" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ۴۳، ۴۴، ۱۹۰، ۱۹۱)

اب معاملہ بالکل صاف ہے۔ کہ تورات میں بیان فرمودہ سرزمین "موریاہ" حضرت اسحاقؑ کا مقامِ ذبح نہیں بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ کا مقامِ ذبح ہے۔ اب تمام اشکال جو کہ اس مقام کے متعلق حضرت اسحاقؑ کے ذبیح اللہ ہونے سے پیدا ہوتی تھیں دُور ہو گئیں۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ کو تو حضرت ابراہیمؑ نے دشتِ فاران یعنی حجاز میں آباد کیا تھا (پیدائش) اسلئے لازماً مقامِ ذبح مورہ یا موریاہ بھی وہیں ہونا چاہیئے۔ اور ہم بتا چکے ہیں کہ وہ مقام "مروہ" ہے جسے رسول کریم صلعم نے قدیمی قربانگاہ قرار دیا اور قرآن مجید نے فدینٰہ بذبحٍ عظیم میں جس طرف اشارہ کیا۔ اور حضرت داؤدؑ نے مذکورہ

بیت میں ہی مقام ہے بر برکات شریعت کے نزول کی پیشگوئی کی اور جو مقام کہ شعائر اللہ میں سے ہے ۔ (سورۂ بقرہ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی حجاز میں آمد

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس گھر کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام آرزو مند ہیں اس گھر کا وصال انکو میسّر ہوا بھی یا کہ نہیں۔ تحقیق کرنے پر زبور ۱۲۰ باب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام قیدار میں یعنی قیدار کے خیموں کے پاس اپنی سکونت کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "میری جان ان کے ساتھ (یعنی بنو قیدار کیساتھ) جو صلح سے کینہ رکھتے ہیں۔ اپنے واسطے زیادہ عرصہ سے رہتی ہے۔ میں تو صلح کا آدمی ہوں لیکن جب میں بولتا ہوں تو وے جنگ پر تیار ہوتے ہیں۔"

یہ یاد رہے کہ قیدار حضرت اسمٰعیل کے بڑے بیٹے کا نام ہے (پیدائش ۲۵/۱۳) اور بائیبل میں اس کا استعمال قوم عرب کی جگہ پایا جاتا ہے۔ (یسعیاہ ۴۲/۱۱، ۶۰/۷، یرمیاہ ۲/۱۰، ۴۹/۲۸، یسعیاہ ۲۱/۱۶،۱۷) چنانچہ کیتھولک بائیبل جلد چہارم کے حاشیہ میں صاف لکھا ہے کہ قیدار سے مراد عرب کا ایک حصہ ہے (صفحہ ۲۲۱،۳۶)

ریورنڈ فارسٹر (Forster) اپنی کتاب Historical Geography of Arab "عرب کا تاریخی جغرافیہ" میں رقمطراز ہیں:۔

"اشعیا نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے اس کو ہر شخص جو جغرافیۂ عرب سے واقف ہے فوراً کہدیگا کہ وہ عرب کے صوبۂ حجاز کا صحیح نقشہ ہے جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔" (صفحہ ۲۴۵)

دوسرا ثبوت کہ حضرت داؤد حجاز میں آئے یہ ہے۔ کہ مذکورہ زبور میں قیدار کے لفظ پر حاشیہ میں سموئیل ۲۵/۱ کا حوالہ درج ہے۔ جب ہم یہ حوالہ نکالتے ہیں تو وہاں لکھا ہے کہ حضرت داؤد دشت فاران میں اترے۔" یہاں علمائے بائیبل نے یہ ظاہر کیا ہے کہ قیدار اور فاران ایک ہی ہیں اور یہی حقیقت ہے۔ ان دونوں سے مراد حجاز ہے۔

تیسرا ثبوت یہ ہے کہ زبور ۶۳ باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد ایک ریگ زار میں جہاں کہ پانی بھی میسر نہیں خدا تعالیٰ کے اپنے جلوہ کے دیکھنے کے مشتاق ہیں جیسا کہ انہوں نے بیت مقدس میں دیکھا۔

چوتھا ثبوت یہ کہ زبور ۱۲۰ باب سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ داؤد نبی قیدار کے خیموں میں رہتے ہیں لیکن شکایت کرتے ہیں کہ وہ مجھ سے آمادۂ پیکار ہیں۔ چنانچہ زیر نظر پیشگوئی یعنی زبور ۸۴ باب میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام یہی فرماتے ہیں "میں نے شریروں کے خیموں میں رہنے کی نسبت بیت اللہ کی دہلیز پر

[illegible] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھی [illegible]
[illegible] کے مقابلہ میں کعبۃ اللہ کی دربانی کو ترجیح دیتے ہیں۔

خاتمۃ الکلام

ان تمام تصریحات سے اظہر من الشمس ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا کعبہ مقصود وادی بکہ کا کعبۃ اللہ تھا جس کی زیارت کے لئے وہ آئے۔ اور آپ کو خدا تعالےٰ نے بتایا کہ یہی وادی غیر ذی زرع ہے جس میں لا ئیگی، یہاں ایک عظیم الشان انسان پیدا ہوگا۔ اس کی ایک مقدس امت ہوگی۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھیگی اور پھر صیہون یعنی مکہ معظمہ میں داخل ہوگی۔ شریعت کی بشارتیں اس بلدہ امین کی روحانی آبپاشی کریگی۔ اس مقام پر ہمیشہ کے لئے خدا تعالےٰ کی ستائش کی جائیگی، بلکہ مقام مروہ بھی فیوض و برکات سے نوازا جائے گا۔

"خدا تعالےٰ ایک آفتاب ہے اور سپر ہے۔ خداوند فضل اور جلال بخشتا ہے۔ ان لوگوں سے جو صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں کوئی اچھی چیز دریغ نہ کرے گا۔ مبارک وہ انسان جسے تیرا ہی آسرا ہے۔" (زبور باب ۸۴)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

ضروری تصحیح!

ریویو آف ریلیجنز اپریل ۱۹۴۳ء کی اشاعت میں زیر عنوان "[illegible]" [illegible] صاحب کے خط پر سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے [illegible] فقرہ غلط چھپ گیا ہے۔ درست فقرہ یوں ہے "اور ایسے پہلے نہیں [illegible]" [illegible] فرمالیں۔

ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ماہنامہ اردو)

ریویو آف ریلیجنز (قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

مہتمم

عبدالقدیر نیاز

بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۴ء

ماہ احسان ۱۳۲۳ ہش

جلد [illegible] عدد ۶

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اُردو) سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیشِ نظر جاری فرمایا تھا :-

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفینِ اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے مگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئے۔ ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ واری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیلِ زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینجر ہونی چاہئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے، بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک کثیر علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے :-

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیئس روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چوالیس روپے	دو سو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	پچاس روپے	نوّے روپے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۲ | ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۵ء | عدد ۶

فہرست مضامین

جناب سید سلیمان صاحب ندوی سے ایک علمی دلچسپ اور مفید خط و کتابت

(از مولوی عطا محمد صاحب (امرتسر)

نومبر ۱۹۲۳ء میں ایک صاحب سید وجاہت حسین صاحب کی طرف سے رسالہ معارف اعظم گڈھ میں دو تین سوالات اور سید سلیمان صاحب ندوی کی طرف سے ان سوالات کے جوابات شائع ہوئے۔ اس سے قبل اگرچہ سید سلیمان صاحب ندوی کی کوئی تصنیف میری نظر سے نہ گذری تھی لیکن چونکہ علامہ شبلی کی سیرت النبیؐ کی پہلی دو جلدیں میں مطالعہ کر چکا تھا، اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ سید صاحب اس کتاب کی تکمیل کر رہے ہیں، لہٰذا یہ خیال کر کے کہ ایسی بلند پایہ اور مقدس کتاب کی تکمیل کرنیوالا انسان یقیناً بہت بڑا علامہ اور نہایت ہی متقی اور پرہیزگار اور خدا ترس آدمی ہوگا۔ میں سید صاحب کی نسبت بہت حسن ظنی رکھتا تھا، اور اس حسن ظنی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی زندہ جاوید کتاب تفسیر کبیر میں سید صاحب کی ایک کتاب ارض القرآن میں سے نہ صرف یہ کہ ایک اقتباس درج فرمایا ہے بلکہ حضور نے سید صاحب کی تحقیق سے اتفاق کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ مگر چونکہ ان جوابات میں بھی مجھے وہی بات نظر آئی جو بالعموم ضدی اور متعصب مُلّا محض حق پوشی کی راہ سے اپنی تحریر و تقریر میں ظاہر کیا کرتے ہیں۔

اسلئے میں نے مناسب سمجھا کہ مسئلۂ نبوت پر سید سلیمان صاحب سے خط و کتابت کیجاوے اس خط و کتابت سے پہلے میں نے اُن جوابات کے متعلق سید صاحب کو ایک طویل خط لکھا مگر چونکہ مجھے یہ یقین تھا کہ وہ اس جواب کو رسالہ معارف میں ہرگز شائع نہ کریں گے۔ اور میرا مقصد بھی تھا کہ کم از کم سائل صاحب کو سوالات کے اصل جوابات سے آگاہی ہو جاوے میں نے

وہ خط جو سید سلیمان صاحب کے نام لکھا تھا سید وجاہت حسین صاحب کے پتہ پر رسالہ میں درج تھا بذریعہ ڈاک بھیج دیا۔ مگر نہ معلوم پتہ غلط لکھا تھا یا کیا سبب ہوا خط دس بارہ دن کے بعد ڈیڈ لیٹر آفس کی معرفت مجھے واپس مل گیا۔ چونکہ موجودہ خط و کتابت کا اصل محرک وہی سلسلہ سوال و جواب تھا اسلئے اپنے ناظرین کی آگاہی اور صفائی بیان کے لئے رسالہ مذکور میں سے وہ سوالات مع اُن کے جوابات کے درج کئے جاتے ہیں۔

معارف نمبر ۵ جلد ۵۲ صفحہ ۳۹۱

سیرت النبیؐ کی تکمیل۔ رجوع کئے ہوئے مسائل اور دو قادیانی وسوسوں کے جوابات

جناب سید وجاہت حسین صاحب محلہ چک سکین ڈاکخانہ سورج گڑھا ضلع مونگیر

سوال ۱؎۔ قادیانی آیت کلام پاک "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا" سے نبوت کا جاری رہنا بتلاتے ہیں۔ یعنی ختم نبوت نہیں ہوئی بلکہ جاری ہے۔

سوال ۲؎۔ قادیانی یہ بھی کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم نے گالی گلوچ خود استعمال کیا ہے (نعوذ باللہ) تو مرزا غلام احمد صاحب نے اگر کسی کو گالی دی تو کیا برا کیا۔ ان کا یہ عمل قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف کیوں متصور ہو۔ اور اس کلام کے ثبوت میں وہ سورہ قلم کی وہ آیات پیش کرتے ہیں جو لفظ زنیم پر ختم ہوتی ہیں۔"

جواب از سید سلیمان صاحب

جواب سوال ۱؎۔ قادیانیوں کا یہ پیدا کردہ وسوسہ صحیح نہیں۔ اس آیت پاک کے معنی یہ ہیں کہ انبیائے کرام کی تکذیب کا عذاب اعلانِ نبوت سے پہلے نہیں ہوتا۔ نہ یہ کہ ہر وہ عذاب جو دنیا پر طاری ہو وہ نعوذ باللہ ایک نئے نبی کے ظہور کو مستلزم ہو جائے۔ بلکہ اس آیت پاک سے جو کچھ ظاہر ہے وہ یہ کہ نبوتِ محمدی ظاہر ہو چکی۔ نبی آ چکا۔ اب اس وقت سے لیکر تا قیامت مکذبین معذب ہوں گے۔ غرض ہر نبی کی تکذیب پر بالآخر عذاب آنا ضروری ہے لیکن ہر نئے عذاب کے وقت نئے نبی کا آنا ضروری نہیں۔ یہ اُلٹی گنگا ہے جو بہائی جا رہی ہے۔

جواب سوال ۲؎۔ قرآن مجید میں نعوذ باللہ گالی ہونے صریح بہتان ہے۔ اس میں کوئی

گالی گلوچ نہیں بلکہ واقعات کا اظہار ہے جس آیت کریمہ کو قادیانی ثبوت میں پیش کرتے ہیں وہ مع ترجمہ حسب ذیل ہے :-

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ (قلم)	آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانیوالا ہو۔ بے وقعت ہو طعنہ دینے والا ہو چغلیاں لگاتا پھرتا ہو۔ نیک کام سے روکنے والا ہو۔ حد سے گزرنے والا ہو۔ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ہو سخت مزاج ہو اسکے علاوہ اپنے خاندان کے علاوہ دوسرے خاندان میں منسوب ہو۔

اس میں آخری لفظ زنیم کو کہا جا سکتا ہے۔ زنیم کے معنی ہیں :-

الزنیم المنتسب الی قوم هو معلق بهم لا منهم (مفردات راغب ۲۱۱)

یعنی جو کوئی کسی قوم کی طرف منسوب ہو وہ اس سے اگرچہ متعلق ہو لیکن اس میں سے نہ ہو۔

اب یہ دیکھیے کہ یہ اوصاف جن لوگوں کے بیان کئے گئے ہیں وہ واقعی ان کے حامل تھے یا نعوذ باللہ جذبۂ عناد میں ایسا کہا گیا ہے۔ روایات شاہد ہیں کہ ان آیات پاک میں جن لوگوں کا تذکرہ آیا ہے وہ بعینہٖ انہیں اوصاف کے تھے منجملہ ان کے ایک شخص اسود بن عبد یغوث زہری تھا۔ وہ بنو زہرہ کی طرف منسوب تھا حالانکہ اس قبیلہ سے اس کا تعلق نہ تھا۔ اسی طرح اخنس بن شریق دراصل ثقفی تھا مگر بنو زہرہ کے حلیف ہونیکی وجہ سے اسی جماعت سے سمجھا جاتا تھا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ صفحہ ۱۵) تو گیا اس کو لغتہً و واقعتہً اگر زنیم منسوب بہ طرف قبیلۂ غیر کہا گیا تو کیا نعوذ باللہ اس کو گالی سے تعبیر کیا جائے گا ؟ اس لئے بطور اظہار واقعہ آنحضرت صلعم سے کہا گیا کہ جو لوگ ان اوصاف کے ہیں ان سے لگاؤ نہ رکھیں۔ اُن کی باتوں میں نہ آئیں۔ نہ یہ کہ نعوذ باللہ چونکہ وہ لوگ ایمان نہ لائے اسلئے وہ لوگ ایسے ہیں اور ویسے۔ اگر نعوذ باللہ یہ ہوتا تو اس کو گالی گلوچ سے تعبیر کر سکتے تھے۔ ایسی گل فشانیوں کا اندازہ آپ کو قادیانی لٹریچر کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ قادیانی لٹریچر کے ان ہفوات کو آیات قرآنی کے مماثل کہنا یہ بڑی نادانی اور سخت گستاخی ہے۔"

"س"

اسکے جواب میں وہ خط جو میں نے سید صاحب کی خدمت میں لکھا تھا بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی سید وجاہت حسین صاحب !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:- آپ حیران ہوں گے کہ یہ خط کس غیر معروف آدمی کا آگیا ہے۔ مگر حیران ہونے کی بات نہیں۔ آپ نے سید سلیمان ندوی سے چند ایک استفسارات معارف ماہ نومبر ۱۹۴۳ء میں کئے ہیں ان کے انہوں نے جوابات دیئے ہیں۔ چونکہ وہ جوابات حق پوشی پر مبنی ہیں۔ میں نے جواب تو سید سلیمان صاحب کی خدمت میں ہی تحریر کئے تھے مگر چونکہ مجھے شک تھا کہ وہ ان جوابات سے آپ کو آگاہ کرنے میں تامل کریں گے۔ اس لئے میں نے یہ ان کے نام کا خط آپ کی خدمت میں بھیجنا مناسب سمجھا۔ تاکہ آپ کو اصل جوابات سے اطلاع ہو جاوے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میری یہ تحریر سید سلیمان صاحب کی خدمت میں بھیجکر ان سے جواب کے طالب ہوں۔ اور اگر ہو سکے تو ان کو مجبور کریں کہ وہ ان کے جوابات اپنے رسالہ میں شائع فرمائیں۔

اس سے زیادہ فی الحال میں کچھ لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اور یہ سطور بھی بالمتثال امر الٰہی ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر کے ماتحت تحریر کر رہا ہوں۔ کمی بیشی الفاظ سے معاف فرمائیں۔

اگر آپ مناسب سمجھیں تو مزید تحقیق کے لئے بندہ سے سلسلہ رسل و رسائل قائم فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آں مکرم کی تسلی کرنے کی کوشش کی جاوے گی۔

والسلام

عاجز عطا محمد۔ اورنٹیل ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر ۱۲ ۱۹۴۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نوٹ:- آپ کو اسی خدا کی قسم ہے جس کی قسم دینے پر آنحضرت صلعم بھی توجہ سے بات سنا کرتے تھے کہ اس عریضہ کو اول سے آخر تک ضرور ملاحظہ فرمائیں اور اس پر خالی بالطبع ہو کر غور فرمائیں۔ نیز جواب سے ضرور سرفراز فرمائیں۔

مکرمی سید سلیمان صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔ رسالہ معارف ماہ نومبر ۱۹۴۳ء میں آں مکرم نے ایک صاحب سید وجاہت حسین صاحب کے دو تین سوالوں کے جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے مجھے صرف تیسرے اور چوتھے سوال کے جواب کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

(۱) آپ نے اپنی تحریر میں جو قادیانی کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ آپکو

خوب معلوم ہے کہ قادیان ایک بستی کا نام ہے۔ وہاں مختلف المذاہب لوگ رہتے ہیں۔ اور محض اس بنا پر کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیان کے باشندہ تھے۔ ان کے مرید قادیانی کے نام سے نہیں پکارے جاسکتے کیونکہ قادیانی ایک آریہ اور سکھ بھی ہو سکتا ہے۔ اور بوجہ قادیان کا باشندہ ہونیکے ایک احمدی بھی قادیانی کہلا سکتا ہے مگر ہر احمدی کو قادیانی نہیں کہہ سکتے۔

سید وجاہت حسین صاحب کے متعلق تو مجھے معلوم نہیں کس قابلیت کے انسان ہیں مگر آپ کی علمی فضیلت تو مسلمہ ہے۔ آپ کی عالمانہ شان سے یہ بالکل بعید بات ہے کہ جس گڑھے میں ایک سائل اپنی نادانی کی وجہ سے گرا ہے اسی میں آپ نے مشعل علم ہاتھ میں رکھتے ہوئے چھلانگ لگا دی ہے۔ کم از کم جہاں ایک دینی مسئلہ کے متعلق آپ کا فرض تھا کہ سائل کی صحیح راہنمائی کریں اسی طرح اس دوسرے مسئلہ میں بھی سائل کو راہِ راست پر لانا آپ ہی کا کام تھا۔ اگر آپ نے احمدیہ لٹریچر پڑھا ہے تو یقیناً آپ اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ مرزا صاحب نے اپنے ماننے والوں کا نام احمدی تجویز فرمایا ہے اور دوسرے شریف اصحاب سے توقع ظاہر فرمائی ہے کہ وہ انہیں احمدی کے نام سے پکارا کریں۔ پس اگر اس بات کا علم رکھتے ہوئے آپ نے احمدی کی بجائے قادیانی کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو نصِ قرآنی لا تنابزوا بالالقاب کی صریح نافرمانی کی ہے جس سے اس پیرانہ سالی میں آپ کو احتراز کرنا اولیٰ ہے۔

اس کے بعد میں آیت قرآنی "ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ یہاں بھی آپ نے محض حق پوشی کی راہ سے سائل کو سیدھا سادہ جواب دینے کی بجائے ایک بہتان تو احمدی غریبوں کے سر تھوپ دیا ہے کہ گویا وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ہر عذاب کے وقت ایک نئے نبی کا ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ جو شخص احمدی حضرات کے معتقدات اور قرآن کریم سے ذرا بھی مس رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ آیت موصوفہ بالا سے احمدیوں کا استدلال صرف اور صرف یہ ہے کہ گو ہر عذاب کے وقت نبی کا موجود ہونا ضروری نہیں مگر ہر نبی کے انکار پر عذاب کا آنا ضروری ہے۔ اور اس آیت شریفہ میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے۔ جس طرح ضروری نہیں کہ ہر مرنے والے نے سم الفار کھایا ہو مگر ہر سم الفار کھانے والے کا مرنا ضروری ہے۔ چنانچہ گو آپ نے قولوا قولا سدیدا پر عمل نہیں کیا تاہم آپ کے قلم سے بے اختیار یہ حقیقت بے نقاب ہو گئی ہے جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں" قادیانیوں کا یہ پیدا کردہ وسوسہ صحیح نہیں۔ اس آیت پاک کے معنی یہ ہیں

کہ انبیائے کرام کی تکذیب کرنیکا عذاب اعلانِ نبوت سے پہلے نہیں ہوتا" جناب بندہ! احمدی کب یہ کہتے ہیں اور کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء کی تکذیب کرنیکا عذاب اعلانِ نبوت سے پہلے ہوتا ہے۔ جبکہ ارشادِ خداوندی ہی یہ ہے کہ جب تک ہم رسول بھیجکر متنبہ نہ کریں کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کیا کرتے۔ پس احمدیوں کا استدلال بالکل معقول ہے۔ ہر عقلمند کے قبول کرنے کے لائق ہے۔ آپ خود اپنے گھر میں اس پر عمل پیرا ہیں۔ پہلے بیوی بچوں کو کسی بات سے منع کرتے یا کسی امر کا حکم دیتے ہونگے اور پھر خلاف ورزی پر تنبیہہ یا زجر و توبیخ فرماتے ہوں گے۔ کلامِ الٰہی کا یہی منشاء ہے کہ جو قوم اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے عذاب کی مستحق ٹھیر جاتی ہے اُسے عذاب دینے سے قبل ایک موقعہ اپنی حالت سُدھارنے کا دیا جاتا ہے۔ پس اگر رسول یا نبی کی فرمانبرداری سے قوم اپنے تئیں رحمت کا مستحق بنالے تو بہتر ورنہ نزولِ عذاب کے لئے ایک وجہ موجب پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم کی کئی آیات اس مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ بخوف طوالت صرف ایک۔ دو پر کفایت کرتا ہوں۔

(۱) لو انّا اھلکنٰھم بعذاب من قبلہٖ لقالوا ربّنا لولا ارسلت الینا رسولًا فنتبع اٰیٰتک من قبل ان نذلّ و نخزٰی (طٰہٰ ع)

(۲) رسلًا مبشّرین و منذرین لئلّا یکون للنّاس علی اللہ حجّۃ بعد الرّسل وکان اللہ عزیزًا حکیمًا ۰ (نساء ع۲۳)

باقی آپ کا یہ فرمانا کہ "اس آیت پاک سے جو کچھ ظاہر ہے وہ یہ کہ نبوت محمدی ظاہر ہو چکی نبی آچکا، اب اُس وقت سے لیکر تا قیامت مکذّبین معذّب ہوں گے" غلط مبحث سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اس آیت شریفہ سے ہرگز ہرگز یہ استدلال نہیں ہوتا۔ کہ نبوت محمدی ظاہر ہو چکی، اور نبی آچکا۔ یہ سراسر تلبیس حق بالباطل کی راہ سے آپ ایسا لکھ رہے ہیں جو آپ ایسے عالم کی شان سے بہت بعید ہے۔ اور اگر اس آیت یا قرآن کریم کی کسی اور آیت سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے تو اُسے پیش فرمائیے۔ اِس آیت میں ایسا کونسا لفظ ہے جس سے یہ مفہوم مستنبط ہوتا ہے۔

مولانا! آپ اب عمر کے آخری حصّہ سے گذر رہے ہیں۔ خدا جانے چار دن زندگی باقی ہے یا نہیں۔ اب جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ سے معاملہ پڑنیوالا ہے۔ پس برائے خدا آپ اپنی اس غلطی کی اصلاح فرمائیں اور اپنے مولا کو راضی کرنیکی کوشش کریں۔ معارف میں آپکے بہترے مضامین

لکھے، تحقیقاتیں کیں، دُنیا میں نام پایا، روپیہ کمایا، سب کچھ ہوا۔ لیکن اگر ناموری یا شہرت کو بٹہ لگنے کے ڈر سے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرکے خدا کو ناراض کرتے رہے تو دُنیا کی عزت و شہرت وہاں ہرگز ہرگز کسی کام نہ آوے گی۔

قل ان کان اٰبآؤکم وابنآؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا حتیٰ یاتی الله بامره والله لا یهدی القوم الفاسقین ٥

مولانا! ایمان سے کہیے، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دُنیا تعلیم و تعلّم کی زحمت سے آزاد ہوگئی ہے؟ کیا اب انسان مکلف نہیں رہے؟ کیا اب یہ انسانی فطرت کہ نبی سے جس قدر دوری ہوتی جاوے اسی قدر اُس کی تعلیم سے دُوری اور اعمال میں کمزوری پیدا ہوتی جاتی ہے تبدیل ہوگئی ہے؟ کیا آنحضرت صلعم نے خود ہی نہیں فرمایا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یفشو الکذب۔ پھر اگر ان حالات میں صحیح راہ بتلانے کے لئے آپ جیسے علماء کی امت کو ضرورت ہو سکتی ہے تو آپ جیسے علماء کی غلطیوں، غلط فہمیوں اور کج رائیوں کو دُور کرنے کے لئے علمائے ربانی کی ضرورت کیوں نہیں؟ کیا آپ نے اپنے بعض معتقدات سے رسالہ معارف کے ذریعہ ہی رجوع کا اظہار نہیں فرمایا؟ اگر آپ نے فی الواقعہ نوں لپسندی کی نیت سے ایسا کیا ہے کہ جو مسئلہ جس طرح سمجھ میں آیا حق و راستی کی رعایت سے اسی طرح لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے تو پھر کیا آپ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا دعویٰ قرآن و حدیث کے صریح برخلاف ہے؟ کیا آپ سے "ماذا اجبتم المرسلین" کا سوال کیا جائے تو آپ اپنے موجودہ عقائد کی رو سے اس سوال کے جواب سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں؟ کیا آپ کو اس بات کی خبر نہیں کہ قرآن کریم میں سوائے خاتم النبیین کے ایک آیت بھی ایسی نہیں جس سے نبوت کے مسدود ہونے کا مفہوم نکلتا ہو۔ نص صریح کا ملنا تو بڑی بات ہے کسی ایک آیت سے بھی اشارۃً و کنایۃً بھی یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ اب آئندہ باب نبوت مسدود ہے؟ اور ہاں آپ تو عالم ہیں کیا خاتم النبیین کے معنے "نبیوں کو ختم کرنیوالا" ہیں؟ اگر خاتم کے معنے ختم کرنیوالا ہیں تو کیا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو فہم کلام کی بھی لیاقت نہ تھی کہ کفار نے سوال تو نبوت کے متعلق کیا

اور ما اللہ تعالیٰ نبوت کا بے تعلق جھگڑا درمیان میں لے آیا۔ کیا مار دوا گھٹنا پھوٹے آنکھ کی اس سے بڑھکر مثال کسی اور جگہ بھی مل سکتی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ قرآن کریم میں نبوت بند ماننے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بڑے سخت الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔

سورۂ مومن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُم بِهِۦ حَتَّىٰٓ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ ٱللَّهُ مِنۢ بَعْدِهِۦ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ ٱللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ٱلَّذِينَ يُجَٰدِلُونَ فِيٓ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَٰنٍ أَتَىٰهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ وَعِندَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ (المومن ع۴) اور یہ بھی آپ نے خیال فرمایا کہ اگر نبوت بند کرنی ہوتی اور باب نبوت مسدود کرنا منظور ہوتا تو "لن یبعث اللہ من بعدہٖ رسولا" کا مہری اور واشگاف حکم نازل کرنا پڑے، گا جس سے ادنیٰ سے ادنیٰ فہم کا آدمی بھی منشائے متکلم سے واقف ہوسکے نہ کہ خاتم النبیین کے الفاظ استعمال کئے جاویں گے۔ جس کے حقیقی چھوڑ مجازی معنے بھی اس مفہوم کی قطعاً اجازت نہیں دیتے۔

مولوی صاحب! میرے جیسے ہیچمدان کو بھی اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شرح صدر کی دولت حاصل ہے۔ آپ جیسے علماء کی سمجھ میں یہ آسان سی بات کیوں نہیں آتی خدارا غور کریں کہیں متکبر اور جبار کی وعید کے مصداق تو نہیں۔ اور خدا کی اطاعت تو اب تک کی اطاعت سے وابستہ تھی، کیا خدا نے اب بندوں کی تخلیق کی غرض وغایت (ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون) بھی بدل ڈالی۔ پہلے تو ایمان کا امتحان دیکر لوگ پاس ہوتے تھے اب بغیر امتحان ہی سرٹیفکیٹ ملنے لگے۔ (احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون) یہ کیا اندھیر گردی ہوگئی۔ کیا خدا تعالیٰ نے اپنا کلام (اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتھا) کہ ہر دانہ موت کے بعد زندگی بخشیگا کیا جسمانی طور پر ہر سال ہر فصل کے لئے علیحدہ بارش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیا ہر زمانہ کی ہدایت کیلئے نئے معلم نہیں پیدا ہوتے۔ مولوی صاحب! خدا کے لئے ان باتوں سے چشم پوشی نہ فرمائیے۔ دنیا تا بکے۔ روزے چند آخر کار با خداوند!!!

دوسرا بہتان سائل اور مجیب دونوں نے غریب احمدیوں کے سر یہ تھوپا ہے کہ وہ کہتے ہیں

قرآن میں نعوذ باللہ گالی گلوچ ہے ۔ اس کے جواب میں سب سے پہلی بات جو کہنے والی ہے ۔ وہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے ۔ دوسری بات اس سلسلہ میں کہنے کے لائق یہ ہے کہ احمدی حضرات بھی وہی کہتے ہیں جو آپ کہتے ہیں ۔ کہ ایسے الفاظ جو ہوں تو کس قدر تلخ مگر حقیقت پر مبنی ہوں ان کا نام گالی گلوچ نہیں ہے ۔ اور اگر ان کا نام نادان معترض کے خیال میں گالی گلوچ ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم میں بھی گالی گلوچ نعوذ باللہ پایا جاتا ہے کیونکہ قریش کے اکابر کو شیطان، شر البریہ اور حمر مستنفرہ اور ان کے بتوں کو حصب جہنم وغیرہ کے کرخت ناموں سے یاد کرنا ہرگز ایسی بات نہیں جس سے کفار قریش خوش ہوئے ہوں ۔ اس بارہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود کا اپنا پاک کلام پیش کر دینا کافی ہوگا ۔ آپ اپنی کتاب ازالہ اوہام حصہ اول کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں :-

" پہلی نکتہ چینی اس عاجز کی نسبت یہ کی گئی ہے کہ اپنی تالیفات میں مخالفین کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے مشتعل ہو کر مخالفین نے اللہ جلشانہ اور اسکے رسول کریم کی بے ادبی کی اور پُر دشنام تالیفات شائع کر دیں ۔ قرآن کریم میں صریح حکم وارد ہے کہ مخالفین کے معبودوں کو سب اور شتم سے یاد مت کرو ۔ تا وہ بھی بے سمجھی اور کینہ سے خدا تعالیٰ کی نسبت سب و شتم کے ساتھ زبان نہ کھولیں لیکن اس جگہ برخلاف طریق ماموریہ کے سب و شتم سے کام لیا گیا ۔

اما الجواب ۔ پس واضح ہو کہ اس نکتہ چینی میں معترض صاحب نے وہ الفاظ بیان نہیں فرمائے جو اس عاجز نے بزعم ان کے اپنی تالیفات میں استعمال کئے ہیں ۔ اور در حقیقت سب و شتم میں داخل ہیں ۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام دہی کہا جاوے ۔ بڑے دھوکہ کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں ۔ اور ان دونو مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے ۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو ۔ اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے دشنام دہی تصور کر لیتے ہیں ۔ حالانکہ دشنام اور سب اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقعہ دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جاوے ۔ اور اگر ہر ایک سخت

اور آزاردہ تقریر کو محض بوجہ اس کی مرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پُر ہے کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارہ میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے سننے سے بت پرستوں کے دل خوش ہوئے ہوں۔ بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدائے تعالیٰ کا کفار مکہ کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنّم معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو شر البریہ قرار دینا اور تمام رذیل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کی رو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا۔ کیا خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ نہیں فرمایا۔ کیا مومنوں کی علامات میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ نہیں رکھا گیا۔ کیا حضرت مسیحؑ کا یہودیوں کے معزز فقیہوں اور فریسیوں کو سؤر اور کتے کے نام سے پکارنا اور گلیل کے عالی مرتبہ فرمانروا ہیرودیس کا لومڑی نام رکھنا اور معزز سردار، کاہنوں اور فقیہوں کو کنجری کے ساتھ مثال دینا اور یہودیوں کے بزرگ مقتداؤں کو جو قیصری گورنمنٹ میں اعلیٰ درجہ کے عزت دار اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے ان کریہہ اور نہایت دلآزار اور خلاف تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ تم حرامزادے ہو۔ حرامکار ہو۔ شریر ہو۔ بدذات ہو بے ایمان ہو۔ احمق ہو۔ ریاکار ہو۔ شیطان ہو۔ جہنمی ہو۔ تم سانپ ہو۔ سانپوں کے بچے ہو۔ کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندی گالیاں نہیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ معترض کا اعتراض نہ صرف مجھ پر اور میری کتابوں پر بلکہ درحقیقت معترض نے خدا تعالیٰ کی ساری کتابوں اور سارے رسولوں پر نہایت درجہ کے بغض سے دل کے ساتھ حملہ کیا ہے .... مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ مقدس لوگ پرلے درجہ کے غیر مہذب تھے۔ کیا زمانۂ حال کی موجودہ تہذیب کی انکو بو بھی نہیں پہنچی تھی ؟

اِس سوال کا جواب ہمارے سیّد و مولا مادرم و پدرم بر او فدا باد حضرت خاتم المرسلین سیّد الاولین والآخرین پہلے سے دے چکے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جب

یہ آیتیں اُتریں کہ مشرکین رجس ہیں، پلید ہیں، شرالبریہ ہیں، سفہاء ہیں، اور ذریت شیطان ہیں اور ان کے معبود وقود النار اور حصب جہنم ہیں تو ابوطالب نے آنحضرت صلعم کو بلا کر کہا کہ اے میرے بھتیجے اب تیری دشنام دہی سے تو قوم سخت مشتعل ہو گئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تو نے ان کے عقلمندوں کو سفیہہ قرار دیا اور ان کے بزرگوں کو شرالبریہ کہا اور اُن کے قابل تعظیم معبودوں کا نام ہیزم جہنم اور وقود النار رکھا۔ اور عام طور پر ان سب کو رجس اور ذریت شیطان اور پلید ٹھیرایا۔ میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آجا۔ ورنہ میں قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا کہ اے چچا! یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ اور نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے۔ اور یہی تو کام ہے جس کیلئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔" (صـ۱)

اِس حوالہ کو پڑھ لینے کے بعد کوئی ذی ہوش اور خدا ترس آدمی احمدیوں پر یہ بہتان لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کہ وہ قرآن یا گالی گلوچ کے قائل ہیں نعوذ باللہ۔ ہاں اگر ارادۃً راہ زنی اور سد عن سبیل اللہ کا مرتکب ہونا چاہے تو اور بات ہے۔

اس کے بعد مجھے آپ سے ایک گلہ بھی کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ باوجود عالم ہونے کے باوجود بظاہر معصومانہ انداز میں اپنی بعض غلطیوں سے رجوع کا اظہار کرنے کے۔ باوجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دلی عقیدت کا ڈھول پیٹنے کے آپ کی زبان پر کلمۂ حق کبھی جاری نہیں ہوتا۔ کسی عیسائی کی کتاب سے آپ کوئی استفادہ کریں تو اس کا حوالہ آپ کی کتابوں میں آسکتا ہے، ہندوؤں اور سکھوں کا تذکرہ آپ کی زبان بڑے تشکرانہ انداز میں کرتی ہے۔ اگر نہیں کرتی اور کبھی نہیں کرتی تو احمدیوں اور ان کے امام اور پیشوا کا ذکر ہی نہیں کرتی۔ کیا یہ حد درجہ کے تعصب یا حسد کی دلیل نہیں ہے کہ عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات کے لئے آپکو رحمۃ اللہ اور محمد قاسم اور سرسید اور احمد رضا کے نام تو یاد آگئے، مگر جس شخص نے اِس تن مُردہ میں جان ڈالی اور جس کے لٹریچر نے مخالفین کی نہ صرف زہریلی کچلیوں کو توڑا، بلکہ اسلامی قلعہ کی فصیل اس قدر بلند اور مضبوط کر دی کہ قیامت تک اِس قلعہ کو فتح کرنا تو درکنار اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی

دشمن بدنہاد کے لئے ناممکن کر دیا۔ اور جو آج قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اس کے ذکر کے لئے آپ کی کتب و رسالجات میں افسوس! صد افسوس!! کہ کوئی جگہ نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادھر ہمارے بزرگوں کا یہ حال ہے کہ وہ تفسیر کبیر جیسی زندۂ جاوید کتاب میں سید سلیمان ندوی کی ایک تحقیق کا نہ صرف ذکر کرتے ہیں بلکہ اس کا اقتباس درج کر کے شاندار الفاظ میں اسکی تعریف بھی فرماتے ہیں۔

اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہی کہ آپ صریح طور پر نہ صرف اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں بلکہ قوم کا بیڑا غرق کرنے میں بھی بمقدور کوئی کمی نہیں کر رہے۔ قرآن کریم میں جو اندھے اور سجاکھے کی مثال دی گئی ہے وہ احمدی اور غیر احمدی دونو پر خوب چسپاں ہوتی ہے۔ ایک طرف غیر احمدی ہیں کہ اندھے کی لاٹھی کی طرح بلا تمیز اپنے بیگانے کو اعتراضات کے تیروں کا نشانہ بنا رہے ہیں، دوسروں پر وہ اعتراض کرتے ہیں جن سے ان کے اپنے بزرگ بھی بچ نہیں سکتے۔ دوسری طرف احمدی ہیں جو سارے جہان کے بزرگوں کو بزرگ گردانتے دل سے ان کی تعظیم کرتے اور زبان سے اُن کے احسانات کے گن گاتے ہیں کسی پر ایسا اعتراض نہیں کرتے جو خود اُن پر اُن کے کسی بزرگ پر پڑتا ہو۔ ہر قوم کی بہبودی اور بہتری کے لئے اپنے تن من دھن سے کوشش کر رہے ہیں۔ احمدی دوسروں کو بچانے کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہے ہیں۔ اور غیر احمدی ہیں کہ دشنام دہی، بہتان طرازی، زدوکوب اور دیگر ہر قسم کی مصائب سے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رہے ہیں۔ ؏

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا!

عاجز عطا محمد اورنٹیل ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر ۲۷ ۱۱/۴۲

۱۳ ارجون ۱۹۴۲ء نقل کارڈ بخدمت ایڈیٹر صاحب رسالہ معارف اعظم گڑھ

مکرمی سید صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ جیسے علماء کا وجود اس دورِ قحط الرجال میں از بس غنیمت ہے۔ اور پھر اس پر یہ ہمت مردانہ قابلِ صد ستائش و لائق ہزار تحسین ہے کہ اس پیرانہ سری میں بھی سوالات کے جوابات کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کی بہترین جزا دے۔

براہ کرم اپنے موقر مجلہ معارف میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات رقم فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

(۱) نبی کی تعریف کیا ہے (۲) اس کی ضرورت کیا ہے (۳) اس کی صداقت کا معیار کیا ہے (۴) گذشتہ انبیاء میں سے کسی ایک کی صداقت بروئے معیار مذکورہ جواب از راہ کرم قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں بیان فرمائیں۔ اور گو مختصر ہو مگر مافل و دل کا مصداق ہو۔ نیاز مند کا اڈریس پشت کارڈ ہذا پر ملاحظہ فرمائیں۔

ایم عطاء محمد فاضل بی۔ اے اوڈین ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر ۱۲-۶-۴۴

نمبر ۱۰۹۰۲ دار المصنفین اعظم گڈھ مورخہ ۱۹ر جون سنہ ۱۹۴۴ء

مکرمی السلام علیکم

گرامی نامہ ملا۔ جن صاحب کے متعلق مذہبی استفسارات کے جواب کی خدمت ہے وہ آجکل وطن گئے ہیں۔ شروع جولائی میں واپس آئیں گے اسلئے اسی وقت آپکے استفسار کا جواب دیا جاویگا۔ اس موضوع پر اردو میں بہت سی کتابیں ہیں ان کو بھی آپ دیکھ سکتے ہیں۔ سیرۃ النبی میں یہ بحث تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ والسلام

شمس الدین ندوی

نمبر ۵۲۴ دار المصنفین اعظم گڈھ مورخہ :

مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خوشی ہوئی کہ آپ کے دل میں تلاش حق کی تڑپ ہے۔ آپ نے جو سوالات فرمائے ہیں وہ بہت اہم ہیں اور چند صفحوں میں ان کے جوابات کی گنجائش نہیں۔ آپ مہربانی فرماکر سیرۃ النبی جلد سوم و چہارم اور خطبات مدراس اس ہیچمدان کی تالیفات میں سے بغور مطالعہ فرمائیں۔ اس کے بعد بھی اگر دل میں کوئی سوال باقی رہے تو ارقام فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ دفع شبہات اور ازالۂ اوہام و خطرات کی کوشش کی جائے گی۔ والامر بید اللہ تعالیٰ

بہتر یہ ہے کہ ان مباحث میں اعتراض و جواب و مباحث سے حتی المقدور پرہیز کیا جائے اور دل کو وساوس سے پاک رکھا جائے جس طرح مریض کو چاہیئے کہ حتی الوسع دوا سے پرہیز کرے۔ جب مجبوری ہو تو دوا کھائی جائے۔ اور اس تدبیر سے ازالۂ مرض کیا جائے۔ یہی حال امراض قلبی میں بھی ہے۔ ورنہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ اسی سوال و جواب و اعتراض و شبہ میں مصروف رہجاتے ہیں اور ایمان کی دولت سے محرومی ان کو نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھیں

آئندہ اگر کوئی خلجان دل میں ہو تو بے تکلفی کے ساتھ بے تامل ارشاد فرمائیں اوسکے ازالہ کی کوشش کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ والسلام سید سلیمان ۱۶ شعبان ۱۳۶۳ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

للہ اس خط کو تمام وکمال پڑھ کر ازراہ شفقت علیٰ خلق اللہ شافی جواب عطا فرمائیں۔

مکرمی سید صاحب زادکم اللہ شرفاً وعزاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آں مکرم کا نامۂ عطوفت شمامہ شرف صدور لاکر باعث اعزاز ہوا۔ جزاکم اللہ تعالےٰ خیراً۔ یاد آوری کا شکریہ۔ بوجہ تعطیلات موسم گرما بندہ چونکہ گھر چلا گیا تھا۔ اسلئے جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ معاف فرمایئے گا۔ مجھے اس بات سے تو بیحد خوشی ہوئی۔ کہ آں مکرم نے اس عاجز کو قابل خطاب سمجھکر اپنے ہاتھ سے چند سطور لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ مگر اس لحاظ سے بیحد مایوسی ہوئی کہ جس قدر آں مکرم نے سوالات کو اہم قرار دیا ہے ان کے جوابات دیئے جانے کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ اگر برعایت اختصار کسی قدر اشارات ہی فرما دیتے تو باعث کمال شکر گذاری ہوتا۔ اور بہت ممکن تھا کہ خطرات وہواجس کے لئے وہ قدر قلیل ہی تریاق ثابت ہوتا۔

آں مکرم نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ میں سیرۃ النبی جلد سوم وچہارم اور خطبات مدراس آں مکرم کے مطالعہ کروں۔ اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ خطبات مدراس تو مجھے تا حال نہیں مل سکے البتہ سیرۃ النبی جلد سوم وچہارم کا بالخصوص اور پنجم وششم کا سرسری مطالعہ میں نے کر لیا ہے۔ اور چونکہ آنمکرم نے اس عاجز کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ مطالعہ کے بعد بھی اگر کوئی شکوک ہوں تو تحریر کرنے پر انکے رفع کرنیکی کوشش کی جاوے گی۔ اسلئے میں فی الحال چند ایک باتوں کے متعلق آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے جلد سرفراز فرماکر عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں گے۔ جزاکم اللہ تعالےٰ احسن الجزاء

سیرۃ النبی جلد سوم کے ص۸۵ پر آں مکرم فرماتے ہیں :-

"لفظ خاتم کی دو قرائتیں ہیں مشہور قرأت تو خاتم بکسر تا کی ہے (تفسیر ابن جریر) جسکے معنی ختم کرنیوالے اور بند کرنے کے ہیں۔ اور دوسری قرأت خاتَم کی ہے جس کے معنی ہیں وہ شے جس کے ذریعہ سے کوئی شے بند کی جائے۔ اور اس پر مہر لگائی جائے۔ تاکہ وہ کھولی نہ جاسکے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جاسکے۔ الغرض دونوحالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنیوالا

اور ان پر مہر لگا دینے والا ہے۔ کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔

(۱) خاتم النبیین کی بحث میں لفظ خاتم کے یہ معنی جو آپ نے بیان فرمائے ہیں عربی فارسی اردو میں سے کونسی لغت کی رو سے ہیں۔ اگر ہر سہ زبانوں کی ایک ایک مثال نظم یا نثر میں کسی مسلمہ استاد کی ان معنوں کی تائید میں تحریر فرمائیں تو باعث کمال شکرگذاری ہوگا۔

(۲) القرآن یفسر بعضہ بعضاً کے مسلمہ اصل کے ماتحت خاتم النبیین کے ان معنوں کی تائید میں زیادہ نہیں صرف ایک آیت قرآن کریم کی تحریر فرمائیں۔ بیحد نوازش ہوگی۔

(۳) علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے موازنہ انیس و دبیر کے صفحہ ۲۹ پر تحریر فرمایا ہے:۔

"جو لوگ اپنے تئیں دلی کی طرف منسوب کرتے تھے وہ ان الفاظ و محاورات کو وطن کی یادگار سمجھتے تھے چنانچہ غالب و ذوق جو خاتم الشعراء ہیں انکے ہاں وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہیں جس کو شیخ ناسخ مدتوں سے چھوڑ چکے تھے۔"

علامہ شبلی کے متعلق افادات مہدی کے صفحہ ۲۷۰ پر ایم مہدی حسن مرحوم لکھتے ہیں:۔

"خاتم المصنفین شبلی نے ہمارے لئے کم و بیش پانچ ہزار صفحوں کا ذخیرۂ ادب چھوڑا ہے۔"

آپ کے بیان فرمودہ معنی اور ان بزرگوں کے حوالجات میں استعمال شدہ خاتم کے معنی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ کیا قصہ ہے۔ براہ کرم اس پر مفصل روشنی ڈالکر ممنون فرمائیں۔

(۴) بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۱۵۹ مطبوعہ مصر پر مندرجہ ذیل دو حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں:۔

ا۔ "والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ و یفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا و ما فیہا۔"

ب۔ "کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم و امامکم منکم۔"

آیت خاتم النبیین کے بیان کردہ مفہوم اور بخاری شریف کی ان احادیث کے مفہوم میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے بُعد المشرقین ہے۔ اور چونکہ بمصداق وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ ممکن نہیں کہ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث

میں اختلاف ہو۔ اسلئے ہر دو کے درمیان توفیق بیان فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔
(۵) وہ شے جس کے ذریعہ سے کوئی شے بند کی جائے" اپنے غیر کو بند کرتی ہے یا خود ہی بند ہو بیٹھتی ہے۔ یعنی کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود دوسرے انبیاء کو بند کرنیوالا ہے یا آپ خود بھی اسی سلسلہ میں شامل ہو کر خاتم بمعنی مختوم ہو گئے ہیں۔
آں مکرم نے جو مشورہ اس عاجز کو دیا ہے کہ" بہتر ہے کہ ان مباحث میں اعتراض و جواب و مباحث سے حتی المقدور پرہیز کیا جاوے اور دل کو وساوس سے پاک رکھا جاوے جس طرح مریض کو چاہئیے کہ حتی الوسع دوا سے پرہیز کرے۔ جب مجبوری ہو تو دوا کھائی جائے اور اس تدبیر سے ازالہ مرض کیا جائے۔ یہی حال امراض قلبی کا بھی ہے"۔ افسوس ہے کہ مجھے اس سے بھی اتفاق نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر انسان مباحثہ کو دانستہ مجادلہ، مکابرہ اور مخادعہ کا رنگ نہ دیوے تو مباحثہ ازدیاد علم کا بہترین ذریعہ ہے۔ نیز طبی اصول بھی یہی ہے کہ جونہی کہ جسم میں کسی قسم کی بیماری کے آثار ظاہر ہوں فی الفور کسی قابل حکیم یا ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا چاہئیے تاکہ مرض کی صحیح تشخیص او ربقول سعدی علیہ الرحمۃ ؎

"سرِ چشمہ شاید گرفتن بمیل ❊ چو پُر شد نشاید گذشتن بپیل"

اس کی جلدی روک تھام ہو سکے۔
امید ہے کہ آں مکرم اس عریضہ کو غور سے مطالعہ فرماکر اس کا مفصل جواب تحریر فرمائیں گے۔ اور چونکہ آپنے اپنی زندگی حق کی اشاعت اور خدمت دین کے لئے وقف کر رکھی ہے اس بات کو ہرگز خاطر میں نہ لائیں گے کہ جواب پر کتنا وقت صرف ہوتا ہے یا کتنی محنت کرنی پڑتی ہے بلکہ ایک طالب حق کو سمجھانے میں ہر ممکن کوشش سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ تعالےٰ احسن الجزاء۔ خاکسار عطا محمد اورنٹیل ٹیچر۔ گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر۔ مورخہ ۵ راکتوبر ۱۹۴۲ء

نقل کارڈ مورخہ ۱۰/۱۴ ۱۹۴۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم ❊ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مکرمی جناب سید صاحب زادکم اللہ شرفاً و عزاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ خاکسار نے مورخہ ۵ راکتوبر ۱۹۴۲ء کو آنمکرم کی خدمت میں ایک ملفوف متضمن بر چند ایک سوالات ارسال کیا تھا۔ اور سوالات آں مکرم کے بیان فرمودہ خاتم النبیین کے معنی اور دیگر بزرگواروں مثلاً علامہ شبلی اور سید مہدی حسن صاحب البخاری شریف کی دو

حدیثوں کے مطابق اِس لفظ کے مفہوم کے متعلق تھے مگر آج تک کہ ۹ ارتاریخ ہوگئی ہے۔ بندہ اس خط کے جواب سے محروم ہے۔ اِس خط کے ذریعہ مکرر عرض ہے کہ اگر جواب تاحال زیرِ غور ہے، تو براہ کرم مجھے مطلع فرمادیں کہ کب تک مجھے اسکے جواب کی توقع رکھنی چاہیئے۔ اور اگر آپ انفرادی طور پر جواب دینے کی بجائے ان سوالات کو اپنے رسالہ معارف میں شایع کر کے جواب دینا پسند فرمائیں تو میں اسکی طباعت کے اخراجات بھی ادا کرنیکو تیار ہوں۔ اِس صورت میں آپ بواپسی اطلاع دیں کہ کس ماہ کے رسالہ میں آپ جوابات شایع کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور کس قدر اخراجات اِن سوالوں کے اندراج کیلئے مجھے ادا کرنا پڑینگے۔ اِس صورت میں جوابات سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مستفید ہونیکا موقع مل جائیگا۔ پس آپ بواپسی جواب دیں (۱) کب تک جوابات کے ملنے کی مجھے امید رکھنی چاہیئے (۲) کب اور کس رسالہ میں آپ سوالات شایع کرسکتے ہیں اور طباعت کے اخراجات کس قدر ہونگے۔ تاکہ میں وہ رقم پیشگی آپ کی خدمت میں ارسال کردوں۔

سید صاحب! ابھی تو میں نے بہت سے سوالات دریافت کرنے ہیں۔ آپنے اگر ایک ایک سوال کے جواب میں اِس قدر تاخیر ہر دفعہ ضروری سمجھی تو مجھے جوابات کے حصول میں ایک عمر لگ جائیگی۔ پس للّٰہ جواب جلدی دیں۔ خاکسار عطا محمد ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر۔ ۹ اراکتوبر ۱۹۴۴ء۔

نمبر ۸۱ الف دار المصنفین اعظم گڈھ مورخہ :-

مکرم السلام علیکم

۱ و ۲۔ آپ نے میری سیرۃ نبوی جلد سوم غور سے نہیں پڑھی ورنہ آپکو وہیں جواب مل جاتا۔ میں نے کتاب کے حاشیہ پر لسان العرب اور صحاح جوہری اور اساس البلاغہ۔ زمخشری کا حوالہ دیدیا ہے اب اور کیا چاہیئے۔ پھر اسکے یعنی لفظ ختم کے استعمالات کی قرآنی آیتیں اور حدیثیں پیش کردی ہیں۔ اگر آپکو ان سے ہدایت نہیں ملی تو پھر میرے پاس کوئی دوسرا ذریعہ ہدایت کے پیش کرنیکا نہیں لسان العرب میں ہے ختم و طبع فی اللغۃ واحد و ھو التغطیۃ علی الشیٔ والاستیثاق من ان لا یدخلہ شیٔ

والختم علی القلب ان لا یفھم شیئًا ولا یخرج منہ شیٔ۔ اور خاتم وہ آخری چیز ہے جو کسی سلسلہ کو ختم کرے۔ خاتم الشیٔ آخرہ

قرآن پاک میں جہاں لفظ ختم آیا ہے بند کرنیکے علاوہ کوئی دوسرے معنی نہیں لئے گئے ہیں۔ آپ ایک ہی آیت اس کے خلاف پیش کیجئے۔

۳۔ آپ نے اُردو کی جو دو مثالیں پیش کی ہیں، وہ ممکن ہے کہ متاخرین کے یہاں عربی میں بھی یہ استعمال مل جائے وہ بھی مبالغۃً آخرۃ کے معنی میں ہیں۔ اور مقصود کے لحاظ سے ایک ہی معنی رکھتے ہیں کہ مولانا شبلی کے نزدیک ذوق وغالب پر شاعری بند ہو گئی۔ اب ان کے بعد شاعر نہ ہونگے۔ اور اسی طرح مہدی مرحوم نے مولانا شبلی کے متعلق یہی بات ظاہر کی ہے کہ ان پر تصنیف بند ہو گئی، اور اب مصنف پیدا نہ ہونگے لیکن یہ بیان سراسر مبالغہ پر مبنی ہے۔ واقعہ نہیں ہے۔ مگر اُردو کے اصطلاح اور متاخرین کے مبالغہ آمیز لفظ سے قرآن کی تفسیر جہالت ہے۔

۴۔ بخاری کی روایت مذکورہ میں ابن مریمؑ کے نزول کی خبر ہے کسی نبی کی بعثت کی خبر نہیں۔ جو بعد المشرقین ہو۔ اختلاف آپکے فہم میں ہے قرآن و حدیث میں نہیں۔

۵۔ پانچویں سوال کا مفہوم صاف نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ ذات اقدس ہیں جنکے ذریعہ سے پیغمبر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا یعنی بند کر دیا گیا۔ ان دونوں مفہوموں میں تو کوئی اشکال نہیں۔

اگر آپ کو ان مباحث پر مزید تحقیق منظور ہو تو مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کی کتاب ختم نبوت پر ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب کا نام خاتم النبیین ہے۔ دوسرا رسالہ مولانا فتح محمد صاحب کا ہے بنام ختم نبوت۔ نیز رسالہ ختم نبوت مفتی محمد الدین صاحب گجرات و محمدیہ پاکٹ بک عبداللہ معمار بھی ملاحظہ ہو۔ وغیرہ۔

غرض ان تمام مسائل پر علماء نے اتنی بحثیں کر دی ہیں کہ انکو دوبارہ چھیڑنا تضیع وقت کے سوا کچھ نہیں۔ آپ بھی کسی مفید شغل میں اپنا وقت صرف کریں۔ ان فضول مباحث سے کچھ حاصل نہیں جنکو مدعیانِ قادیان نے پیدا کیا ہے۔ پھر آپکے شہر میں مولانا ثناء اللہ صاحب موجود ہیں، ان سے تشفی حاصل کر لیا کریں۔ والسلام سید سلیمان۔ ۳ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرم بندہ جناب سید صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آنمکرم کا نوازش نامہ بڑی انتظار کے بعد مؤرخہ یکم نومبر ۱۹۴۴ء کو ملا۔ یاد آوری کا بیحد شکریہ۔ آپنے شکوہ فرمایا ہے کہ میں نے آپکی سیرت النبی جلد سوم غور سے نہیں پڑھی۔ اور مجھے یہ گلہ ہے کہ آپنے میرے نیاز نامہ کو غور سے مطالعہ نہیں فرمایا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ "خاتم النبیین" کی ترکیب میں لفظ "خاتم" کے یہ معنی عربی فارسی اُردو میں سے کونسی لغت کے

لغت سے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ میری مراد لغت سے وہ زبان ہے جو عملی رنگ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے نہ کہ لغت کی کتب۔ کیا لسان العرب اور صحاح جوہری اور اساس البلاغہ کا نام لغت عرب ہے۔
پھر افسوس بالائے افسوس یہ ہے کہ معنی تو میں آپ سے خاتم النبیین کے دریافت کر رہا ہوں، اور آپ مثالیں ختم اور طبع اور ختم علی القلب کی فرمانے لگ گئے ہیں۔ کیا قرآن کریم میں "ختم اللہ علی النبیین" لکھا ہے۔ کہ آپ یہ مثالیں دے رہے ہیں۔ کیا قرآنی ترکیب یعنی خاتم کا لفظ مضاف ہو اور ایک قوم یا جماعت مضاف الیہ ہو کوئی انوکھی ترکیب ہے۔ جو صرف قرآن کریم میں پہلی دفعہ وارد ہوئی ہے۔ اور عرب لوگ اس ترکیب سے بالکل ناآشنا ہیں۔ کیا عربی، فارسی، اردو میں خاتم کا لفظ مجددین، محدثین، شعراء، مصنفین کی طرف مضاف کر کے لوگ خاتم المجددین، خاتم المحدثین، خاتم الشعراء، اور خاتم المصنفین نہیں لکھتے اور نہیں بولتے۔ اور جب لکھتے بھی ہیں اور بولتے بھی۔ تو سمجھنے والے اس سے کیا سمجھتے ہیں۔ میری پیش کردہ دو مثالوں کے متعلق خود آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ ان مثالوں میں خاتم الشعراء و خاتم المصنفین کا مفہوم سراسر مبالغہ پر مبنی ہے۔ واقعہ نہیں ہے۔" کیا یہی معنی خاتم النبیین میں نہیں لئے جا سکتے ؟ کہ اللہ تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات نبوت میں مبالغہ فرماتا ہے۔ مگر یہ امر واقعہ نہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت بند ہو گئی۔ اس بات کا کہ آپ کا بیان فرمودہ مفہوم منشائے متکلم کے صریح برخلاف ہے ایک مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ متکلم (اللہ تعالےٰ) نے اپنی کتاب عزیز میں یہی مفہوم دو جگہ بیان فرمایا ہے مگر دونو جگہ اسلوب بیان ایک ہی اختیار فرمایا ہے۔ دیکھو سورہ جن وظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احداً۔ اور سورہ مومن قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولاً۔ پس اگر خاتم النبیین کا مفہوم وہی ہوتا جو آپ نے بیان کیا ہے تو قرآنی اسلوب بیان میں اُسے اللہ تعالیٰ یوں ادا فرماتا۔ لن یبعث اللہ من بعد محمد رسولاً۔ فافہم وکن من المفکرین المعنیین !

نیز آپ فرماتے ہیں "قرآن پاک میں جہاں لفظ ختم آیا ہے بند کرنے کے علاوہ کوئی دوسرے معنی نہیں لئے گئے ہیں۔ آپ ایک ہی آیت اسکے خلاف پیش کیجئے۔ اسکے جواب میں بندہ عرض کرتا ہے کہ عربی زبان میں صلہ اور ترکیب کے اختلاف سے (بلکہ ہر زبان میں) معنوں میں زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ چونکہ قرآن کریم میں ختم کا لفظ علیٰ کے صلہ کیساتھ آیا ہے اسلئے معنے بند کرنیکے ہو گئے ہیں۔ مگر موجودہ ترکیب میں ختم کا لفظ تو نہیں۔ نہ علیٰ کا صلہ ساتھ ہے کہ بند کرنیکے

معنی لئے جائیں۔

پس "خاتم النبیین" کے معنی کرتے ہوئے ختم بصلہ "علے" کے معنی کرنا قرآن کی ایسی تفسیر کرنا ہے جو تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلُہٗ کی مصداق ہے۔ بالفاظِ دیگر ہم اپنے عقیدہ کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر کرنیوالے ہوں گے نہ کہ قرآن کے مطابق اپنا عقیدہ بنانیوالے۔

قبلہ سیّد صاحب! غلط مبحث نہ فرمائیں اور ذرا غور و فکر سے کام لیکر جواب عطا فرمائیں۔ اور نیز اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ لہٰذا خاتم النبیین کے بیان کردہ مفہوم کی مؤید صرف ایک آیت قرآن کریم کی تحریر فرمائیں ممنون ہونگا۔

پھر آنمکرم نے فرمایا ہے کہ "ابن مریمؑ کے نزول کی خبر ہے کسی نبی کی بعثت کی خبر نہیں جو بُعد المشرقین ہو۔ اختلاف آپکے فہم میں ہے قرآن و حدیث میں نہیں"۔ اسکے متعلق صرف اسقدر عرض ہے کہ کیا یہ وہی ابن مریمؑ ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے یا یہ کوئی اور صاحب ہیں۔ اگر یہ وہی ابن مریمؑ ہے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے اور جس کا نام عیسٰیؑ اور مسیحؑ بھی ہے تو وہ تو رسولاً الیٰ بنی اسرآئیل تھے۔ خاتم النبیینؑ کے بعد اس ابن مریمؑ کے نزول کی کیا ضرورت ہے اور اگر کوئی اور صاحب ہیں تو ان کے متعلق بھی مفصل تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔ ۹

نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اِس ابن مریم کے نزول کی قرآن کریم میں کہاں خبر دی گئی ہے۔ تا معلوم ہوسکے کہ خاتم النبیین کے بیان کردہ مفہوم اور بخاری شریف کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور کیا اس ابن مریمؑ کا آپ معارف مارچ ۱۹۳۰ء میں جنازہ نہیں پڑھ چکے۔ پھر آنیوالا ابن مریمؑ اور کون ہے؟

جس دن سے آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا ہے مَیں اُسی دن سے جواب لکھ رہا ہوں چونکہ وہ جواب قریباً اِسی قلم اور اِسی سائز کے پچاس صفحہ تک پہنچ گیا ہے۔ رات مجھے خیال آیا کہ شائد وہ جواب آپ اطناب مخل سمجھکر پڑھنے کی تکلیف ہی گوارا نہ فرمائیں۔ اِس خوف سے مَیں نے مناسب سمجھا کہ فی الحال جو باتیں زیادہ قابلِ تشریح ہیں اُنہیں کے متعلق آنمکرم سے دریافت کرلیا جائے۔ مَیں اِس بات سے بھی ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ ناراض ہی نہ ہوجائیں اور سلسلہ خط و کتابت کا بند ہی نہ کردیں۔ اسلئے مختصر خط پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور پھر عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس عاجز کو سمجھانے کے لئے ذرا کسی قدر تفصیل سے کام لیں۔ مجھے اِدھر اُدھر کے حوالے نہ دیں۔ مَیں آپ سے بوجہ غائبانہ محبت رکھنے کے صرف آپ ہی کی طرف سے تسلی اور تشفی کا سامان چاہتا ہوں۔ و بس امید ہے

کہ آپ مجھے محروم نہ رکھیں گے۔ جواب کے ہمراہ اگر اصل خط سابق کی طرح واپس فرمائیں تو باعث کمال شکر گذاری ہوگا۔ نیز جواب جلد بلد عطا فرمایا کریں۔ دیر ہو جانیسے دل گھٹنے لگتا ہے۔ میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں کہ ایک خیال کی بنا پر جواب میں اس قدر تاخیر ہوگئی۔ آئندہ انشاء اللہ محتاط رہوں گا۔ وباللہ التوفیق۔ والسلام۔ عاجز عطا محمد او نٹیل ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر۔

مورخہ ۴ ار نومبر ۱۹۴۴ء

مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خیر معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کے معنی بند کرنیکے بیان کا جو مطالبہ کسی لُغت کی رُو سے تھا اس لُغت سے آپکی مراد لُغت کی کتاب نہیں بلکہ لُغت بمعنی زبان ہے تو عرض ہے کہ ختم کے معنی بند کرنیکے عربی لغت ہی میں ہیں۔ جیسا کہ عربی سے منقول ہو کر اُردو اور فارسی میں بھی ختم کے معنی بند کرنیکے اور آخر ہونیکے ہوتے ہیں۔ مُہر کو بھی اسی لئے ختم کہتے ہیں کہ وہ آخر میں اس علامت کیلئے کر دی جاتی ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ چیز بند ہی رہی کھولی نہیں گئی ہے۔[1]

آپنے ختم علی الشیء اور ختم الشیء یعنی بصلہ علیٰ اور بغیر صلہ علیٰ کا فرق جو نکالا[2] ہے اس سے اتنا معلوم ہوا کہ "ختم علی الشیء کے معنی بند کرنیکے آپکو تسلیم ہو گئے۔ بحمداللہ"۔ اب آپکو شک ہے کہ بلا صلہ علیٰ کے یہ معنی عربی میں پائے نہیں، سو انشاء اللہ آپ کی یہ غلطی بھی رفع ہو جائیگی، بشرطیکہ نیت صحیح ہو اور عناد نہ ہو۔[3] اب اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ عربی زبان میں بغیر صلہ علیٰ جب ختم کا لفظ یا اس کا کوئی مشتق استعمال ہوا ہے تو سوائے بند کرنیکے اور اسکی مناسبت سے بمعنی دوم آخر کے معنی کے دوسرے معنی نہیں آتے۔ گو میرا یہ دعویٰ منفی میں ہے اور نافی کو دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دلیل آپ کو اپنے معنی کے اثبات کیلئے دینا چاہیے۔ تاہم میں تبرعاً دلیل پیش کرتا ہوں۔ لیجئے قرآن پاک میں ہے "ختامہ مسک"۔ آپ اپنے معنی کر کے دیکھئے، میرے معنی تو ظاہر ہیں۔ اور حدیث شریف میں بھی ہے "خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ" کہئے یہاں تو علیٰ نہیں ہے اور میرے معنی واضح ولائح ہیں کہ حضور کے بعد نبیوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اب کتب لغت عربی ملاحظہ فرمائیے۔

میں اپنے ثبوت کیلئے عربی زبان کا مشہور لغت "لسان العرب" کے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

"ختم فلان القرآن اذا قرأہ الی اٰخرہ وقال ابن سیدہ ختم الشیٔ یختمہ ختماً بلغ اٰخرہ وختم اللہ لہ بخیر وخاتم کل شیٔ

(۱) دیکھئے لفظ خاتم مذ نت کیساتھ آیا اور معنی آخر کے ہیں۔ کیونکہ آخر سلسلہ کو بند کرتا ہے۔

وختامتہ، عاقبتہ وآخرہ واختتمت الشی نقیض افتتحہ وخاتم السورۃ آخرھا وقولہ انشدہ الزجاج ع

ان الخلیفۃ ان اللہ سربلہ ٭ سربال ملک بہ ترجی الخواتیم

انما جمع خاتما علی خواتیم اضطرارا، وختام کل مشروب آخرہ وفی التنزیل العزیز "ختامہ مسک" ای آخرہ لان آخر مایجدونہ رائحۃ المسک وقال علقمۃ ای خلطہ مسک الم تر الی المرأۃ تقول للطیب خلطہ مسک خلطہ کذا وقال مجاھد معناہ مزاجہ مسک وھو قریب من قول علقمۃ، وقال ابن مسعود عاقبتہ طعم المسک وقال الفراء قرء علی علیہ السلام خاتمہ مسک، وقال اما رأیت المرأۃ تقول للعطار اجعل لی خاتمہ مسکا ترید خاتمہ قال الفراء والخاتم والختام متقاربان فی المعنی الا ان الخاتم الاسم والختام المصدر وقال الفرزدق ع

فبتن جنابتی مصرعات ٭ وبت افض اغلاق الختام

اس شعر کو خاص طور سے پڑھیے

قال ومثل الخاتم والختام قولک للرجل ھو کریم الطابع والطباع وقال تفسیرہ ان احدھم اذا شرب وجد آخر کأسہ ریح المسک وختام الوادی اقصاہ، وختام القوم وخاتمھم وخاتمھم آخرھم"

(دیکھیے خاتم مضاف جماعت کی طرف ہے اور اسکے معنی آخر کے ہیں جو سلسلہ کو بند کرے)

عن اللحیانی ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء علیہ وعلیھم السلام "التھذیب" والخاتم والخاتم من اسماء النبی علیہ السلام وفی التنزیل ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای آخرھم"

ان اقتباسات میں آیات، اشعار اور لغات و محاورات سب ہیں جن کا مطالبہ آپ نے اپنے خط میں کیا ہے۔ اب آپ اپنے معنی کے ثبوت میں کوئی قرآن کی آیت، کوئی حدیث، کوئی متقدم جاہلی یا اسلامی عربی شعر، کوئی عربی لغت یا مستند تفسیر کی کتاب پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بطور مبالغہ خلاف واقعہ اور دراصل جھوٹ کہنے کا عقیدہ جیسا کہ آپ بتاتے ہیں اہل قادیان ہی کو مبارک ہو۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ حضورؐ کے کمالات تامہ کا عقیدہ بھی آپکے نزدیک واقعہ نہیں بلکہ بطور مبالغہ کے ہے۔ جو دراصل خلاف واقعہ ہوتا ہے جیسا کہ زید کو مبالغۃً اسد کہنا خلاف واقعہ ہے۔ باقی غیر متعلق باتوں کے جواب سے احتراز کیا گیا ہے ——— ابن مریم پر بحث اس کے بعد ہوگی اور معلوم ہوگا کہ آپکے ابن مریم کا جنازہ نکلا یا میرے۔ ذرا معارف کا محولہ مضمون پڑھ لیں۔

سید سلیمان ندوی ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

کرمی سید صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آنمکرم کا نوازش نامہ بڑی دیر کے بعد مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو موصول ہو کر باعث اعزاز ہوا۔ یادآوری کا تہ دل سے شکریہ۔ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ آپ نے تکلیف بھی اٹھائی مگر میرے سوالات کا جواب بھی عطا نہ فرمایا۔ اور جس غلطی کی طرف میں نے آپکی توجہ مبذول کرائی تھی اس کا اعتراف کر لینے کے باوجود پھر وہی نقل نویسی آپ نے شروع فرما دی۔ باوجود میرے صاف طور پر عرض کر دینے کے کہ لسان العرب، صحاح جوہری اور اساس البلاغہ کا نام لغت عرب نہیں ہے۔ پھر آپ نے لسان العرب کا طویل طویل اور بے تعلق اقتباس درج کر دیا ہے۔ حالانکہ اس کا نہ میں نے مطالبہ کیا تھا نہ اس کا کوئی فائدہ ہے کیا اس سے صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ آپکے پاس لسان العرب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

قبلہ سید صاحب! آپکو اسی خدا کی قسم ہے جس کا نام لینے پر آپ کے نانا جان (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بھی غور سے بات سننے کے لئے متوجہ ہو جایا کرتے تھے۔ کہ اس عاجز کی مندرجہ ذیل تین گزارشات ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرمایئے اور تقوی اللہ کو مدنظر رکھکر ان کا جواب دیجئے۔

۱۔ اگر آپکے نزدیک القرآن یفسر بعضہ بعضاً کا اصل مسلم ہے تو خاتم النبیین کے

بیان کردہ مفہوم کی صرف ایک آیت قرآن کریم کی تحریر فرمائیں۔ اور اگر اس مفہوم کی کوئی ایک آیت بھی قرآن کریم میں نہیں ہے تو ارشاد باری تعالیٰ قولوا قولاً سدیدا کی تعمیل میں مومنانہ صاف دلی سے اقرار فرمائیے کہ اس مفہوم کی کوئی آیت قرآن پاک میں نہیں ہے۔ آخر آپ نے رسالہ معارف میں اس سال اپنے بعض معتقدات سے رجوع فرمایا ہے۔ اگر اس رجوع میں للّٰہیت مدنظر تھی تو اس میں بھی کوئی دُنیوی غرض مدنظر نہیں ہے۔ اور اگر آپ کے نزدیک یہ اصل مسلّم نہیں ہے تو بھی صاف طور پر تحریر فرمائیں کہ مجھے یہ اصل مسلّم نہیں ہے۔

(۲) قرآنی ترکیب یعنی خاتم کا لفظ ایک قوم یا جماعت کی طرف مضاف ہو۔ عربی، فارسی، اردو زبان میں کسی متکلم نے نظم یا نثر میں کوئی فقرہ بولا ہو اور اس کا مقصد وہ مفہوم بیان کرنا ہو جو آپ نے سیرۃ النبی میں لیا ہے اور مخاطب نے بھی وہی مفہوم سمجھا ہو جو آپ لوگوں کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ ختم اور ختام اور خاتمہ اور ختم علی القلب اور طبع میں سے کوئی ایک بھی درکار نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کے متنازعہ فیہ مقام میں ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ نہ لسان العرب کی نقل نویسی درکار ہے کسی متکلم کا کلام ہو جو اس نے عملی رنگ میں تحریراً یا تقریراً کسی سے کیا ہو۔ اس کے سامنے ایک یا زیادہ مخاطب ہوں مفہوم آپ کا بیان کردہ ہو اور سمجھنے والوں نے بھی وہی مفہوم سمجھا ہو

(۳) اگر خاتم النبیین کا مفہوم وہی ہے جو آپ نے سیرۃ النبی میں بیان فرمایا ہے، تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو ابن مریمؑ کے نزول کی پیشگوئی فرمائی ہے اس سے قرآن کریم اور حدیث صحیح میں شدید اختلاف لازم آتا ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین کے معنی تو آپ یہ کرتے ہیں کہ حضورؐ پر نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب نہ کوئی نیا شخص اس سلسلہ میں داخل ہو سکتا ہے نہ کوئی اس میں سے باہر نکل سکتا ہے۔ مگر باوجود نبوت کا دروازہ اس سختی سے بند کرنے کے ابن مریم کے لئے پھر بھی ایک کھڑکی کھلی رکھ لیتے ہیں۔ میرا مطالبہ یہ ہے۔ کہ جب نبوت کا سلسلہ بند ہی ہو گیا تو پھر ابن مریمؑ کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور نیز خاتم النبیین کی ترکیب میں وہ کونسا لفظ ہے جس سے ابن مریم کے نزول کا مفہوم مستنبط ہوتا ہے۔ اور نیز اس صورت میں جو اختلاف قرآن کریم اور صحیح حدیث میں لازم آتا ہے اسکے رفع کی صورت کیا ہے۔ یہ ہیں میرے تین بنیادی مطالبے ان کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دیجئے۔ اور تقوی اللہ کو مدنظر رکھکر دیجئے ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے + اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ "ابن مریمؑ کے نزول کی خبر ہے کسی نبی کی بعثت کی خبر نہیں جو اختلاف ہو" صرف

ضد کی وجہ سے اور اپنے پرانے بے بنیاد خیال کی بیجا حمایت کی وجہ سے ہے ورنہ آپ بھی خوب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ابن مریمؑ کو مسلم شریف میں چار دفعہ نبی اللہ کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ اگر پہلے معلوم نہ ہو تو اب مسلم شریف لائبریری سے منگوا کر حوالہ دیکھ لیجئے اور اپنی تسلی کر لیجئے۔

مجھے آپکی عالمانہ شان سے یہ امید نہیں کہ آپ بار بار لسان العرب سے ختم اور ختام اور اس کے مشتقات کے بے تعلق معانی کی نقل فرمائیں گے کیونکہ یہ الفاظ ایسے نہیں ہیں کہ صرف آپ ہی کی باریک بین نگاہیں ان کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوئی ہوں! اور نعوذ باللہ خدا کی نظر سے یہ سب الفاظ اوجھل ہی رہ گئے ہوں۔ اور مجھے پختہ یقین ہے کہ ایسی کتاب میں جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب و عجم کے فصحی و بلغاء کج مج لسان اور ژولیدہ بیان ہو کر رہ گئے۔ آپ مسلمان کہلا کر اس بیسویں صدی میں یہ تحریف کرنے کی ہرگز جرأت نہ کریں گے کہ قرآن میں تو لکھا ہوا ہو خاتم اور آپ محض اپنے فاسد عقیدہ کی تائید کی خاطر لسان العرب کا تارِ عنکبوت سے بھی کمزور سہارا لیکر ختم اور ختام اور خاتمہ وغیرہ کی گردان شروع کر دیں۔ اور دل میں یہ سمجھ لیں کہ ہم نے تحقیق و تفتیش کے سب مراحل طے کر لئے ہیں۔

آپ کی یہ عبارت میرے لئے کچھ کم تعجب کا موجب نہیں کہ جب قرآن کی ایک ایک حرکت، ایک ایک شعشہ، ایک ایک لفظ کے نیچے ہزاروں لاکھوں خزانے حکمت کے پوشیدہ ہیں آپ بجائے ان حکمتوں کو غور و خوض کر کے معلوم کرنے کے ایسا طریق اختیار فرما رہے ہیں، گویا آپ خدا کو بھی عربی پڑھانا چاہتے ہیں۔ اور رہا ثکرا آپکے عجز کی اس سے زیادہ کھلی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ میں معنی تو آپسے خاتم کے پوچھ رہا ہوں اور آپ نہایت بیکسی کی حالت میں فرماتے ہیں "عربی زبان میں ابتدا سے علی العموم جب ختم کا لفظ یا اس کا کوئی مشتق استعمال ہوا ہے تو سوائے بند کرنے اور اسکی مراعات سے معنی دوم آخر نے معنی کے دوسرے معنی نہیں آتے۔" گو میرا یہ دعویٰ نفی میں ہے اور نافی کو دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دلیل آپکو اپنے معنی کے اثبات کے لئے دینا چاہئے۔ تاہم میں تبرعاً ایک مثال پیش کر دیتا ہوں لیجئے قرآن پاک میں ہے "ختامہٗ مسک" انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اے بھولے سید بادشاہ! کیا "خاتم النبیین" اور "ختامہٗ مسک" میں کوئی معنوی جوڑ بھی ہے؟ کیا آپکے دل میں خدا کا کچھ بھی خوف نہیں۔ آخر یوم حساب آنیوالا ہے اور محاسبۂ اعمال کیلئے اس ملیک مقتدر کے سامنے اعظم گڈھ کے لوگ بھی پیش ہونگے یا نہیں۔

جس حالت میں خود لسان العرب والا حیران ہے کہ ختام کے معنی کیا ہیں اور علقمہ اور مجاہد اور ابن مسعود کی کاسہ لیسی کر رہا ہے۔ اور پھر تینوں کے معنی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور خود ان کا آپس میں اتفاق نہیں۔ کوئی خلط بتاتا ہے کوئی مزاج کہتا ہے کوئی ختام کو خاتم بتلاتا ہے تو کیا آپ کا فرض نہیں کہ آپ اپنی خداداد عقل سے بھی کام لیں اور اس روایت کی بنیاد پر اپنے ان نازک اعمال و عقائد کی عمارت تعمیر نہ کریں جو بعد مرنے کے سعادت ابدی یا شقاوت ابدی کا موجب ٹھیرینگے۔ اور ان اوہام و خیالات پر ہرگز نہ بیٹھے رہیں جن کی حقیقت کی ایک بھی دلیل آپکے ہاتھ میں نہیں ہے۔ باقی آپنے مجھ سے جو مطالبہ فرمایا ہے کہ میں اس معنی کی تائید میں کوئی حدیث نبوی یا قدیم جاہلی یا اسلامی عربی شعر کوئی عربی لغت یا مستند تفسیر کی کتاب پیش کروں۔ اسکے متعلق نہایت اختصار سے عرض پرداز ہوں :-

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن نازل ہوا خاتم النبیین بمعنی بند نبوت نہ سمجھتے تھے کیونکہ حضور نے اس آیت کے نزول کے پانچ سال بعد اپنے لخت جگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر فرمایا- ان لہ مرضعۃ فی الجنۃ ولو عاش لکان صدیقا نبیا۔ (دیکھو ابن ماجہ جلد اول صـ۲۳۳ مطبوعہ مصر) اگر خاتم النبیین کا وہی مفہوم ہوتا جو آپنے سیرۃ النبی میں لیا ہے تو وہ افصح العرب والعجم ہرگز نہ فرماتے۔ بلکہ اس کی بجائے یوں فرماتے۔ ولو عاش ابراہیم ما کان نبیا لانی خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ یعنی اگر یہ لڑکا زندہ بھی رہتا تب بھی نبی نہ ہو سکتا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۲- حضور ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی ہرگز نہ فرماتے کیونکہ جب سلسلہ نبوت بقول سید سلیمان صاحب ندوی بند ہی ہو گیا تو پھر ابن مریم کے آنیکی ضرورت ہی کیا رہی۔ اور یہ کہاں لکھا ہے کہ نیا تو نہیں آئیگا مگر پرانے نبی آتے رہیں گے! اور کیا اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا کہ خدا نے کوئی پرانا نبی بھیجا۔ کیا مسیح ابن مریم نعوذ باللہ خدا سے اتفاقاً بن گیا کہ پھر ویسا شخص بنانے پر وہ قادر نہیں۔ کہ اسے سنبھال کر رکھ چھوڑا ہے تا جب نبیوں کا سلسلہ بند ہو جاوے تو اس غریب کو دوبارہ دنیا میں بھیج کر دشمنوں کی لعن طعن اور رجم و مدر کا مرمی بنایا جاوے۔

۳- اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو فہم قرآن میں ید طولیٰ رکھتی تھیں اور جنکے گھر میں اور جنکی گود مبارک میں قرآن نازل ہوتا تھا وہ اس ترکیب کا یہ مفہوم نہ سمجھتی تھیں چنانچہ آپ فرماتی ہیں- قولوا انہ خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی

بعدہٗ (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۲۰۴) یعنی اے لوگو! خاتم النبیین تو کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد نبی کوئی نہیں۔

کیا جو شخص حضورؐ کو اپنی ماں سمجھتا ہے اور اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی معلوم ہے کہ الجنۃ تحت اقدام امھاتکم وہ حضورؐ کے اس صریح ارشاد سے سرتابی کر سکتا ہے؟

۴۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جو نورِ نبوت سے بلا واسطہ فیض پانیوالے تھے۔ اس ترکیب کا یہ مفہوم نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی درمنثور میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

من الشعبی قال قال رجلٌ عند المغیرۃ ابن شعبہ صلی اللہ علیٰ محمد لا نبی بعدہٗ۔ فقال المغیرۃ حسبك اذا قلت خاتم النبیین فانا کنا نحدث ابن مریم خارج۔ فان خرج فقد کان بعدہٗ یعنی شعبی جو کبار تابعین میں سے ہیں روایت کرتے ہیں۔ کہ مغیرہؓ کے پاس ایک شخص نے کہا جناب محمدؐ پر اللہ تعالیٰ کا درود ہو۔ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت مغیرہؓ فرمانے لگے۔ تجھے خاتم النبیین کہنا کافی ہے۔ لا نبی بعدی کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں کہا کرتے تھے کہ حضرت ابن مریمؑ مبعوث ہونیوالے ہیں۔ جب وہ مبعوث ہوں گے تو آنحضرت کے بعد وہ نبی ہوں گے۔"

کیوں جی قبلہ سید سلیمان صاحب! آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ یہ مغیرہؓ کون صاحب ہیں یہ وہی حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں جو صلح حدیبیہ کے وقت خود پہنے، زرہ بکتر لگائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہرہ پر مامور تھے۔ فرمائیے ان کے مقابلہ میں ایک سید سلیمان ندوی اور لسان العرب چھوڑ ہزار سید سلیمان ندوی اور لسان العرب کی بھی کوئی حقیقت ہے؟ مومن انسان کے نزدیک تو معاملہ صاف ہے۔ ہاں کوئی جان بوجھکر سرتابی کرے تو اور بات ہے۔ خاص کر ایسی حالت میں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد بھی موجود ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کسی کی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

۵۔ جن کو آپ سیرۃ النبی میں عارف روم کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ؎

بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود   ٭   مثل او نے بود نے خواہند بود

چونکہ در صنعت برد استاد دست   ٭   نے تو گوئی ختم صنعت بر تو ہست

فرماتے! کچھ آیا سمجھ شریف میں کہ عارفِ روم خاتم اور ختم کے کیا معنی فرماتے ہیں؟ اور سنیئے!

۶۔ انوری کہتا ہے :۔

مادر دوران نزاید زیر چرخ چنبری ❊ پادشاہے چوں غیاث الدین گدا چوں انوری

بر تو سلطانی است ختم و برمن مسکیں سخن ❊ چوں شجاعت برعلی بر مصطفےٰ پیغمبری

۷۔ سعدی کہتا ہے اور مولانا شبلی اپنے قلم حقائق رقم سے شعر العجم میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"سعدی کو غزل کا استاد مانا گیا ہے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ رزم اچھی نہیں لکھ سکتے ؎

کہ فکرش بلیغ است ورائش بلند ❊ دریں شیوۂ زہد و طامات و پند

نہ در خشت و گوپال و گرز گراں ❊ کہ ایں کار ختم است بر دیگراں"

۸۔ وفیات الاعیان میں لکھا ہے :۔

فجمع القریض بخاتم الشعراء ❊ وغدیر روضتہا حبیب الطائی

۹۔ اور سنیئے !:۔

طوق الرسالۃ تاج الرسل خاتمھم ❊ بل زینۃ لعباد اللہ کلھم

۱۰۔ آں مکرم نے خاتم الشئ آخرہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ مگر میں حیران ہوں کہ آپ لوگ ہمیں پڑھاتے وقت اور اپنی پرائیویٹ تحریر و تقریر میں تو وہی معنی کرتے ہیں جو عام طور پر بولے اور سمجھے جاتے ہیں۔ مگر دینی طور پر مسئلہ پوچھا جاوے تو پھر کسی مصلحت کے ماتحت دبی مولویانہ ایچا پیچی شروع کر دیتے ہیں۔ سنیئے حماسہ مترجم ہندی صفحہ ۱۳۶ طبع دوم میں لکھا ہے ؎

"شری وُدّی وشکری من بعید ❊ لاٰخرِ غالب ابداً ربیع

شرح: ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور میرا شکر دور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی غالب میں آخری شخص عدیم المثال ہے خرید لیا ہے۔ اور مراد عدیم المثال سے بھی ربیع ہے۔"

۱۱۔ علامہ اقبال داغ کے متعلق لکھتے ہیں ؎

مر گیا داغ آج میت اس کی زیب دوش ہے

آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

قرآن کریم کی رو سے دو گواہوں سے مقدمہ فیصل ہو جاتا ہے۔ فرمایئے ان دس گواہوں کی گواہی سے مقدمہ خاتم اور ختم کا فیصل ہوا کہ نہیں۔ اور یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ لغت کی رو سے کسی لفظ

کے معنے اسی طرح بیان کئے جاتے ہیں جس طرح لوگ عام طور پر اس لفظ کو تحریر و تقریر میں بولتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ لائبریری میں سے کوئی لغت کی کتاب اٹھا کر اس میں سے معنی نقل کر دیئے۔ اور نہ یہ ہوتا ہے کہ شہادت تو لفظ خاتم اور اس کے ایک قوم کی طرف مضاف ہونیکی دو کا رہو مگر گواہ ختم علی القلب اور ختم اور ختام اور طبع پر گذر نے لگ جائیں۔ اگر انگریزی عدالتوں میں اس قسم کے جعلی گواہ گذریں تو فی الفور حوالہ پولیس کئے جائیں مگر چونکہ دین کے قانون میں لا اکراہ فی الدین اور من شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر کی دفعات موجود ہیں اس لئے ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو چاہے کہتا چلا جاوے کوئی روکنے والا نہیں۔

میں ایک دفعہ پھر پوری قوت اور پورے اخلاص کیساتھ آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ لسان العرب کوئی ایسی نادر اور اعجوبہ چیز نہیں کہ آج ہی منصۂ شہود پر آئی ہو۔ اور صرف آپ ہی کی اس تک رسائی ہوئی ہو۔ اور پہلے بزرگوں نے اس کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ دیکھئے! مندرجہ ذیل بزرگ کیا فرماتے ہیں:۔

۱۔ علامہ زرقانی جن کی تعریف میں علامہ شبلی رطب اللسان ہیں فرماتے ہیں:۔

"خاتم النبیین معناه احسن الانبیاء خلقاً لانه جمال الانبیاء کالخاتم الذی یتجمل به" (جلد ۳ صفحہ ۱۶۳)

۲۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:۔

"ان رسولنا لما کان خاتم النبیین کان افضل الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام" (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳۱)

۳۔ مشہور محدث ملا علی قاری اپنی کتاب موضوعات کبیر صفحہ ۵۹ طبع ہندی میں فرماتے ہیں۔ اور لو عاش کی حدیث کو صحیح ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"قلتُ مع هذا لو عاش ابراهیم وصار نبیاً و ایضاً لو صار عمر نبیاً لکان من اتباعه صلی الله علیه وسلم فلا یناقض قوله خاتم النبیین اذا المعنی انه لا یاتی نبیٌّ ینسخ ملّته ولم یکن من امته"

ترجمہ میں کہتا ہوں کہ باوجود اسکے اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ رہتے اور نبی ہوجاتے اور اسی طرح اگر حضرت عمرؓ نبی ہوجاتے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں میں سے ہوتے پس

اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیین اور ان احادیث میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ کیونکہ معنی یہ ہیں کہ کوئی نبی ایسا مبعوث نہ ہوگا جو حضورؐ کی شریعت کو منسوخ کر دے۔ اور حضورؐ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔

فرمایئے! یہ بزرگ عربی پڑھے ہوئے تھے یا نہیں۔ اور قرآن وحدیث بھی جانتے تھے یا نہیں۔ کیا یہ بزرگ ہستیاں خاتم اور ختم اور ختام اور خاتمہ میں فرق نہ کر سکتی تھیں جنہیں لسان العرب میں سے نقل کر دینے پر آپ نے اپنے خیال میں بڑا بھاری قلعہ فتح کر لیا ہے۔ اور گویا آپ کے لئے اس آیت کے متنازعہ فیہ الفاظ کے معانی میں مزید غور وفکر کرنا بالکل حرام ہو گیا ہے۔ یا خدا تعالیٰ نے جو قرآن کریم میں تدبّر وتفکّر کرنے کا ارشاد فرمایا ہے اس کا آپ پورا پورا حق ادا کر چکے ہیں۔ یا آپ بالکل معصوم عن الخطاء ہیں کہ آپ سے غلطی کا سرزد ہونا ناممکن ہے۔ اور سارا جہان غلطی خوردہ ہو سکتا ہے مگر آپ بہرحال راستی ہی پر ہیں۔ مجھے آپ کی بےتعلق دلیل پر رہ رہ کر رونا آتا ہے کہ میں آپ سے دریافت کیا کر رہا ہوں اور آپ مجھے جواب کیا دے رہے ہیں۔ پوچھ تو میں آپ سے یہ رہا ہوں کہ خاتم النبیین کی ترکیب میں جو اللہ تعالیٰ نے خاتم کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس کے بیان کردہ مفہوم کی مؤید کوئی ایک آیت، کوئی فقرہ، کوئی شعر کسی مستند اہلِ زبان کا پیش فرمائیں۔ مگر آپ فرماتے ہیں لیجئے قرآن پاک میں ہے "ختامہ مسک"۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا مارواں نے سنا پھوٹے آنکھ اور سوال از آسماں جواب از ریسماں کی اس سے بدتر مثال بھی کوئی مل سکتی ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ نبوت کے بند ہونے کا قرآن کریم میں دو جگہ ذکر ہے۔ اوّل سورہ مومن جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ ترجمہ: تحقیق آیا تمہارے پاس یوسف اس سے پہلے کھلے کھلے نشانات لیکر۔ پس تم ہمیشہ شک کرتے رہے اس چیز میں جو وہ لایا تمہارے پاس۔ یہانتک کہ وہ فوت ہو گیا تم نے کہنا شروع کر دیا اللہ تعالیٰ اسکے بعد کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ گمراہ ٹھیراتا ہے حد سے بڑھنے والے شکّی مزاج لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بغیر دلیل کے

جھگڑا کرتے ہیں۔ یہ بات اللہ اور مومنوں کو سخت ناراض کرنیوالی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ متکبر اور جبار لوگوں کے دلوں پر مُہر لگایا کرتا ہے۔"

دوم سورۂ جن میں۔ جہاں فرمایا۔ وَظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝ یعنی اے جنو! انسانوں نے بھی تمہاری طرح یہی گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ ہر دو جگہ اللہ تعالیٰ نے نبوت بند کرنے کے۔ " لن یبعث اللہ من بعدہ رسولاً یا لن یبعث اللہ احداً" کے الفاظ فرمائے ہیں۔

ہر دو فقرات ایک ہی قسم کے نہایت سیدھے سادے اور قولوا قولاً سدیداً کے عین مطابق ہیں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی منشائے متکلم سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس میں نہ کوئی استعارہ ہے، نہ تشبیہ ہے، نہ اغلاق ہے، نہ ابہام ہے، نہ کوئی محاورہ ہے۔ غرض کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس سے مفہوم کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت ہو سکتی ہو۔ معلوم ہوا کہ قرآنی اسلوب بیان میں اگر یہ کہنا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت بند ہے۔ تو اُسے یوں بیان کیا جاویگا۔ لن یبعث اللہ من بعد محمد رسولاً۔

(۲) اس عقیدہ کو متکبر اور جبار لوگوں کا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ اور اُسے اللہ اور مومنوں کی سخت ناراضگی کا موجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیرۃ النبی میں نادانستہ طور پر آپ نے اس حقیقت کا اقرار کر لیا ہے۔ جہاں لکھا ہے کہ :۔

"ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔ رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ کوئی نبی۔ صحابہؓ پر یہ بات سخت گذری تو آپؐ نے فرمایا ولکن المبشرات لیکن خوشخبریاں باقی ہیں۔" (سیرت النبی جلد سوم صفحہ ۵۹۱)

اگر نبوت کا بند ہونا بقول آپ کے بشارت تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر شاق کیوں گذری۔ کیا بشارت بھی شاق گذرا کرتی ہے؟ اسی ایک بات سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ آنمکرم اس خیال میں حق پر نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر آپ کا قدم راہِ راست پر ہوتا تو آپ ہرگز نبوت کے بند ہونے کو بشارت قرار دینے کی جرأت نہ کرتے۔ بلکہ آپ پر بھی یہ بات اسی طرح گراں گزرتی جس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر گراں گزری تھی۔ پس خاتم النبیین سے نبوت کے بند ہونیکا مفہوم کس طرح مستنبط ہو سکتا ہے جبکہ (۱) اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے یہ قرآنی

اسلوبِ بیان ہی نہیں۔ (۲) یہ ترکیب جس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولی جاتی ہے وہ قوم میں شائع اور متعارف ہے اور سینکڑوں ہزاروں لوگ اسے استعمال کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں۔ مگر بند ہونے کا مفہوم نہ متکلم کے ذہن میں ہوتا ہے نہ مخاطب کے ذہن میں۔ جیسا کہ علامہ شبلی اور امام مہدی حسن صاحب کی دو مثالوں سے ظاہر ہو چکا ہے۔

(۳) جس مقام پر یہ ترکیب استعمال کی گئی ہے وہاں **ابوّت** کا جھگڑا ہے نبوّت کا کوئی جھگڑا ہی نہیں ہے۔ اور نیز اس جملہ میں اور بھی الفاظ ہیں جن کا معنی کرتے وقت لحاظ رکھنا ہوگا۔ یہ نہیں کہ **خاتم النبیین** کا لفظ دیکھا اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو گیا۔ اور ہر شخص یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو گیا کہ چلو چھٹی ہوئی نبوّت بند ہے جو مرضی ہے کرو جس طرح جی چاہے۔ ادھم مچاؤ۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔

علاوہ ازیں انبیاء کی بعثت کی غرض حصولِ کمالات نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالات نبوّت ختم ہوئے۔ تو بس نبوّت بھی ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ بلکہ انبیاء کی بعثت کی غرض تو **سیرۃ النبی** میں بالفاظِ ذیل بیان کی گئی ہے:۔

"جب روئے زمین پر گناہ و ناکی تاریکی اور بدیوں کی ظلمت محیط ہو جاتی ہے تو صبح کا تڑکا ہوتا ہے اور آفتابِ ہدایت نمودار ہوتا ہے۔ باغِ عالم میں جب بُرائیوں کی خزاں چھا جاتی ہے تو بہارِ نبوّت رونق افروز ہوتی ہے۔ اور جس طرح زمین، آسمان، چاند، سورج، پھل اور پھول کے خاص خاص قوانینِ فطرت ہیں جنمیں عموماً تغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس روحانی دُنیا کی رشد و ہدایت، عذاب و رحمت اور نبوّت و رسالت کے خاص خاص اصول و قواعد ہیں جنمیں تغیر راہ نہیں پاتا۔" (سیرۃ النبی جلد سوم ص۱)

اسی طرح کتاب ہذا کے ص۳۰ پر آپ رقمطراز ہیں:۔

"جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانونِ قدرت ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک سُنّتِ الٰہی ہے کہ جب عالمِ انسانیت پر ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت و رہنمائی کا نور طلوع کرتا ہے۔"

۴۔ سیرت النبی جلد چہارم کے ص۹ پر آپ فرماتے ہیں:۔

"اگرچہ عقلِ سلیم ان اصولوں اور طریقوں کو معلوم کر سکتی ہے جن کے ذریعہ سے

بہیمیت کے تابع ملکوتیت ہونے کے فوائد ہے اور گناہ و عصیان کے نقصانات ظاہر ہوں عقل سلیم کے اس تقاضے سے انسان فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ مگر یہ تو امکان عقلی ہے۔ عملی کیفیت یہ ہے کہ انسان کی آنکھوں پر موجودہ دنیوی لذائذ حرص و طمع اور بیجا خواہشوں اور نفسانیت کے اتنے تو برتو پردے پڑ جاتے ہیں کہ اس کے اصلی اور فطری وجدان اور قوت احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے۔ جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ جب بدل جاتا ہے تو میٹھی سے میٹھی چیز اسے کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اندرونی وجدان و احساس کے فاسد ہو جانے سے بھی وہ حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد کی تمیز کو بھول جاتا ہے۔ اسے نوع انسان کو ایسے صحیح رہنماؤں کی اور روحانی معلموں کی ضرورت ہے جن کے احساس و وجدان کا آئینہ گرد آلودہ نہ ہو۔"

قبلہ سید سلیمان صاحب! اپنے ان سنہری اقتباسات کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق پر ایک نظر ڈال کر اس عاجز کے سوالات کا جواب عطا فرمائیں۔ (۱) قال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا هٰذا القرآن مهجوراً وكذلك جعلنا لكل نبيٍّ عدواً من المجرمين وكفى بربك هادياً ونصيراً ٥

(۲) ان الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعاً لست منهم في شيءٍ۔

(۳) يا ايها الذين آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون كبر مقتاً عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون

(۴) الم تر الى الذين يزعمون انهم آمنوا بما انزل اليك وما انزل من قبلك يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت وقد امروا ان يكفروا به ويريد الشيطٰن ان يضلهم ضلالاً بعيداً ٥

یعنی ایک زمانہ آئیگا کہ مسلمان قرآن کے تارک ہو جاویں گے۔ اللہ رسول سے قطع تعلق کر کے اُلٹے ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ دین میں تفرقہ ڈال کر اور فرقہ فرقہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ قول اور فعل میں عدم مطابقت

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جائے گا۔ اللہ رسول کے باغیوں پر فیصلہ کرائیں گے۔

اور خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (۱) یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ و لا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ علماؤھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔

۲۔ لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتی لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ قالوا یا رسول اللہ الیھود و النصاریٰ قال فمن؟

۳۔ یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا

یعنی مسلمان یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلیں گے۔

اسلام کا صرف نام اور قرآن کی صرف تحریر رہ جاوے گی۔ علماء بد ترین خلائق ہو جاویں گے۔ عالموں کے فوت ہو جانے کی وجہ سے علم اٹھ جاوے گا۔ جہال کو لوگ اپنا سردار بنا لیں گے۔ جو بغیر علم کے فتویٰ دیکر آپ ڈوبے برہمناں ججمان ڈبوئے کا مصداق ہو جائیں گے۔

یہ دکھ بھری داستان کہ آج مسلمانوں کی حالت زار کیا ہے، بہت لمبی ہے اور آپ کو بھی معلوم ہے۔ کہ آج مسلمان خود اقراری مجرم بن گئے ہیں۔ نہ معلوم ہو تو تحریر فرمائیں انشاءاللہ منہ بولتی تصویر پیش کی جائے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ اگرچہ خدا رب المسلمین ہی نہیں بلکہ رب العٰلمین ہے۔ اور سارے جہان کی جسمانی روحانی ضروریات کا تکفل اس کے ذمہ ہے۔ سب قوموں کی ہدایت و رہنمائی کی ذمہ داری اس نے لے رکھی ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ ان علینا للھدیٰ و ان لنا للاٰخرۃ والاولیٰ۔ (۲) و علی اللہ قصد السبیل و منھا جائر۔ (۳) اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا تو پھر یہ دنیا تو یہی ایک طرف جب

مسلمانوں ہی پر اخلاقی اور روحانی موت طاری ہوگئی جب مسلمانوں ہی پر گناہوں کی یہ تاریکی اور بدیوں کی یہ ظلمت محیط ہوگئی۔ جب عالمِ اسلامی ہی پر ضلالت و گمراہی کی یہ تاریکی چھا گئی تو پھر روئے زمین پر یہ اسلام کہاں رہ گیا۔ اور کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کی یہ ضرورت بدستور باقی ہے یا نہیں؟ کیا اب دنیا پر نوعِ انسان آباد نہیں فرشتے بستے ہیں؟ کیا اب دنیا میں گناہوں کی تاریکی نہیں چھائی، بدیوں کی ظلمت محیط نہیں ہوئی۔ کیا اب رات کی تاریکی نہیں آتی؟ اگر غلطی نہیں ہے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور اندھے سے اندھے آدمی کو بھی ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ تو صبح کا تڑکا کیوں نہیں ہوتا؟ آفتاب ہدایت نمودار کیوں نہیں ہوتا؟ بہارِ نبوت رونق افروز کیوں نہیں ہوتی؟ کیا خدا بدل گیا ہے یا اس کی سُنّت تبدیل ہوگئی ہے یا خالق و مخلوق کا باہمی تعلق ٹوٹ گیا ہے۔ یا انسان اب تعلیم و تعلم کی زحمت سے آزاد ہوگئے ہیں اور ماں کے پیٹ سے ہی کامل مکمل پیدا ہوتے ہیں؟ دنیوی قوانینِ فطرت تو ویسے ہی ہیں، روحانی قوانینِ فطرت ہی تبدیل ہوگئے ہیں؟ آخر کوئی تو وجہ بیان فرمائیں۔ اور اگر کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر میرا چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ اگر آپ کم از کم نبوت بند ہونے کے فوائد بہ تفصیل بیان فرمائیں یعنی یہ بیان فرمائیں کہ نبیوں کے نہ آنے سے مخلوقِ خدا کو کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں کیونکہ خدا نے جو اس کام کو بند فرمایا ہے تو ضرور اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی۔ کہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔ پس آپ وہ حکمت اور وہ مصلحت بیان فرمائیں جو خدا کے مدِّنظر ہے؟

پھر آپ نے لکھا ہے۔ کہ "خاتم النبیین" بھی حضور نے فرمایا ہے۔ اس کے معنی اگر آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو آپ کے بھی بزرگ اور میرے بھی واجب الاحترام ہیں سُنیں تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے معمولی مدرس سمجھ کر آپ میری بات ہی سننا گوارا نہ فرمائیں، اپنے بزرگوں کا کچھ تو احترام آپ کے دل میں ہوگا۔ شاہ صاحبؒ تفہیماتِ الٰہیہ کے صہ۵۳ پر فرماتے ہیں:-

"ختم بہ النبیون ای لا یوجد من یأمرہ اللہ بالتشریع علی الناس۔"

نیز ختم کے لفظ میں اس کی مثالیں پہلے دی جاچکی ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہ فقرہ ایسا ہی ہے جیسے کہتے ہیں حاتم پر سخاوت ختم ہوگئی۔ حضرت علی پر شجاعت ختم ہوگئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر

نبوت ختم ہوگئی ہو۔ لہٰذا خَاتَمَ النَّبِیّٖن کے معنی یہ ہوں گے کہ (۱) آج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرؤوں میں سے کوئی شخص ان کی پیروی کرکے کسی روحانی مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی سے کوئی روحانی درجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور دُنیا میں جس قدر انبیاء گذرے ہیں ان میں سے کسی نبی کی پیروی سے انسان کو کوئی روحانی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات ایسی ہے کہ جس کی پیروی کرکے انسان تمام روحانی مراتب علیٰ قدر متابعت حاصل کرسکتا ہے۔

(۲) دوسرے معنی اس فقرہ کے یہ بھی ہیں کہ دُنیا بھر کی تمام قومیں اب نبوت کے انعام سے محروم ہوگئی ہیں اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور حضور پُرنور کے خاندان (متبعین کامل) کے لئے وراثۃً مخصوص کردیا ہے۔ حضور پُرنور کے بعد حضور کے غلاموں کے سوا اور کسی کو یہ عہدہ نہیں مل سکتا۔

(۳) ایک تیسرے معنی اس فقرہ کے یہ بھی ہیں کہ حضور نے نبوت کے ایسے انتہائی کمال کو حاصل کرلیا ہے جو نہ پہلے کسی کو حاصل ہوا نہ آئندہ حاصل ہوگا۔ اور اب کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ بڑھ جانا تو بڑی بات ہے حضور کی برابری اور ہمسری کا دم مار سکے۔ جو ہوگا حضور سے درجہ میں فروتر ہوگا۔ اور ہوگا بھی وہ جس کی حضور تصدیق فرمائیں۔ کوئی شخص براہِ راست نبوت چھوڑ ادنیٰ سے ادنیٰ مقام روحانیت کا بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ اور اس حدیث کا یہ معنی کرنا کہ حضور کے بعد نبوت بند ہوگئی ہے اس کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ "روئے زمین پر گناہوں کی ہزار تاریکیاں چھائیں، بدیوں کی لاکھوں ظلمتیں محیط ہوجائیں صبح کا تڑکا نہیں ہوگا پر نہیں ہوگا۔ آفتاب ہدایت نمودار نہیں ہوگا پر نہیں ہوگا۔ ہدایت و راہنمائی کا نور انسانیت کے مطلع سے طلوع نہیں کریگا پر نہیں کرے گا۔ دوسری قوموں کی طرح مسلمان بھی کوئی روحانی درجہ حاصل نہیں کرسکتے۔ اور دُنیا بھر کے باقی انبیاء سے جس طرح کوئی روحانی فیض نہیں مل سکتا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نعوذ باللہ عالم بدہن کوئی فیض نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ خالق و مخلوق کا باہمی رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ خدا نے ہدایت و رہنمائی کی ذمہ داری جو اٹھا رکھی تھی اس سے اب وہ دست بردار ہوگیا ہے اور باوجودیکہ مخلوق کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہے مگر انسانوں کی پیدائش کی غرض و غایت کو اس نے خود ہی باطل کردیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ع برین عقل و دانش بباید گریستا۔

سچ ہے سہ

ہر کہ تف افگند بمہر منیر ∴ ہم بر ریش فتد تف بتحقیر

تا قیامت تف است بر ریشش : قدسیاں در زنند بد بوئیش

اور میں تو کہتا ہوں کہ دل میں عقیدہ آپ کا بھی یہی ہے۔ لوگوں کے لعن طعن کے خوف سے برملا اس کا اظہار نہیں کرتے۔ اور اظہار کرتے ہیں تو ایسے رنگ میں جو عوام الناس کو تو خوش کرنے والا ہے مگر حقیقت سے کوسوں دور اور پرلے درجہ کا مضحکہ خیز۔ اور اگر آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے تو نبوت کا دروازہ اس سختی سے بند کرنے کے باوجود "ابن مریمؑ کے نزول کی خبر ہے" کے معنی ہی کیا ہوئے؟ کیا اس سے زیادہ مضحکہ خیز کوئی اور خیال بھی ہو سکتا ہے۔ کہ نبوت کا دروازہ تو اس سختی سے بند کیا جاوے کہ کوئی نیا شخص نہ اس میں داخل ہو سکے اور نہ پرانا باہر نکل سکے۔ مگر ابن مریمؑ پر اس سختی کا کوئی اثر ہی نہ ہو۔ پھر اس غریب کو نبوت سے بغیر کسی جرم کے محروم کیا جاوے۔ اور نہ صرف نبوت سے محروم کیا جاوے بلکہ ایک حاکم سے محکوم بنایا جاوے۔ یہ دین ہے یا سکھا شاہی۔ اور یہ تمام ظلم و تعدی محض اس لئے روا رکھی جا رہی ہے کہ تا اپنے ایک بے بنیاد، پرانے اور فرسودہ خیال کی تائید ہو سکے۔ اور کسی طرح اپنے حق پر ہونے کے لئے ایک وجہ اطمینان پیدا کر لی جاوے۔ مگر کیا ایک مردہ ان کمزور سہاروں سے زندہ ہو کر چلنے لگیگا؟ ہرگز نہیں ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

پھر آپ فرماتے ہیں :-

"اللہ تعالٰے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بطور مبالغہ خلاف واقعہ اور دراصل جھوٹ کہنے کا عقیدہ جیسا کہ آپ بتاتے ہیں اہل قادیان ہی کو مبارک ہو۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ حضورؐ کے کمالات تامہ کا عقیدہ بھی آپ کے نزدیک واقعہ نہیں بلکہ بطور مبالغہ کے ہے۔ جو دراصل خلاف واقعہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ زید کو مبالغتہً اسد کہنا خلاف واقعہ ہے"

اس کے جواب میں سب سے اول تو مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ میں نے اپنے خط میں ہرگز ہرگز "خلاف واقعہ" اور "دراصل جھوٹ" کے الفاظ نہیں لکھے۔ اور نہ کبھی میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات آئی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات تامہ حضورؐ کو واقعتہً حاصل نہیں ہیں۔ یہ آپ ہی کے دل و دماغ کی پیداوار اور مجھ غریب پر سراسر افتراء اور پرلے درجے کا بیباکانہ بہتان ہے۔

دوسرے اگر میں نرم سے نرم الفاظ میں بھی اپنا مفہوم ادا کرنا چاہوں تو بھی یہ کہنے سے کسی طرح رُک نہیں سکتا کہ یہ فقرہ آپ کی علمی بے مائگی کا تماشہ کر رہا ہے۔ اے میرے بزرگوار سید صاحب! کیا آپ کو مبالغہ کے معنی بھی معلوم نہیں۔ کیا مبالغہ کا صیغہ عربی زبان میں خلافِ واقعہ اور دراصل جھوٹ امور کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ کیا زید کو اسد کہنا خلافِ واقعہ مبالغہ ہے؟ آپ کے علم و فضل کو کیا ہو گیا ہے کیوں اسپے ایک خیالی پیچ میں آپ حقائق مشہورہ محسوسہ سے آنکھیں بند کر رہے ہیں۔ اے حضرت! مبالغہ کا صیغہ فاعل میں مصدری معنی کی زیادتی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ کیا اللہ تعالےٰ کے تمام اسماء مبالغہ ہی کے صیغے نہیں ہیں؟ پھر کیا رحمٰن رحیم، قدوس، علیم، خبیر، صدیق، فاروق، مفضال، یہ سب مبالغہ ہی کے صیغے نہیں ہیں۔ کیا یہ سب خلافِ واقعہ اور دراصل جھوٹ باتیں کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ؎

کب تلک جھوٹ سے کروگے پیار ؛ کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ
کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو! ؛ کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ
اس خرابہ میں کیوں لگاؤ دل ؛ ہاتھ سے اپنے کیوں بلاؤ دل
کیوں نہیں تم کو دینِ حق کا خیال ؛ ہائے سو سو اُٹھے ہیں دل میں ابال
کیوں نہیں دیکھتے طریقِ صواب ؛ کس بلا کا پڑا ہے دل پہ حجاب
اس قدر کیوں ہے کین و استکبار ؛ کیوں خدا یاد سے گیا یکبار
تم نے حق کو بھلا دیا ہیہات ؛ دل کو پتھر بنا دیا ہیہات

خود آپ کرم نے کئی دفعہ احمق آدمی کو گدھا۔ بے حیا کو سؤر۔ نقال کو بندر۔ ضدی کو چیچڑ۔ درحقیقت کو نقالی کا بینگن۔ منحوس کو اُلو پکارا ہوگا۔ مگر کیا کوئی عقل کا اندھا یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ کی مراد ان الفاظ سے خلافِ واقعہ اور دراصل جھوٹ ہوتا تھی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہر عقلمند یہی سمجھے گا کہ آپ احمق کو گدھا کہکر اس کے کمالِ حمق کا اظہار فرمانا چاہتے ہیں۔ اور اسی طرح دیگر الفاظ کے استعمال سے بے حیائی، نقالی، ضد وغیرہ میں شخص مذکور کے کمال کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ پس آپ کا ان الفاظ کو استعمال فرمانا بمعنی خلافِ واقعہ اور دراصل جھوٹ نہ سمجھا جائیگا۔ بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ آپ ان کمالات میں مبالغہ کر رہے ہیں وبس۔ بعینہٖ اسی طرح قرآن کریم نے جو کفار کے لیے صمٌّ، بکمٌ، عمیٌ، موتیٰ، قردۃ، خنازیر، حمر مستنفرۃ، فرت من قسورۃ، کلب اور شیاطین کے الفاظ استعمال

فرماتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ خلافِ واقعہ اور در اصل جھوٹ بیان فرما رہا ہے۔ بلکہ یہ کہ ان صفات میں کفار کے حق میں مبالغہ کیا جا رہا ہے۔ کیا معنے؟ یہ اظہار بطور امر واقعہ کے کیا جا رہا ہے، کہ کفار میں یہ صفات بدرجۂ کمال پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح مشبہ کو عین مشبہ بہ فرض کرنا اور حرف تشبیہ کو حذف کرنا تو بلاغت کی جان اور تشبیہ کے کمال کی وجہ سے ہوتا ہے، نہ کہ خلافِ واقعہ اور در اصل جھوٹ بولنے کے لئے۔ یعنی جب مشبہ میں وہ صفات بدرجۂ کمال پائی جائیں جنکی وجہ سے اسے مشبہ بہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تو اس کمال کو ظاہر کرنیکا یہی بہترین طریق ہوتا ہے کہ مشبہ کو عین مشبہ بہ سمجھ لیتے یا لکھ دیتے ہیں۔ اور حرفِ تشبیہ درمیان میں نہیں لاتے۔ جیسے زید کو بوجہ اس کی شجاعت کے بدرجۂ کمال ہونے کے اسد کہدیں۔ یا ماں اپنے گورے چٹے گول منہ والے بچے کو آتا دیکھکر کہدے، آیا ماں کا چاند۔ یا نوجوان دلیر بچے کو آتا دیکھکر کہہ دے آیا ماں کا شیر۔ پس میرا یہ کہنا کہ خاتم النبیین کے لفظ سے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات نبوت میں مبالغہ فرماتا ہے، صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے اللہ تعالیٰ اس مفہوم کو ادا کرنا چاہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کے کمالات بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔ اس سے آپکا یہ نتیجہ نکالنا کہ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ تامہ حضور کو واقعتہً حاصل نہیں ہیں بلکہ بطور خلافِ واقعہ اور در اصل جھوٹ کے ہیں۔ آپ ہی کی الٹی سمجھ کا کام ہے ہمعمولی سے معمولی اردو خواں بھی میرے ان الفاظ سے یہ مطلب نہیں نکال سکتا۔ جب باایں ہمہ علم و فضل آپ زید کو اسد کہنے پر اس کی چار ٹانگیں اور دُم تلاش کرنے کے درپے ہیں تو مجھے بجا طور پر افسوس ہے کہ اعلیٰ درجے کی فصاحت و بلاغت کے اصول و قواعد سے واقف ہونا اور ان کو بلا تکلف اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کر سکنا تو ایک طرف آپ معمولی معمولی پیش پا افتادہ اسالیب کلام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اور اس لئے ذرا ذرا سی بات کے لئے اس قدر سر کھپائی اور قلم گھسائی کرنی پڑتی ہے۔

پھر آپ نے اپنے پہلے خط میں بھی مدعیانِ قادیان لکھا تھا اور اس میں بھی اہلِ قادیان کا ذکر فرمایا ہے معلوم نہیں اس چیستان سے آپ کی کیا مراد ہے۔ قادیان تو مختلف المذاہب لوگوں کی ایک بستی کا نام ہے جس میں ہندو، سکھ، چوہڑے، چمار اور مسلمان آباد ہیں۔ آپکا منشا معلوم نہیں کن لوگوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے برخلاف آپکو

کیا شکایت ہے۔ جن لوگوں سے آپ کو شکایت ہے اور جو شکایت ہے ذرا تفصیل سے بیان فرمائیں تو اس کے متعلق جواب بھی دیا جاوے

اور آپ کا یہ فرمانا کہ "غیر متعلق باتوں سے احتراز کیا گیا ہے" اور کہ "ابن مریم کی بحث بعد میں ہوگی" صرف پیچھا چھڑانے کی خاطر ہے۔ ورنہ (۱) خاتم النبیین کے بیان کردہ مفہوم کی مؤید صرف ایک آیت کا مطالبہ غیر متعلق اور قابلِ احتراز ہے؟ (۲) جب بقول آپ کے نبوت کا دروازہ اس سختی سے بند کر دیا گیا ہے کہ نہ کوئی نیا شخص اس میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ پرانا باہر نکل سکتا ہے اور ادھر جس ذات قدسی صفات پر قرآن نازل ہوا اس نے ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی فرمائی، تو بفحوائے ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ حضور انور کی ذاتِ اقدس پر قرآن کریم سے اختلاف کا جو اعتراض پڑتا ہے اسے رفع کرنے کی خاطر یہ سوال کرنا کہ ابن مریم کے نزول کی خبر قرآن کریم میں کہاں لکھی ہے غیر متعلق اور قابلِ احتراز ہے؟

(۳) آپ فرماتے ہیں "ابن مریم کے نزول کی خبر ہے کسی نبی کی بعثت کی خبر نہیں جو اختلاف ہو۔" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، ابن مریم نازل ہوگا۔ مسلم شریف میں اسے چار دفعہ "نبی اللہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ کیا یہ پوچھنا کہ سید سلیمان ندوی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کون سچا اور کس کی بات زیادہ قابلِ قبول ہے، غیر متعلق اور قابلِ احتراز ہے؟

(۴) قرآن کریم میں نبوت بند ہونے کا دو جگہ ذکر ہے، سورۂ مومن اور سورۂ جن میں۔ ہر دو جگہ ایک ہی اسلوب بیان اختیار فرمایا گیا ہے اور نہایت ہی قریب الفہم۔ کیا یہ دریافت کرنا کہ خاتم النبیین سے نبوت کے بند ہونے کا مفہوم کس طرح مستنبط ہو سکتا ہے جبکہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے یہ قرآنی اسلوب بیان ہی نہیں۔ (۲) اس مفہوم کی مؤید کوئی ایک آیت بھی قرآن کریم میں نہیں ہے۔ (۳) خاتم النبیین کی ترکیب قوم میں شائع اور متعارف ہے، ہزارہا لوگ اسے استعمال کرتے ہیں مگر یہ انوکھا مفہوم نہ متکلم کے ذہن میں ہوتا ہے اور نہ مخاطب کے۔ (۴) اس وحی الٰہی کا جو منزل علیہ ہے وہ ایک نبی کے آنے کی خود پیشخبری فرماتا ہے!
کیا یہ سوال غیر متعلق اور قابلِ احتراز ہے؟

اگر اللہ تعالےٰ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی عزت و تکریم کے پہلو غیر متعلق اور قابلِ احتراز ہیں تو ان ہر سہ کے بالمقابل آپ کی جو حیثیت ہے اسے مدلل اور مبرہن طور پر بیان فرمائیں۔ اور ابن مریم کی بحث بعد میں کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس کے بغیر اس عمارت کی تعمیر ہی ناممکن

ہے کیونکہ اسکی حیثیت اِس بحث میں بُنیادی پتھر کی سی ہے۔ اور خاتم النبیین کا بیان کردہ مفہوم اور ابن مریمؑ کا نزول ایک دوسرے کے لئے بطور اجتماع نقیضین کے ہے۔

امید ہے کہ آپ میری دی ہوئی قسم کا پاس کرکے خط کو بتمام و کمال پڑھکر میرے جملہ مطالبات کا بیک وقت جواب دیں گے اور کوئی بات آئندہ پر اٹھا نہ رکھیں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

هلمّ الى كتاب الله صدقاً — وايماناً بتصديق الجنان
شغفتم ايها النوكى بشوك — واعرضتم عن الزهر الحسان
واثرتم اماعز ذات صخر — على مخضرة قاع هجان
وما القرآن الا مثل درٍ — فرائد زانها حسن البيان
وما مست اكف الكاشحينا — معارفه التى مثل الحصان
به ما شئت من علمٍ وعقلٍ — واسرارٍ وابكار المعان
وما ادراك ما القرآن فيضاً — خفير جالبٌ نحو الجنان
له نوران نورٌ من علومٍ — ونورٌ من بيانٍ كالجمان
كلام فائق ما رائك طرفى — جمال بعده والنيران
اياة الشمس عند سناه دخن — وما للعل والسبت اليماني
واين يكون للقرآن مثلٌ — وليس له بهذا الفضل ثاني
هو للرحمٰنِ فى كلمٍ رموزٍ — وكم قول استركمثل كاني
وكم كلمٍ مهفهفةٍ دقاقٍ — هضيم الكشح كالغيد الحسان
فيدرى الغامرات ذوو الضمور — ولا يدرى سفيه كالسمان

قرينا من كمال النصح فاقبل — قرانا بالتهلل كالزجال
فخير الزاد تقوى القلب لله — فخذ اياه قبل الارتحال
وفكر فى كلامى ثم فكر — ولا تسلك كمهٍ لا يبال

يا عين فيض الله والعرفان — يسعى اليك الخلق كالظمآن
يا بحر فضل المنعم المنان — تهوى اليك الزمر بالكيزان

يا شمس ملك الحسن والاحسان　　نورت وجه البر والعمران
قوم راوك وامة قد اخبرت　　من ذالك البدر الذى اصبانى
يبكون من ذكر الجمال صبابة　　وتالما من لوعة الهجران
وارى القلوب لدى الحناجر كربة　　وارى الغروب تسيلها العينان
يا من غدا فى نوره وضيائه　　كالنيرين ونور الملوان
يا بدرنا يا آية الرحمن　　اهدى الهداة واشجع الشجعان
انى ارى فى وجهك المتهلل　　شانا يفوق شمائل الانسان
وقد اقتفاك اولوا النهى وبصدقهم　　ودعوا تذكر معهد الاوطان
قد اثروك وفارقوا احبابهم　　وتباعدوا من حلقة الاخوان
قد ودعوا اهواءهم ونفوسهم　　وتبرءوا من كل نشب فان
ظهرت عليهم بينات رسولهم　　فتمزق الاهواء كالاوثان
فى وقت ترويق الليالى نوروا　　والله نجاهم من الطوفان
قد هاضهم ظلم الاناس وضيمهم　　فتثبتوا بعناية المنان
نهب اللئام نشوبهم وعقارهم　　فتهللوا بجواهر الفرقان
كسحوا بيوت نفوسهم وتبادروا　　لتمتع الايقان والايمان
قاموا باقدام الرسول بغزوهم　　كالعاشق المشغوف فى الميدان
فدم الرجال لصدقهم فى حبهم　　تحت السيوف اريق كالقربان
جاءوك منهوبين كالعريان　　فسترتهم بملاحف الايمان
صادفتهم قوما كروث ذلة　　فجعلتهم كسبيكة العقيان
حتى انثنى برّ كمثل حديقة　　عذب الموارد مثمر الاغصان
عادت بلاد العرب نحو نضارة　　بعد الوجى والمحل والخسران
كان الحجاز مغازل الغزلان　　فجعلتهم فانين فى الرحمن
شيئان كان القوم عميا فيهما　　حسو العقار وكثرة النسوان
اما النساء فحرمت انكاحها　　زوجا له التحريم فى القرآن
وجعلت دسكرة المدام مخربا　　وازلت حانتها من البلدان

كم شاربٍ بالرشف دملطافحاً   فجعلته في الدين كالنشوانِ
كم محدثٍ مستنطق العيدانِ   قد صار منك محدّث الرحمانِ
كم مستهامٍ للترشوفِ تعشقاً   فجذبته جذباً الى الفرقانِ
احييت اموات القرون بجلوةٍ   ماذا يماثلك بهذا الشانِ
تركوا الغبوق وبدلوا من ذوقهم   ذوق الدعاء بليلة الاحزانِ
كانوا برنّات المثاني قبلها   قد احصروا في شُتيها كالعاني
قد كان مرتعهم اغاني دائماً   طوراً بغصدٍ تارةً بِجدنانِ
ما كان فكرٌ غير فكر غواني   او شرب راحٍ او خيال جفانِ
كانوا كمشغوفِ الفساد بجهلهم   راضين بالاوساخِ والادرانِ
عيبان كان شعارهم من جهلهم   حمق الحمارِ ووثبة السرحانِ
فطلعتَ يا شمس الهدى نصفاً لهم   لتضيئهم من وجهك النُّوراني
اُرسلتَ من ربٍّ كريمٍ محسنٍ   في الفتنة الصمّاء والطغيانِ
يا للفتى ما حسنهٗ وجماله   ريّاه يصبي القلب كالريحانِ
وجه المهيمن ظاهر في وجههٖ   وشئونهٗ لمعت بهذا الشانِ
فلذا يحب ويستحق جمالهٗ   شغفاً بهٖ من زمرة الاخدانِ
سمحٌ كريمٌ باذلٌ خُلِق التقى   خرقٌ وفاق طوائف الفتيانِ
فاق الورى بكمالهٖ وجمالهٖ   وجلالهٖ وجنانه الريّانِ
لاشك ان محمداً خير الورى   ريق الكرام ونخبة الاعيانِ
تمت عليه صفات كل مزيةٍ   ختمت به نعماء كل زمانِ
واللّٰه ان محمّداً كردافةٍ   وبه الوصول بسدة السلطانِ
هو فخر كل مطهرٍ ومقدسٍ   وبهٖ يباهي العسكر الروحاني
هو خير كل مقربٍ متقدمٍ   والفضل بالخيرات لا بزمانِ
والطل قد يبدو امام الوابلِ   فالطل طل ليس كالتهتانِ
بطلٌ وحيد لا تطيش سهامهٗ   ذو مصميات موبق الشيطانِ
هو جنةٌ اني ارى اثمارهٗ   وقطوفه قد ذللت لجناني

القيته بحر الحقائق والهدیٰ　　ورأيته كالدر في اللمعان
قد مات عیسیٰ مطرقا ونبينا　　حيٌّ وربي انه وافاني
والله انی قد رأيت جماله　　بعيون جسمي قاعدا بمكاني
ها ان تظنيت ابن مريم عائشا　　فعليك اثباتا من البرهان
افانت لاقيت المسيح بيقظة　　اوجاءك الانباء من يقظان
انظر الی القرآن كيف يبين　　افانت تعرض عن هدی الرحمان
فاعلم بان العيش ليس بثابت　　بل مات عیسیٰ مثل عبد فان
ونبينا حيٌّ وانی شاهد　　وقد اقتطفت قطائف اللقيان
ورأيت فی ريعان عمری وجهه　　ثم النبيُّ بيقظتي لاقاني
انی لقد اُحييت من احيائه　　واهًا لاعجاز فما احياني
يا رب صل علیٰ نبيك دائما　　فی هذه الدنيا وبعث ثان
ياسيدی قد جئت بابك لاهفا　　والقوم بالاكفار قد آذاني
يفری سهامك قلب كل محارب　　ويشج عزمك هامة الثعبان
لله درك يا امام العالم　　انت السبوق وسيد الشجعان
انظر اليّ برحمة وتحنن　　ياسيدی انا احقر الغلمان
يا حب انك قد دخلت محبة　　في مهجتي ومداركی وجناني
من ذكر وجهك ياحديقة بهجتی　　لم اخل في لحظ ولا في آن
جسمی يطير اليك من شوق علا　　ياليت كانت قوت الطيران

جن لوگوں کو آپ مدعیان قادیان اور اہل قادیان کے حقارت آمیز الفاظ سے یاد کرتے ہیں، ان کے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات نامہ جو حضورؐ کو واقعۃً حاصل ہیں ان کا علم آپ کو اس عربی قصیدہ کے مطالعہ سے ہوسکیگا جو میں ساتھ شامل کررہا ہوں - یہ وہی باتیں ہیں جو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں - اور جنکا احادیث میں ذکر ہے - جن سے اسلامی تواریخ کے صفحات تاقیامت تابندہ و درخشندہ رہیں گے - اور یہ نظم تو صرف مشتے نمونہ از خروارے والی بات ہے، ورنہ مدعیان قادیان کی جو کتاب

جو تحریر پڑھو، ایک سے ایک بڑھکر اور زندہ خدا، زندہ رسول، زندہ کتاب اور زندہ مذہب کی زندہ برکات کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے لیکن اگر آپکے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات تامہ وہ ہیں جو آپنے سیرت النبی جلد سوم کے ص۸۹ پر تحریر فرمائے ہیں یعنی:۔

"سب سے پہلی چیز جو آپ کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص تھی، اور جس کا کوئی حصہ افراد اُمت کو نہیں ملا وہ نبوت اور اس کے لوازم وحی تشریع، اخبار الٰہی، نزول جبریل، نسخ احکام وغیرہ ہیں۔ یعنی آپکے سوا نہ تو کسی فرد امت پر کوئی وحی[۱] آئی اور نہ آسکتی ہے[۲]۔ اور نہ کسی کو کوئی شریعت لانے اور نئے مذہبی قانون[۳] وضع کرنے کا اختیار ہے۔ نہ وہ بے گناہ[۴] اور معصوم ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ نے[۵] اس سے سُن کر خبر دے سکتا ہے۔ نہ اس کے پاس[۶] قاصد الٰہی آسکتا ہے۔ نہ وہ احکام[۷] شرعی کو منسوخ کر سکتا ہے وغیرہ۔ صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو افراد اُمت کے لئے باقی ہیں۔ اور وہ رویائے صالحہ اور کشف و الہام ہیں"

ؔ۱ اسلامی تاریخ سے افسوسناک لاعلمی کا نتیجہ۔ ؔ۲ گویا وحی کا بھیجنا سید سلیمان صاحب ندوی کے اختیار میں ہے۔ خود ہی یہ لکھکر کہ وحی کے تین طریقے ہیں، اپنی بات کی آپ ہی اور اُمی کتاب میں تغلیط بھی کردی ہے۔ ؔ۳ گویا انبیاء اپنے اختیار سے یہ کام کیا کرتے تھے۔ خدا کے اختیارات کو محدود کرنا آپ ہی کا کام ہے) ؔ۴ گویا آپ عالم الغیب بھی ہیں۔ ؔ۵ گویا خالق ومخلوق میں سلسلہ رسل و رسائل کا آپنے منقطع کر دیا ہے۔ کیونکہ خدائی ڈاک آپ کی معرفت آیا کرتی ہے۔ ؔ۶ گویا خالق و مخلوق کا باہمی تعلق ٹوٹ گیا ہے۔ ؔ۷ گویا پہلے نبی اپنی مرضی سے یہ کام کیا کرتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نوٹ:۔ ایسے رویائے صالحہ اور الہام کا نام نعمت رکھنا جو نہ صاحب رویاء و الہام پر حجت ہے اور نہ دوسروں پر اور جسکی صداقت پر تحدی کرنا ضلالت و گمراہی ہے سید صاحب ہی کا کام ہے۔ اور ایسی ناپاک اور گندی چیزوں کو جو مفضی الی الضلالت ہیں رویائے صالحہ اور الہام کے نام سے یاد کرنا ایڈیٹر رسالہ معارف ہی کو زیب دیتا ہے۔ اس افصح العرب والعجم کا کام نہیں کہ ان اضغاث احلام کا یہ پاکیزہ نام رکھے یا انہیں بشارت قرار دے۔ اور اگر آپکے نزدیک

اور ذرا ان باقیماندہ دو چیزوں کی حقیقت بھی اپنے ہی الفاظ میں سُن لیجئے ! :-

"غرض ختم نبوت کے بعد اب جو نعمت اہلِ ایمان کے لئے باقی رہ گئی ہے وہ صرف دو ہیں، رویائے صالحہ اور الہام لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں۔ اور نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے۔ اس لئے کبھی مومن کے رویاہائے صالحہ اور الہامات کسی دوسرے شخص پر بلکہ خود اس پر بھی حجت نہیں۔ اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر یقین حاصل کرنا اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور ان کی صداقت پر تحدی کرنا ضلالت و گمراہی ہے۔ ان رویاہائے صالحہ اور الہامات کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دی جاتی ہے وہ احکام نہیں ہوتے، بلکہ صرف خوشخبریاں ہوتی ہیں یعنی امرِ غیب اور مستقبل کے کچھ اطلاعات اور مناظر"

سچ ہے ؎

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل ⁂ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

نہ یہ قرآن کریم کی تعلیم ہے، نہ احادیث میں اس کا کچھ ذکر ہے، نہ مسلمانوں کی تیرہ صد سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے۔ اگر ان تمام والہانہ قربانیوں کا نتیجہ جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کیں، اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ اس سرٹیفکیٹ کا مآل یہی ضلالت و گمراہی تھا۔ تو یہ بدبختی چھپانے کے لائق ہے اظہار کے لائق ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کو نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ:- رویاہائے صالحہ اور الہام ایسی ہی چیزیں ہیں جنکی قطعیت یقینی نہیں تو یہ شرم سے ڈوب مرنیوالی چیزیں ہیں فخر و مباہات کے لائق ہرگز نہیں۔ کیا یہی اسلام ہے جو آپ سیرۃ النبی کے ذریعہ لوگوں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ خدا کے لئے کچھ تو خدا کا خوف کیجئے۔ کیوں سیرۃ النبیؐ کی مقدس اوٹ میں اسلام کی جڑوں پر تبر رکھ دیا ہے۔

اگر رویائے صالحہ اور الہام ایسی ہی لغو چیزیں ہیں تو خدا تعالےٰ کو کیا مجبوری پیش آگئی ہے کہ وہ ان کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اور انسانوں کو اس لغویت کی ضرورت ہی کیا ہے کیا اس ضلالت و گمراہی کے بغیر ان کا گذارہ نہیں ہو سکتا ؟

ایسے بدقسمت اور بدنام کنندۂ نکونامے چند مسلمانوں کو ڈوب مرنا چاہیئے کہ جن سے یہود نامسعود ہزار درجہ بہتر رہے۔ جن کے مرد تو ایک طرف عورتیں بھی باوجود نبی اور ولی نہ ہونے کے قطعی الہام اور یقینی وحی کے انعام سے سرفراز ہوتی رہیں۔

جبرائیل کا نزول ان پر ہوتا رہا، قاصد بھی ان کے پاس آتے رہے، اور خدا کے سکو خبریں بھی ان کو دیتے رہے۔ افسوس! یہ ساری بدبختی اور بدنصیبی آپ نے اپنے حصہ میں محض اس لئے رکھی کہ اسلام کا شاندار محل گرتا ہے تو بلا سے مدعیانِ قادیان بھی نہ کسی طرح نیچے آکر مر جائیں۔ مگر جسے خدا رکھے اسے کون چکھے، مدعیانِ قادیان تو بڑی ہستیاں ہیں، ان کے ادنےٰ ادنےٰ کفش بردار بھی الہام اور کشف اور رویائے صالحہ (وہ نہیں جو سید سلیمان ندوی والے رویائے صالحہ ہیں، بلکہ وہ جن کا نام اس افصح العرب والعجم نے مبشرات رکھا ہے) کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اور اپنی خوش بختی پر نازاں۔ آپ کے قلب کا بلب اگر فیوز نہیں ہو گیا، اور اگر آپ من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی واضل سبیلا کا مصداق نہیں رہنا چاہتے تو آپ بھی اپنے گھر میں بجلی کی فٹنگ کرا کر بجلی کا کنکشن لے لیجئے۔ ورنہ یوم یعض الظالم علیٰ یدیہ یقول یالیتنی اتخذت مع الرّسول سبیلاo یویلتیٰ لیتنی لم اتّخذ فلا نًا خلیلاo لقد اضلّنی عن الذکر بعد اذ جاءنی وکان الشیطٰن للانسان خذولاo وقال الرّسول یارب انّ قومی اتخذوا ھذا القراٰن مھجورًاo وکذٰلک جعلنا لکلّ نبیٍّ عدوًّا من المجرمین وکفیٰ بربّک ھادیًا وّنصیرًاo (فرقان ع ۳)۔ اور ان تقول نفس یٰحسرتیٰ علیٰ ما فرطتُ فی جنب اللہ وان کنت لمن السّاخرین کا نظارہ دیکھنا نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو درک الشقاء اور سوء القضاء سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

قرآن کریم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات تامہ کے متعلق جو حضور کو واقعۃً حاصل ہیں۔ ایک اور اقتباس سرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۳۹ بغرض ملاحظہ اشرف عریضۂ ہذا کے ساتھ منسلک کرتا ہوں۔

"کلام الٰہی اگرچہ فی ذاتہ کلام انسانی سے ایسا ہی ممیز ہے جیسا خدا انسان سے تمیز تام رکھتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے فیضان وحی حسب استعداد و حالت صفوت و اخلاقِ فاضلہ و ملکات صالحہ وحی یاب ہوا کرتا ہے۔ اور اسی کی طرف ایک روحانی اشارہ ہے۔ جو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ پاک کلام بہت سے فرشتوں کی حفاظت کے ساتھ اترا ہے۔ سو ظاہری فرشتے تو معلوم ہی نہیں۔ مگر پاک اخلاق اور پاکیزہ حالتیں اور شوق اور ذوق سے بھری ہوئی واردات اور دردِ دل اور جوشش محبت اور صدق و صفا و تبتل و وفا و توکل و رضا و نیستی و فنا اور شورشہائے عشق مولا ایک قسم کے فرشتے ہی ہیں۔ جو قادرِ مطلق نے اپنے اس محبوب افضل الرسل کے وجود میں اکمل و اتم طور پر پیدا کئے تھے۔ اور پھر اسی کے اتباع سے ہر ایک مومن کامل کے دل میں بھی باذنہٖ تعالیٰ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اگرچہ عام مومنوں میں بھی جو ابھی حالت کمالیہ تک نہیں پہنچے ان کا تخم پایا جاتا ہے۔ لیکن وہ تخم اس چھپی ہوئی آگ کی طرح ہے جو برافروختہ آگ کا کام نہیں دے سکتی۔ جیسے ظاہر ہے کہ انڈا مرغ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اور نہ بیج درخت کا کام دے سکتا ہے۔ اور اگرچہ ہر ایک زمین کے نیچے پانی ہے۔ لیکن بجز بہت سی جان کنی اور محنت اور مدت تک زمین کھودنے کے وہ پانی نکل نہیں سکتا۔ اسی طرح آتشِ شوقِ الٰہی جب تک اپنے کمال اشتعال کو نہ پہنچے تب تک اس کے فوائد مترتب نہیں ہو سکتے لیکن جب وہ چاروں طرف سے مشتعل ہو جاتی ہے تب دخلِ شیطان سے محفوظ رکھنے کیلئے فرشتوں کا کام دیتی ہے۔ اور ملائکہ کی حفاظت میں شمار کی جاتی ہے۔ پاک اعمال، پاک حالتیں، پاک واردات، پاک جوش اور پاک زور اور پاک حزن اور پاک اخلاق طور جب اپنے اشتعال اور کمال کی حالت میں ہوں، تو ان نیک اور ہوشیار چوکیداروں کی طرح ہیں، جو اپنے مالک کے محل کے دروازوں پہ چاروں طرف دن رات پہرہ کے لئے کھڑے رہتے ہیں۔ سو ہرچند اس محل

کے سارے دروازے کھلے ہیں۔ (یعنی ہر قسم کی قوتیں اور استعدادیں ہیں۔ مگر بباعث تقید محافظین بجز سرد ہوا اور محبوب چیزوں کے کوئی نابکار چیز زندہ نہیں جا سکتی۔ اور اگر کتا یا چور اندر جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو پکڑا جاتا ہے۔ اور مار کھاتا ہے لیکن وہ محل جس کے دروازے تو کھلے ہیں مگر دروازوں پر کوئی نیک اور ہوشیار چوکیدار نہیں۔ گو اس میں ٹھنڈی ہوا اور اچھی اچھی چیزیں بھی داخل ہوتی ہیں، مگر ایسے گھر کو اکثر چور لگے رہتے ہیں۔ اور کتے اس کی چیزوں کو پلید کرتے رہتے ہیں۔ سو یہ گھر خرابی کی حالت میں رہتا ہے پس جس جگہ صفوت و عصمت و تبتل و محبت کامل و تام و حزن و درد و شوق و خوف ہے اس جگہ انوار وحی کے کامل تجلیات بغیر آمیزش کسی نوع کی ظلمت کے وارد ہوتے رہتے ہیں۔ اور آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے رہتے ہیں۔ اور جس جگہ یہ مرتبہ کمال تام کا نہیں، اس جگہ وحی بھی اس عالی مرتبہ سے متنزل ہوتی ہے۔ غرض وحی الہٰی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدا تعالےٰ کی صفات کمالیہ کا چہرہ حسب صفائی باطن نبی منزل علیہ کے نظر آتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی اور انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشق الہٰی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھکر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفیٰ تھے۔ اس لئے خدا نے جلشانہٗ نے انکو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا۔ اور وہ سینہ و دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھیرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفات الہٰی کے دکھانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔ سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالات عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحف سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے۔ کوئی ذہن ایسی صداقت نکال نہیں سکتا جو پہلے ہی سے اس میں درج نہ ہو۔ کوئی فکر ایسے براہین عقلی پیش نہیں کر سکتا جو پہلے ہی سے اس نے پیش نہ کی ہو۔ کوئی تقریر ایسا قوی اثر دل پر ڈال نہیں سکتی جیسا قوی اور

پُربرکت اثر وہ لاکھوں دنوں پر ڈالتا آیا ہے۔ وہ بلاشبہ صفاتِ کمالیہ تعالیٰ کا ایک نہایت مصفیٰ آئینہ ہے جس میں سے وہ سب کچھ ملتا ہے جو ایک سالک کو مدارج عالیہ معرفت تک پہنچنے کے لئے درکار ہے۔" (سرمہ چشم آریہ)

اس روح پرور، ایمان افزا اور تاثیر میں ڈوبی ہوئی تحریر کو پڑھیں، بار بار پڑھیں اور ایمان سے کہیں کہ کیا تیرہ سو سال میں قرآن کریم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ تعریف کسی اور نے بھی کی ہے۔ کیا سیرت النبی کی مقدس اوٹ میں آپ اس نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ چونکہ آپ کا حسب حال نہیں ہیں اپنے خشک علم کی بنا پر نبوت کا کمال اسی میں سمجھتے ہیں "خدا نے کسی نہ کسی طرح ان کو اپنے کلام و ارشاد سے مفتخر اور اپنے احکام سے مطلع فرمایا ہے۔ ان کے ادراک و احساس کی قوتوں کو اس قدر بلند کیا کہ عام انسانوں کو جو چیزیں نظر نہیں آتیں ان کو نظر آتی ہیں۔ عامۃ البشر جن آوازوں کو نہیں سُن سکتے، وہ اُن کو سُنائی دیتی ہیں۔ ملائکۂ الٰہی خدا کے قاصد بنکر اُن کے پاس آتے ہیں۔ صداقت کے لحاظ سے اُن کے خواب و بیداری کا ایک ہی عالم رہتا ہے۔ کیونکہ گو اُن کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اُن کے دل نہیں سوتے۔ اور اُن کو اللہ تعالےٰ نے اپنی نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی بھی عطا فرمائی ہے۔" (جلد سوم ص۲۲۶) مگر افسوس ہے کہ ان سب باتوں میں سے کسی ایک کا بھی آپ کو ذاتی تجربہ نہیں ہے۔ صرف حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کی روایات پڑھکر اپنے طور پر اندازہ لگا لیا کہ نبی میں یہ یہ باتیں ہوتی ہوں گی۔ کبھی قرآن کریم میں تدبر کرنے کی توفیق شائد آپ کو نہیں ملی۔ اور نہ کبھی یہ خیال کیا کہ نبی کیا ہوتا ہے۔ اس کے آنے کی غرض کیا ہے۔ اس کی صداقت کس طرح پرکھی جاتی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر سلسلۂ نبوت بند ہو جاوے تو اس کا نقصان کیا ہے۔ خدا پر کیا الزام عائد ہوتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی کس طرح تنقیص ہوتی ہے۔ اور بغیر انبیاء کے دُنیا کا اخلاقی اور روحانی بیڑا کس طرح غرق ہو جاتا ہے۔ صرف خاتم النبیین کا لفظ دیکھکر طوطے کی طرح رٹ لیا ہے کہ نبوت بند ہے۔ حالانکہ یہ سلسلہ بند کرنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے، کہ لوگ باوجود عالم ہونے کے ناکردنی اور ناگفتنی باتوں سے پرہیز نہیں کرتے۔ آپ اپنی طرف ہی دیکھ لیں کہ باوجود اس کے کہ آپ اوّل تو سید کہلاتے ہیں، پھر مسلمان ہیں، پھر ایک مؤقر رسالہ کے ایڈیٹر ہیں، عالم ہیں،

مصنف اور مؤلف ہیں ضعیف العمری کی وجہ سے چراغ سحری ہیں، مگر بایں ہمہ دل میں خدا کے خوف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہ حال ہے کہ من کذب علیّ متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار کی پرسش جتنی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک طرف آپ سراسر تحکم کی راہ سے فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت بند ہے۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے، نبوت بند کرنے والے متکبر اور جبار لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں پر مُہر ہوتی ہے، یہ عقیدہ اللہ تعالےٰ اور مومنوں کی سخت ناراضگی کا موجب ہے۔

آپ نبوت کے بند ہونے کو بشارت بھی قرار دیتے ہیں اور دبی زبان سے یہ بھی اقرار کر لیتے ہیں کہ صحابہؓ پر یہ بات سخت گذری۔ تجاہل عارفانہ کرکے آپ یہ بھی فرماتے ہیں، کہ ابن مریمؑ کے نزول کی خبر ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسے نبی کے نام سے پکارتے ہیں۔ مگر آپ فرماتے ہیں "کسی نبی کی بعثت کی خبر نہیں" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، خُتم بی النبیون ۔جس کا مطلب عام فہم طور پر یہ ہے کہ نبوت کے لئے جو ساری دنیا اور ساری اقوام میں سے امیدوار لئے جاتے تھے اب دوسری اقوام میں سے امیدوار نہیں لئے جاویں گے۔ بلکہ الہٰی گورنمنٹ نے آئندہ کے لئے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ یہ عہدہ اب اپنے ملازمین کے سوا کسی کو نہ دیا جاوے گا۔ اور ملازمین میں سے بھی صرف اُس کو مل سکیگا جو اپنی حُسنِ کارکردگی اور ذاتی قابلیت کی وجہ سے مستحق سمجھا جاوے گا۔ مگر آپ فرماتے ہیں، خدا نے نبوت کا عہد ہی اُڑا دیا ہے۔ حالانکہ نبوت وہ عہدہ ہے جس سے خدا کی ہستی کا پتہ لگتا ہے، اُس کی توحید کا قیام ہوتا ہے، بے علمی اور بدعملی کی موت سے نجات ملتی ہے۔ تالیفِ قلوب ہو کر قوم آپس میں بھائی بھائی بنتی ہے۔ ایک واجب الاطاعت امام، ایک مرکز، ایک بیت المال قائم ہو کر از سر نو زندگی ملتی ہے۔ ختم بی النبیون کا مفہوم من یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین کے عین مطابق ہے۔ مگر آپ فرماتے ہیں، چُوہے اور چور جس قدر چاہیں گھر میں اودھم مچائیں مگر بلّی اور چوکیدار کوئی نہ آئے۔ گویا آپ When The Cat is away, the Mice will play کا نظارہ دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سچ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (۱) شر البشر شرار العلماء (۲) علماءھم شر من تحت ادیم السماء۔

کیا ایسے بیباک علماء کا خدا رسول سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے جو ہوا ئے نفسانی میں بہے جا رہے ہوں۔ اور اللہ رسول کی پرواہ ہی کوئی نہ کریں علماء تو وہ ہوتے ہیں جو تختہ دار پر بھی حق بات کہنے سے نہ چوکیں۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

قرآن میں تو لکھا ہے خاتم النبیین، مگر یار لوگوں نے خود غرضی سے تحریف کر کے ختم نبوت کی اصطلاح گھڑ لی ہے۔ حدیث میں تو لکھا ہے ختم بی النبیون مگر یہ لوگ اپنی نادانی سے نہیں بلکہ خود رائی سے ختم بی النبیون کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خاتم النبیین اور ختم نبوت اور ختم بی النبیون اور ختم بی النبوۃ علیحدہ علیحدہ ترکیبیں ہیں اور ان کے مفہوموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

فافہم وکن من المفکرین والمومنین۔

خاکسار عطا محمد

امرتسر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

۶ر فروری ۱۹۳۴ء "الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ وما نزل من الحق"

بگرامی خدمت قبلہ سید سلیمان صاحب مدظلہ العالے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘۔ اس عاجز نے مورخہ ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۳ء کو ایک ملفوف آں مکرم کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ یہ تو میں خیال نہیں کر سکتا کہ وہ آپ کو موصول نہ ہوا ہو، البتہ ذرا طویل ہونے کی وجہ سے یہ امکان ضرور ہے کہ اس میں مندرج جملہ امور کا بیک وقت جواب دینے کیلئے زیادہ مہلت درکار ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ جیسا کہ میں نے ابتداء ہی میں عرض کر دیا تھا، کہ میرے بنیادی مطالبے صرف تین ہی ہیں۔ اور ان کے جواب کے لئے جس قدر تاخیر آں مکرم کی طرف سے ہوگئی ہے وہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ پس میں اس خط کے ذریعہ سے ایک بار پھر آں مکرم کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ (۱) براہِ کرم مجھے اس عریضہ کے جواب سے جلد از جلد سرفراز فرمایا جاوے۔ اور اگر تا حال جواب تیار نہیں ہوا تو (۲) کم از کم مجھے یہ اطلاع دیدی جاوے کہ کب تک اسکے جواب کی مجھے توقع رکھنی چاہئے۔ (۳) اگر آپنے اس کا جواب نہ دینا ہو تو پھر میرا خط جو میں نے خوشخطی کا التزام کرتے ہوئے اس محنت اور دیدہ ریزی سے لکھا تھا للّٰہ بعینہٖ بیرنگ ہی مجھے ارسال فرما دیں۔ میں آپ کی یہی بڑی بندہ نوازی سمجھوں گا۔

مجھے افسوس ہے کہ جس خندہ پیشانی سے آپ نے تحقیق حق میں میری رہنمائی کے لئے آمادگی کا

ظلم روا فرمایا تھا اس کا انجام "خموشی معنے دارد کہ در گفتن نمے آید" پر ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اگر مجھ سے کوئی خطا ہوگئی ہے تو اسے للہ فی اللہ معاف فرما کر اصل امر کے جواب سے مجھے خوش وقت فرمائیں۔ کہ آخر اس میں بھی حصولِ رضائے الٰہی کا بہت بڑا راز پنہاں ہے۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین ٥

میں امید کرتا ہوں کہ میری قسم کا پاس کرتے ہوئے آپ مجھے خط کے جواب سے محروم نہ رکھیں گے۔ اگرچہ گزشتہ خط میں بھی میں بہت کچھ عرض کر چکا ہوں۔ مگر میں اس محبت کے تقاضا سے جو مجھے غائبانہ آپ سے ہے کمال اخلاص اور ہمدردی سے ایک بار پھر آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ حق کو قبول کرنا بہت بڑے اولوالعزم اور مستقیم الحال لوگوں کا کام ہے۔ اور قبولِ حق کے راستہ میں جو جو مشکلات ہیں ان کا خیال کرکے بھی انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے مگر بمصداق احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون۔ جبتک انسان یہ امتحان پاس نہ کرے صادق الایمان ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کرسکتا۔ آپ بھی یہ امتحان پاس کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو ایک ایسی لازوال عزت آسمان پر دیگا جو آپکے وہم و گمان میں بھی نہ آئی ہوگی۔ قل ان کان اٰباؤکم ...... رات کو سوتے وقت پڑھیں اور تقویٰ اللہ کو مدنظر رکھکر میری معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اور دل کو بغض و محبت کے جذبات سے خالی کرکے صراطِ مستقیم کی خلوصِ نیت سے دعا کریں، اللہ تعالیٰ ضرور آپکی رہنمائی فرمائے گا۔

عاجز عطا محمد از امرتسر ۶ فروری ۴۵ء

دار المصنفین

۱۲ فروری ۴۵ء

مکرم۔ السلام علیکم

کارڈ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ العالی کے نام موصول ہوا۔ جناب کو غالباً علم نہو۔ مولانا دو ماہ سے دارالمصنفین سے باہر ہیں موصوف اورینٹل ہسٹاریکل کانگریس کی صدارت کے سلسلہ میں مدراس تشریف لیگئے تھے۔ وہاں سے بمبئی اور اب حیدرآباد میں تشریف رکھتے ہیں۔ مطلع عرض ہے کہ ابھی یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جناب کے والا نامہ کا جواب کب تک جائیگا۔ کیونکہ ابھی حضرت مولانا کے واپسی کی کوئی تاریخ متعین نہیں ہے۔

والسلام

سید اسلم ٥

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ماہنامہ اردو)

ریویو آف ریلیجنز
(قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

مدیر

عبد القدیر نیاز

بابت ماہ رجب سنہ ۱۳۶۶ھ ✤ مطابق ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۷ء

ماہ وفا ۱۳۲۶ ہش

عدد ۷

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز اُردو ہمارے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا :-

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا ۔

مخالفینِ اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے ۔ طلباء اور غیر احمدی احباب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئے ۔ ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی ۔

ترسیلِ زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہئے ۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے ، بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گزرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار مفید ہے ۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے :-

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اسی روپے	ایکسو چالیس روپے	دو سو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چون روپے	[illegible]

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۲ | ماہ رجب ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۵ء | عدد ۷

فہرست مضامین

ملفوظات المصلح الموعود

مُغل یا پٹھان

(از جناب پیر صلاح الدین صاحب ملتانی)

۲۷/امان کو حضرت المصلح الموعود ملتان ٹھہرے۔ ظہر اور عصر کی نماز کے بعد ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضور ہم تو اب تک آپ کو مغل ہی سمجھتے تھے۔ مگر حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے لکھا ہے کہ دراصل آپ پٹھان ہیں۔

فرمایا:-

"میر صاحب کی تو رَو ہوتی ہے۔ مَیں نے ان کا مضمون پڑھا نہیں۔ مگر سُنا ہے کہ ایک دلیل انہوں نے ہمارے پٹھان ہونے کی یہ دی ہے کہ ہماری لڑکیاں پٹھانوں کے ہاں بیاہی گئی ہیں۔ اس دلیل کے مطابق تو خود میر صاحب بھی پٹھان بنتے ہیں کیونکہ ان کی لڑکیاں بھی ہمارے گھروں میں آئی ہیں۔"

مَیں نے عرض کیا کہ حضور ان کی اصولی دلیل یہ تھی کہ خدا نے اپنے الہامات "کلمۃ اللہ خاں"، "شادی خاں" وغیرہ میں "خاں" کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ پٹھان ہیں۔

فرمایا کہ:-

"خان تو ترکوں کا اعزازی خطاب تھا۔ اور پٹھان چونکہ ان کے ماتحت رہے ہیں اس لئے انہوں نے یہ خطاب اپنا لیا جس طرح آجکل بعض دیسی لوگ صاحب کہلاتے ہیں۔ اور یہ خطاب ترکوں نے پٹھانوں سے بہت پہلے استعمال کیا ہے۔ مثلاً چنگیز خاں، قبلا خاں، ہلاکو خاں وغیرہ۔ سب سے پہلے تیمور نے اپنے نام کیساتھ امیر کا لفظ لگایا اور امیر تیمور کہلوایا۔ بعد میں امیر زادہ اور اس سے میرزا ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ لوگ خاں کا لفظ ہی استعمال کرتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کے کلام میں خان کا لفظ بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔"

له یہ مضمون چونکہ الفضل میں شائع نہیں ہو سکا اسلئے توقف کیساتھ بھیجا جا رہا ہے۔ خاکسار صلاح الدین 26/12/45

فہرست اغلاط رسالہ ریویو آف ریلیجنز ماہ جون ۱۹۲۵ء

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۱۷	غلط مبحث	غلط مبحث
۱۲	۲۰	تشکرانہ	متشکرانہ
۱۳	۷	بمقدور	تامقدور
۱۳	۱۳	اُن پر اُن	اُن پر یا اُن
۱۷	۱۳	چوہرشر	چوہرش
۲۰	۴	کی فرمائے	کی پیش فرمائے
۲۱	۵	غلط مبحث	غلط مبحث
۲۱	۲۰	اطناب محل	اطناب ممل
۲۶	۱۴	بسارت	جسارت
۲۹	۱۵	ایک ایک لفظ	ایک ایک نقطہ
۲۷	۷	مقدم	متقدم
۲۸	۹	محدث ابن	محدث ان ابن
۲۹	۱۱	فجمع	فُجِمَع
۲۹	۲۰	آخری شخص عدیم المثال	آخری شخص یعنی عدیم المثال
۳۵	۱۸	حالت راز	حالت زار
۳۶	۳	پر یہ اسلام	پر اسلام
۳۶	۱۲	کہ اگر آپ	کہ آپ
۳۷	۱۳	ہمسری کادم	ہمسری کا بھی دم
۴۲	۲۵	بحر فضا	بحر فضل
۴۷	۱۶	مسلمانوں کو نہیں	مسلمانوں کو نہیں نہیں
۴۸	۲۰	نفسی	نفسٌ
۴۸	۲۰	فرط	فرحت

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۸	۲۴	ص ۳۹-۴۰	ص ۱۸-۲۱ حاشیہ
۴۹	۷	ہیں	ہیں
۴۹	۲۱	ملائک کی حفاظت	ملائکہ حفاظت
۵۰	۲	زندہ	اندر
۵۲	۲۳	The mice will Play	The mice Play
۵۳	۲	ختم النبیین کا یہ مفہوم	ختم النبوۃ کا مفہوم
۵۳	۹	المفکرین والممعنین	المفکرین فالمُمعنین

گذشتہ سے پیوستہ

سید سلیمان صاحب کے خطوط میں سے باقی ماندہ قابلِ جواب امور

(از مولوی عطاء محمد صاحب امرتسر)

امید ہے۔ آپ پر واضح ہوگیا ہوگا۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اس عقیدہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ہر قسم کے روحانی فیوض حضورؐ کی وساطت سے ملیں۔ اور جیسے حضورؐ چاہیں اُسے ملیں۔ یا اس عقیدہ سے کہ آپ کی ذات پر تمام فیوض و برکات کا خاتمہ ہو جاوے۔ اور آئندہ کے لئے کسی کو کوئی روحانی درجہ نہ ملے۔ نہ آپ کی وساطت سے اور نہ براہ راست۔

ظاہر ہے کہ رحمۃ للعلمین حضورؐ کی شان میں اسی لئے وارد ہوا۔ کہ حضورؐ رحمت کے دروازے کھولنے والے ہیں (اپنے لئے اور اپنے کامل متبعین کے لئے) پس بفحوائے انا ارسلنٰک شاھداً ومبشراً ونذیراً لتؤمنوا باللہ و رسولہٖ وتعزروہُ وتوقّروہ وتسبّحوہ بکرۃً واصیلاً۔ اللہ رسول پر ایمان کے دعویٰ میں صادق وہی ہے۔ جو اس پہلو کو اختیار کرے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر ہو۔ اور اپنے لئے ہلاکت کا موجب سمجھے اس پہلو کو جس میں حضورِ پُر نور کی (نعوذ باللہ نعوذ باللہ) تحقیر کا ذرا سا بھی شائبہ پایا جاوے۔

آں مکرم نے مجھے یہ نصیحت بھی فرمائی ہے کہ میں اپنا وقت کسی مفید شغل میں صرف کروں اس کے متعلق سب سے اول میں آں مکرم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اس کے بعد بمختصر الفاظ صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ جب (۱) مسلمانوں کا ایک واجب الاطاعت امام تھا۔ (۲) جب ان کا ایک مرکز تھا (۳) ان کا ایک بیت المال تھا (۴) ان کا ایک محکمۂ قضا تھا تو (۵) ان کا سب سے مفید اور محبوب مشغلہ اللہ تعالےٰ نے یہ تجویز فرمایا تھا۔

ا۔ کنتم خیر اُمّۃ اخرجت للنّاس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔

۲۔ من احسنُ قولاً ممّن دعا الی اللّٰہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین ۔ اور سلمان اِس تندہی ۔شغف اور انہماک سے اس فریضہ کی ادائیگی میں مشغول تھے ۔ کہ انہیں سخت سے سخت تکالیف پہنچائی جاتی تھیں ۔ دیکھتے ہوئے کو ملوں پر لٹایا جاتا تھا ۔ جلا وطن کیا جاتا تھا ۔ جانی اور مالی نقصان پہنچایا جاتا تھا ۔ مگر ان سب مصائب کی برداشت کرتے تھے ۔ پر اپنا محبوب شغلہ نہ چھوڑتے تھے حتّٰی کہ شاہی درباروں میں جلا وطنی کی حالت میں بھی بے دھڑک اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہ رہ سکتے تھے ۔ اور اگرچہ میں ڈرتا ہوں کہ خط کے غیر معمولی طور پر لمبا ہو جانے سے آپ کا ناظر خاطر ملول نہ ہو جاوے لیکن موقعہ کے مناسب منہ پر آئی ہوئی بات چونکہ رک نہیں سکتی اس لئے میں اپنا ما فی الضمیر حضرت جعفر ابن ابی طالب کی زبانی عرض کرتا ہوں ۔

"ایہا الملک کنّا قوماً اہل جاہلیۃ نعبد الاصنام و ناکل المیتۃ ونأتی الفواحش ونقطع الارحام ونسیٔ الجوار ویاکل القوی منّا الضعیف فکنّا علیٰ ذٰلک حتّٰی بعث اللّٰہ الینا رسولاً منّا نعرف نسبہٗ وصدقہٗ وامانتہٗ وعفافہٗ فدعانا الی اللّٰہ لنوحدہٗ ونعبدہٗ ونخلع ما کنّا نعبد نحن وآباؤنا من دونہٖ من الحجارۃ والاوثان وامرنا بصدق الحدیث و اداء الامانۃ وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونہانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنۃ وامرنا ان نعبد اللّٰہ وحدہٗ لا نشرک بہٖ شیئاً وامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ قالت فعدد علیہ امور الاسلام فصدقناہ وآمنّا بہٖ واتبعناہ علیٰ ما جاء بہٖ من اللّٰہ فعبدنا اللّٰہ وحدہٗ فلم نشرک بہٖ شیئاً وحرّمنا ما حرّم علینا واحللنا ما احلّ لنا فعدا علینا قومُنا فعذّبونا وفتنونا عن دیننا لیردّونا الی عبادۃ الاوثان عن عبادۃ اللّٰہ تعالیٰ وان نستحل ما کنّا نستحل من الخبائث فلمّا قہرونا وظلمونا وضیّقوا علینا وحالوا

بیننا وبین دیننا خرجنا الی بلادک واخترناک من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لا نظلم عندک ایها الملک" (سیرۃ ابن ہشام ص ۲۰۶ مطبوعہ مصر)

لیکن جب مسلمانوں نے قرآن کو ترک کر دیا۔ فرقہ فرقہ ہو جانے کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے انکا قطع تعلق ہو گیا۔ ان کے قول اور فعل میں مطابقت نہ رہی۔ یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم چل کر ضلالت وگمراہی کے تاریک و تار گڑھے میں گر گئے اور بدنام کنندۂ نکونامے چند کا مصداق ہو گئے۔ اور ان کا وجود اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے باعث ننگ و عار بن گیا۔ اور دین متین کی حالت وہ ہو گئی جس کا نقشہ اشعار ذیل میں کھینچا گیا ہے ؎

بیکسے شد دین احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست ✤ ہر کسے در کار خود با دین احمدؐ کار نیست
ہر طرف سیل ضلالت صد ہزاراں تن ربود ✤ حیف بر چشمے کہ اکنوں نیز ہم بیدار نیست
اے مسلماناں خدارا یک نظر بر حال دیں ✤ آنچہ مے بینم بلاہا حاجت اظہار نیست
آتش افتاد است در رختش بخیزید اے یلاں ✤ دیدنش از دور کار مردم دیندار نیست

مے سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہل دیں ✤ بر پریشاں حالئے اسلام و قحط المسلمیں
دین حق را گردش آمد صعبناک و سہمگیں ✤ سخت شورے اوفتاد اندر جہاں از کفر و کیں
آنکہ نفس اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب ✤ مے تراشد عیبہا در ذات خیر المرسلیں
تیر بر معصوم مے بارد خبیثے بدگہر ✤ آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمیں
ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید ✤ دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدیں

تو اللہ تعالےٰ نے "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" کے وعدہ کو یاد فرما کر بمصداق "نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ" قادیان کی مقدس بستی سے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کو کشتی اسلام کا کھیوا اور باغ ملت کا مالی بنا کر کھڑا کر دیا۔ جنہوں نے پوری قوت اور پوری شوکت کے ساتھ گم گشتگان بادیۂ غوایت کو پکارنا اور ع "بازآ اے فتنے اپنی گرمی رفتار سے" کے فلک بوس نعروں سے

للکارنا شروع کردیا ؎

من خود از بہرِ ایں نشاں زادم ÷ دیگر از ہر غمے دل آزادم!
ایں سعادت چو بُود قسمت ما ÷ رفتہ رفتہ رسید نوبت ما
نعرہ ہامے زنم بر آبِ زلال ÷ ہمچو مادر دواں پئے اطفال
تا مگر تشنگانِ بادیہ ہا! ÷ گردم زیں فغان و صلا!
لیک شرط است عجز و صدق و صفا ÷ آمدن با نیاز و خوفِ خدا
جُستن از غربت و تذلّلِ دل ÷ باخلوص و اطاعتِ کامل
گر کنوں ہم کسے بتابد سر ÷ گیرد از راہِ عدل راہِ دگر
نے زما بُرسد و نہ خود داند ÷ نے زکیں روئے خود بگرداند
آں نہ انساں کہ کرمکے دُون است ÷ راندۂ بارگاہِ بیچون است
سروکارے بحق نمے دارد ÷ لاجرم لعنتش برو بارد
حجّت مومناں بروست تمام ÷ کارِ ما پُختہ عذرِ او ہمہ خام

اس آسمانی آواز میں کچھ اس قسم کا جادو بھرا ہوا تھا۔ کہ جس جس شخص کے کان میں یہ آواز پڑ گئی۔ وہ اس شمع ہدایت کا پروانہ اور عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر دیوانہ وار یہ کہتا ہوا اس منادی کی طرف دوڑا۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار۔ حتیٰ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سرفروشانِ اسلام کی ایک ایسی پاکیزہ جماعت تیار ہو گئی کہ ؎

سینہ شاں زغیرِ حق پرداخت ÷ وز مئے عشقِ آں یگاں پُرساخت
چوں شد آں نورِ پاک شاملِ شاں ÷ تافت از پردۂ بدرِ کاملِ شاں
دُور شد ہر حجابِ ظلمانی ÷ شد سراسر وجود نورانی
خاطرِ شاں بجذبِ پنہانی ÷ کرد مائل بہ عشقِ ربّانی
آنچناں عشق تیز مرکب راند ÷ کہ ازاں مشتِ خاک ہیچ نماند
نے خودی ماند نے ہوا و ہوس ÷ اوفتادہ بخاک و خوں سرِکس
عاشقانِ جلالِ روئے خدا ÷ طالبانِ زُلالِ جوئے خدا

پُر ز عشق و تہی ز ہر آزے ÷ گشت وزیشاں نخاست آوازے
پاک گشتہ ز لوث ہستیٔ خویش ÷ رستہ از بند خود پرستیٔ خویش
آنچناں یار در کمند انداخت ÷ کہ ندانند بادگر پرداخت
قدم خود زدہ براہِ عدم ÷ گم بیادش ز فرق تا بقدم
ذکر دلبر غذائے مغز حیات ÷ حاصل روزگار و مغز حیات
سوختہ ہر غرض بجز دلدار ÷ دوختہ چشم خود ز غیر نگار
دل و جاں بر رخے فدا کردہ ÷ وصل او اصل مدعا کردہ
مردہ و خویشتن فنا کردہ ÷ عشق جوشید و کارہا کردہ
از دیار خودی شدند جدا ÷ سیل پُر زور بود بُرد از جا
لاجرم یافتند نورِ خدا ÷ چوں خودی رفت شد ظہورِ خدا

اس جماعت کا کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد ؎

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا

کے مطابق ؎ ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار

دُنیا کے گوشہ گوشہ میں اجیبوا داعی اللہ۔ اجیبوا داعی اللہ کی منادی دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس عاجز کو بھی اس نے اس جماعت کا ایک کمترین فرد ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمد للہ الذی ھدینا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدینا اللہ اور تیرہ سو سال کی لمبی رات گذرنے کے بعد اپنی رحمانیت کے تقاضا سے نہ کہ ہمارے اعمال کی پاداش میں "انسانیت کے مطلع سے ہدایت و رہنمائی کا نور" "صبح کا تڑکا" اور "آفتاب ہدایت" نمودار فرمایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اب بموجب ارشاد باری تعالیٰ عز اسمہٗ یایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہٖ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہٗ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ

ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم ۔ یعنی اے مومنو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کچھ عرصہ کے بعد ایک اور قوم لے آئے گا جن سے وہ خود محبت کرے گا اور وہ قوم اس سے محبت کرے گی۔ مومنوں پر وہ لوگ بڑے فروتن ہوں گے اور کافروں پر غالب۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرینگے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور وہ بڑی وسعت والا اور علم رکھنے والا ہے۔ (المائدہ ع ۸)

تمام کے مسلمانوں سے اس مفید کام کی توفیق چھن گئی اور ایک واجب الاطاعت امام ایک مرکز ایک بیت المال اور ایک دار القضا کی برکت سے اس مٹھی بھر جماعت کو مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے وہی جوش وہی اخلاص اور وہی والہانہ سرفروشی اس جماعت کو عطا فرمادی جو آج سے تیرہ صدیاں قبل صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں پائی جاتی تھی۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آج دُنیا بھر کے تمام براعظموں میں اس قلیل سی جماعت کے باقاعدہ تبلیغی مشن موجود ہیں۔ اور آج قادیان ہی روئے زمین پر ایسی مقدس بستی ہے جس کے جگر گوشے زمین کے گوشہ گوشہ میں اعلائے کلمۃ الحق کے مقدس فریضہ کی ادائیگی کو اپنی زندگی کا مقصد بنیتہ اور اس مقصد کو عملی رنگ میں حاصل کرنے کے لئے آئے دن اپنے عزیز و اقارب سے جُدا ہوتے اور غیر ممالک کو روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے خود ایک باقاعدہ ادارہ قائم فرماکر واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذٰلک یبین اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تھتدون ۔ (آل عمران ع ۱۱) کا مقدس ڈھنڈورہ پیٹ دیا ہے۔ اور تمام لوگوں کو اسی ادارہ میں داخل ہونے کا عام حکم فرمایا ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ ہی ڈیفنس آف دین رُولز کے ماتحت ہر قسم کی انجمنیں بنانا اور رنگ اور مذہب اور قوم کے نام پر قسم قسم کے ڈھونگ رچانا الہٰی گورنمنٹ نے خلافِ قانون قرار دیدیا ہے۔ اور ہر قسم کے پرائیویٹ مجمعوں پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ مسلمانوں نے اپنی زبوں حالی کا احساس کر کے برساتی کیڑوں کی طرح جابجا انجمنیں بنا رکھی ہیں۔ اور کئی قسم کے ادارے کھولے ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ وہ سب منشائے الٰہی کے خلاف ہیں۔ اور خود غرضی پر مبنی ہیں اس لئے روز بروز مسلمانوں کی حالت سدھارنے کی بجائے ان کی جسمانی اخلاقی اور روحانی تباہی کا موجب بن رہے ہیں۔ اور ایک بار پھر لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبہم ولکن اللہ الف بینہم انہ عزیز حکیم (انفال ع ۸) کی صداقت کا زبانِ حال سے اقرار کر رہے ہیں۔

ان کی اس ناکامی اور نامرادی کی وجہ یہ نہیں۔ کہ ان کے دکھوں کا علاج کوئی نہیں۔ یا کوئی مستند اور ماہر فن طبیب موجود نہیں۔ بلکہ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے۔ کہ ان کی اکثریت کو تپ دق کے مریض کی طرح باوجود سکیاں لینے اور قریب المرگ ہونے کے اپنی مرض کا احساس ہی نہیں۔ اور وہ قدر قلیل حصہ جسے احساس ہو چکا ہے اس میں سے کچھ اپنے آبائی خیالات سے دلبستگی کی وجہ سے۔ کچھ قوم کے طعن و لعن کے خوف سے کچھ جھوٹے پیروں نقلی فقیروں اور جاہل ملانوں کے پیچھے لگ کر اور کچھ رسمی علم اور خشک زہد کی آڑ میں انا خیر منہ کا نعرہ مارتے ہوئے اس روحانی طبیب کے پاس تک نہیں پھٹکتے۔ پس ان کا علاج ہو تو کیسے ہو۔ اور ایسی بدنصیب قوم کے دن پھریں تو کس طرح؟۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے۔ کہ یہ لوگ طبیب کو تو اپنا دشمن سمجھتے ہی ہیں۔ مگر جن کو اپنا محرم راز اور حقیقی خیر خواہ ظاہر کرتے ہیں ان کے مشورہ پر بھی اپنی بدبختی کی وجہ سے عمل پیرا نہیں ہوتے۔ لاکھوں لاکھ رحمتیں اور کروڑوں کروڑ برکتیں ہوں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جنہوں نے کوشش فرما کر اسلام پر برے دن آنے سے پیشتر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مشکوٰۃ نبوت سے نور کا اقتباس فرما کر بھولے بھٹکے مسلمانوں کے رستہ میں چراغ ہدایت رکھ دیا اور بروقت حضور سے دریافت فرمایا کہ جب اسلام پر ایسے خطرناک دن آئیں تو وہ کیا کریں چونکہ حضور پرنور کا جواب بفحوائے اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم گم گشتگان بادیۂ غوایت کے لئے مشعل راہ اور ان کے دکھڑوں کا یقینی اور صحیح آخری علاج ہے اس لئے ان لوگوں کے لئے جو دلی شوق پورے ذوق اور کامل اخلاص سے اپنی دینی دنیوی تندرستی کے دل سے خواہاں ہیں درج ذیل کیا جاتا ہے حضور انور نے فرمایا:۔

تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم قلت یارسول اللہ ان لم تکن لھم جماعۃ ولا امام قال فاعتزل الفرق کلھا ولو ان تعض باصل شجرۃ حتی یدرکک الموت وانت علیٰ ذٰلک۔

یعنی جب مسلمانوں کے بہت سے فرقے ہو جائیں تو اُس وقت ایک فرقہ ایسا ہوگا جو جماعت کہلائیگا۔ ان کا ایک واجب الاطاعت امام ہوگا۔ اُس جماعت اور امام کو لازم پکڑنا اور اس کے ساتھ مل جانا۔ صحابی نے عرض کی یارسول اللہ اگر نہ کوئی جماعت ہو اور نہ کوئی امام تو پھر کیا کروں۔ حضورؐ نے فرمایا پھر وہ سب پراگندہ لوگ ہوں گے۔ انہیں چھوڑ کر جنگل میں چلے جانا۔ درختوں کی جڑیں کھا کر گزارہ کرنا۔ اور آبادی میں نہ آنا۔ حتٰی کہ تمہیں موت آجائے۔ (بخاری شریف)

کیسا واضح ارشاد ہے۔ اور اُس کتاب میں موجود ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے۔ مگر اُن لوگوں کے لئے جن کے دل میں خدا کا خوف ہے۔ جنہیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ اور جو قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے حاضر ہونے سے ڈرتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے شرم وحیا کی لوئی اتار پھینکی ہو۔ ان کے نزدیک خدا رسول اور محاسبۂ اعمال کی پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وہ مسلمان ہی کیا جو اپنے دل میں ان چیزوں سے خائف ہو۔

قبلہ سید صاحب! بہ آں کرم سے فاضلانہ [illegible] چاہتا ہوں کہ جس خیر سے اللہ تعالےٰ نے مجھے حصہ بخشا ہے آپ کو بھی اس میں شریک کروں۔ تا جس طرح دنیا میں آپ [illegible] آخرت میں بھی آپ [illegible] اللہ تعالےٰ کی طرف میں آجائیں [illegible] وہی جس کا انجام اچھا ہو۔ [illegible] آپ [illegible] کو جو میں [illegible] محنت اور نہایت ہی اخلاص سے لکھا ہے۔ للہ غور سے مطالعہ فرمائیں۔ [illegible] مطالعہ فرمائیں [illegible] طرز کلام [illegible] جرأت سے جو حق گوئی کے لازمی ہو اگر [illegible] مجھے معاف فرمائیں [illegible]

واقارب اور یار دوست وہاں کچھ کام نہیں آئیں گے۔ صرف تقوی اللہ کے ماتحت کئے ہوئے اعمال اور اخلاص سے بھری ہوئی یاد الٰہی کام آئے گی۔ راست گفتاری اور درست کرداری سے بیڑا پار ہوگا ؎

راستی موجب رضائے خدا است ✱ کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

اور اگر اللہ تعالےٰ آپ کو اِن باتوں کے سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے تو آپ بھی اِس نظام میں منسلک ہو کر اپنی شاخِ وجود کو اِن بہشتی اور ثمر دار درخت سے پیوند کر لیجئے۔ کہ اس سے چند ہی یوم میں بشرطیکہ پیوند صحیح طور پر لگ جاوے، انشاء اللہ تعالےٰ خاصیت ہی بدل جاوے گی اور آپ بدیہی طور پر محسوس کریں گے کہ آپ کو ایک نئی اور پاکیزہ زندگی مل گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو بیش از پیش خدمات کی توفیق دیگا۔ اور آپ کا نام نامی و اسم گرامی بھی دُنیا تک صفحۂ روزگار پر ثبت رہے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ اور اگر آپ نے دانستہ انکار کیا جیسا اس زمانہ میں اکثر ضدی اور متعصب مولویوں کا شیوہ ہے۔ اور جس کی مجھے آپ سے ہرگز توقع نہ رکھنی چاہئے۔ تو اس کی تمام تر ذمہ واری آپ پر ہوگی۔ بلکہ مجھے صاف الفاظ میں یہ کہنے دیجئے کہ ان تمام لوگوں کی ذمہ واری بھی آپ پر ہوگی۔ جنہوں نے آپ کے ان بے بنیاد اوہام پر اپنے ایمانوں کی بنیاد رکھی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں انہیں ہدایت سے محرومی نصیب ہوئی ہوگی۔ وليحملن اثقالهم واثقالاً مع اثقالهم وليسئلن يوم القيمة عما كانوا يفترون (عنکبوت ع)،

اس دن تلافیٔ مافات کا کوئی موقعہ نہ ہوگا۔ بلکہ ويوم يعض الظالم على يديه يقول يليتنى اتخذت مع الرسول سبيلا يويلتى ليتنى لم اتخذ فلانا خليلا لقد اضلنى عن الذكر بعد اذ جاءنى وكان الشيطن للانسان خذولا ۝ وقال الرسول يٰرب ان قومى اتخذوا هذا القرآن مهجورا ۝ وكذلك جعلنا لكل نبى عدوا من المجرمين وكفى بربك هاديا ونصيرا ۝ (فرقان ع)، اعاذنا الله من درك الشقاء وسوء القضاء۔ آمين ثم آمين۔

پھر آپ فرماتے ہیں :- "ان فضول مباحث سے کچھ حاصل نہیں جن کو مدعیانِ قادیان نے پیدا کیا ہے"

یہ فقرہ آپ کی قلبی کیفیت کا آئینہ دار ہے - اور اُس حسد یا بغض یا کینہ کا اظہار کر رہا ہے - جو آپ جیسے عالم کی شان کے شایاں نہیں ہے ؎

ہنر بچشمِ عداوت بزرگتر عیبے است ٭ گل است سعدیؔ و در چشمِ دشمناں خار است

اگر تو آپ اللہ کے - اللہ کے رسول کے قرآن کریم کے اور اسلام کے دشمن ہیں - تو واقعی مدعیانِ قادیاں بڑے مجرم ہیں - جو آپ کے دشمنوں سے دوستی کا دم بھرتے ہیں - لیکن اگر آپ ان سب کے دوست ہیں - تو مدعیان قادیان تو ان کے عاشق صادق ہیں - پھر وہ آپ کو بُرے کیوں لگتے ہیں - کیا اپنے دوستوں سے دوستی کرنے والا دوست دوست ہوا کرتا ہے یا دشمن - اور ذرا حق کی مخالفت کا اثر بھی دیکھ لیجیے - کہ قادیان میں دعوے کرنیوالا تو صرف ایک ہے - مگر عداوت کی وجہ سے آپ کی زبان پر کلمۂ حق کا جاری ہونا مشکل ہو گیا ہے - اس دعوے کرنیوالے کے متعلق آپ جمع کا صیغہ استعمال کرتے اور صریحًا دروغگوئی کا ارتکاب کر رہے ہیں - کیا قرآن کریم میں یہ حکم نہیں - کہ دشمنوں کے متعلق بھی فیصلہ کرنے لگو - تو عدل و انصاف سے کام لو - اور کیا مدعیانِ قادیان کہکر آپ نے قرآنی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی ؟ کیا مغلوب الغضب آدمی کی زبان پر کلمۂ حق جاری ہو سکتا ہے ؟ جو لوگ ادنےٰ ادنےٰ اختلاف کی وجہ سے آپے سے باہر ہو جائیں - بین الاقوامی رواداری سے کُلّیۃً ناآشنا ہوں - اور محض اس غرض سے کہ دشمن نیچے آ کے مر جائے - اپنا مکان گرانے کو تیار ہو جائیں - کیا ایسے لوگوں کا وجود اسلام اور بانئ اسلام کے لئے کسی فخر و مباہات کا موجب ہو سکتا ہے ؟

قبلہ سید صاحب ! گستاخی معاف - ذرا تھوڑی تکلیف گوارا فرما کر اتنا تو معلوم کیجیے کہ مدعیانِ قادیان کہتے کیا ہیں - ان کی کتابیں مطالعہ کیجیئے - ضرورتِ وقت کو دیکھئے - اور پھر خداترسی سے فیصلہ فرمائیے - اگر فردائے قیامت کو الم یاتکم نذیر کا سوال ہوا - تو جواب کیا دیجے گا - آیا یہ کہ :- ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعد محمد ولا نبی جو آپ نے سیرۃ النبی میں تحریر فرمایا ہے - یا وہ جو قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے بلیٰ قد جاءنا نذیر فکذبنا

وقلنا ما نزل اللہ من شیءٍ ان انتم الا فی ضلٰل کبیر ٥

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ÷ کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

مجھے یقین ہے کہ آپ نے "**مدعیان قادیان**" کی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ اور انکے متعلق دشمنوں نے جو جھوٹی اور شرارت آمیز باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ صرف ان پر اپنے یقین کی بنیاد رکھکر ایسا لکھدیا ہے۔ ورنہ وہ کتابیں تو ایسی دلچسپ۔ ایمان افروز اور جادو بھری تاثیر رکھنے والی ہیں کہ جس کی ایک دفعہ ان پر نگاہ پڑجاتی ہے۔ وہ ہزار جان سے ان کا عاشق زار بن جاتا ہے۔ اور پیاسا ہو جائے تو بات ہے۔ مگر وہ ان کتابوں سے جدا ہونا پسند ہی نہیں کیا کرتا۔ ان کتابوں کے مضامین تو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بغیر پڑھنے کے اس آب حیات اور شہد کی لذت سے انسان بہرہ ور نہیں ہو سکتا لیکن صحیح الدماغ دانشمند آدمیوں کو تو ان کتابوں کے ناموں میں بھی ایک جادو بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً براہین احمدیہ۔ ازالہ اوہام۔ توضیح مرام۔ ضرورۃ الامام۔ آئینہ کمالات اسلام۔ شہادت القرآن۔ حقیقۃ الوحی۔ چشمہ معرفت وغیرہ وغیرہ۔ حمامۃ البشریٰ۔ کرامات الصادقین۔ نور الحق۔ اعجاز احمدی۔ کیا پیارے اور پاکیزہ نام ہیں۔ اور جس کتاب کو اٹھا کر دیکھو۔ وہ اسم با مسمّٰی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تعریف اور حمد و ثنا سے مملو ہے۔ زندہ خدا۔ زندہ کتاب۔ زندہ نبی اور زندہ مذہب کی خوبیاں ان کتابوں میں کوٹ کوٹ کر بھر رکھی ہیں۔ اور جس کتاب کو جہاں سے پڑھو۔ دل اندر ہی اندر چٹکیاں لینے اور آسمانی نور سے منور ہونے لگتا ہے۔ بشرطیکہ انسان کا دل اندر موجود اور قلب کا بلب فیوز نہ ہو گیا ہو۔

اب میں نمونہ کے طور پر چند ایک عبارات نثر اور نظم میں آپ کے ملاحظہ کے لئے ذیل میں تحریر کرتا ہوں۔

۱۔ "نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال والے نبی کے ساتھ رکھو۔ اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان

پر نجات یافتہ سمجھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی۔ بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔"
(کشتی نوح ص۱۳)

۲۔ "اسلام ایک ایسا بابرکت اور خدا نما مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص سچے طور پر اس کی پابندی اختیار کرے اور ان تعلیموں اور ہدایتوں اور وصیتوں پر کاربند ہو جاوے۔ جو خدا تعالےٰ کے پاک کلام قرآن شریف میں مندرج ہیں۔ تو وہ اسی جہان میں خدا کو دیکھ لیگا۔ وہ خدا جو دنیا کی نظروں سے ہزاروں پردوں میں ہے۔ اس کی شناخت کے لئے بجز قرآنی تعلیم کے اور کوئی بھی ذریعہ نہیں۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۱)

۳۔ "یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مرتبہ کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کرنیکا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی۔ وہی ایک پہلوان ہے۔ جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی۔ اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اسکی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا۔ اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے۔ اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریت شیطان ہے۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے۔ اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے جو اس کے ذریعہ نہیں پاتا۔ وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے ہم کافر نعمت ہوں گے۔ اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے پائی ہے۔ اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۱۵، ۱۱۶)

۴۔ "تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم

دُنیا سے پیار کر رہی ہے۔ اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف ذرا توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے موقعہ ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پائیں۔"

۵۔ اے سُننے والو سنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔"

۶۔ "وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں۔ اور اس تک پہنچنے کے تمام دروازے بند ہیں مگر ایک دروازہ جو قرآن مجید نے کھولا ہے۔ اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے۔ اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں۔ نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں۔"

۷۔ "دُنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں۔ اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ وہ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے۔ اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو جو غضب الٰہی کے قریب کرے ..... خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر۔ اپنی عزت چھوڑ کر۔ اپنا مال چھوڑ کر۔ اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر تم تلخی اٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے۔ اور تم ان راستبازوں کے

وارث کئے جاؤ۔ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے۔ مگر تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں۔"

۸۔ "بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ متکبر اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ظالم اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ خائن اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ہر ایک جو اس کے نام کے لئے غیرت مند نہیں اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ جو دنیا پر کتوں یا چیونٹیوں یا گِدوں کی طرح گرتے ہیں۔ اور دنیا سے آرام یافتہ ہیں۔ وہ اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ ہر ایک ناپاک آنکھ اس سے دور ہے اور ہر ایک ناپاک دل اس سے بےخبر ہے۔" (کشتی نوح ص۲۷)

"نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔"

۹۔ "اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں۔ تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو۔ اور گالیاں سنو اور شکر کرو۔ اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو۔ سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجے پر ہو۔"

"ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم۔ دروغگو۔ جعلساز اور ان کا ہمنشین اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں۔ تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ اور تاریکی اور روشنی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ ہر ایک جو پیچ در پیچ طبیعت رکھتا ہے اور خدا کے ساتھ صاف نہیں وہ اس برکت کو ہرگز نہیں پا سکتا جو صاف دلوں کو ملتی ہے۔" (کشتی نوح ص [illegible])

۱۰۔ "کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے۔ اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو۔

کہ وہ تمہیں سیراب کریگا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائیگا۔ میں کیا کروں اور
کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں
منادی کروں تا لوگ سن لیں۔ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں
کے کان کھلیں" (کشتی نوح صفحہ ۶۶)

۱۱۔ حقیقی خدا دانی تمام اس میں منحصر ہے کہ وہ زندہ خدا انکا ساتھی
ہو جائے۔ جو اپنے مقربوں سے نہایت صفائی سے ہمکلام ہوتا ہے اور اپنی
پُرشوکت اور لذیذ کلام سے ان کو تسلی اور سکینت بخشتا ہے جس طرح ایک انسان
دوسرے انسان سے بولتا ہے۔ ایسا ہی یقینی طور پر بلا شک وشبہ وہ پاک
ہے ان سے باتیں کرتا ہے۔ ان کی بات سنتا ہے۔ اور اس کا جواب دیتا ہے۔ اور
ان کی دعاؤں کو سن کر دعاؤں کے قبول کرنے سے انکو اطلاع دیتا ہے۔ اور ایک
طرف لذیذ اور پُرشوکت قول سے اور دوسری طرف معجزانہ فعل سے اور اپنے قوی
اور زبردست نشانوں سے ان پر ثابت کر دیتا ہے کہ میں ہی خدا ہوں۔ وہ اول
پیشگوئی کے طور پر ان سے اپنی حمایت اور نصرت اور خاص طور کی دستگیری
کے وعدے کرتا ہے اور پھر دوسری طرف اپنے وعدوں کی عظمت بڑھانے کے لئے
ایک دنیا کو ان کے مخالف کر دیتا ہے۔ اور وہ لوگ اپنی تمام طاقت اور تمام مکر
وفریب اور ہر ایک قسم کے منصوبوں سے کوشش کرتے ہیں کہ خدا کے ان وعدوں
کو ٹال دیں۔ جو اس کے ان مقبول بندوں کی حمایت اور نصرت اور غلبہ کے بارے
میں ہیں۔ اور خدا ان تمام کوششوں کو برباد کرتا ہے۔ وہ شرارت کی تخم ریزی کرتے
ہیں۔ اور خدا اس کی جڑ باہر پھینکتا ہے۔ وہ آگ لگاتے ہیں اور خدا اس کو بجھا دیتا ہے۔
وہ ناخنوں تک زور لگاتے ہیں۔ آخر خدا ان کے منصوبوں کو انہیں پر اُلٹا کر مارتا ہے۔
خدا کے مقبول اور راستباز نہایت سیدھے اور سادہ طبع اور خدا تعالےٰ کے سامنے
ان بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔ جو ماں کی گود میں ہوں۔ اور دنیا ان سے دشمنی کرتی ہے۔
کیونکہ وہ دنیا میں سے نہیں ہوتے۔ اور طرح طرح کے مکر وفریب ان کی بیخکنی کے لئے
کئے جاتے ہیں۔ قومیں ان کے ایذا دینے کے لئے متفق ہو جاتی ہیں۔ اور تمام نااہل لوگ
ایک ہی کمان سے ان کی طرف تیر چلاتے ہیں۔ اور طرح طرح کے افترا اور تہمتیں

لگائی جاتی ہیں۔ تاکہ [illegible] وہ ہلاک ہو جائیں اور ان کا نشان نہ رہے۔ مگر آخر خدا تعالیٰ اپنی باتوں کو پورا کر کے دکھلا دیتا ہے ..... یہ خدا ہے جس کے ان قولی فعلی تجلیات کے بعد جو ہزار ہا [illegible] اپنے اندر رکھتی ہیں اور نہایت قوی اثر دل پر کرتی ہیں۔ انسان کو سچا اور زندہ ایمان نصیب ہوتا ہے۔ اور ایک سچا اور پاک تعلق خدا سے ہو کر نفسانی غلاظتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اور تمام کمزوریاں دور ہو کر آسمانی روشنی کی تیز شعاعوں سے [illegible] ہوتی ہے۔ اور ایک عجیب تبدیلی ظہور میں آتی ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ [illegible])

۱۔ جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے ÷ قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا ÷ بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحماں ہے

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا ÷ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا ÷ ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا
[illegible] ÷ جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں ÷ مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

[illegible] خدا نے [illegible] ÷ [illegible] چشمہ آب [illegible] کھلایا ہے
کس دوست کے [illegible] ÷ وابستہ ہیں [illegible] دیکھے دل نے [illegible] ہے
دیکھی ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسے نابیں ÷ خالی ہیں ان کی قاشیں خوانِ ہدیٰ یہی ہے
اس نے خدا ملایا وہ یار اس سے پایا ÷ راتیں تھیں جتنی گزریں اب دن چڑھا یہی ہے
دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں ÷ قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

۲۔ از نورِ پاکِ قرآں صبحِ صفا دمیدہ ÷ بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ
ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد ÷ ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ
آں نیّرِ صداقت چوں رو بعالم آورد ÷ ہر بومِ شب پرستے در کنجِ خود خزیدہ
اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی ÷ تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ
میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس ÷ زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

۳۔ نورِ فرقاں نہ تافت است چناں ÷ کو بماند نہاں ز دیدہ وراں
آں چراغِ ہدیٰ ست دنیا را ÷ رہبر و رہنما است دنیا را

مصطفیٰ از خدا است دنیا را ÷ مصطفیٰ از سما است دنیا را
مخزن رازہائے ربانی ÷ از خدا آلۂ خدادانی
محمد از پایۂ بشر بکمال ÷ دستگیر قیاس و استدلال
کاررساز اتم بعلم و عمل ÷ مجتبیٰ اعظم و اثر اکمل
کوری خود چشم کن وا ہے ببیں ÷ اے گدا بر غیر و آں شاہے ببیں
مہ ببیں و قد ببیں و خد ببیں ÷ وز محاسن ہائے خوباں ہم ببیں

۴ وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا ÷ نام اس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر ÷ لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے ÷ اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی ÷ دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے ÷ وہ طیب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں ÷ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ ÷ باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے
دنیا میں عشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا ÷ معشوق ہے تو میرا عشق صفا یہی ہے
دلبر کی رہ میں یہ دل ڈرتا نہیں کسی سے ÷ ہشیار ساری دنیا اک باولا یہی ہے

۵ جان و دلم فدائے جمال محمد است ÷ خاکم نثار کوچۂ آل محمد است
دیدم بعین قلب و شنیدم بگوش ہوش ÷ در ہر مکان ندائے جلال محمد است
ایں چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم ÷ یک قطرۂ ز بحر کمال محمد است
ایں آتشم ز آتش مہر محمدی است ÷ ویں آب من ز آب زلال محمد است

واسطہ بگذار و عکسے از شاہ دیں ! ÷ خادماں و چاکرانش را ببیں
کس ندیدہ از بزرگانت نشاں ÷ نیست در دست تو بیش از داستاں
لیک اگر خواہی بیا بنگر ز ما ÷ صد نشانِ صدقِ شانِ مصطفیٰ
ما حقال را نور حق تا ابد مدام ÷ کو زباں مُردند و شد ترکی تمام
مصطفیٰ مہرِ درخشانِ خدا است ÷ بر عدوش لعنتِ ارض و سما است
بر کسانش لعنت آمد کیں غساں ÷ ماندہ اند ظلمتے چوں شپرزنا

بہ قبلِ صافی دعقلِ راہ بیں ÷ [illegible]
جان گشتی ممکن بکین مصطفےٰ ÷ [illegible]
تا نہ نورِ احمدؐ آید چارہ گر ÷ کس نے [illegible]
از طفیلِ اوست نورِ ہر نبی ÷ نام ہر رسل [illegible]

۷۔ ز عشاقِ فرقان و پیغمبریم ÷ بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

۸۔ عجب نوریست در جانِ محمدؐ ÷ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
ز ظلمت ہا دلے آنگہ شود ÷ کہ گردد از محبانِ محمدؐ
عجب دارم دلِ آں ناکساں را ÷ کہ رو تابند از خوانِ محمدؐ
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم ÷ کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ÷ محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ ÷ دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بگیسوئے رسول اللہ کہ ہستم ÷ نثارِ روئے تابانِ محمدؐ
دریں رہ گر کشندم ور بسوزند ÷ نتابم رو ز ایوانِ محمدؐ
بسے سہل است از دنیا بریدن ÷ بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرۂ من ÷ کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمدؐ
دگر استاد را نامے ندانم ÷ کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ
بدیگر دلبرے کارے ندارم ÷ کہ ہستم کشتۂ [illegible]
مرا آں گوشۂ چشمے باید ÷ نخواہم جز [illegible]
دلِ زارم بہ پہلوام مجوئید ÷ کہ بستیمش [illegible]
من آں خوش مرغ از مرغانِ قدسم ÷ کہ [illegible]
تو جانِ ما منور کردی از عشق ÷ [illegible]

۹۔ بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم [illegible]

[illegible] بسرآید تبحقی او ❊ از خود تہی و از غم آں دلستاں پُرم

[illegible] ❊ سوئے درگاہِ خویش راہم بخش
[illegible] دل و جانم ❊ پاک کن از گناہ و پنہانم
[illegible] ❊ بہ نگاہے گرہ کشائی کن
[illegible] توئی ❊ وآنچہ مے خواہم از تو نیز توئی

[illegible] ❊ نُورِ حق دیکھو ناو حق پاؤ
[illegible] قرآں ہیں ❊ کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ

[illegible] دمتین ❊ ندیدم کہ بر منبعش آفریں
[illegible] ❊ کعابسد بہ بیند درو روئے خویش
[illegible] خود در بلاد ❊ خلافش طریقے کہ شلستش مباد
[illegible] ❊ بجاں جلیسِ اسلام گذاشتے
[illegible] ❊ کہ ہر گز نجوئے بجیستی نجاست
[illegible] از [illegible] ہر دیار ❊ بحر دار آں شب کہ تاریک و تار
[illegible] گستریدہ ❊ زمیں را بداں معقدے جاں دمید
[illegible] ❊ ہمہ آلِ او ہمچو گلہائے آل

[illegible] مولوی ثناء اللہ صاحب سے تشفی حاصل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس
کے [illegible] صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ جو لوگ نہ صرف خود
[illegible] شرار العلماء سعلماؤھم
[illegible] مصداق ہوں۔ بلکہ ان کی زندگی کا ایک
[illegible] اور نافرمان ہونے پر مُہرِ تصدیق ثبت
[illegible] دعاۃ الی ابواب

جهنم من اجابهم فقذ فوه فيها کی دعوت دینے والے [illegible]
ہے۔ سُنئے مولوی صاحب کیا فرماتے ہیں:۔

۱- اہلحدیث ۲۳ فروری ۱۹۰۶ء۔

"قرآن مجید میں یہود کی مذمت کی گئی ہے کہ کچھ حصّہ کتاب کا مانتے ہیں۔ اور کچھ نہیں مانتے۔ افسوس آج ہم اہلحدیثوں میں یہ عیب بالخصوص پایا جاتا ہے۔ (ص۹ کالم اوّل)

۲- اہلحدیث ۱۶ ستمبر ۱۹۳۱ء ص۱۱۔

"نام کے بنی اسرائیل تو اگلے سے او جھل ہو گئے۔ مگر آہ کام کے بنی اسرائیل اب بھی موجود اور ترقی پذیر ہیں..... صادق و مصدوق فداہ ابی و امی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل ہماری اس خوشنودی اور گوئے سبقت کی پیش روی کی ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی۔ کہ میری اُمّت کے لوگ بھی ہو بہو بنی اسرائیل کی طرح افعالِ بد میں منہمک ہو جائیں گے حتیٰ کہ ان میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہو گا۔ تو میری اُمت میں بھی ماں سے زنا کرنے والے موجود ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج ہم مدعی اہل حدیث بھی خذو النعل بالنعل بنی اسرائیل کی طرح ہر معاملہ میں مصلحت وقت و ضرورات وقتی و پالیسی۔ زر پرستی و کاسہ لیسی۔ خوشامد و چاپلوسی وغیرہ کو معبودِ برحق سمجھ کر اسی کی پُوجا کرنے لگے ہیں۔"

فرمایئے جن لوگوں کا اپنا یہ اقرار ہو۔ کہ وہ یہود نا مسعود کے نقش قدم پر چلنے والے اور عبدۃ ہوا و النفس ہیں۔ ان سے کسی خیر اور نیکی کی توقع ہو سکتی ہے ؟

پھر آپ نے عبداللہ معمار اور مولوی انور شاہ صاحب کشمیری اور مولوی فتح محمد صاحب اور مفتی محمد دین صاحب گجرات کے حوالہ دیکر یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی محمدیہ پاکٹ بک اور رسالے [illegible] اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا ہے "غرض ان تمام مسائل پر علماء نے تحقیق بخشیں کردی ہیں [illegible] نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ آپ ان طوائف کا نام علماء رکھتے اور ان کی مزخرفات [illegible] اور انکو دینی معاملہ میں حکم ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں صریح طور پر ارشاد باری تعالیٰ موجود ہے کہ ہرگز دشمنانِ دین اور سرکش اور نافرمان لوگوں کے پیچھے نہ چلو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [illegible]

انھم امنوا بما انزل علیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطن ان یضلھم ضللا بعیدا آیۃ (نساء ع)

افسوس آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ کسی نبی کے متعلق شہادت وہ قابل قبول ہوتی ہے جو اس کے دوستوں کی طرف سے پیش کی جاوے یا وہ جو اس کے دشمن پیش کریں۔ اگرچہ ہر شخص جسے اللہ تعالیٰ نے تھوڑی بہت عقل عطا فرمائی ہے۔ ادنیٰ تامل سے معلوم کر سکتا ہے۔ کہ ان لوگوں کو اخلاقی اور روحانی طور پر قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے کوئی دُور کی نسبت بھی نہیں رہی لیکن اگر کوئی شخص عقل سے بالکل کورا بھی ہو تب بھی ان لوگوں کے افعالِ قبیحہ اور حرکاتِ شنیعہ کو دیکھ کر فی الفور فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسلام چھوڑ یہ لوگ تو انسانیت سے بھی بے بہرہ ہو گئے ہیں۔ اور مدعیان قادیان ہی کے دشمن نہیں بلکہ جن پاک ہستیوں سے اپنے نام نہاد تعلق کی نمائش کرتے ہیں ان کے بھی یہ دوست نہیں۔ بلکہ بدترین دشمن ہیں۔ ذرا اقتباسات ذیل کو ملاحظہ کیجئے اور بار بار دیکھیے۔ تا معلوم ہو کہ "مدعیان قادیان" کیا کہتے ہیں:-

۱۔ اسلام۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے ÷ کوئی دیں دینِ محمد سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے ÷ یہ ثمر باغِ محمد سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا ÷ نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ÷ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے
آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں ÷ دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

۲۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔

مصطفٰے پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت ÷ اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مدام ÷ دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدیٰ یہی ہے ÷ اے سونیوالو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے
مجھکو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا ÷ اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے

اسلام کی سچائی ثابت ہے جیسے سورج ٭ پر دیکھتے نہیں ہیں دشمن بلا یہی ہے

کہ دین خدا دین اسلام ہے ٭ جو منکر اس کا بد انجام ہے
محمد وہ نبیوں کا سردار ہے ٭ کہ جس کا عدو مثل مردار ہے

۳۔ الہام۔

وہ دیں جو کہتا ہے دربند ہے ٭ نہ الہام ہے اور نہ پیوند ہے
نہیں عقل اس کو نہ کچھ نور ہے ٭ اگر وید ہے یا کوئی اور ہے
یہ سچ ہے کہ جو پاک ہو جاتے ہیں ٭ خدا سے خدا کی خبر لاتے ہیں
اگر اس طرف سے نہ آوے خبر ٭ تو ہو جاوے یہ راز زیر و زبر
غمگسار ہو جائیں اس کے تمام ٭ [illegible] دیکھیں اگر بند راہ
نہ جانا کہ الہام ہے چیز کیا ٭ [illegible] عطا
اسی سے تو [illegible] ٭ [illegible] آنکھیں [illegible] گوش
یہی ہے کہ نائب ہے دیدار کا ٭ [illegible] اسرار کا
[illegible] ان کو نادر کہ علم ٭ [illegible]
خدا پر [illegible] ٭ وہ [illegible] سمجھاتا ہے
کوئی بات [illegible] دل ٭ [illegible]
کہ دلدار کی بات سننا ایک غذا ٭ اگر تو ہے منکر تجھے اس سے کیا

۴۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔

در دلم جوشد ثنائے سرورے ٭ آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے
آنکہ جانش عاشق یار ازل ٭ آنکہ روحش واصل آں دلبرے
احمد آخر زماں کز نور او ٭ شد دل مردم ز خورتاباں ترے
از بنی آدم فزوں تر در جمال ٭ وز لآلی پاک تر در گوہرے
حسن رویش بہ ز ماہ و آفتاب ٭ خاک کویش بہ ز مشک و عنبرے

یک نظر بہتر ز عمرِ جاوداں ✤ گر فتد بر روئے آں خوش پیکرے
منکر از حسنش ہمی دارم خبر ✤ جاں فشانم گر دہد دل دیگرے
اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر ✤ زیں چہ باشد حجتے روشن ترے
ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم ✤ ہمچو خاکے اوفتادہ بر درے
ہر رسولے کو طریقِ حق نمود ✤ جانِ ما قرباں برآں حق پرورے
اے خداوندم بہ خیلِ انبیاء ✤ کش فرستادی بفضلِ اکبرے
معرفت ہم دہ چو بخشیدی دلم ✤ مے بدہ زانساں کہ دادی ساغرے
اے خداوندم بنامِ مصطفیٰ ✤ کش شدی در ہر مقامے ناصرے
دستِ من گیر از رہِ لطف و کرم ✤ در مہم باش یار و یاورے
تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من ✤ ہمچو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے

ہر شخص جو ان پاکیزہ خیالات پر اطلاع پائے گا۔ اس بات کا اقرار کئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکیگا کہ یہ خیالات بجز اُس شخص کے جس کے دل میں اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا سچا عشق ودیعت کیا گیا ہو۔ ہرگز کسی کو نہیں سوجھ سکتے اور کسی کی زبان و قلم ان خیالات کے اظہار پر قادر ہو سکتی ہے بجز اس شخص کے جو صاحبِ حال ہو۔ پس جو شخص اپنی بدبختی کی وجہ سے ایسے اشخاص پر جو صاحبِ حال ہیں اور اسلام۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے جاں نثار غلام اور عاشقانِ صادق ہیں۔ کفر کا فتویٰ لگاتا اور ان کا نام مرتد اور دجّال اور بے ایمان رکھتا ہے۔ وہ یقیناً اپنے کفر اپنے ارتداد اور اپنی دجالیت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔ اور لوگوں پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسلام کے احکام کی پابندی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور قرآن کریم کی پیروی سے کوئی اخلاقی یا روحانی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور ظاہر ہے کہ ایسے دین اور ایسے نبی اور ایسی کتاب کو جو شخص بے فیض ثابت کرنا چاہتا ہے جس دین اور جس نبی اور جس قرآن کی پیروی سے اندھے سجاکھے ہوتے اور بہرے سننے لگتے اور مردے زندہ ہو جاتے ہیں۔ اس سے بڑھکر اسلام کا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اور قرآن کا دشمن اور کون ہو سکتا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے اسلام کو تجربہ کر کے دیکھا ہے۔ اس مذہب کی پیروی سے بآسانی خدا مل جاتا ہے۔ یہ بدبخت کہتے ہیں تو جھوٹا ہے۔ وہ کہتا ہے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سچے نبی ہیں کیونکہ ان کی فلاں فلاں پیشگوئی پوری ہو گئی ہے۔ یہ بدبخت کہتے ہیں تو جھوٹا ہے حضرت کی کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ وہ کہتا ہے قرآن خدا کا سچا کلام ہے کیونکہ اس کی فلاں فلاں پیشگوئی پوری ہو گئی ہے۔ اور یہ بدبخت لوگ اپنی کوری اور اپنی بدبختی کی وجہ سے کہتے ہیں۔ تو جھوٹا ہے۔ قرآن کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہوئی۔ فرمایئے یہ اس شخص کے دشمن ہیں یا اسلام کے پیغمبر اسلام کے اور قرآن کریم کے؟ اور کیا ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ کوئی شریف آدمی انہیں منہ لگائے۔ آخر مدعیان قادیان" کا جرم کیا ہے یہی نہ کہ وہ کہتے ہیں کہ:۔ زندہ خدا صرف وہ خدا ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ وہ آج بھی ویسا ہی خدا ہے۔ جیسا کہ آج سے دس ہزار سال پہلے تھا۔ اگر وہ پہلے سنتا تھا۔ تو اب بھی سنتا ہے۔ اگر پہلے بولتا تھا۔ تو اب بھی بولتا ہے۔ جو کام وہ پہلے کیا کرتا تھا۔ اب بھی کرتا ہے۔ اگر خدا ہمارے زمانہ میں سنتا تو ہے۔ مگر بولتا نہیں۔ تو سننے کا یقینی ثبوت تو بولنا ہی ہے۔ اگر وہ بولتا نہیں تو پھر اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ وہ سنتا ہے۔ اور یہ کہ سچا مذہب صرف اسلام ہے اور حقیقی زندگی صرف اور صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ کیا لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا اور اسلام کی زندہ برکات پیش کرنا جرم ہے؟ اور سنیئے:۔

۱۔ اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو۔ اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو گئے۔ پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت دیتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے۔ اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے۔ کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔" (تریاق القلوب صفحہ ۱۲)

۲۔ سو آؤ ہم دکھاتے ہیں۔ کہ وہ زندگی صرف ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے جس پر ہر ایک زمانہ میں آسمان گواہی دیتا رہا ہے۔ اور اب بھی دے رہا ہے۔ اور یاد رکھو۔ کہ مسیح ابن مریم کی زندگی نہیں وہ مردہ ہے نہ زندہ۔ اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کا نام لیکر جھوٹ بولنا سخت بدذاتی ہے کہ

خدا نے مجھے میرے بزرگ واجب الاطاعت سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی دائمی زندگی اور پورے جلال اور کمال کا ثبوت دیا ہے کہ میں نے اس کی پیروی سے اور اس کی محبت سے آسمانی نشانوں کو اپنے اوپر اُترتے ہوئے اور دل کو یقین کے نور سے پُر ہوتے ہوئے پایا اور اس قدر نشان غیبی دیکھے کہ ان کھلے کھلے نوروں کے ذریعہ سے میں نے اپنے خدا کو دیکھ لیا ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۱۲)

اب اے تمام وہ لوگو جن کے دل میں خدا کا خوف ہے۔ جنہیں اسلام سے۔ قرآن کریم سے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی الفت اور محبت ہے۔ خدا ترسی سے کام لیکر سچ سچ بتلاؤ۔ کہ ان اقتباسات میں کونسی ایسی بات ہے جو اسلام کو بدنام کرنیوالی ہے۔ یا خدا تعالےٰ پر نعوذ باللہ بٹہ لگانے والی ہے۔ یا قرآن کریم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت و شان کو کم کرنے والی ہے۔ اگر کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں۔ تو پھر خدا کے لئے غور کرو کہ جو لوگ ان باتوں سے جو اسلام کا زیور اور مسلمانوں کے لئے باعثِ فخر و مباہات ہیں۔ نہ صرف خود نفرت کریں بلکہ دوسروں میں بھی سراسر دروغ بافی کر کے نفرت کے جذبات پیدا کریں۔ نہ صرف یہ کہ خود یہ باتیں نہ سنیں۔ بلکہ کوشش کر کے دوسروں کو بھی سُننے سے روکیں۔ اور نہ صرف ان حرکات کے مرتکب ہو کر یہود و نصاریٰ سے مشابہت پیدا کریں بلکہ گندی گالیاں دینے۔ اینٹ روڑے اور پتھروں کی بارش برسانے۔ گند اچھالنے اور کیچڑ پھینکنے۔ مختلف جانوروں کی بولیاں بولنے۔ سوانگ بھرنے۔ ہلڑ مچانے اور شور و غوغا کر کے آسمان سر پر اٹھانے میں گذشتہ انبیاء کے تمام منکرین اور مکذبین سے سبقت لے جائیں۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں انسانیت کی بُو بھی پائی جاتی ہے۔ اور کیا یہ سچی بات نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کا وجود مُلک۔ قوم۔ مذہب اور انسانیت کے روشن چہرہ پر ایک نہایت ہی مکروہ اور بدنما داغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور محرک ان تمام افعال شنیعہ کے وہ ہیں جن کو بارگاہِ مصطفوی سے شر البشر شرار العلماء اور علماءھم شر من تحت ادیم السماء کا سرٹیفکیٹ ملا ہوا ہے۔

حال ہی میں جب مدعیانِ قادیان نے ہندوستان کے طول و عرض میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے محامد و محاسن بیان کرنے کے لئے حسب معمول جلسہ ہائے سیرت النبی کے انعقاد کی تاریخ مقرر کی۔ تو ان دشمنان رسول کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور انہوں نے

دہلی۔ لاہور اور امرتسر میں ان مبارک جلسوں کو بند کرنے کے لئے جن میں ہندو، سکھ اور عیسائی شرفا حضور پُر نور سے اپنی دلی عقیدت کا اظہار کرنے والے اور حضور کی کافۃ الناس کے لئے بے مثال قربانیوں کا ذکر کرنے والے تھے۔ جو جو شرمناک اور خلافِ انسانیت حرکات کر کے اپنے لئے دنیوی و اُخروی روسیاہی کا سامان مہیا کیا۔ وہ رہتی دُنیا تک یادگار اور ان نام نہاد مسلمانوں کے گلے کا ہار اور اللہ رسول۔ ملائکہ اور کافۃ الناس کی لعنت و پھٹکار بنکر رہے گا۔ اس سلسلہ میں لمبی چوڑی تفصیلات کو چھوڑ کر میں صرف ایک ضمنی واقعہ عرض کرتا ہوں۔ لکھا ہے:۔

"احمدی تو گول باغ سے چلے آئے تھے لیکن احرار کا جمِ غفیر وہاں موجود تھا جب میں سوٹیوں کی واپسی کے تردّد میں (جلسہ سے قبل تمام سوٹیاں پولیس نے اپنی تحویل میں لے لی تھیں) مشغول تھا۔ تو میرے ساتھی حافظ عبدالواحد صاحب جو گیٹ کے باہر کھڑے تھے۔ اس لئے کہ نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ وہیں ایکطرف نماز پڑھنی شروع کر دی۔ احرار نے ان کے گرد حلقہ بنا لیا۔ اور شور کرنا اور گالیاں دینی شروع کر دیں۔ روڑے اور کنکر بھی اُن پر پھینکے۔ اُن کی سوٹی جو انہوں نے اپنے آگے رکھی ہوئی تھی۔ اٹھالی۔ ایک کُتّا ٹانگ سے پکڑ کر کھینچتا ہوا لاتا اُن پر دے مارا۔ اور جب وہ سجدے میں گئے تو پیچھے سے ان کی ٹانگیں اوپر کو اٹھالیں۔ کچھ سپاہی یہ تماشا دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ اور بدمعاشوں کو زیادہ دلیر کر رہے تھے۔ میں نے جب یہ حالت دیکھی تو ایک سارجنٹ کو توجہ دلائی۔ تب اس نے ان غنڈوں کو منتشر کیا۔ حافظ صاحب سب کچھ برداشت کرتے ہوئے نماز میں مشغول رہے اور پوری نماز ادا کرنے کے بعد سلام پھیرا۔" (الفضل مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۴۴ء)

فرمایئے کیا بعینہٖ انہیں واقعات کا اعادہ نہیں ہو رہا۔ جو مشرکینِ مکہ اور یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ پر آج سے ساڑھے تیرہ صدیاں قبل گذرے تھے۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعات مسلمانوں کے ایک خاص گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ساری قوم کو ان افعالِ شنیعہ کے لئے متہم گردانا درست نہیں۔ میں اس بات کو تسلیم [illegible]

ایک خاص گروہ سے متعلق ہیں۔ اور کہ سب کے سب ان حرکاتِ قبیحہ کے ذمہ وار نہیں ہیں۔ مگر یہ تو اس صورت میں تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ جب اس قسم کا کوئی واقعہ رونما ہوتے ہی باقی قوم کی طرف سے اس کے برخلاف متفقہ آواز اٹھائی جاوے۔ لیکچر دیے جاویں۔ اخبارات میں اس غنڈہ پن کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کیا جاوے۔ اور ان شرارت کرنے والے لوگوں سے جب تک وہ اپنی اصلاح نہ کریں۔ قوم کے تعلقات منقطع کرکے اپنی بیزاری کا عملی ثبوت دیا جاوے۔ لیکن اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو۔ بلکہ برعکس اس کے احراری غنڈے ہر قسم کے غنڈہ پن کا بار بار اعادہ کرتے رہیں۔ اور تمام مسلمان نہ صرف اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہیں۔ بلکہ ان کو روپے پیسے سے ان کی امداد کرتے ہیں۔ اخبارات میں جھوٹی گواہیاں دیکر ایسے مجرموں کو چھڑا لائیں۔ اور در پردہ ان کے ان افعال پر شاباش دیتے رہیں۔ اور احمدیوں کی دشمنی میں آپس کے ذاتی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر بالکل یکدل و متفق واحد ہو کر ... فرقے اکٹھے ہو گئے ہیں۔ تو کوئی عقلمند ایسا ہے جو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور نہ ہو۔ کہ درحقیقت یہ ایک خاص گروہ نہیں بلکہ ساری کی ساری قوم ان افعال کی ذمہ وار ہے۔ اور اگر ان میں بعض افراد اپنی ذاتی شرافت کی وجہ سے قابلِ استثناء رہ گئے ہیں۔ تو وہ النادر کالمعدوم کے حکم میں ہیں۔

کیا یہی جماعت ہے کہ نمازیں پڑھنے والے۔ روزے رکھنے والے۔ حج کرنے والے۔ زکوٰۃ دینے والے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانیں خرچ کرنے والے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔ قرآن کریم اور اسلام کی دشمنوں کے حملوں سے عملی رنگ میں حفاظت کرنے والے اندرونی اور بیرونی طور پر نظام تبلیغ قائم کرنے والے اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنے عزیز و اقارب اور محبوب وطن سے جدا ہونے والے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کا عملی ثبوت پیش کرنے والے اسلامی نظام کے مطابق ایک واجب الاطاعت امام۔ ایک مرکز۔ ایک بیت المال رکھنے والے۔ غرض اعتقادی اور عملی رنگ میں صحیح اسلامی نقشہ پیش کرنے والے تو مرتد بے ایمان اور پکے کافر ہو گئے۔ ان اعمال کو بجا لانے والوں کا منہ چڑائیں۔ ان پر آوازے کسیں۔ پھبتیاں اڑائیں۔ (اخبار اہلحدیث مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۳۵ء)۔

"مسلمانوں میں ننانوے فیصدی ایسے مسلمان ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے

ہیں۔ مگر نہیں جانتے کہ مسلمان ہونے کے کیا معنی ہیں۔ اور لفظ اسلام کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ ... سُنی سنائی باتیں کان میں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کی بنا پر خیال کرتا تھا کہ مسلمان اسکو کہتے ہیں جسے پتنگ بازی۔ کبوتر بازی۔ مُرغ بازی بٹیر بازی۔ قمار بازی اور ہر قسم تمام بازیوں کو اپنے حق میں رجسٹر کرا لیا ہو۔ ہاں مسلمان اسکو کہتے ہیں جس کا مایۂ ناز پیشہ گداگری ہو۔ قلاش ہو۔ دھوکہ باز ہو۔ اُچکا ہو۔ چور ہو چنڈو خور ہو۔"

اور بالفاظ نواب صدیق حسن خان صاحب اقترابِ الساعۃ میں ہے:۔

"یہ بڑے بڑے فقیہ۔ یہ بڑے بڑے مدرس۔ یہ بڑے بڑے درویش جو ڈنکا دینداری خدا پرستی کا بجا رہے ہیں۔ ردِ حق۔ تائیدِ باطل تقلید مذہب فقیہ۔ یہ مشرب میں مخدوم عوام کالانعام ہیں سچ پوچھو تو دراصل پیٹ کے بندے نفس کے مرید ابلیس کے شاگرد ہیں۔ چندیں شکل از برائے اکل۔ ان کی دوستی و دشمنی ان کے باہم کا رد و کد فقط اسی حسد و کینہ کے لئے ہے۔ نہ خدا کے لئے نہ امام کے لئے نہ رسول کے لئے۔ علم میں مجتہد و مجاہد ہیں۔ لیکن حق و باطل۔ حرام حلال میں کچھ فرق نہیں کرتے غیبت سب و شتم۔ خدیعت و زور۔ کذب و فجور۔ افتراء کو گویا صالحات باقیات سمجھکر رات دن بذریعہ بیان و زبان خلق میں اشاعت فرماتے ہیں۔"

"اولٰئک ھم المومنون حقًّا" وہ پکے مومن ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قبلہ سید صاحب! خود کو شاخِ زعفران سمجھتے ہوئے جن لوگوں کو آپ نہایت حقارت سے "مدعیانِ قادیان" کہتے ہیں۔ ذرا غور سے سُنئے کہ خلقِ خدا ان کو غائبانہ کیا کہتی ہے۔

(۱) مولوی محمد حسین بٹالوی رئیس المعاندین اپنی چشمدید شہادت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں (جب دوستانہ تعلقات قائم تھے اور تصانیف کا جن سر پر سوار نہ ہوا تھا):۔

"ہماری رائے میں یہ کتاب (براہین احمدیہ) اس زمانہ میں موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی۔ اور آیندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرًا۔ اور

اس کا مؤلف بھی اسلام کی جانی و مالی و قلمی ولسانی و حالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہو ہمارے اس بیان کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم از کم کوئی ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہمو سماج سے اس قدر زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھا لیا ہو۔ اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعوےٰ کیا ہو کہ جس کو وجودِ الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے۔ اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزا بھی چکھا دیا ہو۔" (اشاعۃ السنۃ)

۲۔ موقر جریدہ **وکیل** امرتسر رقمطراز ہے:۔

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے۔ جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شورِ قیامت ہو کے خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اٹھ گیا۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی موت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔

مرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی۔ خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے

رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے ......
غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ
انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف
سے فرضِ مدافعت ادا کیا۔ اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا۔ جو اس وقت تک کہ
مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ
ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے۔ قائم رہے گا۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کی
زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت
انجام دی ہے ..... ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے۔ اور جس
کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں۔ اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی
کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس کی نظیر غالباً دُنیا میں کہیں نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب
کا دعوےٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حَکم و عدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں
کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں بہت
مخصوص قابلیت تھی ..... آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی
دُنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔ جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذہب
کے مطالعہ میں صرف کر دے۔"

کیوں جی قبلہ سید سلیمان ندوی صاحب! آیا خیال شریف میں کہ وہ
مدعیانِ قادیان" کون صاحب ہیں؟ اگر اب تک بھی آپ نہیں سمجھے تو ایک دفعہ پھر سُنیئے کہ اگر
آپ مسلمان ہیں۔ نہیں نہیں تعلیمیافتہ اور روشن خیال مسلمان ہیں۔ اگر آپ کی رگوں
میں زندہ خون موجود ہے۔ اگر حمایت اسلام کا جذبہ آپ کے شعار قومی کا عنوان
ہے۔ تو وہ شخص آپ کا بہت بڑا شخص تھا۔ جس کی ذات کے ساتھ اسلام کی
شاندار مدافعت وابستہ تھی۔ وہ شخص بہت بڑا شخص اسلام کے مخالفین کے
برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل تھا۔ وہ شخص قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل
ہو کر اسلام کی طرف سے مدافعت کا فرض ادا کرنے والا تھا۔ وہ شخص مختلف مذاہب
کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی مخصوص قابلیت رکھتا تھا۔ وہ شخص اسلام
کی جانی مالی۔ قلبی ولسانی۔ حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم تھا [illegible]

[illegible] ہے۔ اور اگر آپ کا ایسے شخص کے ساتھ وابستگی کا کوئی تعلق نہیں
[illegible] سے شخص مذکور کے دل میں رکھکر نہ صرف خود اس سے متنفر ہیں بلکہ
[illegible] میں اپنے منہ کی پھونکوں سے اس روشن چراغ کو بجھانے
[illegible] ہر صاحب عقل خود اس نتیجہ پر پہنچنے میں حق بجانب ہوگا۔ کہ آپکا اسلام
[illegible] نہیں

[illegible] ہرگز آپ کو مکلف نہیں فرمایا کہ عبداللہ
معمار مولوی انور شاہ کشمیری۔ شیخ محمد اور مفتی محمد دین کی پیروی کروگے تو
نجات پاؤ گے بلکہ ضرور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ فلا وربک لا
یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا
فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ یعنی
اے رسول! تیرے رب کی قسم ہے۔ کہ یہ لوگ ہرگز مومن نہیں کہلا سکتے۔ جب تک اپنے
جھگڑوں میں تجھے حکم نہ ٹھہرائیں۔ اور پھر جو فیصلہ تو کرے اس سے دل میں تنگی
محسوس نہ کریں۔ اور ایسی فرمانبرداری کریں جو فرمانبرداری کرنے کا حق ہے پس اگر آپ
کے دل میں ایمان کی کوئی قدر ہے۔ تو آپ عبداللہ معمار اینڈ کمپنی کو چھوڑ کر رسول کریم
صلے اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کے طالب ہوں۔ حضور جو فیصلہ فرمائیں اسے بطیب خاطر
قبول فرمائیں۔ اور کسی قسم کی تنگی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ نہ صرف یہی بلکہ اس فیصلہ کو
قبول کرنے میں اگر آپ کی جان۔ مال۔ عزت بھی خطرہ میں ہو۔ تو ان کی پر کاہ جتنی
بھی اہمیت نہ سمجھیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل ان کان اٰباؤکم
وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال
اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن
ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله
فتربصوا حتی یاتی الله بامره والله لا یهدی القوم الفاسقین
(توبہ)

اور دوسری جگہ فرمایا۔ لا تجد قوما یؤمنون بالله والیوم الآخر
یوادون من حاد الله ورسوله ولو کانوا اٰباءهم وابناءهم

او اخوانهم او عشيرتهم اولئك كتب في قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه ويدخلهم جنت تجري من تحتها الانهر خلدين فيها رضي الله عنهم ورضوا عنه اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون ٥

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس ابن مریم اور مہدی کے آنے کی خبر دی تھی ساتھ ہی اس کی شناخت کے لئے کچھ نشانات بھی بیان فرمائے تھے۔ تا ایمانی بصیرت رکھنے والے لوگ اُسے اُن نشانات سے بآسانی شناخت کر سکیں۔ جس طرح آپ نے نہایت لاپرواہی سے فرما دیا ہے۔ کہ "ابن مریم کے نزول کی خبر ہے کسی نبی کی بعثت کی خبر نہیں جو بعد المشرقین ہو۔ اختلاف آپ کے فہم میں ہے قرآن و حدیث میں نہیں" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول اِس قسم کی بے اعتنائی کا نتیجہ نہ تھا اور نہ ہی کسی مجنون کی بڑھتی نعوذ باللہ۔ کہ جس کی حقیقت اور اصلیت ہی کچھ نہ ہو۔ بلکہ بعد میں آنے والوں کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اس میں بہت بڑا نشان تھا۔ اور اللہ رب العلمین کی اسے تائید حاصل تھی۔ پس وہ پیشگوئی اپنے پورے جلال کے ساتھ اپنے مقررہ وقت پر پوری ہو کر لاکھوں بندگانِ خدا کی رہنمائی اور سعادتِ دُنیوی و اُخروی کا موجب ہو چکی ہے۔ آپ بھی دیدۂ بینا لے کر اس پر غور فرمائیں۔ اور اس آسمانی مائدہ سے مُنہ نہ پھیریں۔ اور عمداً لسان العرب۔ صحاح جوہری اور اساس البلاغہ کی ریتلی بُنیادوں پر اپنے اعتقاد اور ایمان کی عمارت کھڑی کر کے لا یقدرون علی شیئٍ مما کسبوا کے گروہ میں داخل نہ ہوں۔ اور بالآخر اس آسمانی مُنادی کا پیغام اُسی کے الفاظ میں بگوشِ ہوش سُنیں:۔

"اب جبکہ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورۃ فاتحہ میں سکھلائی گئی۔ گذشتہ تمام نعمتوں کا تم پر دروازہ کھول دیا ہے۔ تو تم کیوں ان کے لینے سے انکار کرتے ہو۔ اس چشمہ کے پیاسے بنو کہ پانی خود بخود آ جائے گا۔ اس دودھ کے لئے تم بچے کی طرح رونا شروع کرو کہ

وہ اس بہشتان سے خود بخود اُتر آئے گا۔ رحم کے لائق بنو تا تم پر رحم کیا جائے اضطراب دکھلاؤ تا تسلی پاؤ۔ بار بار چلاؤ تا ایک ہاتھ تمہیں پکڑ لے۔ کیا ہی دشوار گذار وہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے۔ پر اُن کے لئے آسان کی جاتی ہے جو مرنے کی نیت سے اِس اتھاہ گڑھے میں پڑتے ہیں۔ وہ اپنے دلوں میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہمیں آگ منظور ہے۔ ہم اس میں اپنے محبوب کے لئے جلیں گے۔ پھر وہ آگ میں اپنے تئیں ڈال دیتے ہیں۔ پس کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بہشت ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا ان منکم الا واردها وکان علیٰ ربک حتماً مقضیاً۔ یعنی اے بدو اور اے نیکو! تم میں سے کوئی بھی نہیں جو جہنّم کی آگ پر گذر نہ کرے۔ مگر وہ جو خدا کے لئے اس آگ میں پڑتے ہیں وہ نجات دیئے جاویں گے۔ لیکن وہ جو اپنے نفس امارہ کے لئے آگ پر چلتا ہے۔ وہ آگ اسے کھا جائے گی۔ پس مبارک وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اور بدبخت وہ جو اپنے نفس کے لئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور اس سے موافقت نہیں کرتے۔ جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سو تم کوشش کرو۔ جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اُسی کے لئے پکڑے نہ جاؤ۔ کیونکہ ایک ذرہ بدی کا بھی قابلِ پاداش ہے۔

وقت تھوڑا ہے اور کارِ عمر ناپیدا۔ تیز قدم اٹھاؤ جو شام نزدیک ہے۔ جو کچھ پیش کرنا ہے وہ بار بار دیکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ رہ جائے۔ اور زیاں کاری کا موجب ہو۔ یا سب گندی اور کھوٹی متاع ہو جو شاہی دربار میں پیش کرنے کے لائق نہ ہو"

(کشتی نوح صفحہ ۶۵ تقطیع خورد)

اللہ تعالیٰ آپ کو یہ پیغام قبول کرنے کی ہمت عطا فرما دے۔ اور اس پر عمل درآمد کر کے آپ کو دینی دنیوی حسنات سے مالا مال ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔ و

اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔

خاکسار [illegible] ریٹائرڈ ہیڈ ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول [illegible] ۱۹ / نومبر ۱۹۶۶ء

اطلاع!

جن خریداران ریویو آف ریلیجنز اردو کا چندہ ۳۱ جولائی سے پہلے کسی تاریخ کو ختم ہوتا ہے، ان کی اطلاع کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ آئندہ پرچہ یعنی اگست ۱۹۲۵ء کا پرچہ ان کی خدمت میں بذریعہ وی۔پی حاضر ہوگا۔ امید کی جاتی ہے کہ وہ وی۔پی وصول فرماکر اپنے قومی مجلہ کی بروقت اعانت فرمائیں گے۔

منیجر

ماہنامہ اردو

(قادیان)

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

عبد القدیر نیاز

شعبان سنہ ۱۳۶۴ھ ☙ مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۴۵ء

ماہ ظہور ۱۳۲۴ ہش

عدد ۸

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اُردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیشِ نظر جاری فرمایا تھا:۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفینِ اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے، اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپیہ لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ واری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیلِ زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اُردو ماہنامہ ہے جو علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے اس لئے اِس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایک سو چوالیس روپے	دو سو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایک سو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چوّن روپے	نوّے روپے

لا اله الا الله محمد رسول الله

هو الذی ارسل رسولہ بالهدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۴ | ماہ شعبان ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۵ء | عدد ۸

فہرستِ مضامین!

اسلام عالمگیر مذہب ہے

(از غلام احمد بشیر صاحب۔ دار الواقفین۔ قادیان)

اس وقت دنیا میں کئی قسم کے مذاہب پائے جاتے ہیں اور ہر مذہب کا پیرو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جس مذہب کی اطاعت میں کرتا ہوں وہ عالمگیر مذہب ہے اور دنیا کی رہنمائی اسی پر منحصر ہے۔ اور اگر سب دنیا اس کو اختیار کرے تو تمام انسان امن، آشتی اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ چونکہ ان دعاوی کو سن کر ایک انسان متحیر و ششدر رہ جاتا ہے کہ میں کس کو قبول کروں اور کونسا مذہب حقیقت میں عالمگیر اور سب کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسے اصول پیش کئے جائیں جن کو ہر عقلمند دیکھ کر سمجھ لے کہ کونسا مذہب حقیقت میں سب بنی نوع کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا ذیل میں دو ایسے اصول ذکر کرتا ہوں؛ جس سے کسی مذہب کا عالمگیر ہونا پرکھا جا سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی میں بتاؤں گا کہ وہ باتیں اسلام میں پائی جاتی ہیں اور دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتیں۔

ا۔ عالمگیر مذہب وہ ہوگا جو خود اپنی عالمگیری کا دعوےٰ کرے تاکہ وہ "مدعی سست اور گواہ چست" کا مصداق نہ ہو۔ ضروری ہے کہ اس مذہب کی الہامی کتاب اپنی عالمگیری کے دعوے کو خود پیش کرے۔

اس اصل کے مطابق جب ہم موجودہ مذاہب کی الہامی کتب پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ملتا جس کی کتاب میں یہ دعویٰ ہو کہ میں بلا امتیاز اسود و احمر قوم و ملک تمام بنی نوع کی رہنمائی کے لئے آیا ہوں۔

ہندو ویدوں کو آریہ ورت کے لئے لائحہ عمل تسلیم کرتے ہیں اور پھر اپنے ملک کے بھی بعض لوگوں مثلاً شودروں وغیرہ کی تعلیم و تعلم سے گریز کرتے ہیں۔

یہودی عالمگیری کے مدعی ہی نہیں۔

عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب عالمگیر ہے۔ مگر جب ہم اناجیل پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو

سے منسوخ کی آیات ایسی ہیں جن سے اُن کا یہ دعوٰی باطل ہو جاتا ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعوٰی بعد کے لوگوں نے اپنی طرف سے کیا ہے ورنہ حضرت مسیحؑ نے یہ دعوٰی نہ کیا تھا۔ چنانچہ متی (باب ۱۵ آیت ۲۴) میں حضرت مسیحؑ کا قول محفوظ ہے کہ "میں صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔

تمام مذہبوں میں سے اسلام ہی ایسا مذہب ہے کہ جس کی الہامی کتاب میں عالمگیر ہونیکا دعوٰی موجود ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

(۱) قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ (اعراف ع ۱۹)

اے رسول! کہہ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کی طرف سے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

(۲) وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (سبا ع)

کہ ہم نے تجھے تمام لوگوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

(۳) تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

(فرقان ع ۱)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے فرقان کو اپنے بندے پر اس لئے نازل کیا تا وہ تمام عالموں کو ڈرانے۔

(۴) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (ص ع)

کہ قرآن مجید تمام جہانوں کے لئے ذکر ہے۔

ان آیات سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید تمام انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے اور اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو تمام انسانوں کی رہنمائی کا دعوٰی کرتا ہے۔ پس اس اصل کی رو سے صاف ثابت ہے کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے۔

۲ ۔ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے کہ وہ بنی نوع میں مساوات کا علمبردار ہو۔ اور جو مذہب ایسا نہ ہو وہ ہرگز ہرگز عالمگیر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ مختص القوم ہوگا۔

اس اصل کے ماتحت جب ہم دُنیا کے مذاہب کا مطالعہ کرتے ہیں تو بھی ہمیں اسلام کے سوا کوئی ایسا مذہب نہیں ملتا جو مساوات کا حامی ہو۔

(۱) ہندوازم۔ انہوں نے تمام انسانوں کو چار ورنوں میں تقسیم کیا ہے (برہمن، کشتری، ویش شودر) اور ان میں سے ہر ایک کا دائرہ عمل الگ الگ قرار دیا ہے۔ برہمن کو وید پڑھنے پڑھانے

کے لئے۔ کھشتری کو راج کے لئے اور ویش کو کھیتی باڑی کے لئے اور شودر کو تمام کی خدمت کے لئے
اور پھر ایک کی جائے پیدائش میں بھی امتیاز کیا ہے۔ برہمن کو ایشور کے منہ سے کھشتری کو بازوؤں
سے اور ویش کو رانوں سے اور شودر کو پاؤں سے پیدا شدہ تسلیم کیا ہے (دیکھو یجروید ادھیائے ۳۱
منتر ۱۱)

اس سے صاف ثابت ہے کہ ہندوازم مساوات کا سرے سے قائل ہی نہیں۔

اسی پر بس نہیں مرد و عورت میں بھی امتیاز کیا ہے (۱) عورت کو گناہ کے نتیجہ کی پیدائش بیان کیا ہے
(ستیارتھ پرکاش) (۲) عورت کوئی کام خود مختاری سے نہیں کر سکتی۔ (منوسمرتی ادھیائے ۵ شلوک ۱۴۷)

یہودیت۔ یہ بھی پیدائش کے لحاظ سے اسرائیلی کو غیر اسرائیلی پر فضیلت دیتے ہیں۔ انعام
انعام نبوت کو انہوں نے اپنا حصہ قرار دیا ہے اور دنیا کی دوسری اقوام کو اس سے محروم سمجھا ہے

مسیحیت۔ یہ پیدائش کے لحاظ سے انسان کو گنہگار قرار دیتی ہے سوائے مسیح کے۔

پس یہ بڑے بڑے مذہب پیدائشی لحاظ سے تمام انسانوں کو مساوی حیثیت نہیں دیتے بلکہ
بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں۔

اسلام۔ اسلام چونکہ تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آیا تھا اس لئے اس نے
تمام دنیا کے انسانوں کو مساوی قرار دیا ہے اور ایسے احکام دیئے ہیں جن میں کسی کو دوسرے پر
فضیلت نسلی لحاظ سے نہیں دی گئی۔

(ا)۔ ہر انسان پیدائش کے لحاظ سے نیک ہے۔

(۱) فِطْرَةَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (روم) کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو
فطرتِ صحیحہ پر پیدا کیا ہے کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔

(۲) کلّ مولود یُولد علی الفطرة فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او
یمجسانہ (مشکوۃ کتاب الایمان) ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے تو اس وقت وہ پاک فطرت رکھتا ہے

(ب) نسلاً کوئی انسان دوسرے پر فضیلت نہیں رکھتا۔

(۱) یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ
قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (حجرات)
اے لوگو! ہم نے تم کو مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبائل اور گروہ در گروہ بنایا ہے
تا تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ یاد رکھو تم میں سے زیادہ معزز اللہ کے حضور وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

یعنی عالی خاندان کے کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں۔ اگر تمہارا عمل صحیح نہیں اور شریعت کے مطابق نہیں تو کسی کام کے نہیں خواہ تم سید ہو یا پٹھان ہو یا مغل ہو۔ بلکہ ایک حبشی غلام متقی تم سے افضل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی تشریح یوں فرمائی۔ لیس لاحد علی احد فضل الا بدین وتقوی (مشکوٰۃ) کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہاں دین اور تقویٰ کے ساتھ ہو سکتی ہے یعنی اگر کوئی نیک چلن اور پرہیزگار متقی ہو تو وہ دوسرے سے افضل ہو سکتا ہے۔

پس اس سے ثابت ہو گیا کہ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کا دعوٰی کرتا ہے اور تمام انسانوں کو مساوی حیثیت دیتا ہے۔ اب اس جگہ میں چند غیر مسلم اصحاب کی آراء درج کرتا ہوں جو انہوں نے اسلامی مساوات کے متعلق دی ہیں کیونکہ "الفضل ما شہدت بہ الاعداء" یعنی فضیلت وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دے۔ اس مقولہ کے مطابق اسلام کی خوبی روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک مشہور ہندو لیڈر بھائی پرمانند جی رقمطراز ہیں:-

۱:- "اسلام اپنے اندر ہی ایک قومیت ہے۔ جو برابری کا درجہ اسلام میں انسان کو دیا گیا ہے وہ عملی شکل میں سوائے اسلام کے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ اسلام کی خوبی ہے کہ اس نے افریقہ کی حبشی اقوام میں ایسی فضا ہیں کہ باوجود عیسائیوں کی محنت اور قربانی کے اور حکومت کے وہ اسلام کو چھوڑنے پر تیار نہیں۔ اسلام نے اختلاف رکھتی ہوئی قوموں میں جو ہمدردی اور محبت پیدا کی ہے وہ عیسائی مذہب پیدا نہیں کر سکا۔" (اخبار ہندو لاہور، پندرہ جون سنہ ۱۹۳۱ء صفحہ ۳)

۲:- "ہندوستان میں اسلام کو جس بات کی وجہ سے حقیقی اور اصلی قوت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ذات پات کی تمیز بالکل نہیں ہے اور اسی کی بدولت وہ ہندو کو بکثرت اپنا پیرو بنا لیتا ہے۔" (دعوت اسلام ڈاکٹر آرنلڈ صفحہ ۲۱۲)

۳:- "بنگال میں اسلام کو جو مستقل کامیابی حاصل ہوئی وہ جبر و اکراہ کی بدولت حاصل نہیں ہوئی بلکہ اسلام ہر شخص سے خود مخاطب ہوا۔ اس کی تعلیم نے خدا اور اخوت اسلامی کا اعلیٰ ترین تخیل اپنے پیروؤں کے دماغوں میں پیدا کر دیا اور اس صوبہ کے ہزاروں ہندوؤں کو جو ذلت و خواری کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہے تھے اپنی عالمگیر برادری کے زمرہ میں شامل کر لیا۔" (دعوت اسلام۔ ڈاکٹر آرنلڈ صفحہ ۲۹)

ان تینوں حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام صرف مساوات کا دعوٰی ہی نہیں کرتا

بلکہ عملی طور پر اس کا ثبوت بھی دیتا ہے۔

پس ان دونوں اصولوں کی رو سے ثابت ہے کہ اسلام ہی عالمگیر مذہب ہے۔ دوسرے مذاہب کے متبعین صرف زبانی جمع خرچ کرتے ہیں اور وہ دعوے کرتے ہیں جو اُن کی مسلّمہ الہامی کتب میں نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اسلام کی طرف توجہ کرنا ہر اہل عقل و بصیرت کا فرض ہے کیونکہ عالمگیر مذہب ہی تمام انسانوں میں صلح و آشتی پیدا کر سکتا ہے۔ و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

اسلام کی برتری

(از عبدالقیوم عباس احمد صاحب)

اسلام کے کامل اور زندہ مذہب ہونے کا ثبوت دُنیا روز دیتی رہتی ہے۔ آئے دن کے واقعات پکار پکار کر غائبانہ طور پر اسلام کی برتری کا اعلان کرتے رہتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو برسرِعام اسلام کو جھوٹا اور اس کے بانی پر الزام لگانا تہذیب و تمدن کی بُنیاد سمجھتے ہیں وہی دوسرے وقت میں مجبوراً اسکے مقدس بانی کے آگے عقیدت کے پھول پیش کرتے ہیں۔

جب سے اسلام دُنیا میں آیا اُسی وقت سے ہی یہ دستور ہم دیکھتے چلے آتے ہیں۔ وہ مشرکینِ مکہ جن کی ایک ہی خواہش تھی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہوا توحید کا دین پھلنے نہ پائے وہی مجبوراً پکار اُٹھتے ہیں رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ۔ کہ کاش ہم بھی مسلم و فرمانبردار ہوتے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قابلِ رشک نمونہ اور عاشقانہ طرزِ عمل اُن کو حیرت میں ڈالتا تھا۔ وہ علی الاعلان دُنیا میں یہ کہتے کہ خبردار! وہ آواز جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے (مبارک) مُونہہ سے نکل رہی ہے اُس کو مت سُنو وہ جادو ہے تم گھیرے جاؤ گے۔ اور یہ طرزِ عمل صرف اُس وقت کے مشرکینِ مکہ سے ہی مخصوص نہ تھا بلکہ اسی خواہش کا اظہار یہودی اور مسیحی علماء بھی کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد جب اسلام حیرت انگیز تیز رفتاری کے ساتھ دُنیا کو توحیدی آواز سے آشناس کر رہا تھا تب بھی مسیحی اور غیر ممالک کے علماء اور عام طبقہ کے لوگ اپنے طرزِ عمل سے واضح کرتے رہے کہ یہ عرب کے بدّو وہ بدّو نہیں بلکہ ایک آسمانی شخص کے تربیت یافتہ اور کامل آسمانی شریعت کے حامل ہیں۔ اور اس روح کا اظہار آج تک بھی دشمنانِ اسلام کرتے رہے ہیں۔

اس وقت موجودہ صدی میں جب دُنیا خاص کر مغرب اپنی تہذیب و تمدن پر نازاں ہو رہا ہے انہوں نے اپنے زعم میں ایک ایسی تہذیب کی بُنیاد ڈالی ہے جو ہمیشہ رہے گی۔ ایسے قوانین بنائے ہیں جو دُنیا میں ہمیشہ کے لئے امن اور سلامتی کا موجب ہوں گے۔ امریکہ کے ایک کنارہ سے لیکر انگلستان کے دوسرے کنارہ تک یہی آواز ہوا میں تھرا رہی ہے کہ مغربی تمدن و مغربی تہذیب

بہترین اور مغربی قوانین لائحۂ عمل پیش کرتے ہیں لیکن کیا یہی حیرت کی بات نہیں ہے کہ اپنے عمل سے وہ بعض دفعہ اسلام کی برتری کا اعلان کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور یہ واقعات ایک نہیں بلکہ کثرت سے ہیں۔ مسئلہ طلاق۔ مسئلہ تعدد ازدواج وغیرہ کئی ایسے قوانین ہیں جن میں جس کا قانون پہلے تہذیب و اخلاق فاسدے ہمیشہ ہنسی کرتا رہا ہے۔

آج جبکہ اس مہیب جنگ کے ایک حصہ کا اختتام ہو چکا ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغرب پھر اس کوشش میں سرگرداں ہے کہ وہ ایک مکمل کوڈ معلوم کریں۔ ایک نظام بنائیں جو دنیا میں امن کا قیام کر دے۔ مختلف کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ بڑے بڑے مدبر مل کر اس کوشش میں ہیں۔ ماسکو سے لیکر سان فرانسسکو تک کانفرنسوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک دماغ نہیں سارے بہترین دماغ مل کر اسی سوچ میں ہیں۔

ہم خوش ہوں گے اگر ان کانفرنسوں سے ہی آئندہ متوقع خونریزیاں رک جائیں لیکن دنیا کو خاص کر مغرب کو پرانا سبق پھر سنا دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ان تمام کاوشوں کا علاج مہیا کرتا ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جو ایک مکمل اور اتم لائحۂ عمل پیش کرتا ہے۔ آج کل کی مشکلات کا حل ایک صحرا میں اٹھی ہوئی آسمانی آواز ہے اور یہی وہ مذہب ہے جس نے اس بات کا چیلنج بھی دیا ہے باقی سارے مذاہب اس بارہ میں خاموش ہیں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ یکمل کوڈ اور ہدایت اور نعمت اسلام میں ہے۔ اور یہی آواز جو ۱۳۰۰ سال پہلے بلند ہوئی تھی اب اور بھی بلند ہونے والی ہے اور ہو رہی ہے۔

اسلام کے لائحۂ عمل کے ایک حصہ کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں اور حق بین احباب کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ کیا ان کے مذاہب متعلقہ بھی اس قسم کی روشنی ڈال سکتے ہیں۔

سب سے پہلے تو اسلام بنیادی طور پر ایک قانون ہمارے سامنے پیش فرماتا ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (طٰهٰ ع) یعنی دوسری اقوام کو جو ہم نے اس دنیا کے مال و متاع دے رکھے ہیں ان پر حریصانہ نظر سے مت دیکھو۔ یہ تو ان کو آزمانے کے لئے ہے اور اصل دولت تو خدا کے پاس ہے جو ہمیشہ رہے گی

صرف اس بُنیادی قانون سے ہی ان تمام جھگڑوں اور فسادوں کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ آج جو جھگڑے شروع ہوتے رہیں وہ اسی بُنیاد پر ہوتے ہیں۔ کہ جرمنی کہتا ہے کہ انگریزوں کے پاس مقبوضات ہیں اسی طرح وہ مجھے بھی ملنے چاہئیں۔ اور پھر جاپان بھی کہتا ہے کہ مجھے بھی ملنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس خیال کو چھوڑ دو کہ برطانیہ کے پاس دولت ہے۔ تم یہ خیال نہ کرو کہ جاپان نے بہت سے مقبوضات پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ بلکہ تم اپنے مُلک کی ہی خوشحالی کی فکر کرو۔ اور غیر مُلک کے آزاد لوگوں کو اپنے مُلک میں اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش مت کرو۔ اور یہ دولت تو ہمیشہ نہ رہے گی۔ بلکہ ہمیشہ رہنے والی دولت تو خدا کے پاس ہے اور وہ تمہیں تمہارا خدا اگر تم اس دُنیا کو چھوڑ دو ضرور دے گا۔

پھر اس کے آگے اس کی یوں تشریح فرمائی ہے۔ فرماتا ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا۔ کیا ہم نے زمین کو جس میں تم پیدا ہوئے ہو اس قابل نہیں بنایا کہ وہ تمہیں ڈھانپ لے۔ اس میں تمہارے مُردوں کے لئے بھی جگہ ہے اور ایسے ہی تمہارے زندوں کے لئے بھی تمام سامان مہیا ہیں۔

یعنی فرماتا ہے کہ تم کو یہ خیال نہ آئے کہ جس جگہ تم پیدا ہوئے ہو اُس میں تمہارے رہنے کے لئے اور ضروریاتِ زندگی سب پیدا نہیں کی گئیں۔ بلکہ جس جگہ اور جس زمین پر ایک انسان پیدا ہوتا ہے اس زمین میں ایسی خاصیتیں رکھ دی گئی ہیں کہ وہ اُس کے لئے تمام ضروری سامان مہیا کرتی ہے۔ اس تعلیم سے اس خیال کو بھی رد کر دیا گیا کہ کیونکہ یہ جگہ چھوٹی ہے اور ہماری آبادی زیادہ ہے اس لئے ہمیں مقبوضات ملنے چاہئیں۔ بلکہ فرمایا کہ اسی زمین میں سارے سامان مہیا ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص دوسرے مُلکوں کی نسبت سے اپنے آپ کو کم آرام میں پاتا ہے تو اُس کے لئے اجازت ہے کہ وہ کسی اور جگہ کو ہجرت کر جائے۔ جیسا کہ فرماتا ہے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا۔ کہ ایک فرد کو بھی اور ایسے ہی خاندانوں کو بھی دوسری جگہ جانے کی اجازت ہے۔

اب اِنہی دو اصولوں سے تمام موجودہ لڑائیوں اور مناقشات کی جڑھوں کو اُکھیڑ دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو دولت کا سوال تھا۔ تو فرمایا اصل دولت تو خدا کے پاس ہے اس لئے دوسروں کی طرف حریصانہ نظر سے مت دیکھو بلکہ اپنے مُلک کی خوشحالی کی فکر کرو۔ پھر دوسری بڑی وجہ مناقشات کی یہ تھی اور ہے کہ جگہ کم ہے تو فرمایا کہ گو جگہ کم دکھائی دیتی ہے مگر اس زمین میں ان انسانوں کے لئے سارے سامان مہیا ہیں اور اگر وہ پھر بھی خوش نہیں تو پھر کسی اور مُلک میں

چلے جائیں۔

کیا کوئی اور ایسا مذہب ہے جو اِس صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ ساری لڑائیاں اور جھگڑے صرف اِن دو اصولوں کے بیان کرنے سے کاٹ دیئے گئے ہیں۔ اور مستقل امن اور سلامتی کا بیج بو دیا گیا ہے۔ سارے مذاہب خدا کی طرف سے تھے لیکن اب اُن میں یہ خاصیت نہیں رہی کہ وہ موجودہ وقت کی ضروریات کے پیشِ نظر بھی کوئی قانون بناسکیں لیکن اسلام نے کس خوبی سے موجودہ اُلجھنوں کو توڑ کر رکھدیا ہے۔

پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (مائدہ ع۲)

یعنی جب کبھی بھی کوئی قومی یا غیر قومی معاملہ پیش آئے اور کوئی معاملہ بھی ہو۔ كُونُوا قَوَّامِينَ ہر وقت انصاف کو مدنظر رکھو۔ اور تمہیں کسی دشمنی انصاف سے پرے نہ کردے۔ اِس آیت میں ایک اور اصل بیان کیا گیا ہے۔

بہت دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ اوّل تو لڑائی ہی غلط اصولوں پر شروع کی جاتی ہے اور پھر جب فتح حاصل ہو جاتی ہے تو مفتوح سے پُرانے کینہ اور غصّہ کی وجہ سے ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جو صریحاً انصاف کے خلاف ہوتا ہے اور فاتح چاہتا ہے کہ وہ اپنے کمزور دشمن کو بالکل کچل کر رکھدے۔ اسکی تمام طاقتوں کو تباہ کردے۔ اسلام اسکے برعکس یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر ایک قوم یا اقوام میدانِ جنگ میں اسلئے اور اسی نیت سے آتی ہیں کہ دُنیا میں امن اور سلامتی کا دَور دَورہ ہو تو فتح کے بعد ان کا کام یہ نہیں کہ شکست خوردہ دشمن کو اور بھی کچل کر رکھدیں بلکہ كُونُوا قَوَّامِينَ ... بِالْقِسْطِ کہ پھر اس موقعہ پر بھی انصاف سے ہی کام لو جس اصل بناء پر لڑائی چھڑی تھی صرف اسی بناء کو پھر سے اصل فیصلہ کی بُنیاد بناؤ۔ اسی اصل مسئلہ کو حل کرنیکی کوشش کرو اور اگر وہ ایسا نہ کرینگی تو وہ اُسوقت ایک اور خونریز جنگ کی بنیاد رکھدینگی اور وہ لڑائی پھر ضرور ہو کر رہیگی اور پہلی سے زیادہ خونریز اور تباہ کُن ہوگی کیونکہ مفتوح قوم اِس بُرے طرزِ عمل کیوجہ سے پھر اُٹھیگی اور پھر اپنی فاتح اقوام پر حملہ کرنیکی تیاریاں کریگی لیکن اگر اس موقعہ پر جبکہ انکا دشمن شکست خوردہ پڑا ہوا ہوگا اعلیٰ انصاف کا معاملہ کرینگے تو یقیناً وہ مفتوح قوم فاتح کی ممنون ہوگی اور متوقع جنگ نہیں ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ

تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ (الحجرات ع ۱) خلاصۃً مندرجہ ذیل اصول اسلام پیش کرتا ہے :۔

(۱) ہر ایک قوم اپنے دائرہ میں آزاد ہونی چاہیئے۔ (۲) کسی قوم کا حق نہیں کہ وہ دوسری قوم پر چڑھائی کردے۔ (۳) ضروریاتِ زندگی اور دولت حاصل کرنے کیلئے لڑائی ممنوع ہے۔ (۴) اگر ایک قوم حد سے گذرتی ہے اور قانون وغیرہ توڑتی ہے اور دوسرے کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کرنا چاہتی ہو تو باقی ساری اقوام مل کر اُس ایک قوم کو الٹی میٹم دیدیں کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے باز آجائے (۵) اگر وہ باز نہ آئے تو اُسکے خلاف سب ملکر جنگ کریں۔ قدرتی طور پر ایک قوم کبھی بھی باقی ساری اقوام کا مقابلہ نہیں کرسکتی وہ شکست کھا جائیگی۔ (۶) اب شکست کھا جانیکے بعد کا وقت بہت ہی خطرناک ہوتا ہے اُسوقت کے لیے تمام حکم ہے کہ کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ . . . بِالْقِسْطِ یعنی انصاف کیساتھ اس مسئلہ کو حل کرو جسکی وجہ سے جنگ کا اعلان کیا گیا تھا۔ (۷) وہ مفتوح قوم پھر بھی آزاد رہنی چاہیئے۔

اگر ان باتوں پر پورا پورا عمل کیا جائے تو پھر دُنیا میں حقیقی امن اور سلامتی کے دَور دَورہ کی توقع ہوسکتی ہے اور حقیقی امن کی خوابیں شرمندۂ تعبیر ہوسکتی ہیں نہیں تو پہلے دُنیا نے کیا کچھ نہیں سوچا کونسی تجاویز ہیں جنپر وہ عمل پیرا نہیں ہوئے سینکڑوں کانفرنسیں اور ہزاروں مدبر ملکر اسی کوشش میں لگے رہے ہیں لیکن پھر بھی وہ دُنیا کو ان خونریز جنگوں سے نہیں روک سکے۔ بلکہ نظر تو یہ آتا ہے کہ ہر آئندہ جنگ پہلی جنگ سے زیادہ خطرناک، زیادہ تباہ کُن ثابت ہوتی ہے۔ کیا آج دُنیا کے لئے یہ موقعہ نہیں آیا کہ اب جبکہ اُن کے دماغ سوچتے سوچتے عاجز آچکے ہیں وہ ایک اور پیغام کو بھی سُن لیں اور اُس پر عمل کرلیں۔ کیا ابھی یہ وقت نہیں آیا کہ وہ آسمانی آواز کی طرف بھی توجہ کرلیں۔

اے یورپ اور اے ایشیا! خدا کی آواز کو سُن۔ اُس ہستی کی تجاویز پر عمل پیرا ہو جس نے تجھے پیدا کیا اُس قادر کے احکام پر عمل کر جو تیری ہر بات چھپی اور ظاہر کو جانتا ہے۔ انسان آخر انسان ہی ہے وہ ہر ایک انسان کے لئے متحدہ قانون نہیں بنا سکتا بلکہ اُس کو ایک اور ہستی کی قیادت کی ضرورت ہے جو اُس سے اُوپر ہو۔ جو اُسکی فطرت سے واقف ہو تا وہ اُس کے لئے بہترین لائحہ عمل بتائے۔

اے دُنیا کے مختلف کناروں کے لوگو! سنو اور خوب سنو کہ اب تمہارے لئے امن کی راہ صرف سلامتی کے شہزادہ کے مذہب میں ہے۔ خدا تمہاری آنکھیں کھولے اور تم اِس نور سے منور ہو۔ آمین ؛

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اور

بہائیت کی ناکامی

(از مولوی صدرالدین صاحب مولوی فاضل، واقفِ زندگی -)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۰ (انعام ع۳) یعنی اُس شخص سے کوئی بڑا ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اُس کی آیات کو جھٹلائے۔ یقیناً ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مُفتری یعنی جھوٹے الہامات وغیرہ بنانے والے اور خدا کے نشانات کو جھٹلانے والے کی یہ سزا مقرر فرمائی ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ چنانچہ اِس کے مطابق ہم دُنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچے رسولوں کو کامیاب کیا اور مکذبین کو ناکام و نامراد رکھا۔ اور مُفتریوں کو خیبت و خسران کا مُنہ دکھایا اور خدا کی آیات کے مصدقین کو فتح و ظفر سے نوازا اور اُن کو جان یعنی تعداد مال عزت اور علم اور ہر قسم کا غلبہ عطا فرمایا۔ اور سچے رسولوں کو ہمیشہ ایک دُنیا پر چھا جانے والی جماعت عطا فرمائی اور ہر رنگ میں اُن کو غلبہ بخشا۔ خواہ جماعت سے یا اِس رنگ میں کہ اُن کے مخالفین کو تباہ و برباد کر کے اُنکا نام و نشان مٹا دیا۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن بعض نبیوں کے ساتھ چھوٹی سی جماعت اور بعض کے ساتھ ایک دو آدمی اور بعض کے ساتھ کوئی بھی آدمی نہ ہوگا (مسلم جلد اوّل کتاب الایمان ص۱۱۴۔ باب الدلیل علیٰ دخول طوائف المسلمین الجنۃ ص۱۱۴ نوری)

اِسی معیار کے مطابق ہم بہاء اللہ کو دیکھتے ہیں کہ اگرچہ اُس نے وحی اور الہام کا دعویٰ نہیں

بلکہ خدائی کا دعوےٰ کیا ہے۔ تاہم وہ مکذبین آیات اللہ میں سے ضرور ہے اور نئی شریعت بنا کر پیش کرنے والا ہے۔ اس کا کیا انجام ہوا؟ کیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا؟ اور کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مقصود میں فائز و کامراں ہوئے یا نہیں؟

سو ہم دیکھتے ہیں کہ بہاءاللہ اپنی کتاب "اقدس" میں کہتا ہے۔ من یدعی امراً قبل اتمام الف سنۃ کاملۃ انّہٗ کذاب مفتر نسأل اللہ بان یؤیّدہ علی الرّجوع ان تاب انّہ ھوالتّواب وان اصرّ علی ماقال یبعث علیہ من لا یرحمہ انّہ شدید العقاب۔ یعنی جو شخص خدا سے حکم پانے کا دعوےٰ پورے ایک ہزار سال گذرنے سے پہلے کرے تو یقیناً وہ کذاب مفتری ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اُسے اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالےٰ توبہ کی توفیق بخشے۔ یقیناً اللہ تعالےٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اور اگر وہ اپنے قول پر اصرار کرے تو اُس پر ایسے لوگ مسلط کئے جائیں گے جو رحم نہ کریں گے یقیناً وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

بہاءاللہ کے اِس اصول کی رو سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسکے مقرر کردہ ایک ہزار سال سے قبل دعویٰ مہدویت و مسیحیت و نبوت کیا اور ہمیشہ اُس پر قائم رہے مگر کوئی ظالم حضور علیہ السلام پر تسلط نہ حاصل کر سکا۔ اور خدا تعالےٰ نے حضور کو ہر ظالم کے ہاتھ سے بچایا اور ہر عقاب و عذاب سے محفوظ رکھا اور ہر میدان میں حضور علیہ السلام کو فتح و کامیابی اور عزت عطا فرمائی۔ اگرچہ ہر مذہب و ملت کے مخالفین نے حضور کو تکلیف و ایذا دینے، خفیہ طور پر قتل کروانے اور قتل کا مقدمہ بنا کر پھانسی دلوانے کی کوشش کی۔ اور اپنی ہر ممکن کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور ایڑی چوٹی تک زور لگایا۔ حضور علیہ السلام نظم میں اس کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

پھر ادھر بھی کچھ نظر کرنا خدا کے خوف سے
کیسے میرے یار نے مجھ کو بچایا بار بار
قتل کی ٹھانی شریروں نے چلائے تیر مکر
بن گئے شیطاں کے چیلے اور نسل ہونہار
پھر لگایا ناخنوں تک زور بن کر اک گروہ
پر نہ آیا کوئی بھی منصوبہ اُن کو سازوار
اب ذرا سوچو دیانت سے یہ کیا بات ہے

ہاتھ کس کا ہے کہ ردّ کرتا ہے دشمن کا وار
پاک برتر ہے وہ جھوٹوں کا نہیں ہوتا نصیر
ورنہ اُٹھ جائے اماں پھر سچے ہوویں شرمسار

پس خدا تعالےٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہر میدان میں فتح و نصرت عطا فرمانا اور دشمن کو ہر لحاظ سے مغلوب کرنا حضور کی صداقت کی بڑی زبردست دلیل ہے۔

لیکن اس کے برعکس بہاء اللہ خود خدائی کا دعوےٰ کرکے اپنی نصرت کا دعویدار ہے جیسے وہ کہتا ہے۔ "و نرٰیکم من افقی الابھی و ننصر من قام علی نصرۃ امری بجنود من الملأ الاعلی و قبیل من الملائکۃ المقربین" (الاقدس) یعنی کہ ہم تم مریدوں کو روشن اُفق سے دیکھیں گے اور اُن کی جو میرے امر کی نصرت پر کھڑے ہوں گے ملأ اعلیٰ کے لشکروں اور مقرب ملائکہ کے گروہ سے مدد کریں گے۔

اِس میں بہاء اللہ نے اپنے غالب اور اپنی جماعت کے مظفر و منصور ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ پھر بہاء اللہ اپنے ماننے والوں کی نسبت کہتا ہے اولٰئک اولیاء النصر بین السمٰوٰت والارضین۔ کہ وہ لوگ آسمانوں اور زمینوں میں نصرت کے ولی ہیں۔ مگر دیکھئے کہ ان کے مظفر و منصور ہونے کا یہ حال ہے کہ بہاء اللہ کے باوجود خدائی کا دعوےٰ کرنے کے اُس پر بے رحم لوگ مسلّط ہوئے اور اُسے سخت سزا ملی۔ چنانچہ قید میں بہاء اللہ یوں گویا ہوتے ہیں:۔

"والذی ینطق فی السجن الاعظم انہ لخالق الاشیاء و موجد الاسماء قد حمل البلایا لاحیاء العالم"

(اقدس)

یعنی جو اِس وقت قید خانہ میں بول رہا ہے وہی سب اشیاء کا خالق اور اسماء کا موجد ہے۔ اُس نے عالم کو زندہ کرنے کے لئے مصائب برداشت کئے ہیں۔

پھر "اقتدار" صفحہ ۳۶ میں لکھا ہے :۔ "کذالک نطق القلم اذا کان مالک القدم فی سجنہ الاعظم بما اکتسبت ایدی الظالمین۔ یعنی قلم اعلیٰ نے اسی طرح نطق فرمایا جب مخلوق کا قدیمی مالک ظالموں کی شرارت سے قید میں پڑا۔

پس اگر بہاء اللہ خود خدا تھا اور ناصر تھا تو وہ ظالموں کے ہاتھوں میں کیوں پھنسا جبکہ خود نصرت کا دعویدار ہے۔ پھر مظفر و منصور ہونے کی علامت اور خدا کے فرشتوں کی نصرت و تائید دیکھئے۔ عصر جدید عربی صفحہ ۲۲۴ میں ہے کہ لارڈ کرزن نے کہا ہے کہ "کان عدد البہائیین عند صعود بہاء اللہ اقل من ملیون"۔ یعنی بہائیوں کی تعداد بہاء اللہ کی وفات کے وقت یعنی ۱۸۹۲ء میں دس لاکھ سے کم تھی۔ اگرچہ عصر جدید انگریزی میں لفظ "بابی" لکھا تھا جسکو بدلکر بہائی لکھا گیا تو بھی بالفرض اگر مان لیں تو اب ان کی تعداد بہائی مبلغ آوارہ آفندی کے قول کے مطابق ۵۱۰۹ ہے۔ چنانچہ کشف الحیل جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ حاشیہ میں وہ لکھتے ہیں: "مطابق احصائیہ صحیح فقط یکر بعد آنچہ شما تصور فرمودہ اید یعنی ۵۱۰۹ نفر است نہ بیست ہزار نفر" یعنی صحیح شمار کے لحاظ سے بہائیوں کی تعداد ۵۱۰۹ ہے نہ کہ بیس ہزار۔ کیا خدائی کے مدعیوں اور حق پر قائم شدہ کی تائید اسی طرح ہوا کرتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ تائید اور ترقی بہائیوں ہی کو مبارک ہو۔

اسی طرح بہاء اللہ کی تائید و نصرت اس رنگ میں ہوئی کہ جو کام انہوں نے کرنے تھے وہ نہ کر سکے اور سراسر نامراد رہے اور آئندہ بھی کچھ امید نہیں حالانکہ بہاء اللہ کی وفات پر تقریباً ۵۳ سال گذر چکے ہیں۔

بہاء اللہ نے اپنی شریعت اقدس میں لکھا ہے کہ ہر شہر میں بیت العدل بنایا جائے جس میں کم از کم نو آدمی ہوں۔ اسکی غرض یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اس میں اُن امور کا فیصلہ کریں جو بہاء اللہ کی کتابوں میں موجود نہیں (فرد وسیہ صفحہ ۱۵) دوم سیاسی امور کا فیصلہ اس میں کیا جائے۔ سوم اسکے ذریعہ اموال کی نگہداشت کی جائے۔ چہارم بیت اللہ کی امناء زبانوں میں سے ایک زبان اور خطوط میں سے ایک خط اختیار کریں (اشراقات صفحہ ۱۰) مگر واقعہ یہ ہے کہ بیت العدل ابھی تک قائم نہیں ہوا۔ چنانچہ عبد البہاء نے اسکے متعلق مکاتیب میں لکھا ہے: "تشکیل بیت عدل عمومی میسر نہ" کہ بیت عدل عمومی قائم نہیں ہوا۔

پھر بہائیت کی تائید کی یہ مثال ہے کہ بہاء اللہ نے شریعت اقدس میں مشارق الاذکار یعنی عبادتگاہیں بنانے کیلئے حکم دیا مگر وہ بھی بہاء اللہ کے حین حیات میں نہ بنے اور عبد البہاء نے پہلا مشرق الاذکار عشق آباد (روس) میں بنایا۔ وہ بھی نامکمل کیونکہ مکاتیب عبد البہاء جلد ۱ صفحہ ۲۶ و بدائع الآثار جلد اول صفحہ ۲۵۳ میں لکھا ہے کہ مشرق الاذکار کی عمارت بہت اُونچی اور بلند اور باانتظام ہونی ضروری ہے اور وہ دائرہ کی شکل میں ہونا چاہیئے۔ ۹ باغیچے ۹ حوض فواروں والے ۹ دروازے اسکے اطراف میں ہوں اور ہر قطعہ ایک محل سے متعلق ہو جیسے یتیم خانہ، شفاخانہ، مدرسہ ابتدائیہ کالج وغیرہ۔ سو اسکے متعلق ابھی تک ایک بھی مشرق الاذکار

دُنیا میں نہیں بنا اور یہ بہائی شریعت کی صریح ناکامی اور خیبت و خسران کی واضح مثال ہے۔

پھر بہاء اللہ کے نامراد ہونے اور اسکی جماعت کے مقہور ہونیکا راز اس طرح کھلتا ہے کہ دلائل کے لحاظ سے وہ اپنے آپکو اس قدر حق سے دُور اور کمزور سمجھتے ہیں اور کسی کے سامنے پیش کرنیکی جرأت تک نہیں کر سکتے کہ بہاء اللہ کی شریعت کی کتاب اقدس کے شائع ہونیکی ممانعت کر دیگئی ہے۔ چنانچہ عبد البہاء ابن بہاء اللہ نے لکھا ہے کہ "کتاب اقدس اگر طبع شود نشر خواہد شد و در دستِ اراذل متعصبین خواہد افتاد۔ لہٰذا جائز نہ" یعنی کتاب اقدس اگر طبع ہوئی تو پھیل جائیگی اور کمینے متعصب لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائیگی لہٰذا جائز نہیں کہ اسکی اشاعت کی جائے۔ (رسالہ جواب نامہ جمعیت لاہای ص۳۷)

پس بہائیوں کا کتاب اقدس کی اشاعت کو ممنوع قرار دینا صرف اسی بناء پر ہے کہ اس میں رطب و یابس مسائل بھرے ہوئے ہیں اور نہایت درجہ کی ناقص اور بیہودہ تعلیم ہے جس سے انہیں سخت شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے اسلئے اس سے نجات کا ذریعہ یہی ہے کہ اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے اور یہ فعل خود اُنکی ناکامی و نامرادی پر ایک قاطع دلیل اور ساطع بُرہان ہے۔ پس آج بہائی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ (حشر ع۱)

الغرض بہاء اللہ آیت مذکورہ کے مطابق اپنے مقصد و مرام میں ناکام رہا اور ظالم ثابت ہوا۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی شریعت کا مکذب تھا۔ اسلئے نہ اسکی جماعت بڑھی بلکہ بہت ہی کم ہوگئی۔ جو انگلیوں پر شمار کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اُسے اُسکے مقاصدِ عالیہ میں کامیابی حاصل ہوئی بلکہ تمام نصرت و تائید کے ادعا یونہی گئے اور جھوٹ ثابت ہوئے۔ اور نہ ہی دلائل کے لحاظ سے اُن میں ہمت و طاقت رہی مگر اسکے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا نصرت و تائید عنایت فرمانا اور آپؑ کو ایک بہت بڑی لکھوکھہا کی جماعت دینا اور دن بدن ترقی دیتے جانا اور دوسرے مقاصد میں کامیاب فرماتے جانا اور دلائل کے لحاظ سے ہر میدان میں فتح بخشتے جانا اور دشمن کا مغلوب و خوار ہونا حضور علیہ السلام کی صداقت کی زبردست دلیل ہے اور اس سے خدا تعالیٰ کا وہ وعدہ پُورا ہوا جو آج سے ۶۲ سال پہلے کا براہین احمدیہ میں مذکور ہے "ینصرک اللّٰہ نصرک اللّٰہ۔ انا اعطینٰک الکوثر۔ الا ان حزب اللّٰہ ھم الغالبون" اور رات دن مزید وعدے پُورے ہو رہے ہیں۔ والحمدللّٰہ علیٰ ذٰلک۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ ❖

بعض جلیل القدر قرآنی پیشگوئیاں

(جناب خان بہادر محمد دلاور خان صاحب جوائنٹ سیکرٹری حکومت سرحد)

قرآن شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اس میں سب سے زیادہ زور یعنی وحدانیت اور یوم الآخرۃ پر ایمان لانے پر دیا ہے۔ جن لوگوں نے توریت و انجیل کا بغور مطالعہ کیا ہے اُن پر یہ امر مخفی نہیں کہ ان دونوں کتابوں میں توحید کا بہت کم ذکر ہے اور بیان ناقص۔ اور ایسا ہی یوم الآخرۃ پر ایمان لانے کا حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کے بعض فرقے یوم الآخرۃ سے منکر ہیں جن میں سے ایک صدوقی فرقہ ہے۔ مگر قرآن شریف نے توحید اور یوم الآخرۃ کا ذکر بار بار مختلف پیرایوں میں کیا۔ اور ان ہر دو عقائد پر ایمان کی پُرزور تاکید فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ ہر دو عقائد فی الحقیقت مذہب کی جان ہیں۔

منجملہ ان پیرایوں کے جو قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے ثبوتِ قیامت کے لئے اختیار فرمائے ایک پیرایہ اربعہ متناسبہ کے اصول پر مبنی ہے۔ جس کا میں آج کے مضمون میں ذکر کرتا ہوں۔ یہ پیرایہ اتنا دلکش اور مدلل و معقول ہے کہ کوئی ذی فہم انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص ہمیں قبل از وقت اطلاع دے کہ دیکھو ۳۰ ر اپریل کو مُلک کے فلاں حصہ میں زبردست ژالہ باری ہوگی جس سے فصلوں اور مویشیوں کا نقصان ہوگا۔ اور ۱۰ رمئی کو پشاور کے بازار قصہ خوانی میں خطرناک ہندو مسلم فساد ہوگا۔ اور ۵ ر جون کو ایک تباہ کن زلزلہ آئے گا۔ اسی طرح کے چند اور واقعات ذکر کرنے کے بعد کہے کہ دیکھو میں تمہیں اس امر کی بھی اطلاع دیتا ہوں کہ سب انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اور ان کو ایک نئی زندگی ملے گی جو ابدی ہوگی۔ اس میں نیکوں کو اُن کے اعمالِ صالحہ کا اجر غیر ممنون عطا کیا جائے گا جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور بدوں کو اُن کے اعمالِ بد کی سزا ملیگی۔ کچھ عرصہ کے بعد اگر اس شخص کی اکثر باتیں ہُوبہُو اسی طرح پوری ہو جائیں جس طرح اُس نے بیان کی تھیں تو ہمیں لازماً اُس کی اُن باتوں کو بھی تسلیم کرنا ہوگا جو حیات بعد از ممات کے متعلق اس نے ہمیں بتائی تھیں۔

اس اصول کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے جو علیم و حکیم ہے قرآن شریف میں حیات بعد الممات کا ذکر کرنے سے پہلے جا بجا بعض ان ترقیات و ایجادات کا ذکر فرمایا جو نزول قرآن مجید کے چودہ سو برس بعد ظہور پذیر ہونے والی تھیں۔ اور ساتھ ہی انسانوں کو توجہ دلائی کہ دیکھو جس طرح میری یہ خبریں جو دنیاوی ترقیات و ایجادات کے متعلق تمہاری آنکھوں کے سامنے پوری ہو رہی ہوں گی یقیناً اسی طرح اُخروی زندگی کے متعلق بھی میرے وعدے ضرور پورے ہوں گے۔ یعنی تم کو مرنے کے بعد ایک نئی زندگی عطا ہو گی۔ جس میں نیکوں کو اُن کی نیکی کی جزا اور بدوں کو بدی کی سزا دی جائے گی۔ پس چاہیئے کہ اُس دن کے آنے سے پیشتر تم اپنی اصلاح کر لو۔ تاکہ ابدی زندگی کے وارث بنو۔

اس امر کے ثبوت کے لئے مثال کے طور پر میں ناظرین کے سامنے سورۃ الذاریات کی چند ابتدائی آیات پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۙ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۙ

فرمایا۔ اے انسان میں بطور شہادت ان سواریوں کو پیش کرتا ہوں جو اُڑا لیتی ہیں زمین میں اُڑا کر۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے۔ جو اپنی ذات میں اس قدر اہم ہے کہ ہمارے رب نے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اُس کو ہمارے سامنے بطور گواہ پیش کیا ہے۔ مفسرین سلف نے اپنے فہم کے مطابق جو تفسیر بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ ذٰرِيٰت سے مراد ہوائیں ہیں۔ اور حٰمِلٰت سے مراد وہ بادل ہیں جو ہوائیں اُڑا کر لاتی ہیں۔ جٰرِيٰت سے مراد کشتیاں ہیں۔ مُقَسِّمٰت سے مراد ملائکہ ہیں گویا بقول اُن کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مناظر قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مگر الفاظ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور وعدہ کے فرمایا ہے کہ مذکورہ بالا چیزیں کسی آئندہ زمانہ میں ظہور پذیر ہوں گی۔ کیونکہ ابتدائی چار آیات کے بعد معاً فرمایا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ۔ کہ جن چیزوں کا وعدہ تم کو دیا گیا ہے [illegible] یعنی دُنیاوی ترقیات اور ایجادات اور اُخروی زندگی کے متعلق جو وعدے ہیں۔ اگر بقول مفسرین یہ تسلیم کیا جائے کہ ابتدائی آیات میں ہواؤں اور بادلوں اور کشتیوں [illegible]

[illegible] ہے۔ جو یہ چیزیں تو نزولِ قرآن کے وقت بھی دنیا میں موجود تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا ان الفاظ کو استعمال فرما کر پھر اپنی صداقت پیش کرنا کیا معنے رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے متعلق مجھے جو سمجھ دی ہے وہ یہ ہے کہ الذّٰرِیٰت سے مراد وہ دخانی تیز رفتار سواریاں ہیں جو نزولِ قرآن مجید کے وقت تو دنیا میں نہ تھیں مگر چودہ سو برس کے بعد دنیا میں ظاہر ہونے والی تھیں جو کہ آج ہمارے سامنے چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختصر الفاظ میں ان سواریوں کی صفات و علامات کا ایسا مکمل نقشہ بیان کیا ہے۔ کہ انسان کو سوائے حیرانگی کے کوئی چارہ نہیں۔ اب میں ایک ایک آیت لے کر دکھاتا ہوں کہ کس طرح وہ تمام علامات ان سواریوں پر چسپاں ہوتی ہیں۔ (۱) وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۙ یعنی وہ سواریاں جب حرکت میں آئیں گی تو وہ کسی چیز کو اڑا کر زمین میں بکھیریں گی۔ ریل اور دخانی جہاز جب چلنے کے لئے حرکت کرتے ہیں تو ان کے فنل سے اس قدر دھواں نکلتا ہے کہ وہ پھیل کر اس کے آگے اور پیچھے پہاڑ کی شکل اختیار کر لیتا ہے (۲) فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ یعنی وہ سواریاں بڑے بھاری بوجھ اٹھانے والیاں ہیں۔ یہ علامت بھی بیّن طور پر ان سواریوں میں پائی جاتی ہے کہ لاکھوں ٹن سامانِ تجارت و حرب ایک ملک سے دوسرے ملک میں ان کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ گویا ٹرانسپورٹ کا کام ان سے لیا جاتا ہے۔ (۳) فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۙ۔ فرمایا تیسری علامت ان کی یہ ہوگی کہ وہ نہایت آسانی سے چلیں گی۔ ان میں سفر کرنا بڑا آسان ہوگا اور آرام دہ ہوگا۔ سفر کی سہولتیں ان سواریوں کے ذریعہ میسر ہوں گی اور کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ (۴) فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ چوتھی علامت ان سواریوں کی یہ ہوگی کہ ان کا چلنا پھرنا ایک پروگرام کے ماتحت ہوگا۔ ان کے چلنے کے اوقات اور ٹھہرنے کے اوقات حکم کے ماتحت تقسیم شدہ ہوں گے۔ ان چار آیات کے بعد فرمایا کہ ہم ان وعدوں میں ضرور سچے ہیں یعنی ضرور ایسا ہی ہوگا جس طرح کہ وعدہ کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی توجہ دلائی کہ دیکھو میرا دوسرا وعدہ جو آخری زندگی کے متعلق ہے وہ بھی ضرور پورا ہوگا۔ فرمایا اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۙ اے انسان دیکھ! جب میرے وہ وعدے جو دنیاوی ترقیات و ایجادات کے متعلق ہیں پورے ہوں تو یقین رکھ کہ میرے وہ وعدے جو حیات بعد الممات کے متعلق ہیں ضرور پورے ہوں گے۔

[illegible] سے پوشیدہ نہیں کہ موجودہ یورپین قوموں کا عقیدہ آخرت کے متعلق کمزور

ہوچکا ہے۔ اکثر اُن کے نزدیک یہی دُنیا وی زندگی ہے۔ مرنے کے بعد نہ کوئی جزا ہو گی اور نہ کوئی سزا ہو گی۔ لطف کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام ایجادات اور ترقیات جن کی بذریعہ قرآن مجید خبر دی تھی اُنہی لوگوں کے ذریعہ ان پیشگوئیوں کو پورا کیا۔ یعنی اُنہی لوگوں نے سواریاں ایجاد کیں اور ترقیات کے انتہائی نقطہ تک عروج کیا۔ تاکہ ان پر اتمام حجت ہو اور اُن کو بتایا جاسکے کہ دیکھو تم لوگ جو مذہب اور یوم آخرۃ کا انکار کرتے ہو یہ ٹھیک نہیں۔ یہ تمام ترقیات اور ایجادات جن پر تم کو ناز ہے آج سے قریباً چودہ سو برس قبل بذریعہ قرآن مجید اُن کی خبر دی جاچکی ہے۔ اور ساتھ ہی تمہارے اُن غلط عقائد کا جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور یوم آخرۃ کے متعلق ہیں ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اور امور کا بھی ذکر کیا ہے جن کی دریافت پر تم فخر کرتے ہو۔ فرمایا میں تمہارے سامنے اس آسمان کو بطور شہادت پیش کرتا ہوں جس میں راستے ہیں۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝ اور تم لوگ اس میں اختلاف کرتے ہو یعنی تمہارے نظریے ان راستوں کے متعلق مختلف ہیں۔ ان راستوں سے جو پھیرا جاتا ہے وہ پھیرا جاتا ہے اپنی جگہ سے۔

موجودہ علم نجوم اور ہیئت کے ماہرین کا خیال ہے کہ آسمان میں بے شمار ستارے اور سیارے ہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے محور میں گھومتا ہے اور اس کا الگ راستہ ہے۔ اگر کوئی سیارہ ایک بال بھر بھی اپنے محور سے اِدھر اُدھر ہو تو فوراً تباہ ہو جاتا ہے۔ اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ بعض اجسام سماوی یا تو بالکل تباہ ہوچکے ہیں یا بعض نے اپنی زندگی کھو دی ہے اور وہ بالکل تاریک ہوگئے ہیں۔ وہ اپنے محور سے اِدھر اُدھر ہو کر تباہی کا شکار ہوگئے ہیں۔ اللہ اللہ کس قدر عظیم الشان صداقت کا انکشاف بطور پیشگوئی آج سے چودہ سو برس پہلے ایک ایسے انسان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اُمّی محض تھا۔ نہ خود اُس کو اور نہ ہی اُس کی قوم کو اجرام سماوی کے متعلق کچھ علم تھا۔

یاد رہے افک لغت عرب میں ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو اپنی حالت سے دُور چلی گئی ہو جس پر اُسے ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے جو شخص حق سے باطل کی طرف جھکتا ہے اُس کے لئے بھی قرآن مجید نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء انسان کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ دیکھو جس طرح آسمان میں بے شمار سیارے اور ستارے

اپنے اپنے محور پر جب تک چکر لگاتے ہیں تو امن اور سلامتی سے اپنا کام کئے جاتے ہیں مگر وہ بال بھر بھی ادھر سے اُدھر ہوں تو وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آسمانِ روحانیت میں بھی جو شخص صراطِ مستقیم پر چلتا ہے وہ امن و سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے۔ مگر جو شخص دنیا میں بوجہ ہوا و ہوس اس صراطِ مستقیم سے بال بھر بھی اِدھر اُدھر ہوا ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس چاہئے کہ انسان اجرامِ سماوی کے مطابق صراطِ مستقیم پر گامزن رہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا وارث ہو اور تباہی اور ہلاکت کے گڑھے میں نہ گرے۔

میرا یقین ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو خرِ دجال کے متعلق پیشگوئی فرمائی ہے وہ مذکورہ بالا آیات کے نزول کے بعد ہی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن سواریوں کا ذکر قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے وہ سواریاں معلوم ہوتا ہے کہ بذریعہ کشف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھائی گئی ہوں گی۔ کیونکہ جو علامات احادیث میں خرِ دجال کے متعلق آنحضرتؐ نے بیان فرمائی ہیں وہ اکثر ان علامات سے ملتی جلتی ہیں جن کا ذکر آخری زمانہ کی سواریوں کے متعلق قرآن مجید نے کیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید نے ان دخانی سواریوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ بڑی تیز رفتار ہوں گی۔ اور بڑے بھاری بوجھ اُٹھانے والیاں ہوں گی۔ اور کوئی چیز بکھیرنے والیاں ہوں گی۔ اُن کے چلنے کے اوقات تقسیم شدہ ہوں گے۔ یہی علامات احادیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خرِ دجال کے متعلق بیان کی ہیں۔ اس کے آگے اور پیچھے پہاڑ کی مانند دھواں ہوگا۔ فرمایا امامہ جبل دخان و خلفہ جبل دخان۔ نیز فرمایا کہ دجال بادل کی طرح تیز چلے گا۔ دن کو بھی سفر کرے گا رات کو بھی سفر کرے گا وغیرہ وغیرہ۔

مجھے ایک دوست نے کہا کہ اگر یہ سچ ہے کہ قرآن شریف میں آئندہ زمانہ کی ترقیات و ایجادات کا ذکر ہے تو کیوں مسلمان ان ترقیات کے وارث نہ ہوئے اور کیوں ان ایجادات کے موجد بنے۔ مجھے اُن کے اس سوال پر بڑا تعجب ہوا۔ کیونکہ یہ سوال اتنا دقیق نہ تھا۔ مگر وہ قرآن مجید پر خود غور کرتے تو اُن کی تسلی ہو جاتی۔ کیونکہ جہاں اللہ تعالیٰ نے زمانہ آئندہ کی ترقیات اور بعض ایجادات کا ذکر کیا ہے وہاں اِس بات کی بھی تصریح کر دی ہے کہ ان ترقیات اور ایجادات کے موجد وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور یوم قیامت کے

منکر ہوں گے۔ اور بعض اُن میں سے حضرت عیسٰےؑ کو خدا ماننے والے ہوں گے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات اور آخری دس آیات تلاوت کرتا رہے گا وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ سورۂ کہف کی آخری دس آیات میں ایک ایسی قوم کا ذکر ہے جو آخرت کی منکر ہو گی۔ ساری جدوجہد اُن کی دُنیاوی زندگی کے لئے ہو گی۔ اور وہ بڑی صناع ہوگی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ یعنی تو کہدے ہم خبر دیں تم کو اس سے زیادہ خسارہ پانے والوں کی بلحاظ عمل کے یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دُنیاوی زندگی کے آرام و آسائش کے لئے ہے۔ اور اُن کی وہ ساری جدوجہد اکارت جائیگی۔ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ دُنیا میں وہ بہترین موجد یعنی کاریگر ہیں۔ سبحان اللہ کس صفائی سے اللہ تعالےٰ نے اُن کا نقشہ کھینچکر پہلے ہی بتا دیا ہے۔

دوسری سورۃ جس میں موجودہ زمانہ کی بعض ایجادات کا ذکر ہے وہ سورۃ العادیات ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ قرآن مجید چونکہ ذو المعارف ہے۔ اس کے حقائق و معارف بحر ناپیدا کنار کی طرح ہیں مفسرین سلف نے بتایا ہے کہ یہاں اللہ تعالےٰ نے اُن جنگی گھوڑوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔ بوقتِ جنگ جن کے دوڑنے سے اُن کے سینوں سے آواز نکلتی ہے اور سُموں سے بوقتِ ٹھوکر آگ پھر وہ دشمن کی فوج پر بوقتِ صبح حملہ کرتے ہیں۔ اور پھر بوقتِ جنگ اُن کے دوڑنے سے گرد و غبار اُڑتی ہے۔ پھر وہ بوقتِ حملہ دشمن کے لشکر سے گتھم گتھا ہوتے ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں جبکہ یہ موجودہ زمانہ کی سواریاں نہ تھیں کسی حد تک یہ معنے صحیح تھے۔ مگر مفسرین سلف (اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے) کو کیا خبر تھی کہ آئندہ زمانہ میں ایسی خطرناک سواریاں ظاہر ہونیوالی ہیں جنکے چلتے وقت اتنی تیز دھڑدھڑ آواز نکلیگی کہ الحفیظ والامان۔ پھر وہ اسقدر آگ برسائینگی کہ دشمن کو اُنکے سامنے ٹھہرنے کی مجال نہ ہوگی پھر اُنکے چلنے سے اسقدر گرد و غبار اُڑیگی کہ آسمان تک پھیل جائیگی۔ پھر خطرناک طور پر اُسکے ذریعہ دشمن پر حملہ کیا جائیگا۔ اللہ اللہ کس صفائی سے بذریعہ قرآن مجید ہمیں موجودہ جنگ میں جو ٹینک اور بمبار موٹر کاریں استعمال کی گئی ہیں اُنکی چودہ سو برس پہلے خبر دی گئی۔ جن لوگوں کو میدانِ جنگ میں جانیکا موقعہ ملا ہے وہ جانتے

جیسا کہ ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا ہے وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ آرمرڈ کاروں اور ٹینکوں سے چلتے وقت کس قدر شور پیدا ہوتا ہے۔ کیسے خطرناک آگ کے شعلے اُن سے نکلتے ہیں۔ گھوڑوں کے سموں سے جو آگ نکلتی ہے وہ رات کیوقت نظر آتی ہے وہ بھی اُس وقت اگر گھوڑے کا چلتے چلتے ٹھوکر لگے۔ ورنہ رات کو بھی آگ نکلتی دکھائی نہیں دیتی۔ دن کو تو وہ آگ نظر ہی نہیں آتی مگر اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ وہ آگ نکالتی ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ جب دشمن پر حملہ کرتی ہیں تو آگ نکالتی ہیں خواہ حملہ رات کو ہو یا بوقت صبح۔ بہرحال آیات مذکورہ بالا میں جو علامات بیان کی گئی ہیں وہ روز روشن کی طرح آرمرڈ کاروں اور ٹینکوں میں پائی جاتی ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے انسان! ہم نے تم کو اس قدر علم و عقل دیا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ مگر تو پھر بھی ناشکرا ہے۔ تو نے ان ایجادوں سے اپنے بھائیوں کو تباہی کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کمی نہ کی اور ان کو تباہ کرنے کے عذرات بالکل جھوٹے ہیں۔ اصل وجہ حرص و لالچ ہے۔ کیونکہ تیرا نفس اس پر خود گواہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے نفس انسانی کو بصیرت عطا فرمائی ہے وہ غیروں کو تو دھوکا دے سکتا ہے مگر اپنے آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ۔ درحقیقت تیرا اپنے بھائیوں کو تباہی کے گھاٹ اتارنے سے یہ مدعا ہے کہ تو ان کے اموال پر قابض ہو کیونکہ تجھ کو مال سے شدید محبت ہے اور تو اس قدر بخیل واقع ہوا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اگر نظر غور موجودہ لڑائیوں پر غور کیا جائے تو اصل باعث ان لڑائیوں کا سوائے حرص و ہوس کے اور کچھ نہیں بعض قومیں ایک دوسرے سے بڑھ کر مال کے جمع کرنے اور ممالک پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہیں دوسری قوموں کو صرف اس لئے تباہی کے گڑھے میں دھکیلنے کی کوشش کر رہی ہیں کہ کہیں غیر قومیں ہم سے بڑھ کر تجارت میں، صنعت و حرفت میں ترقی کر کے آگے نہ نکل جائیں اور دنیا کی تجارتی منڈیوں پر قبضہ نہ کر لیں۔ پھر فرمایا کہ اے ناشکرے انسان! تو بوجہ مال کی حرص کے ایک دن خطرناک جنگ میں اقدام کرے گا اور ان سواریوں سے کام لے گا جو خوب سرپٹ دوڑنے والی اور آگ پھینکنے والی اور گرد و غبار اڑانے والی ہوں گی۔ مگر یاد رکھ کہ تیرے ان اعمال کی تجھے ضرور سزا دی جائے گی۔ فرمایا اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۔ یعنی اے انسان! تو نہیں جانتا کہ جب تو قبروں سے اٹھایا جائے گا، اور جو تیرے سینہ میں ہے وہ ظاہر کیا جائے گا۔ کیونکہ

تیرا رب اس حال سے خوب باخبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم دُنیا میں عروج حاصل کروگے تب خطرناک طور پر دُنیا میں کشت و خون کا بازار گرم کروگے اور لوگوں کے سامنے ایک دوسرے کے مظالم بیان کر کے اپنا حق بجانب ہونا ثابت کروگے۔ مگر اللہ تعالےٰ تمہارے سینوں کی چھپی ہوئی باتیں ظاہر کرے گا۔ اور تمہیں تمہارے اعمال بد کی سزا دے گا اور تمہاری خود غرضی اور مال کی محبت جو تمہارے سینوں میں چھپی ہوئی ہے ظاہر کردے گا کیونکہ وہ علیم و خبیر ہے اور اُس کو خوب علم ہے کہ یہ ایجادات اور جنگیں کس غرض سے ہیں۔

جن ترقیات اور ایجادات کا مَیں نے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ قرآن مجید میں بعض موجودہ زمانہ کی بہترین ایجادوں کا ذکر کیا ہے مثلاً الٹے تاربرقی کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے جس کا ثبوت محترمی شیخ عبد القادر صاحب نے اپنے مضامین مندرجہ اخبار الفضل و ریویو وغیرہ میں مفصل کیا ہے۔

الغرض موجودہ زمانہ کی بعض ایجادات کا قرآن مجید نے اِس صفائی سے ذکر کیا ہے اور ایسی تفصیلات بیان کی ہیں کہ یُوں معلوم ہوتا ہے کہ عصرِ حاضر کے بہترین موجدوں نے ان کا اچھی طرح مطالعہ کر کے ان سب مراحل کا ذکر کیا ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئیاں آج سے قریباً چودہ سو برس قبل ایک اُمّی بادیہ نشین دنیا عربی صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے کلامِ پاک میں موجود ہیں تو اِس اعجاز کے سامنے زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ اور زبان بے ساختہ اور دل سے بے اختیار اِس مخبرِ صادق کیلئے دُرود و سلام نکلتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

مسلم نما یہود کیلئے مثیلِ مسیح کا ظہور

(از مولوی دوست محمد صاحب متعلم جامعہ احمدیہ قادیان)

(۱)

خدائے علیم و خبیر نے اپنے مقدس کلام فرقانِ حمید میں سرورِ کائنات فخرِ موجودات کو مثیلِ موسیٰؑ قرار دے کر (مزمل ع ۱) اس طرف لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ نہ صرف سید الکونینؐ کی ذات مجمع جمیع کمالات ہی مشابہت تامہ کے رنگ میں حضرت موسیٰؑ کے حالات و واقعات کی زندہ تصویر ہے بلکہ خود حضور باجودؐ کی امتِ خیر الامم کے لیے بھی آئندہ زمانہ میں بنی اسرائیل کے پیش آمدہ متفرق ادوار سے حصہ پانا ازل سے مقدر ہو چکا ہے۔ اور چونکہ یہ لرزہ براندام کر دینے والا پیغام اپنی اہمیت کے لحاظ سے ایک ہیبتناک انقلابِ عظیم پر مشتمل تھا اس وجہ سے حکمِ خداوندی کے مطابق فرزندانِ آدمؑ کی طرف نازل ہونے والے آخری پُرشوکت کلام کے ابتداء میں ہی غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ کے نہایت ہی مختصر مگر شانِ جامعیت کے لحاظ سے بحرِ ذخار ناپیدا کنار کی مانند لامحدود و بے پایاں وسعت رکھنے والے الفاظ کے ذریعہ مدعیانِ اسلام کو متوجہ کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے بیدار کر دیا گیا تا آئندہ نسلیں اس آنے والے خطرناک فتنہ سے کسی دم یکلخط بھی غافل نہ رہ سکیں۔ چنانچہ اسی نکتہ کی بناء پر حضرت شہ لولاکؐ نے امتِ مرحومہ کو جہاں دیگر ہزارہا اخبار سے مطلع فرمایا وہاں ایک پیشگوئی بایں الفاظ فرمائی:۔

"لیاتین علیٰ اُمَّتِیْ مَا اَتیٰ علیٰ بنی اسرائیل حذو النّعل بالنّعل (مشکوٰۃ)

ترجمہ۔ ضرور بالضرور میری امت پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے جسمیں وہ بنی اسرائیل کے ہو بہو نقشِ قدم پر چلیگی۔

خدائے پاک کے اس محبوب حقیقی کی یہ عظیم الشان پیشگوئی جس طرح حیرت انگیز طور پر تفصیلی شکل میں منصۂ شہود پر جلوہ آراء ہوئی وہ بذاتہٖ فی الحقیقت انتہائی تعجب انگیز معجزہ ہے اور اسلام کی صداقت پر زبردست زندہ نشان۔ پھر طرفہ یہ کہ موجودہ نام نہاد مسلمان بھی اس حقیقت

کا مسلسل کھلے بندوں اعتراف کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ اس امر کے قطعی اور یقینی ثبوت کے لئے ذیل میں چند ضروری اقتباسات اور ملتقطات ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ "بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا نہیں۔ صرف خدا ہی کی قوت اور زبردست طاقت تھی جس نے ان نافرمانوں کو معقولیت سے سزا دی ...... اس میں ذرا شک نہیں کہ آجکل مسلمانوں کی نافرمانیاں بھی بنی اسرائیل کی نافرمانیوں سے بڑھ گئی ہیں۔"
(مشرق۔ جون ۱۹۲۹ء)

۲۔ "یہود نے توریت میں تحریف کی ...... آجکل بُرے علماء کا بعینہٖ یہی حال ہے۔"
(حاشیہ قرآن مجید مترجم شاہ رفیع الدین صاحب ص۱)

۳۔ "فتح البیان میں لکھا ہے کہ ان کا (یہود کا) یہ مقولہ تھا کہ ہمارے باپ دادے پیغمبر تھے ہم کو بخشوا لیں گے ...... جس طرح آجکل اس امت کے جاہل مرید بھی اعتقاد اپنے پیر و مرشد کے حق میں رکھتے ہیں۔" (موضح القرآن ص۵)

۴۔ "بنی اسرائیل میں اس قدر تو معلوم ہوتا ہے کہ حیلہ سازی کا مرض عام طور پر سرایت کر گیا تھا لیکن جب بعض مسلمان فقہاء متاخرین کی مساعی کی طرف نظر اُٹھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان خدا کے بندوں نے تو اس چیز کو ایک باقاعدہ فن یا سائنس بنا دیا ہے۔" (تفسیر سورۂ فاتحہ محی الدین احمدی۔ اے ص۲۶۶)

۵۔ "انبیاء کرام کی فہرست میں شاذ ہی کوئی نبی ایسا نکل سکے جس پر یہود بے بہبود نے الزام نہ لگائے ہوں ...... مفسرین بھی یہود کے سحر سے نہ بچ سکے اور آنکھیں بند کر کے ان سب الزامات کو اپنی کتابوں میں درج کر گئے بلکہ جو کمی کہ خاتم النبیین علیہ التحیۃ والصلوٰۃ پر الزام لگانے کی رہ گئی تھی انہوں نے نہایت بے باکی کے ساتھ اس کو پورا کر دیا۔" (ایضاً ص۲۷)

۶۔ "بدنصیبی سے جو حال یہود کا آج سے تیرہ سو سال قبل تھا تقریباً وہی آج مسلمانوں کا ہے۔ عوام کالانعام کا ذکر ہی کیا ہے خود مقتدائے قوم کا طبقہ بھی فقہ اور فروعی تنازعات پر مٹا ہوا ہے۔" (تفسیر القرآن جلد ۱ ص۱۱۱)

۷۔ جو حال کبھی یہود کا تھا وہی مسلمانوں کا ہے جیسے اُن میں پابند شریعت قلیل تھے ...... اسی طرح مسلمانوں میں بھی وہ نیک بندے خال خال ہی ہوں گے جو شریعت

کے پابند ہوں۔ ہاں اس تشابہ میں اتنا فرق اور بھی ہے کہ یہود اعراض عن الشریعت کے پابند ہوئے لیکن پھر وہ بہت سے شریعت کے احکام پر عود کر آئے ... مسلمانوں نے ایسا اعراض کیا ہے کہ توجہ و عود کا نام ہی نہیں لیتے۔" (ایضاً ص۱۸۱)

۸۔ "آج مسلمانان در گور مسلمانی در کتاب والی مثل ہم پر صادق آرہی ہے۔ اسلامی لٹریچر سے نابلد ہونے کے باعث ہماری حالت رفتہ رفتہ یہود و بنی اسرائیل کی سی ہو رہی ہے۔" (وکیل ۱۶ اپریل ۱۹۲۱ء)

۹۔ "تم نے آج تک یہودیت کی راہ اختیار کی اور اسی پر چلے اور اسی سے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔"

(زمیندار ۲۱ جولائی ۱۹۲۱ء)

۱۰۔ "بعثت آخر الزمان کے عیسائیوں اور یہودیوں میں جو فرقہ بندی تھی اُن کی تاریخ اٹھا کر پڑھو اور پھر آجکل کے علمائے اسلام کا اُن سے مقابلہ کرو تو صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ آج بہت سے علمائے اسلام کی جو حالت ہے وہ فوٹو ہے اُس زمانہ کے علمائے یہود و نصاریٰ کا۔" (البشیر۔ اٹاوہ۔ ستمبر ۱۹۲۵ء)

۱۱۔ "تم کہلاتے تو میری اُمت ہو مگر کام یہودیوں بت پرستوں کے کرتے ہو۔"

(زمیندار ۱۱ ستمبر ۱۹۲۵ء)

۱۲۔ "مسلمانوں نے خدا کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کی اجتماعی قوتیں تباہ ہو گئیں۔ اب یہ نوبت پہنچی ہے کہ روئے زمین پر یہودیوں سے زیادہ قعر مذلت میں ہیں۔" (زمیندار ۱۵ اپریل ۱۹۲۶ء)

۱۳۔ "مسلمانوں نے پہلے انفرادی زندگی میں یہود و نصاریٰ کی اتباع کی اور اب اجتماعی زندگی میں کرنے لگے۔" (وکیل ۱۵ جنوری ۱۹۲۷ء)

۱۴۔ "تنزیل قرآن کے وقت تو یہود کی یہ حالت تھی لیکن آج ہم اُن کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔" (تفسیر القرآن از مولوی ثناء اللہ خاں صاحب ایڈیٹر وطن ص۱۸۱)

۱۵۔ "مسلمانو!! سوچو کیا آج تمہارا وہی حال نہیں جو رسول اللہ کے وقت میں اہل کتاب اور مشرکین عرب کا تھا۔

(ایضاً ص۲۵۹)

۱۶۔ کل بلا اسلام مجھ سے پھر لگا کہنے کہ ہیں
چل پڑا ہوں ہند سے فاللہ خیر حافظاً
چاہنے والے میرے مجھ کو نظر آتے نہیں
تم نے میرا نام لے کر مجھے رسوا کیا
تیرے اس اسلام کو ہے دور سے میرا سلام
تو مسلماں ہے کہ شرماتی ہے اب مجھ سے حیاء
شکل ہے مثلِ نصاریٰ اور عمل مثلِ یہود
اس پہ دعویٰ ہے محمدؐ پہ ہوں میں ہر دم فدا
(اہلحدیث ۳۰ر جون ۱۹۳۹ء)

بہت ممکن ہے کہ اس موقعہ پر کوئی صاحب یہ رائے بھی رکھتے ہوں کہ متذکرہ بالا تحریرات غیر معتبر ہونے کے باعث قابلِ تسلیم نہیں ہیں لیکن چونکہ ہم اس امر کو بکلی قلع قمع کئے بغیر نہیں چھوڑنا چاہتے اور نہ ہی ہمیں اپنے معزز قارئین کو زیادہ دیر تک منتظر رکھنا منظور ہے۔ اس لئے اب ہم یہی بیان ایسے اصحاب کے خود اپنے مشہور و معروف بزرگانِ ملت ہی کے قلم گلکار رقم کے ذریعہ سناتے ہیں۔

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی۔

"لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً بشبرٍ۔ الخ۔ اخرجه البخاری فقد راینا رجالاً من ضعیفی المسلمین لیتخذون الاحبار والرهبان من دون الله ویجعلون قبورهم مساجد ویحجون الی قبورهم وآثارهم واتلابهم کما کان الیهود والنصاریٰ یفعلون ذلك۔ الخ" (البدور البازغہ صفحہ ۱۲۵)

ترجمہ:- ضرور تم (مسلمانو) گذشتہ اقوام کی ہو بہو پیروی کروگے۔ اسکو امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں درج فرمایا ہے۔ اور ہمنے دیکھا ہے کہ کمزور ایمان والے مسلمان اپنے احبار و رہبان کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوج رہے ہیں اور انکی قبروں پر سجدے بعینہٖ اسی طرح جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے احبار و رہبان کی پرستش کرتے تھے۔

۲۔ جناب خواجہ الطاف حسین صاحب حالی :۔

نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر
کوئی ہم پہ مبعوث ہوتا پیمبر

تو ہے جیسے مذکور قرآں کے اندر
ضلالت یہود اور نصاریٰ کی آکر
یونہی جو کتاب اس پیمبر پہ آتی
وہ گمراہیاں سب ہماری بتاتی

(مسدس حالی)

۳- ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم :-

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

(جواب شکوہ)

"نزول مسیح اور آمد مہدی کا عقیدہ یہودیوں مجوسیوں اور نصرانیوں کا خیال ہے۔ جاہل مولویوں نے ان عقاید کو اغیار سے لے کر عام کر دیا جس کی وجہ سے اسلام میں فتنے پیدا ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔" (سیاست ۱۲ رمئی ۱۹۳۵ء)

۴- جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب آف بھوپال۔ حدیث لتتبعن سنن من کان قبلکم درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

"وامروز مصداق اتم ایں خبر در اسلافیاں موجود و مشہور است۔" (حجج الکرامہ صفحہ ۲۷۱)

"پھر حضرت نے مرض موت میں فرمایا لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔ الخ معلوم ہوا کہ یہ کام لعنت ہے ونعوذ باللہ منہ۔ اب یہی کام بلکہ اس سے ہزار چند زیادہ اسی امت اسلام کے جہال و عوام اور بعض پیرزادے اور پیر پرست اور گور پرست کرنے لگے۔" (دعوۃ الداع الی ایثار الاتباع علی الابتداع صث)

"یہ تقلید یہود و نصاریٰ کی رہ تھی۔ اس امت کے جھوٹے مسلمان بھی اب یہی کام کرتے ہیں۔" (ایضاً صفحہ ۹)

"اسی طرح ایک مدت سے اُن کا طریقہ اس اُمت نے بھی اختیار کر لیا ہے۔ یہ معجزہ ہے رسول اللہ صلعم کا جیسا کہ فرمایا تھا ایسا ہی ہوا یعنی ارشاد کیا تھا کہ اگلی امتوں کی چال پر چلوگے۔ شبر بشبر ذراع بذراع۔ سو اصل تقلید طریقہ یہود کا

ہے یا اس امت آخر میں یہ تقلید ایسی گھسی ہے کہ زمانہ مہدی و عیسٰے علیہ السلام سے پہلے دُور ہونا اِس کا محال نظر آتا ہے۔" (ترجمان القرآن بلطائف البیان ص۱۰)

"یہ خصلت یہود کی اِس زمانہ آخر میں درمیان اِس اُمت کے بھی پھیل گئی ہے۔"
(ایضاً ص۱۱۹ جلد اول)

"دوسری حدیث صحیح میں یہ خبریں دی ہیں کہ تم اگلی اُمتوں کی پیروی ذرا ذرا سی بات میں کرو گے۔ جو اختلاف اہل کتاب میں تھا اب اِس پچھلی امت میں آ گھسا۔ اتا یفتدا اب جو گت اُن کی ہوئی وہی گت اِن کی بھی ہوتی نظر آتی ہے۔" (ایضاً ص۲۰۵)

"غرضیکہ وہ ارشاد حضرت کا برابر اُترا کہ جو کام اہلِ کتاب نے کیا تھا وہی کام اِس اُمت کے لوگ بھی ذرا ذرا کریں گے۔ چنانچہ فی الحال ایسا ہی ہو رہا ہے۔"
(ایضاً ص۴۱۶)

"چنانچہ اسی قسم کا خلاف و نزاع ایام گذشتہ میں یہود و نصارٰی وغیرہ قوموں میں ہوا اور آج تک قائم ہے اور نہ صرف یہود و نصارٰی میں بلکہ مسلمانوں میں بھی یہی ہو رہا ہے۔" (ایضاً ص۵۲۹)

"پھر خود حضرت نے خبر دی کہ جو کام اہل کتاب نے کیا ہے وہ تم بھی کرو گے شبراً بشبرٍ ذراعاً بذراع۔ اب اِس اُمت کا حال بوجہ زوالِ سلطنت و دولت و غربت و مسکنت اسلام ویسا ہی ہو گیا ہے جیسا حال یہود و نصارٰی کا تھا۔" (ایضاً ص۹۲۳)

۵۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری:۔

"نام کے بنی اسرائیل تو آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور صفحۂ دُنیا سے نامِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ مگر آہ کام کے بنی اسرائیل اب بھی موجود و ترقی پذیر ہیں۔ ہم نے سجادہ نشینی کا فخر حاصل کیا اور عنانِ اسرائیلی ہاتھ میں لے لی اور اپنا گھوڑا گھوڑدوڑ میں بنی اسرائیل سے بھی آگے بڑھا دیا۔ . . . . صادق اور مصدوق ابی و اُمی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل ہماری اِس شہسواری اور گوئے سبقت کی پیش بری اِن الفاظ میں فرمائی تھی کہ یقیناً میری امت کے لوگ ہُو بہو بنی اسرائیل کی طرح افعالِ بد میں منہمک ہوں گے۔" الخ (اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء)

"قرآن مجید میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کو مانتے ہیں۔ افسوس کہ آج ہم اہلحدیثوں میں یہ عیب بالخصوص پایا جاتا ہے۔" (اہلحدیث ۱۹ر اپریل ۱۹۱۲ء)

"جو آیت یہودیوں کے حق میں تھی تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى وہی ہمارے حق میں ہے۔" (اہلحدیث ۲۶ر دسمبر ۱۹۱۲ء)

۶۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اہلحدیث:۔

"ادھر فرتریہ کہ اِس تکفیر کے لئے چند مفترات و بہتانات قائم کرکے فتوے تکفیر لیتے پھرتے ہیں۔ اِس فعل میں اُنہوں نے یہودیوں کے بھی کان کاٹے اور بدقسمتی سے اتنا نہ سوچا کہ اِس زمانۂ تحقیق و آزادی میں ان کالے کالے کفر کے فتووں سے کون ڈرتا ہے۔ ایک جانب سے کفر کا فتویٰ سنگل لگایا جائے گا تو دوسری جانب سے ڈبل فتوے جڑ دیا جائے گا۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۔ بعنوان "اہلحدیث کی نااتفاقی")

۷۔ جناب مولوی آزاد سُبحانی صاحب پرنسپل مدرسہ الٰہیات کانپور نے ۱۹۱۲ء میں ایک موقعہ پر فرمایا:۔

"صاف صاف سُنیئے ہماری موجودہ حالت عملاً مسیح کے یہودیوں کی سی ہوگئی ہے۔" (بحوالہ فاروق ۷ر فروری ۱۹۳۲ء)

۸۔ سر سید احمد خاں صاحب مرحوم:۔

"اور ٹھیک وہی حال ہے جو علماء یہود کا تھا۔ جو دن رات ظاہری رسومات مذہبی میں مبتلا تھے۔" (تہذیب الاخلاق جلد ۲ صفحہ ۴)

"اگر آج خدا کی توحید کا سبق دینے والا اور دُنیا میں وحدت و یگانگی پھیلانے والا تھوڑی ہی دیر کے لئے ہمارے ہاں آوے اور اپنی اُمت کا حال دیکھے تو قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری اور سارے عالم کی جان ہے کہ وہ شکل سے پہچانے گا کہ یہ اُس کی وہی اُمت ہے جس کو اُس نے توحید کا سبق سکھایا تھا۔ ۔ ۔ کیا فرق ہوگا ان یہود اور نصاریٰ میں جو اپنے احبار اور رہبانوں کو خطا سے پاک اور غلطی سے محفوظ سمجھتے ہیں۔" (تہذیب الاخلاق جلد اوّل صفحہ ۲۴۴)

۹۔ علامہ عبدالعزیز پروفیسر عربک اکسفورڈ یونیورسٹی لنڈن:۔

"آجکل ہمارے مسلمان بھائیوں نے ضعیف الاعتقادی اور وہم پرستی میں

ان سابق اقوام (یہود و نصاریٰ) کا درجہ لے لیا ہے۔" (دینِ فطرت)

۱۰- جناب نواب محسن الملک مہدی علی خاں صاحب :-

"ان قوموں میں سے جو گذشتہ زمانہ میں ترقی کے بعد تباہ ہو گئیں مشہور قومیں ایرانی، یونانی، رومی، مصری اور یہودی ہیں چونکہ بنی اسرائیل کی حالت ہم سے بہت مشابہ ہے اس لئے میں صرف اس قوم کی اوّل مختصر کیفیت بیان کرتا ہوں۔"

(مسلمانوں کی ترقی اور اُن کے تنزل کے اسباب صے)

۱۱- جناب سیّد عبدالحی صاحب :-

"جس طرح حدیث میں بھی اس کی خبر آ چکی ہے کہ تم پیروی کرو گے اگلی اُمتوں کی بالشت بالشت ہاتھ ہاتھ بھر کام میں۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو ماجرا بنی اسرائیل پر گذرا وہی میری اُمت پر گذرے گا۔ جیسے دو جوتے برابری میں، کہ اگر ان میں کسی نے اپنی ماں سے حرام کیا ہو گا کھلم کھلا تو اس اُمت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ کام کریں گے۔۔۔۔۔ ہم نے تو سُنا تم نے دیکھا ہو گا کہ اکثر رؤسا و اُمراء نے منکوحۂ آباء کو اپنے تصرف میں لے لیا ہے بلکہ بعض نے زنانِ ابنا پر بھی تصرف کیا۔"

(حدیث الغاشیہ ص۱۱)

۱۲- جناب مولنا ابوالکلام آزاد :-

"یہودیوں کی مغضوبیت۔ نصاریٰ کی ضلالت۔۔۔۔۔ تفرق و تمذہب مثل یہود اور غلو مثل نصاریٰ۔۔۔۔۔ ان میں سے کوئی قوست اور بلا کی ایسی نہیں ہے جو مسلمانوں پر نہ چھا چکی ہو اور کوئی گمراہی نہیں جو اپنے کامل سے کامل اور شدید سے شدید درجہ تک اس اُمت میں بھی نہ پھیل چکی ہو۔ اہل کتاب نے گمراہی کے جتنے قدم اٹھائے تھے گن گن کر مسلمانوں نے بھی وہ سب رکھا تھی کہ لود خلوا جحر ضب لدخلتمو کا وقت گذر چکا اور آج ہم اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔" (تذکرہ ص۲۶۴)

"فواللہ فھم اتبعوا سنن من کان قبلکم وسلکوا سبیلھم حذو القذوۃ بالقذوۃ والنعل بالنعل۔" (تذکرہ ص۴)

"یہی وہ کتمانِ حق یعنی حق کو دانستہ چھپانے کی لعنت ہے جو علمائے یہود پر چھا گئی تھی اور منجملہ اسبابِ مغضوبیت یہود ہوئی منھم یکتمون الحق

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ اور افسوس کہ یہی حال شبراً بشبر و ذراعاً بذراعٍ اس اُمت کے علماء سو کا بھی ہوا۔" (تذکرہ ص۵)

۱۲۔ خان بہادر شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب :۔

"ایک حدیث ایسی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ تم پچھلی اُمتوں کی تمام ادائیں پوری کرکے رہوگے شبراً بشبر و ذراعاً بذراعٍ۔ پچھلی اُمتوں سے مراد یہی یہود و نصاریٰ ہیں سو یہود کا حال تو ناگفتہ بہ ہے۔ الفاظ و عبارت کی تو میں کہتا نہیں انہوں نے عملاً توریت کو منسوخ کر دیا تھا جو تحریف کا بدترین سے بدتر پیرایہ ہے...

.... یہود و نصاریٰ کا وہی شیوہ مسلمانوں نے اختیار کیا ہے اور زمانہ اس حدیث کی پیشگوئی کی تصدیق کر رہا ہے۔" (اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ص۱۴، ۱۵)

"کیا فرق کیا جا سکتا ہے ہم مسلمانوں میں اور یہود و نصاریٰ میں۔" (ایضاً ص۱۵)

"سخت افسوس کی بات ہے کہ پیغمبر صاحبؐ کی وفات کے بعد ہی ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے ..... وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دُنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ہم کو تو اس واقعہ کا خیال کرکے وہ یہود کا فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَاءَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یاد آجاتا ہے۔" (رویائے صادقہ ص۱۴۲)

"پیغمبر صاحبؐ سچ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانو تم چپے چپے اہل کتاب کے قدم بقدم چل کر رہوگے سو ہو رہا ہے۔" (ایضاً ص۱۵۱)

"مگر چونکہ انکار کرتے بن نہیں پڑتا حکم کو مانتے ہیں لیکن وہی یہود کا سامانا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا تو پھر یہ نفاق اور ریا نہیں تو کیا ہے۔ اور اگر نفاق اور ریا بھی خدا کے ساتھ اگر اس کا نام ریفارم اور اصلاح ہے تو ہم بے اصلاح ہی بھلے۔" (ایضاً ص۲۰۰)

"غرض انسانی اصلاح کے اعتبار سے اسلام کو دوسرے مذہبوں پر کچھ ایسی فوقیت نہیں ہاں فوقیت ہے تو توحید میں ہے اور اسی میں ان حضرات مشائخ نے ایسا گول مول لگایا ہے کہ اسلام کے ہمارے فخر کو ملیا میٹ کر دیا۔ اب سچ پوچھو تو مسلمانوں کا منہ نہیں کہ اہل کتاب بلکہ بُت پرستوں کی توحید کو آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکیں۔" (ایضاً ص۲۰۱)

۱۴۔ جناب مولوی ظفر علی صاحب آف زمیندار :۔

علماء ہم سے یہ دن رات کہا کرتے ہیں

کہ ہیں گمراہ نصاریٰ تو یہودی مغضوب
بیگماں دونوں ہیں اس وقت یکیں وصف میں کم
ہم جو کہلاتے ہیں محبوب خدا کے محبوب

(زمیندار ۹ جولائی ۱۹۴۰ء)

۱۵۔ جناب سید عبدالمجید صاحب قریشی سیکرٹری سیرت کمیٹی :۔

"عزیزانِ اسلام! جن مصیبتوں اور اندرونی اور بیرونی کمزوریوں میں یہودی لوگ مبتلا تھے آج ہم مسلمان بھی اُنہی کمزوریوں کا شکار ہیں"

(رسالہ ایمان ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۲)

"جو بات اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے فرمائی وہ آج مسلمانوں پر بھی صادق آرہی ہے۔" (رسالہ ایمان تفسیر القرآن صفحہ ۱۳۷)

"یہودی لوگ خدمتِ اسلام سے صرف اِس لئے محروم رہے . . . افسوس کہ آج ہم مسلمانوں کی بدقسمتی اور محرومی کا راز بھی یہی ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۴۵)

"ہماری اِس دماغی انارکی کا نتیجہ وہی ہے جو بنی اسرائیل کو ملا" (ایضاً صفحہ ۱۴۵)

"بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ یہی تھا اور آج ہم لوگ بھی بالکل یہی کر رہے ہیں۔" (ایضاً صفحہ ۱۴۰)

"عزیزانِ اسلام! پہلے یہ دیکھئے کہ بنی اسرائیل کا کیا جُرم تھا۔ اُن کا وہی جُرم تھا جس میں آج ہم سب پھنسے ہوئے ہیں۔" (ایضاً صفحہ ۱۶۱)

"یہ ناشکرگذاری صرف یہودیوں کا ہی حصہ نہیں ہے۔ ہر برباد ہونیوالی قوم کی حالت یہی ہوا کرتی ہے۔ کیا آج مسلمانوں کی یہ حالت نہیں ہے؟" (ایضاً صفحہ ۱۶۳)

"حضرت ابراہیم کی امامت کا ابتدائی واقعہ پیش کرکے قرآن یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب حضرت ابراہیم کا طریقہ چھوڑ چکے ہیں اس لئے وہ ابراہیمی وراثت سے محروم کر دیئے گئے اور خدا تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے ذریعہ سے ابراہیمی خلافت کا تاج مسلمانوں کی پیشانی پر رکھ دیا۔ سوال یہ ہے کیا آج بھی وہ تاج آپ کی پیشانی پر ہے؟ آپ کہیں گے کہ نہیں۔ لیکن یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ آپکو سوچنا چاہیئے کہ آپ ابراہیمی وراثت سے محروم کر دیئے گئے۔ اس کا سبب وہی ہو سکتا ہے

یہود و نصاریٰ کی محرومی کا سبب تھا۔ (ایضاً ص۴۳ ۱۵ ر اکتوبر ۱۹۳۹ء)

" یہودی محض آپس کے جھگڑوں میں ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے ... مگر ہم ان سے بھی سینکڑوں میل آگے نکل گئے ..... آج ہماری حالت اس سے بھی بدتر ہے " (ایضاً ۱ ر جون ۱۹۳۱ء ص۳۳)

" برادران اسلام! یہودی لوگ اپنی قوم والوں کو آپس کی ضد میں گھروں سے نکالتے تھے۔ اب آپ نے اس سنت کو بھی پورا کر دیا ہے " (ایضاً ص۳۶)

" عزیزانِ اسلام! اللہ تعالیٰ نے حاسد یہودیوں پر کتنی سخت تنقید کی ہے۔ .... افسوس کہ ہم مسلمانوں میں بھی حسد کی بیماری بُری طرح پھیل رہی ہے " (ایضاً ص۴۴)

" یہودیوں کو جب قرآن کی یہ ساری خوبیاں اور بزرگیاں معلوم ہوگئیں تو وہ کہنے لگے کہ چونکہ اس کے لانے والا فرشتہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے اس واسطے ہم اسے نہیں مانیں گے۔ غور کیجئے کہ یہ کس قدر قابلِ شرم جہالت اور تعصب ہے۔ عزیزانِ اسلام! افسوس کہ اب بے نماز مسلمانوں کو بھی اسی تعصب نے بالکل اندھا کر رکھا ہے۔ .... ایک بوڑھا شخص بازار سے گذر رہا تھا ایک شخص بولا دیکھو کیسی نورانی صورت ہے۔ دکاندار نے کہا ابجی یہ تو مرزائی ہے۔ اب تعریف کرنے والا چپ ہوگیا اور دو ایک منٹ کے بعد بولا تبھی اس کے منہ پر پھٹکار برس رہی تھی " الخ (ایضاً ص۶۵)

" ہم یہودیوں پر الزام لگاتے ہیں .... لیکن ہم اپنے گریبانوں میں منہ نہیں ڈالتے کہ ہم نے قرآن کو کہاں پھینکا ہے " الخ (ایضاً ص۷۵)

شاید ہمارے بعض معزز قارئین کے قلوب کی جولانگاہ میں یہ باطل خیال موجزن ہو کہ یہ کیفیت تو عوام کالانعام کی ہے ورنہ علمائے عظام کو بھلا ان عادات و خصائل سے کیا نسبت؟ اس امر کے بدیہی استیصال کے لئے اگرچہ قبل ازیں کئی واضح تحریرات پیش کی جاچکی ہیں تاہم اس خیال کا کھوکھلا پن ثابت کرنے کے لئے ایسے حضرات کے ملاحظہ کے لئے چند مزید حوالہ جات سپردِ قلم کئے جاتے ہیں جن سے بالبداہت روزِ روشن کی طرح ایسی قیاس آرائیوں کا مکمل طور پر بطلان ظاہر ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (فوز الکبیر ص۱) فرماتے ہیں:۔

" اگر نمونہ یہود خواہی ببیں علماء سوء کہ طلب دنیا باشند و خو گرفتہ بتقلید سلف و

معرض از نصوص کتاب و سُنّت و تعمق و تشدد یا استحسانِ عالم را مستند ساختہ اند کلام شارح معصوم بے پرواہ شدہ باشند تماشا کن عانھم ھم "

ترجمہ "غرضیکہ اگر تم اِس اُمّت میں یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو آن علماءِ سوء کو دیکھ لو" الخ (مترجم رشید احمد انصاری)

۲- اخبار زمیندار (۱۵ رجون ۱۹۲۵ء) رقمطراز ہے :-

"بدقسمتی سے بعض درویش اور رہبان ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو علمائے یہود کیساتھ مشابہت تامہ رکھتے ہیں ۔"

۳- "وقت آگیا ہے کہ ان راز سر بستہ عقدوں کو کھول دیا جائے ۔ ان تمام حقیقتوں کو بر سر عام کیا جائے کہ اِن تمام فتنوں کے ذمہ وار کون ہیں ۔ . . . تم جانتے ہو یہ کون ہیں جن کو درہم اور حکومتوں اور بادشاہوں کے پجاری اور دین خالص میں فتنوں کے محرک کہا گیا ہے ۔ وہ ہمارے علماءِ سوء ہیں جنہوں نے مجازی اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے یہود و نصاریٰ کی پیروی کی اور مسلمانوں میں ایک بھی دین الخالص اور حق پرستی کے لئے نہ رہنے دیا ۔ ہر ایک نے چاروں طرف حیل و مکر کے جال پھیلا دیئے ۔ آج مسلمانوں کی ہر گمراہی علماءِ سُوء کی پیدا کردہ ہے ۔ کیا اِس حقیقت سے انکار کیا جاسکتا ہے ؟ کہ ہر گمراہی کی ذمہ داری اِن علماءِ سُوء پر نہیں ۔" (نیر اعظم لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۲۴ء)

۴- "ہر ایک علماء کا طبقہ یہی کہتا سُنائی دیتا ہے کہ جو کچھ اسلاف لکھ گئے ہیں وہ ہمارے لئے بھی ہے ۔ شریعت ختم ہے آراء سلف پر یہی مذہب یہود کا تھا ۔"

(اخبار وطن ۵ رجولائی ۱۹۰۶ء)

۵- مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں :-

"یہ سب باتیں مؤخر ہیں ۔ مقدم یہ ہے کہ علمائے کرام باہمی متفق ہوں ۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے جائز کاموں میں بھی شریک نہیں ہوتا ۔ جو آیت یہودیوں کے حق میں تھی تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ وہی ہمارے حق میں ہے ۔" (اہلحدیث ۲۶ ستمبر ۱۹۰۶ء)

"جتنی رسوم مشرکیہ اور بدعیہ مسلمانوں میں آجکل ہو رہی ہیں وہ مولویوں ہی کی مہربانی کا اثر ہے . . . . شرار شرار العلماء ۔" (اہلحدیث ۲۳ فروری ۱۹۰۶ء)

"نہایت افسوس ہے کہ مسلمانوں کی پبلک جیسی اصلاح طلب ہے اُن کے مصلح بھی اصلاح طلب ہیں۔" (اہلحدیث ۱۱ر فروری ۱۹۱۰ء)

"آجکل کے تھرڈ کلاس مولوی ..... سو اُن کی نسبت بہت عرصہ ہؤا فیصلہ ہوچکا ہے

وھل افسد الناس الا الملوك۔

وعلماء سوءٍ ورھبانا

یعنی کیا بادشاہوں، علماءِ سُوء اور رُہبان کے سوا کسی اور چیز نے لوگوں کو خراب کیا ہے"

(اہلحدیث ۷ر جون ۱۹۱۲ء)

"علمائے عظام کی طرف نظر اٹھایئے تو ممبروں پر صلاح و تقویٰ کے وعظ۔ انجمنوں میں اتفاق و اتحاد کی گفتگو۔ مگر بقول شخصے ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند

چوں بخلوت میروند آں کارِ دیگر میکنند

(اہلحدیث ۲۳ر جون ۱۹۰۵ء)

۶۔ ایک مسلم اخبار اتحاد اپنی ۳۱ر مئی ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں موجودہ علماء کو مخاطب کرتے ہوئے یوں گویا ہوتا ہے:۔

"اے غداروں لانِ ملت تم کب تک ہمیں ذلت و نکبت میں مبتلا رکھو گے۔ اگر تم میں صلاحیت مفقود ہوگئی ہے تو تم کیوں رہنمائی سے دست بردار نہیں ہوجاتے۔ ایسے رہنماؤں سے قوم کا بے سر ہونا ہی اچھا ہے۔"

پس جبکہ "مسلمانوں کی ہر گمراہی علماءِ سوء کی پیدا کردہ" ہے اور "جتنی رسوم شرکیہ آجکل ہو رہی ہیں وہ خود "مولویوں ہی کی مہربانی کا اثر ہے" تو بایں صورت اِس پیش کردہ قیاس آرائی کی حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ پس حق یہی ہے کہ اہلِ اسلام کی موجودہ پُر آشوب زبوں حالی و خستہ سالی محض "علماءِ عظام" کی انتہائی بے اعتنائی اور بے جا کرم فرمائی کا نتیجہ ہے اور ان کی "یہودیانہ چال" کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ و بس ؛

بالآخر قارئینِ کرام کی ضیافت طبع کے لئے ایک عجیب امر پیش کیا جاتا ہے جو امید ہے کہ انشاء اللہ موجبِ دلچسپی ہوگا اور وہ یہ کہ تمام وہ امور جن کا تذکرہ قرآن مجید میں یہود نامسعود کے حالات میں موجود ہے ان میں سے ہر ایک امر کے متعلق انفرادی طور پر آنحضرت صلعم کی بھی ایسی احادیث مندرج ہیں جن میں

امت محمدیہ کے لئے ان تمام عیوب میں سب کے ملوث ہوجانے کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں اور ان میں کوئی ایک امر بھی اس ضمن میں ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس کے متعلق قبل ازیں حضور علیہ السلام کی کوئی پیش خبری مذکور نہ ہو اور پھر اس سے بھی عجیب تر امر یہ کہ نہ صرف یہ تمام امور آج مکمل رنگ میں صادق آچکے ہیں بلکہ تفصیلی طور پر کوئی ایک خصلت بھی یہود کی ایسی نہیں بتلائی جا سکتی جس کے متعلق خود مدعیانِ اسلام نے اپنی تالیفات وتحریرات میں واضح رنگ میں تسلیم نہ کیا ہو کہ واقعی یہ عادت ابھی تک اُمتِ مُسلمہ کے نفوس میں جاگزیں نہیں ہو چکی۔ لیکن افسوس عدم گنجائش کے باعث زیادہ تفصیل نہیں کی جا سکتی۔ ورنہ یہی نہیں سینکڑوں ایسی ہی تحریرات پیش کی جاتیں اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

:(۲):

وہ زندہ خدا جس نے شریعت اسلامیہ کو نازل فرمایا بھلا کب گوارا کر سکتا تھا کہ وہ آخری اُمت جسے اس نے خود ہی خیر اُمّۃ جیسے خطاب جلیل سے سرفراز فرمایا تھا کسی وقت جادہ فرقان سے یکدم منقطع ہو کر یہود بے بہبود جیسی ابدی مدحور ومقہور قوم کے نقش قدم پر گامزن ہونا شروع ہو جاوے۔ اس لئے جہاں اُس نے یہ خبر دی کہ اُمتِ محمدیہ کے افراد سابقہ یہود نامسعود سے بکُلی ہمرنگ ہو جانے کے بعد ان کے تمام عادات وخصائل مکمل صورت میں اپنے نفوس میں جمع کر لیں گے وہاں دوسری طرف اس سے قبل ہی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے رنگ میں اُمتِ مُسلمہ میں ایک ایسے کامل وجود کی روح افزا بشارت دی جو اپنی تمام صفات کے لحاظ سے اکمل واتم طور پر حضرت مسیح ناصریؑ کا مثیل اور بروز ہوگا اور اسی کی طرف تحریم (ع۲) میں بھی اشارہ مقصود تھا۔ نیز اسی کے مطابق آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

"کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم"

(بخاری جلد ۲ باب نزول عیسے بن مریم)

اور ان تمام امور میں یہی راز مضمر تھا کہ تا محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ کے مقابل میں ہر پہلو کے لحاظ سے ہر رنگ میں مشابہ ہو سکے۔ پس جب اِس اُمت کے افراد کو یہود نامسعود سے مشابہت دی گئی تو کیا ضروری نہ تھا کہ اُن کی اصلاح کے لئے مبعوث کئے جانے والے وجود کو بھی اسی مناسبت کی بنا پر مسیح ابن مریمؑ ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا۔ کیسی مشابہت کے تعبیر میں ایک مخصوص نام دیدینا عام محاورہ اہلِ زبان کے مطابق صرف جائز ہی نہیں بلکہ جیسا کہ لکھا ہے:۔

"اطلاق اسم الشئ علی ما یشابهه فی اکثر خواصہ جائز حسن" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ)

نہایت حسن امر ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ آئندہ مامور کو عیسیٰ وغیرہ کے الفاظ سے کیوں نہیں پکارا گیا تو جواباً عرض ہے کہ تشبیہات کا فن علم بلاغت سے متعلق ہے اور بلاغت کی ایک نہایت مشہور اور مستند کتاب میں یہ امر تحریر شدہ ہے کہ:-

"اذا حذف اداة التشبیه سمی تشبیها بلیغا کقوله تعالی وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا" (دروس البلاغہ)

پس بایں صورت اس شدید مماثلت و مطابقت کی طرف صراحۃً اشارہ کرنے کے لئے (جو مسیح محمدی کو مسیح ناصری کے مقابل حاصل ہوگی) اس طریق کو اختیار کرنا مناسب بھی تھا اور ضروری بھی۔ مماثلت کا یہ طریق صوفیاء کرام کے کلام میں موجود ہے۔ مثلاً شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی فرماتے ہیں ؎

احمد ہاشمی منم عیسےٰ مریم منم
من نہ منم نہ من منم من ام

اسی طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا یہ مشہور قول ہے ؎

دمبدم روح القدس اندر معینے مے دمد
من نمے دانم ولیکن عیسیٰ ثانی شدم

نیز احادیث میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بخاری (مصری صفحہ) میں حضرت رسول مقبول صلعم کو صرف اس وجہ سے ابی کبشہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ آپ بھی اس شخص کی مانند توحید کی تعلیم پیش فرماتے تھے۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کا ازواج مطہرات کے متعلق یہ فرمان ان کن انتن لصواحب یوسف (بخاری مصری جلد ۱ صفحہ) باوجود مؤکد ہونے کے محض مشابہت کی بنا پر ہے ورنہ آپ تو یوسفؑ نہ تھے اور نہ آپ کی بیویاں ہی صواحب یوسفؑ تھیں۔ وقس۔

اور جیسا کہ صاحب دروس نے لکھا ہے خود قرآن کریم میں بھی ایسی امثلہ بکثرت موجود ہیں اور بطور مثال آیت وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا پیش کی گئی ہے۔ پھر یہ مسئلہ کچھ ایسا مبہم بھی نہیں کہ ناقابل تفسیر ہو۔ اس کا مکمل حل یوں بھی ہو سکتا ہے کہ کئی کتب میں اس امر کا واضح طور پر بیان موجود ہے۔ مثلاً لکھا ہے:-

"آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مہدی سب سے زیادہ خلق و خُلق وسیماء و ہیئت میں ابن مریمؑ

سے مشابہ ہے۔" (القراط السوی صہ ۴۲ مصنفہ سید محمد سبطین)

"اللون لون عربی والجسم جسم اسرائیل"

(بحارالانوار جلد ۱۳ صہ ۲۲)

"رنگ او رنگِ عربی باشد و جسم او جسم اسرائیلی۔"

(حجج الکرامہ صہ ۳۶۰)

پس یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں اور یہی وجہ ہے کہ کئی سابقہ ائمہ کرام نے مسیح کی آمدِ ثانی کو بروزی رنگ میں ہی تسلیم کیا ہے جیسے حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں "وجب نزولہ فی آخر الزمان بتعلقہ ببدنِ آخر" (تفسیر عرائس البیان جلد ۱ صہ ۲۶۲) اسی طرح حضرت کاشفی نے بھی لکھا ہے "کہ مسیح کا نزول بروزی ہوگا" علاوہ ازیں اقتباس الانوار میں مذکور ہے۔ "وبعضے برآنند کہ روحِ عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازیں است (صہ ۵۲) اور پھر دُور جانے کی کیا ضرورت ہے بخاری کی مندرجہ بالا حدیث میں خود منکم[1] کا لفظ ہی آنے والے مسیح کو اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد قرار دیتے ہوئے اِس اصلیت و حقیقت کا بکُلّی انکشاف کر دیتا ہے۔ علاوہ بریں آنحضرت صلعم کا آنے والے مسیح اور مسیح ناصریؑ کے دو بالکل مختلف، متضاد اور مباین حُلیئے بتلانا[2] اِس امر کا کافی سے زیادہ ثبوت رکھتا ہے کہ یہ آنے والا مسیح اور ہے اور مسیح ناصری اور۔ ورنہ ایک ہی فرد کے اس قدر مباین اور متضاد حُلیئے بیک وقت کس طرح صحیح قرار دیئے جا سکتے ہیں؟ لیکن اگر اس صریح حقیقت سے انکار کرتے ہوئے موجودہ مسلمانوں کا پیش کردہ عقیدہ ہی قابلِ تسلیم خیال کر لیا جاوے تو خدارا بتلایئے اِس سے بڑھکر اُمتِ محمدیہ خیر الامم کی انتہائی شقاوت

---

[1] اِس لفظ کی تفسیر کے ضمن میں صاحبِ "نفح الطیب" فرماتے ہیں "انما کان الامام منا" نیز تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے "انہ المسیح مسیح السائح من آل محمد"۔ مَیں حیران ہوں کہ اِس لفظ کے باوجود ذرہ بھر بھی عقل و دانش رکھنے والا انسان کس طرح کسی غلطی کا مرتکب ہو کر اس پیشگوئی کا مصداق مسیح ناصری کو قرار دے سکتا ہے۔

[2] مسیح ناصریؑ کا حُلیہ "فاما عیسیٰ فاحمر جعد عریض" (بخاری جلد ۲ صہ ۱۷۲) لیکن اس کے بالمقابل آنے والے موعود مسیح کے متعلق فرمایا "فاذا رجل آدم کاحسن ما یری من آدم الرجال تضرب لمتہ بین منکبیہ رجل الشعر" (بخاری جلد ۲ صہ ۱۷۱)

دو بدیہی کا کیا ثبوت ہوگا کہ ایک طرف اسے خیر اُمّۃ کہا جائے (پارہ ۴ ع ۳) تو دوسری جانب اس حقیقت کا عملی اظہار یوں کیا جائے کہ افرادِ اُمت کو یہود سے کلی طور پر مشابہ ٹھہرا کر فوراً مغضوب علیہم کے زمرہ میں ہمیشہ کے لیے دھکیل دیا جائے۔ اور پھر اسی قدر پر بس نہ کرتے ہوئے تیسری طرف بجائے انہی میں سے کسی فرد کو یہ مقام عطا کر کے مبعوث فرمانے کے ایک نبی سابق کو جسے محض مثلاً لِبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ بتلایا جاتا تھا صرف اس وجہ سے دو ہزار سال تک فلکِ چہارم پر خلافِ سُنتِ مستمرہ اقتضائے بشری سے معطل کر کے زندہ رکھا جائے کہ تا آخری زمانہ میں خیرِ اُمّۃ کی اصلاح ممکن ہو سکے۔ فدا غور کیجئے کیا یہ معاملہ اُمتِ محمدیہ کے لئے کچھ کم ہتک آمیز ہے؟ اور کیا اسی بے بنیاد عقیدہ کے نتیجہ میں خود ساقیٔ کوثر کے دائمی چشمۂ فیضان کا صراحۃً و بداہۃً بطلان لازم نہیں آتا؟ آہ میرے پیارے محبوب آقائے نامدار محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے کے لئے غیرت رکھنے والے عاشقِ صادق کہاں جا گزیں ہوئے اور کدھر چلے گئے وہ مقدس وجود جن کے سینے میرے محبوب کی اُمت کے درد سے ہر وقت معمور و مخمور رہا کرتے تھے؟ اور ہائے کاش آسمان پھٹ جاتا اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی لیکن رسول اللہ کی اُمت کہلاتے ہوئے اپنے محبوب آقا کی شان میں اس شرمناک گستاخی کا مظاہرہ کسی طرح بھی خود مدعیانِ اسلام کے حصہ میں نہ آتا۔

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق ان حالات میں جبکہ خود مسلمان اپنی مایوسی کا یوں اظہار کر رہے تھے ؎

"وہ بیمار قریبِ مرگ ہے اسلام واویلا
مسیحا کو نہیں ہے جس کی اُمیدِ شفاء باقی"

(محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۸۹۱ء)

وہ مقدس انسان جس کی تیرہ سو سال قبل اطلاع دی گئی تھی قادیان کی مقدس سرزمین میں جلوہ افروز ہوا۔ وہ انسان ابھی مامور بھی نہ ہوا تھا کہ حقیقت شناس لوگوں کی دُوربین نگاہوں نے فوراً بھانپ لیا کہ کشتیٔ اسلام کا موعود ناخدا آن پہنچا ہے اور اس پر انہوں نے یہاں تک کہہ ڈالا ؎

"ہم مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ
تم مسیحا بنو خدا کے لئے"

(اشتہار واجب الاظہار)

اور جب موعود [illegible] فرض ادا کر کے اپنے حقیقی مولا کے پاس چلا گیا تو [illegible] اس کی [illegible] مسیحائی کا بایں الفاظ اعتراف کیا ۔

"ہم انہیں منصباً مسیح موعود تو نہیں مانتے تھے لیکن اُن کی ہدایت و رہنمائی مُردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی ۔"

(تہذیب النسواں)

[illegible] چنانچہ وہ موعودؑ آیا اور مُردہ رُوحوں کو زندہ کرنے کا کام شروع کر کے واپس بھی چلا گیا لیکن آہ! جیسا کہ سابقہ نوشتوں میں لکھا تھا غفلت شعار اور ظاہر پرست اُس کی پہچان سے محروم ہو کر آج تک یہی پکارتے چلے جا رہے ہیں ؎

یا صاحب الزمان ظہور شتاب کُن

عالم [illegible] وقت تو پا در رکاب کُن

(اخبار وطن)

(باقی - باقی)

لہ حجج الکرامہ ص۳۶۲ مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص۱۰۰ فتوحات [illegible] [illegible] مقدمہ [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز
(قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

مدیر

عبدالقدیر نیاز

ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء

ماہ تبوک ۱۳۲۴ ہش

جلد ۴۴ عدد ۹

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۲ء
میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفینِ اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپیہ لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئے، ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیلِ زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے، بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اسکے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چوالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چوّن روپے	نوّے روپے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۴ | ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء | عدد ۹

فہرست مضامین

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے تازہ رُؤیا و کشوف

{ذیل کے رؤیا اور کشوف ڈلہوزی سے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے قلم سے لکھ کر ارسال فرمائے ہیں:۔}

گزشتہ چند ایام میں جو بعض رویا اور کشوف ہوئی ہیں میں چاہتا ہوں کہ دوستوں کی اطلاع کے لئے شائع کر دوں۔

(۱)

ایک رات میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے شدید محبت اور عشق کے جذبہ کے ماتحت کہ اس کی نظیر نہیں ملتی مخاطب ہو کر کہہ رہا ہوں کہ اے میرے رب تو مجھے اپنی گود میں اٹھا لے اور اپنی برکتوں سے مجھے چاروں طرف سے ڈھانپ لے۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے بار بار کر رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی اور اوپر کے الفاظ ابھی زبان پر جاری تھے۔

(۲)

ایک تمثیلی زبان میں نظارہ دیکھا جس کی یہ تعبیر ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر معمولی سامانوں سے جو انسانی طاقت سے بالا ہوں گے جماعت احمدیہ کو جوانی بخشے گا اور اس کی کوششوں کو بار آور کرے گا اور روشنی اور تازہ پھل اس کے کاموں کے نتیجہ میں پیدا ہوں گے۔ اور خدا تعالیٰ کی نصرت اس کے ذریعہ سے سب جہان کو ملیگی

(۳)

ایک اور نظارہ تمثیلی زبان میں دیکھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کو وسعت بخشے گا اور علوم و فنون کا سوتا اسکے ذریعہ سے پھاڑے گا۔

(۴)

دیکھا کہ ایک جگہ مسٹر گاندھی ہیں اور اخباروں کے نمائندے اُن سے انٹرویو کے لئے جا رہے ہیں۔ اور ایک الگ جگہ پر جہاں عام طور پر لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں وہ ان لوگوں سے مل رہے ہیں۔ مَیں نے پہرہ داروں میں سے ایک صاحب کو جن کا نام محمد اسحٰق ہے کہا کہ جاؤ اور اِس قسم کا انتظام کرو کہ مَیں بھی وہاں اس طرح جا سکوں کہ کسی کو میرا علم نہ ہو۔ محمد اسحٰق نے تھوڑی دیر میں آکر کہا کہ مَیں نے انتظام کر دیا ہے آپ چلے جائیں۔ مَیں ایک بند کمرہ میں سے ہو کر اُس جگہ گیا ہوں جہاں مسٹر گاندھی ہیں۔ راستہ میں کچھ پہرہ دار ہیں اُن میں سے ایک نے مجھے روکا لیکن محمد اسحٰق نے اُنہیں یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ اِن کے لئے اجازت لی ہوئی ہے۔ اِس کے بعد مَیں اندر داخل ہوا۔ یہ ایک صحن ہے اُس میں گاندھی جی تکیہ کا سہارا لگائے اپنے معروف لباس میں مغرب کی طرف مُنہ کر کے بیٹھے ہیں۔ سامنے ایک صف اخباری نمائندوں کی ہے مَیں اُن میں جا کر بیٹھ گیا۔ مگر میرے بیٹھتے ہی وہ لوگ اُٹھ کر مجھ سے مصافحہ کرنے لگ گئے۔ اور مَیں خواب میں حیران ہوں کہ مَیں تو پوشیدہ آیا تھا پھر یہ لوگ مجھ سے اُٹھ کر کیوں مصافحہ کرنے لگ گئے۔ جب سب اخباری نمائندے مجھ سے مصافحہ کر چکے تو ایک شخص اُٹھا اور اُس نے بھی مصافحہ کیا۔ مگر ساتھ ساتھ ایک طویل گفتگو شروع کر دی۔ مَیں نے خیال کیا کہ یہ دیوانہ ہے اِس سے کسی طرح پیچھا چھڑانا چاہیئے۔ آخر سوچ کر مَیں نے اُسے کہا کہ یہ تو گاندھی جی کی ملاقات کا وقت ہے اُن سے بات کرو۔ اِس پر وہ مجھے چھوڑ کر گاندھی جی کی طرف مخاطب ہوا اور بات کرتے کرتے اُن پر جھکتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اُس کے دباؤ کی وجہ سے گاندھی جی ایسی حالت میں ہو گئے کہ گویا لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ اُن کے اُوپر دراز ہو گیا اور اپنی بات جاری رکھی مَیں حیران ہوں کہ اُن کے ملاقاتی اُن کو چھڑاتے کیوں نہیں۔ اِسی حالت میں گاندھی جی نے انگلیاں ہلانی شروع کیں جیسے کہ کوئی شخص دل میں باتیں کرتے ہوئے انگلیاں ہلاتا ہے۔ اور مَیں خیال کرتا ہوں کہ یہ اِس طرح اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ غالباً گاندھی جی اپنے قدیم طریق کے مطابق کوئی ایسا قدم اُٹھانے والے ہوں گے جو شور پیدا کرنے والا ہوگا۔ تبھی اخباری نمائندوں کا اجتماع دیکھا۔ پاگل کا اُن پر بوجھ ڈالنا بتاتا ہے کہ اُن پر کوئی مخالف اثر ڈالنے کی کوشش کی جائے گی اور میرے وہاں جانے کی تعبیر بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے اِس اقدام کا اثر مسلمانوں

پر بھی پڑے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۵)

نیز صبح کے وقت بعد از نماز سویا ہوا تھا کہ مجھے آواز دے کر اندر سے کسی نے جگایا۔ مَیں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی کشف کی حالت طاری ہوئی۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک احمدیہ جماعت کا مجمع ہے۔ سامنے ایک سِکھ جو دراصل مسلمان ہے تقریر کر رہا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً پچاس سال سے جماعت احمدیہ نے سِکھوں میں تبلیغ شروع کی تھی لیکن چونکہ فوری نتیجہ نہ نکلا ان میں کچھ سستی اور مایوسی پیدا ہو گئی۔ مگر یہ سستی اور مایوسی اُن میں پیدا نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ اِس آخری فقرہ پر کشف کی حالت جاتی رہی۔

مَیں سمجھتا ہوں اِس کشف میں ہمیں اپنے فرض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ سِکھ ضرور اسلام کی طرف آئیں گے۔ اس لئے اِس کام کی طرف خاص توجہ چاہیئے۔

مسئلۂ ناسخ و منسوخ

(از مولوی رشید احمد صاحب چغتائی واقف زندگی)

قبل اس کے کہ اصل مضمون کی طرف ہم آئیں چند یادداشتوں کا ذکر اس جگہ ضروری ہے اوّل نسخ کے معنے لغتاً کیا ہیں؟ مفردات راغب جو کہ قرآن کریم کی مستند لغت ہے اس میں لکھا ہے۔ النسخ ازالۃ شیء بشیءٍ یتعقبہٗ کنسخ الشمس الظل والظلّ الشمس والشیب الشباب فتارۃ یفہم منہ الازالۃ و تارۃ یفہم منہ الاثبات و تارۃ یفہم منہ الامران۔ کہ نسخ کہتے ہیں ایک چیز کا ازالہ کرنا کسی ایسی چیز کے ساتھ جو کہ اس کے پیچھے آنے والی ہو۔ جیسے سائے کو دھوپ آ کر دور کر دیتی ہے۔ اسی طرح دھوپ کے بعد سایہ آ جاتا ہے۔ ایسا ہی بڑھاپا جوانی کو زائل کر دیتا ہے۔ اور نسخ سے کبھی تو مراد کسی چیز کا ازالہ ہوتا ہے اور کبھی کسی چیز کا ثابت کرنا اور کبھی دونو مفہوم ہوتے ہیں۔

اصطلاح میں نسخ کی تعریف:۔ النسخ عبارۃ عن طریقٍ شرعیٍّ یدلُّ علیٰ ان الحکم الّذی کان ثابت بطریقٍ شرعیٍّ لا یوجد بعد ذٰلک مع تراخیہ عنہ علیٰ وجہٍ لولاہ لکان ثابت۔

جمہور اہل اسلام کا مذہب یہ ہے کہ نسخ شرائع عقلاً و سمعاً جائز ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو شریعت محمدیہ جمیع الناس کے لئے واجب العمل نہ رہے گی۔ جمہور یہود یہ کہتے ہیں کہ النسخ لیس بجائزٍ لا عقلاً و لا سمعاً۔ لیکن بعض انہی میں سے یہ کہتے ہیں کہ عقلاً تو جائز ہے لیکن سمعاً جائز نہیں۔ مگر یہود کا یہ خیال باطل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مثلاً حضرت آدمؑ کی شریعت میں تزویج الاُخت مع الاخ جائز تھا لیکن یہ حکم شریعت موسویہ میں منسوخ ہے۔ کیونکہ اس میں معین عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے نہ کہ تمام عورتوں کے ساتھ۔ (کتاب احبار) ایسا ہی حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں تھا کہ "اور زمین کے کل جانداروں اور ہوا کے کل پرندوں پر تمہاری دہشت اور تمہارا رعب ہوگا۔ یہ اور تمام کیڑے جن سے زمین بھری پڑی ہے۔ اور سمندر کی کل مچھلیاں

تمہارے ہاتھ کی گئیں - ہر چلتا پھرتا جانور تمہارے کھانے کو ہوگا..... مگر تم گوشت کیساتھ خون کو جو کہ اس کی جان ہے نہ کھانا" (پیدائش $\frac{9}{2-4}$)

لیکن احبار میں لکھا ہے کہ تم بنی اسرائیل سے کہو کہ زمین کے سب حیوانات میں سے جن جانوروں کو تم کھا سکتے ہو وہ یہ ہیں - جانوروں میں سے جن کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہوتے ہیں اور جگالی کرتے ہیں تم ان کو کھا سکتے ہو - مگر جو جگالی کرتے ہیں یا جن کے پاؤں الگ ہیں ان میں سے تم ان جانوروں کو کھانا..... الخ"

پس اب یہ ہوا یہ نسخ نہیں تو اور کیا ہے ؟

مسلمان ——— مسلمانوں میں سے بھی بعض نسخ شرائع کے قائل نہیں - بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی شریعت پر اب عمل اس لئے ضروری ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی شریعت آنحضرت صلعم کے ظہور تک تھی - اور یہ بات ہمیں قرآن سے ہی معلوم ہوئی ہے اسلئے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی شریعت کا زمانہ منتہی اور ختم ہوگیا ، نہ کہ اس میں کوئی تبدیلی اور نسخ واقع ہوئی -

یہ تو ہوئی شرائع کے نسخ کے بارہ میں اب ہم قرآن مجید کی نسبت جو اس میں ناسخ منسوخ کا خیال کیا جاتا ہے - اس کے متعلق بیان کرتے ہیں -

قرآن مجید میں نسخ ہے یا نہیں؟

اکثر مسلمانوں کا تو (بوجہ نافہمی کے) یہ خیال ہے کہ قرآن کریم میں بعض آیات بعض کو منسوخ کر دیتی ہیں - لیکن بعض مسلمان قرآن مجید میں نسخ کے قائل نہیں - حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں اگر نسخ مانا جائے تو قرآن منزل من اللہ العزیز الحکیم نہیں قرار دیا جا سکتا - کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ٥ تو جس صورت میں کہ ایک معتد بہ حصہ قرآن کریم دوسرے حصہ کے خلاف حکم دینے والا خیال بھی کیا جائے یا بعض آیات کی وجہ سے کچھ حصہ قرآن کو منسوخ قرار دیا جائے درآنحالیکہ ان منسوخہ آیاتِ قرآنیہ کی کچھ بھی تعیین نہیں - کوئی کسی آیت کو اور کوئی کسی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں - پس اس صورت میں کس قدر ظلم ہے جو اس رنگ میں قرآن مجید کے ماننے والے اسکے متعلق روا رکھتے ہیں - اور گویا اختلاف موجود فی القرآن ہونے کا اپنی کم فہمی کی وجہ سے الیسی بالبداہت

غلط باتوں کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے ایک بہت بڑا دھبہ خدائے پاک و قدوس کی ذات پر پڑتا ہے کہ قرآن کریم جیسے تمام دُنیا اور قیامت تک کے واسطے اُس نے نازل فرمایا۔ اس میں ایسی باتیں بھی اُس نے بیان کر دیں جو مختص الوقت تھیں اور کوئی وقت ایسا بھی آنیوالا تھا کہ اِس کتاب کے ماننے والے اُن پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے تھے۔ اور وہ باتیں اُس وقت تو قابلِ عمل تھیں مگر اب ناقابلِ عمل ہیں نعوذ باللہ من ذٰلک۔ خداوند تعالیٰ جو علیم و خبیر ہے اسکے متعلق کیسے یہ ذہن میں بھی لایا جاسکتا ہے۔ پس قرآن کریم میں نسخ ماننا کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ آئندہ چل کر ہم عرض کریں گے۔

قائلینِ نسخ منسوخ کی تین قسمیں بتاتے ہیں

۱۔ وہ آیات جو منسوخ الحکم ہیں فقط۔

۲۔ وہ آیات جو منسوخ التلاوت ہیں فقط۔

۳۔ وہ آیات جو منسوخ التلاوت والحکم ہیں فقط۔

چنانچہ امام محمد بن حزم لکھتے ہیں:"المعروف فی النسخ فی القرآن ھو ابطال الحکم مع اثبات الخط فی الکتاب ان تکون الآیۃ الناسخۃ و المنسوخۃ ماتبتین فی التلاوۃ الا ان المنسوخۃ لا یعمل بھا"(ناسخ منسوخ صلا۳۱) یعنی ایک آیت قرآن میں لکھی جا چکی ہے لیکن وہ قابلِ عمل نہیں ہے صرف اُس کی تلاوت ہی کرنی چاہئے۔ اِس پر عمل کرنے کا حکم نہیں کیونکہ منسوخ ہونیکی وجہ سے اُس کا حکم باطل ہو گیا۔ ابن خزیمۃ الفارسی نے لکھا ہے"المکتوب المتروک حُکمہٗ والعمل بہ"کہ منسوخ آیت وہ ہے جو قرآن کریم میں تو لکھی جا چکی ہے مگر اُسکا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اب اس پر عمل کرنیکی ضرورت نہیں۔

تو منسوخ الحکم اکثر آیات کو مانا جاتا ہے اور اس کی مثال پانچ سو آیات تک بتائی جاتی ہے بعض نے ایک سو پچاس بعض نے بیس اور بعض نے پانچ آیات بتائی ہیں۔

منسوخ التلاوت کی عام طور پر مثال دو ہی پیش کی جاتی ہے۔ ایسا ہی منسوخ التلاوت والحکم کی بھی دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ (تفسیر اتقان)

اب ہم چند دلائل اس بارہ میں لکھتے ہیں کہ جو قطعی ثبوت ہیں اس امر کا کہ قرآن مجید میں ہرگز نسخ نہیں۔

اوّل۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں اور شروع میں فرماتے ہیں۔ الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ (البقرہ) جو آیت قرآن کی منسوخ ہوگی وہ ھُدًی نہیں ہوگی۔ لیکن قرآن چونکہ تمام ہدایت ہے اس لئے اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔

دوم۔ سورۃ ہود میں فرمایا۔ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ اس آیت سے ثابت ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیات محکم ہیں اور غیر مزال ہیں اور نسخ نام ہے ازالہ کا۔ پس قرآن مجید خود دعویٰ کرتا ہے کہ مجھ میں نسخ نہیں۔

تیسری دلیل۔ فرمایا۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ ھزل کے معنے ہیں الساقط من الکلام والملغو الذی لا یعمل بہ۔ اگر قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت ہے جو قابل عمل نہ ہو تو وہ نعوذ باللہ ھزل کے ماتحت آ جائیگی اور ھزل کی خدا نے خود نفی کر دی۔ لہٰذا قرآن میں نسخ نہیں۔

چوتھی دلیل۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ كِتٰبٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ عَزِيْزٍ حَكِيْمٍ ۙ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے پاس اور اس کے اندر باطل آ ہی نہیں سکتا۔ تو اگر ہم نسخ کو تسلیم کریں تو گویا باطل اس کے پاس ماننا پڑے گا۔

پانچویں دلیل۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى کہ قرآن کے اندر کوئی ایسی آیت نہ تھی جو منسوخ ہو کر مٹا دی گئی ہو۔ اور اسی کی تائید میں سورۂ قیامۃ کی یہ آیت ہے۔ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرانہ فاتبع قرانہ۔

چھٹی دلیل۔ سورۂ آل عمران میں خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اس میں خدا تعالیٰ نے آیاتِ قرآنی کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ محکمات اور متشابہات۔ اور آیاتِ منسوخہ پر نہ محکمات کی تعریف صادق آتی ہے نہ متشابہات کی تعریف صادق آتی ہے۔ پس

ثابت ہوا کہ منسوخات کی تجویز اختراعی ہے۔ اگر نفس الامر میں منسوخات قرآن میں ہوتیں تو تقسیم یوں ہونا چاہیئے تھی منہن محکمات و منہن منسوخات و منہن متشابہات۔

ساتویں دلیل ۔ سورۂ یونس میں ہے مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (ع۴) تو دو غرضیں قرآن مجید کی بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ تصدیق الذی بین یدیہ۔ ۲۔ تفصیل الکتب۔ مگر آیات منسوخہ نہ تصدیق کا کام دیتی ہیں اور نہ تفصیل الکتاب کا۔ اس لئے وہ مفتریٰ من دون اللہ ہیں اور مفتریٰ من دون اللہ سے قرآن بیزار اور متبرا ہے۔

آٹھویں دلیل ۔ قرآن کریم توقیفی ہے یعنی جس آیت کے متعلق آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ مجھ پر نازل کی گئی ہے وہ قرآن کی آیت ہوگی اور مابین الدفتین میں شامل ہوگی اسی طرح آیات منسوخہ کا بھی توقیفی ہونا لازم ہے۔ آنحضرت صلعم سے کوئی حدیث مرفوع ثابت نہیں کہ فلاں آیت فلاں آیت کے ذریعہ سے منسوخ ہے۔ جب آنحضرت صلعم سے ثابت نہیں تو کسی صحابی یا تابعی یا مجتہد کا قول معتبر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ ان لوگوں نے اپنے قیاس سے یہ بات کہی ہو۔ اور قیاس کو قرآن کریم میں دخل نہیں۔

جیسا کہ ہم اوپر عرض کر آئے ہیں عقیدۂ ناسخ و منسوخ کے پیدا ہونے کی وجہ علماء کی غفلت اور جہالت تھی کہ جو آیت ان کو سمجھ نہ آئی اس کو منسوخ قرار دیدیا اور اس میں اسقدر بڑھ گئے کہ ایسی آیات کی تعداد پانچ سو بلکہ اس سے بھی زائد تک پہنچا دی۔ مگر ان میں تطبیق دینے یا تاویل کرنے کی کوشش نہ کی۔ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؒ محدث دہلوی نے اس طرف توجہ کی اور وہ آیات جن کو منسوخ کہا گیا تھا اُن کی تاویل و تطبیق کی کوشش کی مگر پانچ آیات اُن سے بھی حل نہ ہوسکیں اور اپنی کتاب "فوز الکبیر" میں اپنی اس کوشش کے بعد لکھا کہ "علی ما حررنا لا یتعین النسخ الا فی خمس آیات"۔

اس زمانہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہو کر جہالت اور غلط عقائد کی بیخ کنی کر کے اسلام کے چہرہ کو منور (جیسا کہ پہلے تھا) چمکتا دمکتا لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا۔ "حق یہی ہے کہ حقیقی نسخ اور حقیقی زیادت قرآن پر جائز نہیں ہے کیونکہ اس کی تکذیب لازم آتی ہے۔" (الحق لدھیانہ صفحہ ۹) اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا

کَثِیْرًا۔ اور نسخ فی القرآن ماننے سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ جس سے قرآن پاک امبرا اور منزّہ قرار دیا گیا ہے۔ پس قرآن حکیم میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

ہم عامۃ المسلمین سے عرض کرتے ہیں کہ جیساکہ مندرجہ بالا دلائل سے یہ امر بپایۂ ثبوت پہنچ گیا ہے کہ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ کو ہرگز دخل نہیں۔ اسلام اور قرآن پر یہ خطرناک دھبہ لازم آتا ہے۔ پس آپ لوگ اِس نہایت ہی غلط عقیدہ کو چھوڑ کر قرآن پاک کو کامل کتاب اور تا قیامت اس کے ہر حکم کو واجب العمل مطابق فرمان خداوندی سمجھیں کہ اِسی سے قرآن کریم کی حقیقی شان ظاہر ہوتی ہے۔ جیساکہ حضرتؑ اقدس مسیح موعود علیہ السلام (ازالہ اوہام صفحہ ۲۱۹) میں فرماتے ہیں:-

"قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام ہے جس میں انسان کا ایک لفظ یا شعشہ تک کا دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ، معانی کے ساتھ خداتعالےٰ ہی کا کلام ہے اور کسی فرقۂ اسلام کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں۔ اس کی ایک ایک آیت اعلیٰ درجہ کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے اور وحی متلو ہے جس کے حرف حرف گنے ہوئے ہیں۔ وہ بباعث اپنے اعجاز کے بھی تبدیل و تحریف سے محفوظ ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۱۹)

پس قرآن کریم میں کوئی آیت بھی منسوخ اور ایسی نہیں کہ اب وہ قابلِ عمل نہ رہی ہو۔ بلکہ سارے کا سارا قرآن پاک قیامت تک قابلِ عمل ہے اور اس کا کوئی لفظ بلکہ شعشہ تک بھی منسوخ نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب تنزیل من عزیز حکیم ہے۔ ورنہ اس کے نازل کرنے والے حکیم خدا پر حرف لازم آتا ہے۔ اور قرآن پاک کی اعجازی شان کا انکار لازم آتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

مُسلم نُما یہود کیلئے مثیلِ مسیحؑ کا ظہور!

(۲)

(از مولوی دوست محمد صاحب متعلم جامعہ احمدیہ -)

ناظرین کرام!! آپنے گذشتہ صفحات میں مدعیان اسلام کی رقم کردہ تحریرات کی روشنی میں مشاہدہ فرمایا کہ رسول مقبول صلعم کی متذکرۃ الصدر پیشگوئی کس طرح غیر معمولی رنگ میں تیرہ سو سال کے انتہائی طویل عرصہ بعد موجودہ زمانہ میں پوری شان کے ساتھ ظہور پذیر ہوئی - نیز آپنے معلوم کیا کہ مسیح ناصریؑ کی آمد ثانی بروزی رنگ میں اسی اُمت کے ایک کامل فرد کی ذات کیساتھ وابستہ کی گئی تھی - اور کیہ اُس آنے والے مامور کو بعض خاص اہم وجوہات کی بناپر مسیح ابن مریمؑ سے ہی موسوم کر دیا گیا تھا اور بالآخر آپنے آنحضرت صلعم کی اس دوسری خبر کے مطابق اس مقدس وجود کو قادیان ایسی گمنام بستی سے جلوہ گر ہوتے بھی ملاحظہ فرمالیا - اب جبکہ یہ تمام امور کمال صفائی سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو چکے اِس ضمن میں ایک نہایت ہی اہم سوال باقی یہ رہ جاتا ہے کہ مسیح محمدی کو مسیحِ ناصریؑ سے وہ کونسی شدید مشابہات و مماثلات حاصل ہیں جن کے باعث اِس موعود وجود کے ظہور کو خود مسیح ابن مریمؑ کے نزول اور بعثت ہی کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا تھا۔

سو اوّل تو جیسا کہ مسیحی مصنفین کو بھی مسلّم ہے حضرت مسیحؑ کے اکثر حالات و واقعات نامعلوم ہونیکی وجہ سے مدّتوں پردۂ اخفاء میں مستور و محجوب چلے آتے ہیں اور پھر ہم تک پہنچنے والے واقعات بھی قطعاً رنگ آمیزی سے مبرّا نہیں ہیں - اندریں حالات صاف مترشح ہے کہ تمام مشابہات کو مکمل شکل میں دائرۂ تحریر میں قلمبند کر دینا اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے - اور اے کاش ہمیں تمام حالات و واقعات سے اطلاع ہوتی تو ہم بھی ان سربستہ رازوں کو مسیح محمدیؑ کے وجود باجود میں ایک مرتبہ پھر منکشف ہوتے دیکھ کر اپنے ایمانوں کو تازہ کرنیکی سعادت حاصل کر لیتے -

---

سلہ احسن الاذکار صفحہ ۲۶

لیکن تاہم مرورِ زمانہ کے باوجود جس قدر بھی یہ حالات ہم تک پہنچ سکے ہیں خود انہیں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نکتہ رس عارف انسان کے لئے اس حقیقت کا کسی حد تک موازنہ کرنے کے واسطے بہت کچھ سامان موجود ہے۔

چنانچہ آئندہ سطور میں انہی محدود معلومات کے پیش نظر مختصراً دیگر تمام فروعات و تفصیلات کو یک قلم قطع کرتے ہوئے چند ضروری اور اہم مشابہات پیش کی جاتی ہیں۔ اور مجھے امید ہی نہیں یقین کامل ہے کہ اگر ہمارے محترم کرم فرما احباب ان پیش کردہ گذارشات کو بغور مطالعہ ملاحظہ فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے تو نہ صرف ان کے قلوب اس پر معرفت جام کے لبریز ہو جانے کے بعد عجیب طور پر لطف اندوز ہوں گے بلکہ جہاں یہ تمام تر تذکرہ ان کے لئے باعث صد خیر و برکت اور موجب علم و عرفان ہوگا وہاں یہ محیر العقول غیر منقطع تسلسل جو پیدائش سے بہت عرصہ قبل شروع ہوتا اور مابعد الوفات تک یکساں طور پر جاری نظر آتا ہے انہیں کسی طرح بھی ورطۂ حیرت میں ڈالے بغیر نہ رکھ سکے گا۔

کتب سابقہ میں مختلف پیشگوئیاں

مسیح محمدی اور مسیح ناصری کے مابین سب سے پہلی لیکن نہایت ہی عجیب مماثلت یہ پائی جاتی ہے کہ اگر مسیح علیہ السلام کے متعلق یہود کے صحائف میں مختلف پیشگوئیاں مدتوں سے چلی آرہی تھیں تو اس کے مقابل پر نہ صرف کتب اسلام میں بلکہ دیگر غیر مذاہب کی کتب میں بھی مسیح موعود کے متعلق کثرت سے اخبار و علامات موجود ہیں۔ اور اس طرح یہ دونوں مسیح محض مامور ہی نہیں موعود مامور ہیں۔ امید ہے کہ بطور مثال ذیل میں چند ایسے مشترک امور کا تذکرہ (جو مسیحین کے متعلق کی جانیوالی پیش خبریوں میں مساوی طور پر نظر آتے ہیں) دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

پیدائش یسعیاہ میں مسیح ناصری کی پیدائش کے متعلق لکھا ہے کہ "کنواری بیٹا جنے گی۔"[۲] دوسری طرف حضرت محی الدین ابن عربی[۱] کی یہ پیشگوئی ہے کہ مسیح موعود توام طور پر پیدا ہوں گے۔

نام جہاں مسیح کے نام سے بھی کتب سابقہ میں خبر دی گئی تھی وہاں قرآن مجید اور ویدوں کے علاوہ احادیث کی متعدد کتب میں آنیوالے مسیح کا نام احمد بتلا دیا گیا۔ تا مسیح محمدی کو اس

---

[۱] فصوص الحکم ص۴۳۔ [۲] یسعیاہ نیز پیدائش ۲۴ ۔ [۳] اتھروید سوکت ۱۵ منتر ۱۔ [۴] اقتراب الساعۃ ص۔

رنگ میں بھی مسیح ناصری سے تطابق حاصل ہو سکے۔ پھر عجیب تر یہ کہ شیعہ حضرات کی ایک مشہور کتاب[1] میں تو اشارۃً غلام احمد کے نام سے ہی اُسے موسوم کیا گیا ہے۔

مقام میکا نبی نے مسیح ناصری کی پیدائش کا مقام بذریعہ علم الٰہی بیت اللحم قرار دیا تھا اور احادیث[2] میں کدعہ بستی کو مسیح موعود کا مسکن کہا گیا ہے۔ ویدوں[3] میں تو صاف قدمن کا لفظ موجود ہے۔

خاندان بائیبل[4] میں مسیح ناصری کو یہودا کے خاندان کی طرف منسوب کیا گیا تھا اور آنحضرت صلعم نے مسیح موعود کے متعلق فرمایا کہ وہ سلمان فارسی کی قوم[5] میں سے ہوگا۔

(نوٹ) مندرجہ بالا پیش کردہ مشابہات صرف اِس بنا پر قابلِ تسلیم ہو سکتی ہیں جبکہ مسیحی لٹریچر کے ان معتقدات کو درست تصور کر لیا جاوے بصورت دیگر نہیں۔

نشان مسیح ناصری کے متعلق اِن الفاظ میں پیشگوئی کی گئی تھی کہ "مسیح اپنے لبوں کے دم سے شریروں کو فنا کر دے گا[6]" اسی طور پر مسیح محمدی کے لئے بھی آنحضرتؐ نے ایک نشان یہ مقرر فرمایا تھا کہ اسکے سانس کے ذریعہ کفار دم بخود ہو کر رہ جائیں گے[7]۔

لفظ نزول اِن پیشگوئیوں کے ضمن میں ایک عجیب امر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مسیحوں کی بعثت کو سابقہ نوشتوں میں نزول کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ان کی آمد کو ایک سابقہ نبی کی آمد سے وابستہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ایلیا کے متعلق لکھا تھا کہ "وہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا[8]"۔ اسی وجہ سے شاگردوں نے حضرت مسیح سے استفسار کیا کہ:۔

"پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیا کا پہلے آنا ضرور ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ ایلیا البتہ آوے گا اور سب کچھ بحال کرے گا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیا تو آچکا اور اُس کو انہوں نے پہچانا نہیں[9]"

ایک دوسرے مقام پر مسیح علیہ السلام یوں جواب دیتے ہیں کہ آسمان پر کوئی نہیں گیا سوائے اسکے جو کہ اس سے نازل ہوا ہے۔

پس اِس لحاظ سے ضروری تھا کہ آنے والے مسیح کو لفظ نزول سے یاد کیا جاتا اور آئندہ مسلمان بھی یہود کی طرح اس مامور کے لئے آسمان سے اُترنا فرض قرار دے کر ایمان سے محروم رہ جاتے اور

[1] بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۔ [2] جواہر الاسرار صفحہ ۔ [3] اتھرو وید سوکت ۱۲۷ منتر ۔ [4] میکا ۔ [5] بخاری زیر تفسیر آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُم ...... [6] یسعیاہ ۱۱ آیت ۴ [7] ترمذی جلد ۲ و مشکوٰۃ صفحہ ۔ [8] سلاطین باب ۲ آیت ۱۱ [9] متی ۱۷ آیت ۱۰ تا ۱۲۔

پھر مسیح علیہ السلام کی طرح مسیح موعود کے ذریعہ سے بھی لفظ نزول کی اس باطل توجیہہ کو پاش پاش کر کے اس کے صحیح مفہوم کو پیش کیا جاتا۔ مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ؎

ابن مریم ہوں مگر اُترا نہیں ہوں چرخ سے

اہلِ عالم کی تصویر ——— طلوعِ آفتاب سے قبل

مذہبی پہلو سے مسیح ابن مریمؑ کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل سینکڑوں ہی نہیں ہزاروں مفاسد میں مبتلا نظر آتے ہیں بعینہٖ یہی کیفیت مسیح موعودؑ کے زمانہ ظہور سے قبل مسلم نما یہود کی تھی۔ یہ مضمون قبل ازیں تحقیقی رنگ میں بیان ہو چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں مختصراً اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ مسیحِ موسوی اور مسیحِ محمدی کا زمانۂ بعثت آپس میں شدید طور پر مشابہت رکھتے ہیں۔ اور پھر جبکہ ارضِ حرم ہی کی یہ حالت ہو کہ:-

"اگر آسمان سے روزانہ چالیس ہزار فرشتے ..... سرزمین حرم محترم پر اترتے ہیں تو اس کے ساتھ دُنیا بھر کی بداخلاقی، بے حیائی کا نچوڑ اور عطر بھی اس پاک زمین میں موجود ہے۔" (ہمدم ۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء)

تو باقی دُنیا کا تو اللہ ہی حافظ ہے ؏

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

سیاسی نکتۂ نگاہ کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے علاوہ دیگر قومیں برسرِ اقتدار ہو چکی تھیں لیکن یہود اس تمام شان و شوکت سے بکلی محروم ہو چکے تھے۔ اسی طرح باقی دُنیا تو بامِ فلک پر ہے لیکن خود مسلمان بُری طرح قعرِ مذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ اہلِ اسلام کی سابقہ ترقی اور موجودہ کس مپرسی کا صحیح فوٹو ہم حکیم ضمیر الحق صاحب قیس کے الفاظ کی روشنی میں پیش کرتے ہیں ؎

"ہماری خاکپا تھی وہ چشمِ بصیرت تھی ✣ خجل تھا اس کے ذرہ ذرہ میں کحلِ سلیمانی
ہمیں تھے منبعِ علم و ہُنر سارے زمانہ میں ✣ ہمیں رہتے تھے ہر دم موردِ افضالِ یزدانی
جُھکی رہتی تھی سب کی گردنِ تسلیم خدمت میں ✣ سلاطینِ عظام آ آ کے کرتے تھے گُمس رانی
نہ آنکھوں میں جگہ دیتے فلاطون و ارسطو کو ✣ دکھانے پر جو آ جاتے تھے علموں کی فراوانی

مگر افسوس یہ سب ہوگئیں اب خواب کی باتیں ✤ نظر آتا نہیں کچھ بھی بجز انبوہ پریشانی
ذرا سی آنکھ جھپکا کر لٹے یوں دن دہاڑے ہم ✤ ہوئی کیسی یہ غفلت ہائے قسمت ہائے نادانی
عفا اقبال آزردہ ہنر جاہ و حشم دشمن ✤ بھلا کیونکر نہ ڈھونڈیں ہم طریق عالم فانی
ذلیل و خوار و رسوا ہو رہے ہیں سب کی نظروں میں ✤ نگاہیں خندہ زن ہیں دیکھکر یہ حال ویرانی
کر انتک شکوۂ بیہودہ بس کر اے دل ناداں ✤ بہت کچھ رو چکا اب ختم کر یہ مرثیہ خوانی

(رپورٹ جلسہ مذاکرہ علمیہ بارہ سالی نجم ۱۹۰۵ء)

ایک ”عجیب خیال“ اور ”حیرت افزاء بات“

مسیح کے زمانہ کے متعلق لکھا ہے:-

”اس زمانہ میں تمام دُنیا کی مختلف قوموں میں ایک عجیب خیال یہ پیدا ہوا کہ ایک نجات دہندہ پیدا ہونے والا ہے جو ہمیں اپنی مصیبتوں سے، تکلیفوں سے، شیطان کی بدقوتوں سے بچائے گا۔“[1]

اسی امر کو پادری جے پیٹرسن سماتھ صاحب نے ”حیرت انگیز“ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:-

”مگر جس شخص کو اس کا علم نہیں اس کے لئے یہ نہایت قابلِ لحاظ اور حیرت انگیز بات ہے کہ مسیح کی آمد کے وقت اس زمانے کے یہودی سخت انتظار میں پھیل رہے تھے میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دُنیا کی تواریخ میں ایسی عجیب اور حیرت افزاء بات نہیں آئی۔“[2]

لیکن یہ امر صرف یہودی دُنیا سے ہی مخصوص نہیں۔ اگر موجودہ زمانہ میں مسیح موعود کی بعثت کیلئے مختلف اقوام کی دردناک آہ و پکار کو مدنظر رکھا جائے تو اس کے مقابل پر یہودیوں کا یہ انتظار کچھ بے حقیقت معلوم دیتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس مختصر مقالہ میں ان تفاصیل کی قطعاً گنجائش نہیں تاہم اس سلسلہ میں چند تحریرات درج کی جاتی ہیں:-

مسیحی قوم کی پکار

ایک مشہور عیسائی مسٹر جے۔ ایچ میور اپنی بیتابی کا اس رنگ میں اظہار کرتا ہے:-

”ہمیں سچے نجات دہندہ کی ضرورت ہے۔ ہاں ایسے نجات دہندہ کی جو ہمیں ان بیڑیوں سے آزاد کرے کہ جن میں ہم بچپن ہی سے جکڑے جاتے ہیں۔“ (علم الاخلاق اور تعلیم صفحہ ۹)

---

[1] واقعات مسیح صفحہ ۲۵ [2] احسن الاذکار صفحہ ۲۳ ✤

ہندوؤں کی بیقراری :-

اب وقتِ مسیحائی ہے گوکل کے گوالے
بیمار ترے نزع میں لیتے ہیں سنبھالے
مولا تیرے بھارت میں گڑے غیر کے جھنڈے
آقا تیرے بندوں کو پڑے جان کے لالے
کہنا یہ اس بندہ نواز دو جہاں سے
اے نند کے لختِ جگر اے بانسری والے
وعدہ پہ ترے زندہ ہیں اب تک تیرے شیدا
کیا دیر ہے آغوشِ محبت میں بٹھالے
ورنہ تیری اُمت کا ٹھکانہ نہ ملے گا
آنے کا تجھے کوئی بہانہ نہ ملے گا

(اخبار ہندو ۷ ار اپریل ۱۹۳۰ء)

اہلِ اسلام کا اضطراب

جناب شرف الشعراء صوفی صدیقی صاحب میرٹھی فرماتے ہیں ؎

یا حبیب اللہ! سُن لیجے خدا کے واسطے
آئے ہیں ہم داستانِ ظلم سُنانے کے لئے
حضرتِ عیسٰے نہ آئے اب تو پھر کیا آئیں گے
مذہب اسلام کا بسکہ جھانے کے لئے
ظلم و استبداد کی یا شاہ بس حد ہو چکی
اب تو رہبر کی ضرورت ہے زمانے کے لئے

(مدینہ ۹ رمئی ۱۹۲۲ء)

آنے والے آزمانے کی امامت کے لئے
مضطرب ہیں تیرے شیدائی زیارت کے لئے

اُٹھ دکھا گم گشتہ راہوں کو صراطِ مستقیم
اک زمانہ کو ہے میرِ کارواں کا انتظار
(زمیندار ۹ مارچ ۱۹۲۹ء)

ولادت باسعادت

اس عنوان کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام مندرجہ ذیل امور میں مماثلت رکھتے ہیں:۔

۱- اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح ناصری علیہ السلام ایک نہایت جابر بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اسی طرح مسیح موعودؑ بھی سکھوں کے نہایت ظالمانہ عہد میں پیدا ہوئے تھے

۲- تاریخ بائبل صفحہ ۴۶۲ میں مذکور ہے کہ اس جابر بادشاہ کی سختی کے باعث حضرت مسیح کے خاندان کو مصر میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کو بھی قادیان سے نکال دیا گیا اور مصیبت کے ایام انہیں ریاست کپورتھلہ میں بسر کرنے پڑے لیکن بالآخر مسیح کے خاندان کی مانند انہیں پھر اپنے گاؤں میں رہنا نصیب ہوا۔

۳- حضرت مسیح حضرت داؤدؑ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا خاندان شاہی تھا۔ دور زمانہ[۱] کے باعث انہیں کسی شان و شوکت سے حصہ نہ ملا تھا۔ اس کے مقابل پر حضرت مسیح موعودؑ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ چنانچہ حضورؑ اسی امر کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے لیکن میری پیدائش کے دنوں میں اُن کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میں نے اُن کے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا۔ اور نہ اپنے دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملک داری سے کچھ حصہ پایا۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جن کے ہاتھ میں صرف نام کی شہزادگی بوجہ داؤدؑ کی نسل سے ہونے کی تھی اور ملک داری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے ایسا ہی میرے لئے بگفتن یہ بات حاصل ہے کہ ایسے رئیسوں اور ملک داروں

---

[۱] چنانچہ حضرت مریمؑ کے متعلق لکھا ہے:۔
"وہ حسب و نسب کے اعتبار سے داؤد کی نسل اور عبرانی بادشاہوں کے پرانے خاندان سے علاقہ رکھتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ انقلاباتِ روزگار کے سبب سے وہ اور اُس کا خاندان تنگدستی اور ہیچ میرزی کی حالت میں گرفتار ہے۔" (تاریخ بائبل صفحہ ۴۵۸)

کی اولاد میں سے ہوں شائد اس لئے ہوا کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ پوری ہو۔" (کتاب البریہ صفحہ ۱۴۷ حاشیہ)

۴۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام مریم تھا۔ اور مریم عبرانی لغت[1] کے لحاظ سے سمندر کے ستارہ کو کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی والدہ محترمہ کا نام چراغ بی بی ہے۔ اور ان دو اسماء کو مدنظر رکھتے ہوئے صاف ظاہر ہے کہ دونوں نام روشنی کا مفہوم اپنے اندر جمع رکھنے کے باعث ایک حد تک مشابہت کا پہلو رکھتے ہیں۔ ہاں یاد رہے کہ یہ دونوں نام اپنے طور پر باریک اشارات پر مشتمل ہیں۔ اس وجہ سے یہ اعتراض نہیں وارد ہو سکتا کہ لفظی لحاظ سے کیونکر اس قدر اختلاف معلوم دیتا ہے۔ کیونکہ اس امر میں بھی بعینہٖ وہی حکمت موجود ہے جو سردرِ کائنات کو سورج کی بجائے سراجِ منیر قرار دینے میں مضمر نظر آتی ہے۔

۵۔ حضرت مسیح بوجہ بے باپ ہونے کے بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے اسی طرح مسیح موعودؑ بھی قریشی نہیں فارسی النسل ہیں۔ چنانچہ سلسلہ کے مشہور معاند مولوی محمد حسین بٹالوی ایڈووکیٹ اہلحدیث کی گواہی اس بارہ میں یہ ہے:۔

"مؤلف براہین احمدیہ" قریشی نہیں فارسی الاصل ہے۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۷ صفحہ ۱۹۳)

۶۔ اگر مسیح ناصری کی بن باپ پیدائش ایک نشان تھی تو کیا حضرت مسیح موعودؑ کا توام پیدا ہونا جبکہ اس کے متعلق قبل از یں پیشگوئی بھی کی گئی تھی۔) آیتِ خداوندی نہیں؟ اور طریقِ پیدائش کا یہ اختلاف بھی بلاوجہ نہیں بلکہ ان ہردو کی پیدائش مختلف رنگ میں چند لطیف رموز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو حضرت اقدسؑ کی کتاب خطبہ الہامیہ)

۷۔ ایک مشہور پادری بابا پدمن جی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف (Life of Jesus Christ) میں مسیح ناصریؑ کی پیدائش کے ذکر کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

"ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ فروری سنہ ۷۵۰ رومی میں مسیح کی ولادت ہوئی۔"

(واقعات مسیح مترجم مسٹر حسام الدین صاحب صفحہ ۱۹)

نیز ڈاکٹر موشائم نے The History of the Church نامی کتاب میں لکھا ہے کہ یسوع مسیح جمعہ کے دن پیدا ہوا تھا۔

اگر یہ تحقیقات صحیح ہوں تو زہے قسمت!!! میرے محبوب مسیح قدنی کی ولادت باسعادت کا ماہ مبارک

---

[1] بحوالہ صداقت مریمیہ صفحہ ۲۲۔

بھی یہی ہے اور اسی روز حضرت اقدسؑ کی پیدائش ہوئی۔ فسبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

۸۔ مسیح ناصریؑ کی طرح مسیح محمدیؑ بھی ایک گمنام بستی میں پیدا ہوئے۔

۹۔ یہود نامسعود نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو اپنی شرمناک ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ولد الزنا قرار دیا۔ اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام کے کئی مخالفین نے آپ کو انہی الفاظ سے یاد کرکے ایک طرف اپنی یہودیت کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا تو دوسری طرف حضرت اقدسؑ کے مسیح ناصریؑ کے مقابل پر ایک اور مماثلت کو پورا کر دیا ہے۔

عہدِ طفولیت

مسیح ناصریؑ۔ مسیح ناصری جبکہ بارہ برس کی عمر میں ناصرہ آتے ہوئے گلیلی قافلہ میں اپنے والدین کے ہمراہ جا رہے تھے تو آپ قافلہ کو چھوڑ کر یروشلم کے ہیکل میں چلے گئے آخر بہت تلاش کے بعد جب یوسف اور حضرت مریمؑ اس جگہ پہنچے تو ان کے استفسار کے ضمن میں آپ نے نہایت معصومانہ انداز سے جواب دیا "تم مجھے کیوں ڈھونڈتے ہو۔ کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجھے اپنے ماں باپ کے ہاں رہنا بھی ضروری ہے۔" (تاریخ بائیبل صفحہ ۴۶۳) اس جواب کو خواہ کن معنوں پر ہی محمول کر لیا جاوے بہرحال یہ واقعہ حضرت مسیح ناصریؑ کے بچپن کے پاکیزہ خیالات و جذبات پر بہت حد تک روشنی ڈالتا ہے۔

مسیح محمدیؑ۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی جو آپ کے سوانح نویس ہیں آپ کے سوانح میں ایک عجیب واقعہ جو آپ کی بچپن کی عمر کے متعلق ہے تحریر کرتے ہیں کہ:-

"جب آپ کی عمر نہایت چھوٹی تھی تو اس وقت آپ اپنی ہم سن لڑکی کو جس سے بعد میں آپ کی شادی بھی ہوگئی کہا کرتے تھے کہ "نامراد سے دُعا کر کہ خدا میرے نصیب نماز کرے۔"

اس فقرہ سے جو نہایت بچپن کی عمر کا ہے پتہ چلتا ہے کہ نہایت بچپن کی عمر سے آپ کے

لہ احسن الاذکار صفحہ ۔ ۲ دیکھو محمد حسین بٹالوی۔ "اشاعۃ السنہ" مدالغایت ششم جلد شانزدہم ۱۸۹۳ء، عبد الحکیم مرتد "اعلان الحق" صفحہ ۳۔ محمد علی بوپڑی۔ "صوتِ ربانی بر سرِ دجال قادیانی"۔

دل میں کیسے جذبات موجزن تھے ؟ کیونکہ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی آپ تمام خواہشات کا پورا کرنیوالا خدا تعالےٰ کو ہی سمجھتے تھے۔ نماز پڑھنے کی خواہش کرنا اور اس خواہش کو پورا کرنے والا خدا تعالےٰ کو ہی جاننا اور پھر اس گھر میں پرورش پاکر جس کے چھوٹے بڑے دُنیا کو ہی اپنا خدا سمجھ رہے تھے؛ ایک ایسی بات ہے جو سوائے کسی ایسے دل کے جو دُنیا کی ملونی سے ہر طرح پاک اور دُنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دینے کے لئے خدا تعالےٰ سے تائید یافتہ ہو نہیں نکل سکتی۔ ؎۱

مسیح ناصری۔ "آپ نے کسی مدرسہ میں باقاعدہ طور پر تعلیم حاصل نہیں کی"۔ (واقعاتِ مسیح ص۵)

مسیح محمدیؑ۔ حضرت اقدسؑ نے بھی کسی سکول میں تعلیم حاصل نہیں کی۔

مسیح ناصریؑ۔ مسیح علیہ السلام نے اپنے والدین کی تابعداری کرتے ہوئے نجاری کا کام کیا۔
(تاریخ بائیبل ص۲۶۱)

مسیح محمدیؑ۔ حضورؑ نے اپنے والد مکرم کے ارشاد پر سیالکوٹ شہر میں چار سال ملازمت کی اور اس کے بعد اُن کے مقدمات میں کچھ عرصہ تک پیروی کی۔

مسیح ناصریؑ۔ آپؑ نے تیس سال تک گمنامی کی زندگی بسر کی۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "قریباً تیس سال تک ناصرہ خدا کے مجسم بیٹے کا مسکن رہا اور متبرک تاریخ میں اس عرصہ کے صرف ایک واقعہ کا پتہ ملتا ہے یا یوں کہیں سینتیس برس کے سبز باغ میں سے صرف ایک ہی پھول ہمکو نصیب ہوتا ہے"۔ (تاریخ بائیبل ص۲۶۳)

مسیح محمدیؑ۔

ابتدا سے گوشۂ خلوت رہا مجھ کو پسند
شہرتوں سے مجھ کو نفرت تھی ہر اک عظمت سے عار
(المسیح الموعودؑ)

مسیح ناصریؑ۔ علیحدہ مقام پر راتوں دُعا کرتے تھے۔ (تاریخ بائیبل ص۲۶۸)

مسیح محمدیؑ۔ کثرت سے دعائیں کرتے اور ہر وقت مسجد میں تلاوتِ قرآن فرماتے رہتے تھے۔ مزید برآں کہ اس دوران میں چھ ماہ تک لگاتار روزے بھی رکھے۔

مسیح ناصریؑ۔ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ایک معجزہ کے نتیجہ میں "لوگوں نے تعجب کرکے کہا کہ اسرائیل میں ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا"۔ (متی)

؎۱ سیرت مسیح موعود ص۴ مصنفہ حضرت مصلح موعود۔

مسیح محمدیؑ - جس وقت حضورؑ نے براہین احمدیہ تصنیف فرمائی تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:-

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالات کی نظر سے ایک ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آیندہ کی خبر نہیں - لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرًا"

(رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۹ ۶۱۱)

دعویٰ مسیحیت کا آغاز!

۱- یہودی تاریخ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام حضرت موسےٰ کی ولادت کے بارہ سَو بہتر[۱] برس بعد پیدا ہوئے اس کے مقابل ایک نہایت عجیب اور حیران کن مشابہت حضرت مسیح موعودؑ کو یہ حاصل ہوئی کہ آنحضرت صلعم کے دعوئ نبوت[۲] کے ٹھیک ۱۲۷۲ سال بعد خدا نے عزّ وجلّ کی طرف سے آپ کو عیسٰےؑ کے معزز خطاب سے بذریعۂ الہام سرفراز فرمایا گیا - اور عجیب تر امر یہ ہے کہ اگرچہ سلسلۂ الہامات کئی برس سے جاری تھا لیکن خدا تعالےٰ کی بے نظیر مصلحت کے موجب عیسٰی ابن مریم کا خطاب اس سے قبل آپ کو عطا نہیں کیا گیا، تا حضرت اقدسؑ کو زمانی لحاظ سے بھی ایک دوسرے رنگ میں مثیل مسیح ثابت کیا جاسکے - یہ ایک حیرت انگیز امر ہے اور طالب صادق انسانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے تعجب افزا نشان - لیکن کاش کوئی غور کرنے کے لئے تیار ہوسکے ؟

۲- اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اوّل پر اپنی بعثت کے ابتدائی ایام میں نہ کھلا تھا کہ خدا نے انہیں مسیح بنا کر بھیجا ہے - چنانچہ لکھا ہے کہ آپ نے اپنی بعثت کے دوسرے سال حواریوں کو پوچھا کہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں ؟ نیز دریافت کیا کہ تمہارے نزدیک میرا کیا مقام ہے - اس پر شمعون نے جواباً کہا کہ تُو مسیح ہے - اس موقعہ پر حضرت مسیح کہتے ہیں کہ تجھ پر خود خدا نے یہ راز منکشف فرمایا ہے - لیکن ہاں ابھی کسی سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں" (متی باب ۱۶) اسی طرح مسیح ثانی سے ہوا کہ پہلے دو سال تو حضورؑ کو اس بات کا قطعاً علم نہ تھا کہ آپ مسیح ہیں - بعد ازاں ۱۸۹۰ء کے آخر میں

[۱] بحوالہ تشحیذ الاذہان اگست ۱۹۲۰ء نیز جلد ۱۳ ۶۱۲ - [۲] آنحضرتؐ کی پیدائش بحساب سن عیسوی ۵۷۱ء ہے اور دعویٰ نبوت چالیس سال بعد یعنی ۶۱۱ء - اب ۶۱۱ء میں ۱۲۷۲ سال جمع کریں تو ۱۸۸۳ء بنتا ہے اور یہی وہ سال ہے جس میں سب سے قبل آپکو مسیح ابن مریم کے نام سے یاد کیا گیا ہے - مزید مشاہدہ کیلئے "تذکرہ" دیکھئے - منہ

جب وقت آیا تو خدائے علیم نے اس مخفی حقیقت کو آپ پر کھول دیا۔ (ملخصاً از تحفہ شہزادہ ویلز صفحہ ۵۹)

۳۔ متی باب ۲ آیت ۲ میں لکھا ہے کہ مسیح کی ولادت کے وقت ایک ستارہ طلوع ہوا جس کو دیکھ کر لوگ پورب سے اس پیدا ہونے والے بچہ کو تلاش کرتے ہوئے بیت اللحم میں آپہنچے۔ چنانچہ یہ مشابہت اس رنگ میں پوری ہوئی ...... کہ آنحضرت کے ارشاد کے مطابق مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عجیب قسم کا ذوالسنین[1] ستارہ آسمان پر دکھائی دیا اور پھر مزید یہ کہ پہلے ستارہ کی طرح یہ ستارہ بھی مشرقی جانب سے نمودار ہوا۔ اس کے علاوہ لوگوں کا پورب کی طرف سے مسیح ناصری کو دیکھنے کے لئے صرف اس بناء پر آنا کہ انہیں ایک نیا ستارہ نظر آیا تھا بیّن طور پر اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یقینی رنگ میں سابقہ صحائف میں اس علامت کی قبل از وقوع اطلاع دیدی گئی تھی۔ پس لامحالہ اس کے متعلق پیشگوئی موجود تھی۔ اسی امر کی طرح مسیح موعود کے زمانہ میں طلوع ہونے والے دنبالہ دار ستارے کی آنحضرت صلعم نے پہلے سے ہی خبر دیدی تھی۔

۴۔ مسیح ناصری بنی اسرائیل کے سب سے بڑے گھرانے کے ایک عظیم الشان نبی کے تابع تھے تو مسیح محمدی بنی اسماعیل کے شریف ترین خاندان میں مبعوث ہونیوالے بے نظیر رسول کی شریعت کے متبع تھے۔ ایک دوسرے پہلو کے لحاظ سے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح حضرت موسےٰ علیہ السلام کے تابع تھے اور حضرت اقدس مثیلِ موسےٰ کے۔

۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ "سید احمد صاحب کا وجود ہم سے قبل ایسا ہی تھا جیسا کہ عیسیٰ بن مریم سے قبل حضرت یحیٰی نبی کا وجود۔ انہوں نے سکھوں سے جہاد کیا اور مسلمانوں کو ان کے مظالم سے بچانے کی کوشش کی۔ مگر انگریزوں کے خلاف انہوں نے کوئی جنگ نہیں کی۔" (ذکر حبیب صفحہ ۲)

نیز ایک دوسرے رنگ میں یہی مشابہت حضور یوں بیان فرماتے ہیں:۔

"جس طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے پہلے یوحنا نبی خدا تعالیٰ کی تبلیغ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے اسی طرح ہم سے پہلے اس ملک پنجاب میں سید احمد صاحب توحید کا وعظ کرتے ہوئے سکھوں کے زمانہ میں شہید ہو گئے۔ یہ بھی ایک مماثلت تھی جو خدا تعالیٰ نے پوری کر دی۔" (ذکر حبیب صفحہ ۱۳۹)

۶۔ مسیح محمدی اور مسیح ناصری دونوں ہی اپنے متبوع نبی کی امت میں سے تیرہویں عظیم الشان

---

[1] اخبار جریدہ روزگار کلکتہ ستمبر ۱۸۸۲ء

خلیفہ ہیں۔ اور اگر زمانے کو مدنظر رکھا جائے تو یہ چودھویں صدی کے مامور ہیں۔

۷۔ یروشلم حضرت مسیح علیہ السلام کی تبلیغ کا مرکز تھا اور دوسری جانب قادیان کو بائیبل کی رو سے نیا یروشلم بتلایا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے:۔

"پھر میں نے ایک نئے آسمان اور نئی زمین کو دیکھا۔۔۔۔ پھر میں نے شہر مقدس نئے یروشلم کو آسمان پر سے خدا کے پاس سے اُترتے دیکھا" (مکاشفات باب ۲۱ آیت ۱۔ نیز یسعیاہ باب ۶۵ آیت ۱۷)

اس آیت میں "نئے یروشلم" کے الفاظ سے مسیح موعود کی اسی پاک بستی کی طرف ہی اشارہ مقصود ہے۔

۸۔ مسیح ناصریؑ بنی اسرائیل کے لئے خاتم نبوت تھے اور مسیح موعودؑ خاتم ولایت بالفاظ دیگر مسیح کے ظہور سے بنی اسرائیل سے نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو اِس مسیح کے نزول نے قریش سے امامت کا خاتمہ کر دیا اور وتسلب من قریش کی زبردست پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی۔

۹۔ مسیح ناصریؑ اپنے آپ کو غیر شرعی نبی ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں توریت[۱] کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ مکمل کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ اسی طرح مسیح موعودؑ کی بعثت کا مقصدِ وحید یہی تھا کہ اہل عالم قرآنی شریعت پر مکمل شکل میں کاربند ہو جائیں۔ مطلب یہ کہ آپ بھی جدید شریعت نہ لانے کے باعث ایک غیر شرعی نبی ہیں۔

۱۰۔ مسیح ناصریؑ کے زمانۂ بعثت کے وقت فلسطین وغیرہ میں سلطنتِ روما کے ماتحت طرزِ رہائش میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہو چکی تھی اور اس اعلیٰ انتظام کے نتیجہ میں کثرت سے سڑکیں تیار کی گئیں، قومی بندشوں کو یک دم توڑ کر وسیع تعلقات قائم کئے گئے، انصاف کے لئے مختلف عدالتیں قائم کی گئیں اور علمی لحاظ سے یونانی علوم عام رنگ میں مروج کرنے کے لئے کثرت کے ساتھ مدارس اور سکول کھولے گئے اور اس طرح خدا تعالیٰ نے مسیحیت کی ترقی کے لئے خود ہی سامان مہیا فرما دیئے اور نیز یہ امر بھی یاد رہے کہ باوجود اس غیر ملکی حکومت کے حضرت مسیح ناصریؑ ہمیشہ اس حکومت کے وفادار اور اس کے احکامات پر زندگی بھر کاربند رہے[۲]۔ ان انتظامات کے مقابل میں خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کے لئے سلطنت برطانیہ کو یہ شرف بخشا کہ جس طرح سلطنت روما نے یہ تمام آرام مہیا کئے اسی طرح اس نے بھی اپنی زیرِ سایہ رعایا کے مفاد کے لئے کسی طرح بھی فروگذاشت نہ کی

---

[۱] متی باب ۵ آیت ۱۷۔ [۲] تاریخ مسیحی کلیسا۔ کرسچن نالج سوسائٹی باب اوّل ص ۶۔۵

اور پھر مسیح موعود جیسے مقدس وجودوں نے اپنی تمام تر عمر اس رحمدل سلطنت کی اطاعت میں گذاری اور اس طرح اسے ایک ایسا فخر حاصل ہوسکا جس پر یہ سلطنت ہمیشہ کے لئے بجا طور پر ناز کرسکتی ہے۔

۱۱۔ مسیح ناصری نے اپنے مقابل احبار اور رُہبان کی تمام غلطیوں سے اطلاع بخشی اور مسیح محمدیؑ نے مفسرین و محققین اور اس کے علاوہ علماءِ سُوء کے غلط عقائد اور بے بنیاد مسائل کا مکمل بطلان کرکے حقیقت کو واضح کردیا۔

۱۲۔ خدائی الہام:۔

یٰعیسٰی اِنّی متوفّیک ورافعک ... الخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی نازل کیا گیا۔ اور یہ الہام جس کثرت سے ہوا اس کے متعلق حضورؑ اپنے ایک مکتوب میں یوں مطلع فرماتے ہیں:۔

"الہام اِنّی متوفّیک ورافعک الیّ اس قدر ہوا ہے جس کا خدا ہی شمار جانتا ہے۔ بعض اوقات نصف شب کے بعد فجر تک ہوتا رہا ہے۔" (مکتوبات جلد اول ص۶۳)

اس الہام کے علاوہ ولنجعلہٗ اٰیۃً للنّاس ورحمۃً منّا وکان امراً مقضیاً کا الہام بھی آپ کے الہامات میں سے ہے۔ قرآن مجید کے مذکورہ بالا الفاظ حضرت مریمؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی حضرت عیسیٰؑ کی روح افزا بشارت عطا کئے جانے کے موقعہ پر استعمال کئے گئے ہیں۔

۱۳۔ حضرتِ احدیت کا ارشاد ہے کہ:۔ اٰتینٰہ الانجیل کہ ہم نے مسیح علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی۔ اور عبرانی زبان میں اس لفظ کے معنی بشارت اور خوشخبری کے ہوتے ہیں۔ ان معنوں کے لحاظ سے درحقیقت قرآنی آیت و مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہٗ احمد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس بشارت کا مصداق مسیح محمدیؑ ہے۔ لیکن جہاں یہ بشارت حضرت عیسیٰؑ کو عطا ہوئی مسیح موعود علیہ السلام کو بھی خدائے علیم کی طرف سے اپنے ایک حُسن و احسان میں نظیر ہونے والے موعود کی پیدائش سے اطلاع دیتے ہوئے یہ فرمان نازل ہوا:۔

"سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام تجھے ملے گا وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذُریت و نسل ہوگا۔" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

---

۵۱ براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۱۶

گویا مسیح ناصریؑ کو اپنے بروز کی بشارت دی گئی اور مسیح موعودؑ کو اپنے مثیل[1] کی خوشخبری عطا ہوئی۔

نیز اگر انجیل سے مراد ایک کتاب لی جائے تو اس لحاظ سے بھی مسیح موعودؑ کو ایک مشابہت حاصل ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ ابتداء میں حضرت اقدسؑ کے متفرق الہامات و کشوف کا جو مجموعہ شائع ہوا اُسکا نام البشریٰ رکھا گیا۔ بہرکیف اِن ہر دو وجوہ کے مطابق مسیح موعودؑ مسیح ناصریؑ سے اس بارہ میں بھی مکمل مشابہت اور مماثلت رکھتے ہیں۔

۱۴۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح ناصریؑ کے مقابل پر مندرجہ ذیل چار گروہ ہی ایسے تھے کہ جو خاص طور پر اُن کے پیش کردہ دعویٰ کے مخاطب قرار دیئے جا سکتے ہیں:۔

اوّل:۔ فریسی لوگ جو احادیث کے پیش نظر تمام اعمال بجا لاتے تھے۔ اور انہیں اس بات کی قطعاً پرواہ نہ تھی کہ یہ مسائل کس حد تک الٰہی کتاب کے مطابق ہیں (انمو و منو افریڈ عند بائیکلے مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۰ء)

دوم:۔ فقیہی طبقہ جو علماء کے فتاویٰ کے تابع ہو کر آباء و اجداد کی تقلید میں مشغول تھے۔

سوم:۔ صدوقی فرقہ جنہیں جزاء اُخروی اور قیامت سے بھی انکار پہ اصرار تھا۔

چہارم:۔ اسینی جماعت جو بادیۃ الروٗ میں فقیروں کی مانند گوشہ نشین تھے لیکن دینی مسائل کو بہت کم پیش نظر رکھتے تھے۔ اعمال میں وہم ہی وہم تھا۔

مسیح موعودؑ کے مقابل پر شدید مخالف صرف چار ہی فرقے تھے جو عقائد کے لحاظ سے بھی ان فرقوں کے مشابہ ہیں:۔

اوّل:۔ اہلحدیث

دوم:۔ وہابی

سوم:۔ نیچری

چہارم:۔ صوفیاء اور گدی نشین حضرات

چنانچہ فرقہ اہلحدیث کے ایڈووکیٹ محمد حسین صاحب بٹالوی کا اس بارہ میں اپنا مذہب اُن کے ہی اپنے الفاظ

[1] حضرت اقدسؑ نے ازالہ اوہام صفحہ ۵۶ میں فرمایا ہے کہ "خدا تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریّت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی" اِس لحاظ سے مسیح موعودؑ کو عطا کردہ پیشگوئی مثیل مسیح کی آمد کے لئے بطور خوشخبری کے تھی۔ منہ

میں ملاحظہ ہو :-

"ہر چند قرآن کریم مرتبہ ثبوت میں حدیث سے مقدم ہے مگر حدیث صحیح منصب و خدمت تشریح و تفسیر میں قرآن سے مقدم ہے ۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ صفحہ ۲۹۶ حاشیہ)

"مولوی نذیر حسین صاحب نے اس بے بنیاد عقیدہ کے ثبوت میں حضرت امام شعرانی ؒ کی طرف مندرجہ ذیل الفاظ منسوب کئے ہیں ع۔ عذرِ گناہ بدتر از گناہ ۔

"اجتمعت الائمۃ علیٰ ان السنۃ قاضیۃ علیٰ کتاب اللہ"

(ایضاً جلد ۱۳ صفحہ ۲)

باقیہ فرقوں کے عقائد و اعمال اس معاملہ میں اتنے واضح ہیں کہ ہمیں اُن کے متعلق کسی مزید ثبوت کی قطعاً حاجت باقی نہیں رہ جاتی ۔

۱۵ - یہود سمجھتے تھے کہ مبعوث ہونے والا مسیح جبر و اکراہ کے ساتھ دیگر تمام اقوام کو فوراً تہِ تیغ کر کے ہمیں ہر قسم کی دولت و ثروت سے مالا مال کر دیگا۔ یہی خیال مسیح محمدی ؑ کے متعلق موجود نام نہاد مسلمانوں کے قلوب میں راسخ ہو چکا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایسے ہی موہوم خونی مہدی کی آمد نے انہیں صبح و شام عجیب طرح بیقرار و بے چین کر رکھا تھا۔

مخالفت کا خوفناک اور درد انگیز طوفان

ناظرین !! اب ہم مسیحین ؑ کے ابتدائی ادوار کے مقابلہ و موازنہ سے بکلی فارغ ہو جانے کے بعد ایک ایسے باب میں قدم رکھ رہے ہیں جس کے خونی صفحات تصور کی عمیق گہرائیوں کو متاثر کرتے ہوئے ایک حقیقت شناس انسان کی پیشانی کو بھی عرقِ انفعال سے تر کر دیتے ہیں ۔ یہ گرجنے والے خوفناک گھٹا ٹوپ بادلوں میں شرر بار شعلہ افگن برق اور دوسری طرف پُرخوف و خطر وادیاں جن میں سے خدا تعالےٰ کی طرف سے مبعوث ہونے والے ہر ا مور کو بصورت گذرنا پڑتا ہے کچھ ایسی وحشتناک داستانیں ہیں کہ اُن کا تخیل ہی انسانی جسم میں شدید کپکپی پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ اور اس کا خیال کرتے ہوئے روح بھی یک بیک بیقرار ہو کر کانپ اُٹھتی ہے ۔ جس کے نتیجہ میں ایک مضمحل پژمردہ دماغ انسان کو بھلا کہاں جرأت ہے کہ اُس کا تصور بھی کر سکے ۔ لیکن ہاں اس ہیبتناک پردہ کو ہٹائے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں اس لئے ناچار بادلِ ناخواستہ اسی پُرسوز نظارہ کے اندوہگین حالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے ہمیں ایک بار پھر اُن عجیب و غریب مشابہات و مماثلات کا ملاحظہ کرنا پڑیگا

جن کا آغاز مسیحیت کے دعویٰ سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

مسیح ناصریؑ خدائے قدوس کے اِس مقدس انسان کے ساتھ بدبخت یہود نے جو شرمناک ننگِ انسانیت اور ناروا سلوک روا رکھے اُن کے تصور سے آج بھی عقلِ انسانی صفِ ماتم بچھائے نہیں رہ سکتی۔ اُن شقی انسانوں نے فتوے تکفیر پر اکتفا نہ کرتے ہوئے انہیں واجب القتل قرار دیکر صلیب پر لٹکا دینے کی انتہائی جد وجہد کی۔ اور پھر اسی پر بس نہیں۔ آپ کے منہ پر تھوکا گیا اور آپؑ کے سر پر کانٹوں کا تاج پہناتے ہوئے طمانچے مارے۔ نیز تلواروں اور لاٹھیوں سے حملہ کیا اور سنگباری کی گئی۔ لیکن اِن لرزہ خیز واقعات کا ایک مرتبہ پھر دُہرایا جانا مقدر تھا۔ اسلئے

مسیح محمدیؑ انیس سو سال (۱۹۰۱) کے بعد مسیح محمدیؑ کی آمد کے ذریعہ سے آسمان نے دوسری مرتبہ یہ دہشتناک نظارہ دیکھا۔ اور گو یہ یہودی صفت مسلمان مسیح محمدیؑ کو صلیب پر چڑھانے میں تو کامیاب نہ ہو سکے تاہم مسیح موعودؑ کی مخالفت میں وہ اوباشانہ طریق اختیار کیا کہ رہتی دُنیا تک یاد رہے گا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر ان لوگوں کو ذرا سا اقتدار نصیب ہوتا تو یقینی امر تھا کہ مسیح موعودؑ کو بھی ان تمام مصائب سے حصہ لینا پڑتا۔ بہرحال حکومت تو حاصل نہ تھی لیکن ایک طریق ابھی ایسا موجود تھا جس کے ذریعہ ان گندے خیالاتؔ کا برملا اظہار کر کے مسیح موعودؑ کو بدنام کیا جا سکتا تھا۔ اور یہ ذریعہ اشتہارات تھے۔ چنانچہ اِن حقیقت ناشناس انسانوں نے اِسی ذریعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے اُن کمینہ حرکات کا مظاہرہ کیا کہ بدبخت یہود کو بھی مات کر دیا۔ چنانچہ آئندہ سطور میں بطور نمونہ مخالفین کی وہ تحریرات مختصراً پیش کی جاتی ہیں جو حضرت اقدس کے زمانہ دعویٰ مسیحیت کے ابتداء میں شائع کی گئی تھیں۔

"کذاب ہے۔ دین میں فساد ڈالنے والا ہے۔" (ذریۃ دجال ص۵)

"مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن نہ کیا جائے۔" (ایضاً ص۱۰)

"ملعون و شیطان ہے۔" (ایضاً ص۶)

"خدا اس کا منہ کالا کرے۔" (ایضاً ص۹۱)

"کیوں مرزا جی منہ اچھا کالا ہوا یا کچھ فرق ہے۔" (کتاب ضرب النعال علیٰ رأس مسیح الدجال)

ؔ اس امر کا اعتراف خود مسلمانوں کو بھی ہے۔ چنانچہ "اسلام" ۲۳ ستمبر ۱۹۳۳ء لکھتا ہے:-

"کاش اِس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ہوتی تو مسیلمہ وقت کو معلوم ہو جاتا کہ مسلمانوں کے متاعِ دین و ایمان کے ساتھ تغلب کرنا کیا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔"

"ارے او سن رسول قادیانی ÷ لعین و بے حیا شیطان ثانی
نچائینگے تجھے اک ناچ ایسا ÷ یہی اب ہے مصمم دل میں ٹھانی
نچائے ریچھ کو جیسے قلندر ÷ یہ کہہ کہہ کر تری مرجائے نانی"

(ضمیمہ شحنہ ہند ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵۴)

"اگر ہے کچھ بھی غیرت ڈوب مرجا ÷ بظاہر اس میں ہے آرام مرزا
گلے میں اب تمہارے رسہ پڑے گا ÷ سیاہ رو ہوگا پیش عام مرزا"

(قول صاحب سعد اللہ لدھیانوی)

"بہت تیرے الہام اور وحیوں پہ سب کی آج تھو
خوف طاعون سے لگا بیٹھا رہا کوٹھے پہ تو"

(اشتہار مسیح کاذب خاکدانی)

"لعنة اللہ علیٰ افترائک وعلیٰ کذبک بعدد ما خلق وبعدد ما فی علمہ تعالیٰ الف الف لعنة الی یوم القیٰمة۔ جتنی رذالت اور خباثت تمام دنیا کے رذیلوں میں ہے ان تمام کا مجموعہ آپ ہی ہیں۔"

(اشتہار مسنّد اس میں تبصرہ غلام رسول امرتسری)

"اس کی صورت مسخ ہے منہ اس کا کالا اور نیلے پیر ہیں۔" (اشتہار جبلی کی عجیب یادگار)

"جہاں کی تجھ پہ لعنت ہے میری بھی تجھ پہ لعنت ہے
کدھر ہے اب بھائی کہاں ہے اب یہ ہمدانی
یہ کہکر کھینچکر ڈاڑھی لگائیں خوب بڈھے کے
تڑا تڑ کھنچے سر پر ہوگئی جوتوں کی بارانی"

(گرگ کہن کادیانی اور اسکی جورو کی لڑائی)

حضرت مسیح موعود کے اشتہار مباہلہ بنام مولوی محمد حسین بٹالوی کے جواب میں ایک خبیث الفطرت انسان نے لکھا:-

"مولوی صاحب (محمد حسین بٹالوی) کچھ انعام (مباہلہ کے نتیجہ میں کسی قسم کے کوئی اثر نہ ہونے پر) نہیں لینا چاہتے اور بجائے اپنے جرمانہ یا انعام آٹھ سو پچیس روپیہ کے صرف ۸۲۵ جوتے حضرت اکذب کے سر مبارک پر رسید ہوں اور اس کفش کاری اور

پاپوشں باری کے بعد پھر گدھے کی سواری پر آپ کا جلوس نکلے اور آگے آگے آپ کے مخلص مرید بطور مرثیہ خوانی یہ مصرعہ پڑھتے جاویں ع یہ کھاتا جوتیاں سر پر مرا دیوانہ آتا ہے۔" (اشتہار دجال کادیانی کے مباہلہ کا جواب۔ سید ابو الحسن)

"اگر اب بھی جماعت کے دل میں کچھ زیادہ ہوس ہے تو اس کو گدھے پر سوار کر کے گدھے کی دم بجائے لگام اس کے ہاتھ میں دیدیں اور توے کی سیاہی پر ذرا تیل ڈال کر اس کے منہ پر لیپ کر دیویں یا اگر رنگ کا استعمال کریں تو وہ بھی بہتر ہے۔ کیونکہ وہ پائیدار ہوتا ہے۔ اور بٹالہ۔ امرتسر۔ لاہور اور سیالکوٹ میں اس کو پھرا دیں اور ایک نائب الشیطان ہر ایک چوک میں ٹھہرا کر اس کے سر پر دس دس جوتے رسید کرتا رہے اور آخری جوتے کے ساتھ ہی بڑے زور سے آواز دیا کرے کہ تلک عشرۃ کاملۃ اور باقی جماعت طبلہ بجاتی جاوے اور یہ پڑھتے جاویں ع مرسل یزدانی و عیسیٰ نبی اللہ شدی بازمے گوئی۔ اور جن کو فارسی زبان نہ آتی ہو وہ یہ شعر پڑھتے جاویں ؎

اڑاتا خاک ہے سر پہ گدھے پر خوب بیٹھا ہے
یہ کھاتا جوتیاں سر پر مرا دیوانہ آتا ہے "(لعنت آسمانی بر ابلیس قادیانی)[۲]

بعینہٖ ایسے ہی واقعات ہمیں حضرت مسیح ناصریؑ کی زندگی میں بھی موجود نظر آتے ہیں:۔

۱۔ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح ہونے کا دعویٰ پیش کیا سردار کاہن نے آپؑ کی شدید مخالفت کا بیڑا اٹھالیا۔ اسی طرح مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس دعوے کو سن کر مسیح موعودؑ کے خلاف کمربستہ ہوکر سردار کاہن کا پارٹ خوب ادا کیا۔

۲۔ ایک شریف منش یہودی نے مسیح علیہ السلام کے خلاف فتویٰ تکفیر لکھا اور بیت المقدس کے صدہا علماء نے اس پر دستخط کر دیئے۔ بعینہٖ یہی معاملہ مسیح موعودؑ کے ساتھ پیش آیا۔ کیونکہ مولوی محمد حسین نے ایک فتویٰ لکھا اور دیگر سینکڑوں علماء سے اس پر دستخط کروا کے اسے تمام ہندوستان بھر میں شائع کر دیا اور اس طرح یہ مشابہت بھی عجیب طور پر ظہور پذیر ہوئی۔

۳۔ مسیح علیہ السلام کو یہودی علماء نے دین میں رخنہ انداز قرار دے کر واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا۔ اسی طرح مسیح موعودؑ کو بھی واجب القتل قرار دیا گیا اور نہ صرف یہی بلکہ آپؑ کے قتل

---

[۱] اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ نمبر ۳ صفحہ ۴۵۔ فتویٰ شرعی صفحہ ۴

کی پے درپے جدوجہد بھی کی گئی۔ لیکن خدا نے خاص حفاظت فرمائی اور دشمن آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے۔

۴۔ یہودی لوگ مسیح علیہ السلام کو تمسخر انگیز لہجہ میں یوں مخاطب کرتے تھے کہ "یہ وہ بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا ہے۔" (مرقس) اسی طرح مخالفین نے حضرت اقدسؑ کے متعلق لکھا:۔

ا۔ "اجی یہ تو پھٹا ہؤا ٹاٹ ہے۔" (اظہار مخادعت صفحہ ۱۹)

ب۔ "جب یہ تاویلات صحیح مان لی جائیں تو پھر میاں کادیانی کو کیا ترجیح ہے کہ وہ مسیح موعود مانا جائے جس کو نہ علم ہے نہ فضل۔ نہ خاندان نہ عزت ہے۔ اگر مسیحائی کا ایسا ہی بازار گرم ہے تو اور اچھے اچھے شخص اس کے مستحق ہیں۔"

(نفاق نامہ کا دوسرا تذکرہ صفحہ ۳ حاشیہ)

۵۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بارہ حواری تھے۔ اس کے مقابل پر اگرچہ خدا تعالےٰ نے لاکھوں انسانوں کو آپؑ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ تاہم حضرت اقدسؑ کی زندگی میں ایک دوسرے لحاظ سے یہ مشابہت بھی آپؑ میں موجود نظر آتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جب مسیحیت کے دعویٰ کی وجہ سے تمام ہندوستان میں ایک خوفناک طوفان بےتمیزی پیدا ہؤا تو حضورؑ ۲۸ ستمبر ۱۸۹۱ء کی صبح کو دہلی پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی جامع مسجد میں مولوی نذیر حسین صاحب کیساتھ آپ کا مباحثہ قرار پایا۔ لیکن مباحثہ کے سب شرائط مخالفین نے خود ہی طے کر لئے اور آپ کو کوئی اطلاع نہ دی گئی۔ عین اسوقت حکیم عبدالمجید صاحب اپنی گاڑی لے کر آ گئے اور کہا چلئے مسجد میں مباحثہ ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ہمیں اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی گئی اور نہ ہم سے کوئی مشورہ طلب کیا گیا۔ اس لئے ایسے فساد کے موقع پر جب تک سرکاری انتظام نہ کیا جائے ہم جانے کے لئے تیار نہیں۔ حضورؑ کے اس جواب پر مسجد کا تمام مجمع اور بھی مشتعل ہو گیا۔ اس موقعہ پر باوجود جماعت کے انتہائی اصرار کے حضورؑ جامع مسجد میں جا پہنچے اور اُس وقت آپ کے ساتھ بارہ ہی دوست تھے۔[۵]

۶۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰؑ نے کئی مرتبہ یہودی علماء سے مناظرے کئے۔ مسیح موعودؑ نے بھی کئی بار مناظرے کئے۔ مثلاً:۔

۱۸۹۱ء لدھیانہ۔ مولوی محمد حسین بٹالوی سے

۱۸۹۲ء لاہور۔ عبدالحکیم کلانوری سے

۱۸۹۳ء امرتسر۔ مسٹر عبداللہ آتھم سے

۵ ملخص "سیرۃ مسیح موعودؑ" مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۲۲

۷۔ حضرت مجدد الف ثانی (مکتوبات ...) میں فرماتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں سورج کو کامل طور پر گہن لگا۔ اسی طرح احادیث کے مطابق ۱۸۹۴ء میں سورج اور چاند دونوں کو گہن لگا۔

۸۔ حضرت مسیح ناصری کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایدنٰہ بروح القدس مسیح موعودؑ کی تمام زندگی میں روح القدس کی تائید بکثرت نظر آتی ہے۔ ایسے مواقع کا مکمل بیان ممکن نہیں جلسۂ مذاہب میں حضورؑ کی شائع کردہ وحی کے مطابق آپ کے مضمون کا فائق طور پر غالب رہنا، اعجاز المسیح کے مقابل پر مخالفین کا ساکت و صامت رہ جانا اور طاعون کا آپ کی چاردیواری اور بالخصوص آپ کے وجود سے عمر بھر دور رہنا "خطبہ الہامیہ" جیسے فصیح و بلیغ خطبہ کو بغیر تیاری کے فی البدیہہ پڑھ دینا وغیرہ۔ غرضیکہ سینکڑوں امور اس تائید کے زندہ گواہ ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حقیقۃ الوحی)

۹۔ حضرت مسیح کا ایک حواری یہودا اسکریوطی مرتد ہو گیا تھا اور مسیح موعودؑ کی جماعت سے بھی عبدالحکیم اور چراغدین وغیرہ نے سلسلہ ارتداد اختیار کیا۔

۱۰۔ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ نے ایک آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"اے آدمی تیرے گناہ معاف ہوئے۔ اس پر فقیہہ اور فریسی لوگ سوچنے لگے کہ یہ کون ہے جو کفر بکتا ہے۔ سوا خدا کے اور کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔" (لوقا باب ۵)

یہی اعتراض مسیح موعودؑ کے مخالفین بہشتی مقبرہ کے نظام پر کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شدید مخالف نے "سیاست" میں لکھا تھا:۔

"اگر قادیان کے بہشتی مقبرہ میں ... دینے سے جنت الفردوس کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہو تو دیہاتی لوگ اسے مہنگا سودا تصور نہیں کرتے۔"

(سیاست ۶ جنوری ۱۹۲۴ء بحوالہ الفضل ۵ فروری ۱۹۲۴ء)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کئی معجزات عطا فرمائے تا یہودی لوگ آپ کے تعلق باللہ اور حقانیت وصداقت کے زندہ نشانوں سے مطلع ہو سکیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے مقابل خدا تعالیٰ نے ہزار درجہ زیادہ نشانات کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعودؑ کی سچائی کے ہزاروں آسمانی گواہ پیدا کر دیئے۔ اور یہ نشانات اور پیشگوئیاں اس کثرت سے عطا کی گئیں کہ حضرت اقدسؑ نے پوری تحدی کے ساتھ باواز بلند اعلان فرمایا کہ:۔

"اگر کوئی مخالف خواہ عیسائی ہو خواہ بگفتن مسلمان۔ میری پیشگوئیوں کے مقابل پر

اُس شخص کی پیشگوئیوں کو جس کا آسمان سے اُترنا خیال کرتے ہیں یقین اور ہدایت کے مرتبہ پر زیادہ ثابت کر سکے تو میں اُس کو نقد ایک ہزار روپیہ دینے کو طیار ہوں۔"
(تذکرۃ الشہادتین ص۴۲)

(پوری بسط و تفصیل کے لئے حضرت اقدسؑ کی کتاب "حقیقۃ الوحی" ملاحظہ ہو)

۱۲۔ باوجود شدید مخالفت اور انتہائی دردانگیز مشکلات میں سے گذرنے کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کے فضل سے اور اس کے وعدوں کے مطابق عظیم الشان فتح نصیب ہوئی اسی طرح ایک طرف حضرت اقدسؑ نے اِس امر کا اعلان فرمایا۔

"یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونیوالی روح نہیں اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں ..... کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا کبھی نہیں چھوڑیگا کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ۔ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دیگا۔" (انوار الاسلام ص۱۲)

تو دوسری طرف مولوی محمد حسین بٹالوی نے یہ تعلّی کی :۔

"اشاعۃ السنّہ کا فرض اور اس کے ذمہ ایک قرض تھا کہ اُس نے جیسا کہ دعاوی قدیمہ کی نظر سے آسمان پر چڑھایا تھا ویسا ہی دعاوی جدیدہ کی نظر سے اُس کو زمین پر گرا دے۔" (اشاعۃ السنّہ جلد ۹ ص۱۴۳)

لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی کی انتہائی جدوجہد اور پے در پے شبانہ روز کوششوں کے علاوہ دیگر علماء کی شدید ایذادہی اور عوام کی شرمناک اشتعال انگیز مخالفانہ کارروائیوں کے باوجود آخر کون غالب رہا ؟ اِس سوال کا جواب خود مولوی محمد حسین بٹالوی کے الفاظ میں یہ ہے :۔

"اب جو تک تمام مسلمان اجتماعی طور پر حضرت علیؓ کے بازوئے خیبر شکن سے کچھ طاقت مستعار لیکر لگاتار اِس فتنۂ قادیانیہ کے استیصال کے لئے انتہائی کوشش نہ کرینگے کچھ نہ ہوگا۔" (زمیندار ۱۹ر اکتوبر ۱۹۳۲ء)

"اب" اور "تمام" کے ساتھ "اجتماعی طور پر" اور پھر "حضرت علیؓ کے بازوئے خیبر شکن" کا بیان۔ اور اس کے بعد "لگاتار" اور "انتہائی" کے الفاظ کا ایک ایک جزء مایوسی اور ناامیدی کی مجسم تصویر ہے اور محمد حسین بٹالوی کی انتہائی ناکامی کا صریح ثبوت !

مقدمۂ قتل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک نہایت عجیب مماثلت یہ بھی ہے کہ جس طرح مسیح کو پیلاطوس کی عدالت میں لے جا کر آپ پر مقدمہ چلایا گیا اسی طرح حضور کو بھی ایک ایسے مقدمہ کے ضمن میں جو اگرچہ ایک عیسائی کی طرف سے تھا تاہم دیگر تمام مخالفین بھی درپردہ حضور کے قتل کئے جانے پر مستعد تھے اڈگلس کی عدالت میں جانا پڑا لیکن یہ مشابہت یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس مقدمہ کے بعض عجیب و غریب پہلو ایسے بھی موجود ہیں جو مسیح علیہ السلام کے مقدمہ سے حیرت انگیز طور پر مطابقت رکھتے ہیں مثلاً :-

۱۔ مسیح علیہ السلام کو یہوداہ اسکریوطی نے پکڑوایا تھا۔ اور یہ شخص آپ کے متبعین میں سے تھا اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام کے مقابل پر۔ اقدام قتل کی گواہی دینے والا شخص جس کا نام عبدالحمید تھا اپنے آپ کو حضرت اقدس کے مبائعین میں سے شمار کرتا تھا۔

۲۔ لوقا باب ۲۳ آیت ۵ تا ۷ میں مذکور ہے کہ جس وقت پیلاطوس کو معلوم ہوا کہ مسیح گلیل کا رہنے والا ہے اور اس وجہ سے مقدمہ کی سماعت کا اختیار گلیل کے حاکم ہیرودیس کو ہے تو اُسنے مسیح کو اُس کے پاس بھیج دیا۔ لیکن ہیرودیس نے جو اس وقت یروشلم میں مقیم تھا کچھ تحقیق کے بعد اُسے واپس پیلاطوس کی طرف روانہ کر دیا۔ بعینہٖ اسی کے مانند جس وقت حضور پر امرتسر کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا گیا تو اے۔ جی مارٹینو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر نے یہ خیال کر کے کہ حضرت اقدس ضلع گورداسپور کے باشندہ ہیں وارنٹ گرفتاری جاری کرنا روک دیا اور لکھا کہ "یہ مقدمہ میرے اختیار میں نہیں اس لئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کے پاس کارروائی کے لئے بھیجا جاوے" لیکن جیسا کہ ایم ڈبلیو ڈگلس نے بیان کیا کہ اس مقدمہ کا تمام اختیار خود مجسٹریٹ امرتسر کو بھی حاصل حاصل تھا کیونکہ وقوعہ وہاں کا ہی تھا۔ پس باوجود اختیار حاصل ہونے کے مجسٹریٹ امرتسر نے وہ مقدمہ گورداسپور میں بھیج دیا اور یہی امر مسیح علیہ السلام کے مقدمہ میں درپیش ہوا۔ خلاصہ یہ کہ مسیح کا مقدمہ ایک عدالت سے دوسری عدالت میں منتقل ہوا۔ ایسا ہی حضرت اقدس کا مقدمہ امرتسر کے ضلع سے گورداسپور کے ضلع میں منتقل ہوا۔

۳۔ مسیح کے مقابل پر تمام کاہن، شیوخ، فقیہی اور فریسی تھے اسی طرح حضور کے خلاف گواہی دینے والے بھی مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔ (مرقس ۱۵)

۴۔ مسیح کے خلاف یہودا اسکریوطی نے گواہی دی تو اِس موقعہ پر مسلمانوں کے علماء میں سے مولوی محمد حسین بٹالوی آپؑ کے خلاف شہادت دینے کے لئے عدالت میں حاضر ہوا۔

۵۔ مسیح کے گرفتار کروانے کے لئے سردار کاہن نے شور مچایا تھا کہ مسیح سلطنت رومی کا باغی ہے، وہ خود سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایسا ہی محمد حسین بٹالوی نے محض شرارت سے شور مچایا کہ یہ شخص بادشاہ بننا چاہتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ میرے مخالف جس قدر سلطنتیں ہیں سب کاٹی جائیں گی۔

۶۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق مقدمہ کے وقت کہا گیا "یہ کافر ہو گیا ہے۔ یہ کلمۂ کفر کہہ چکا ہے۔ اسی طرح مولوی محمد حسین بٹالوی نے بیان کیا کہ "میں مرزا صاحبؑ کو مسلمان نہیں سمجھتا دہریہ ہے"

۷۔ جس روز مسیح کا فیصلہ ہوا ایک چور بھی گرفتار ہو کر سزا یاب ہو گیا اُس چور کا نام باراباس لکھا ہے (لوقا ۲۳/۱۹۔ یوحنا ۱۸/۴۰) یہ چور پیلاطوس کا ہم مذہب تھا۔ اسی طرح ۲۳ راگست ۱۸۹۷ء اسی گھڑی جبکہ حضورؑ عدالت میں موجود تھے ایک مکتی فوج کے ایک عیسائی نے بوجہ چوری کے تین ماہ کی قید کی سزا پائی۔

۸۔ جس طرح سردار پیلاطوس نے سردار کاہن کی بکواس پر ذرا بھی التفات نہ کی اور سمجھ لیا کہ یہ شخص مسیح کا پکا دشمن ہے۔ اسی طرح کپتان ایم ڈگلس صاحب نے محمد حسین بٹالوی کے بیان پر کچھ بھی توجہ نہ کی اور اس کے اظہار میں لکھ دیا کہ "یہ شخص مرزا صاحبؑ کا پکا دشمن ہے"۔ اور پھر اخیر حکم میں اس اس کے اظہار کا ذکر تک نہیں کیا اور بالکل بیہودہ اور خود غرضی کا بیان قرار دیا۔

۹۔ جس طرح مسیح علیہ السلام کو گرفتاری سے قبل بذریعہ الہام پہلے اطلاع مل چکی تھی کہ دشمن تجھے گرفتار کر کے تیرے خلاف قتل کی سازشیں کریں گے ایسا ہی خدا نے اِس مقدمہ کے متعلق بھی حضرت اقدسؑ کو پہلے سے ہی خبر دے دی تھی۔

۱۰۔ پیلاطوس نے مسیح علیہ السلام کے متعلق یوں فیصلہ کیا کہ "میں اِس شخص میں کوئی گناہ نہیں دیکھتا"۔ (یوحنا ۱۹/۴) اسی طرح ڈگلس نے حضرت اقدسؑ کو بالکل "بَری" کر دیا۔ یہ دونوں الفاظ بالکل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ ہاں اس قدر فرق ضرور ہے کہ پیلاطوس اِس قول پر قائم نہ رہ سکا۔ اور جب اُسے کہا گیا کہ قیصر کے پاس تیری شکایت کریں گے تو اُس نے ڈر کر عمداً مسیح علیہ السلام کو خونخوار یہودیوں کے حوالہ کر دیا۔ گو وہ مسیح کا سخت معتقد ہونے کی وجہ سے اس سپردگی کے باعث سخت غمگین تھا لیکن یہودیوں کا شور و غوغا دیکھ کر بزدلی اُس پر غالب آگئی۔ ہاں اُس نے در پردہ مسیح کی رہائی کے

متعلق جان توڑ جدوجہد جاری رکھی۔ اور اس سعی میں وہ ایک حد تک کامیاب ہو گیا۔ اور مسیح ابن مریم باوجود صلیب پر غش کھا جانے کے عجیب طور پر بچا لئے گئے۔ اور یہ رہائی اُن کی قبولیت دُعا کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ انجیل میں لکھا ہے:۔

"Who in the days of flesh, when he had offered up prayers and supplication with strong crying and tears unto him that was able to save him from death, and was heard in that he feared."

(Hebrews Chapter V)

یعنی اس نے اپنی بشریت کے ایام میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دُعائیں کیں جو اسے موت سے بچا سکتا تھا۔ اور خدا ترسی کے سبب اُس کی سُنی گئی"۔ (عبرانیوں ۵)

۱۱۔ متی باب ۴ میں لکھا ہے کہ شیخ نجدی[ف] (شیطان) حضرت عیسٰے علیہ السلام کو مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس نے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے کیونکر لکھا ہے "وہ تیری بابت فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے"۔ اس موقعہ پر حضرت عیسٰی کا یہ جواب مذکور ہے کہ اے شیطان دُور ہو میں اپنے خدا کو آزمانا نہیں چاہتا اور عجیب تعجب انگیز امر یہ ہے کہ بعینہٖ اسی قسم کا ایک واقعہ مسیح محمدی کے ساتھ بھی پیش آیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شیخ نجفی نے ۱۸۹۷ء میں حضرت اقدس کی صداقت کے لئے ایک یہ امر پیش کیا کہ "آیئے! کہ مسجد لاہور کے مینارہ شاہی سے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کُود دیں۔ کاذب خود ہلاک ہوگا صادق بچے گا"۔ (اشتہار ذوالفقار حیدر کرار سلطان علی شیعہ)

لیکن حضرت اقدس نے اس تجویز کو رد کرتے ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح کہا کہ مجھے اپنے خدا کی آزمائش منظور نہیں۔ چنانچہ حضور اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"شیخ الاسلام در اشتہار خود سوئے من اشارت کردہ می نویسندہ کہ ما و شما

[ف] "شیخ نجدی"۔ اس لفظ کے متعلق غیاث اللغات میں لکھا ہے کہ:۔
"شیخ نجدی لقب شیطان است" (ص ۲۵۰ دیکھو لفظ مذکور)

دست و ربدنگے داده انداز منارہ مسجد شاہی لاہور خود را افرو افگنیم۔ ہر کہ صادق باشد محفوظ خواہد ماند۔ عجیب سوال است کہ در دُنیا دو مرتبہ واقعہ شدہ۔ از عیسیٰ ابن مریم شیخ نجدی ایں سوال کردہ بود و از من شیخ نجفی زہے مناسبت۔

حاشیہ۔ پس جواب ما ہماں است کہ عیسٰے علیہ السلام شیخ نجدی را دادہ بود۔ انجیل را بہ بینید تسلی خود فرمائید۔ منہ"

(اشتہار یکم فروری ۱۸۹۷ء)

۱۲۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مُردوں کو اپنے مُردے دفن کرنے دو۔ (متی ۸) اور اس طرح آپؑ نے اپنے متبعین کو اپنے مخالفین کے جنازے پڑھنے سے منع کر دیا اور یہی ارشاد اپنے مخالفین کے متعلق حضرت اقدسؑ کا ہے۔"

۱۳۔ حضرت اقدسؑ نے اعلان فرمایا:۔

"حدیثوں میں پہلے سے لکھا گیا تھا کہ جب مسیح آئے گا تو دین کے لئے لڑنا حرام کیا جائے گا۔ سو آج سے دین کے لئے لڑنا حرام کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص دین کے لئے تلوار اُٹھاتا ہے اور غازی نام رکھکر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لہٰذہ مسیح موعود اپنی فوج کو اِس ممنوع مقام سے پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیتا ہے۔ جو بدی کا بدی سے مقابلہ کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اپنے تئیں شریر کے حملہ سے بچاؤ۔ مگر خود شریرانہ مقابلہ مت کرو۔" (اشتہار ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء)

بعینہٖ یہی تعلیم حضرت عیسٰی السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے پیش فرمائی۔

۱۴۔ حضرت مسیح نے اپنی صداقت کے لئے ایلیا نبی کی وفات کو پیش کیا اور مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات کو اپنے دعویٰ کے لئے بطور ثبوت پیش فرمایا۔

۱۵۔ پادری جیمز جی۔ ڈی۔ ڈی مسیح ناصریؑ کے زمانہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

"ان ایام میں بہت سے حادثے وقوع میں آئے۔ بھونچال اور پانی کا سیلاب کال اور مری بہت جگہوں میں تھی جس کے سبب لکھوکھا آدمی ہلاک ہوئے ایسا ہی ایک قسم کا طاعون بھی پھیلا جس سے اتنی اموات ہوئیں کہ شہر اور گاؤں ویران ہوگئے۔" (تاریخ کلیسا صفحہ ۳۰)

یہ تمام حوادثات خوفناک طور پر مسیح موعودؑ کی مخالفت کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہوئے۔

۶ا۔ مرقس باب ۳ آیت ۲۱، ۲۲ میں لکھا ہے :۔

"اور فقیہہ جو یروشلم سے آئے تھے یہ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ بعلزبول رہتا ہے۔"

اسی طرح شحنہ ہند میرٹھ نے حضرت اقدسؑ کے متعلق لکھا :۔

عنوان :۔ "ایک روحانی پھبتا یا پیر"

"مسلام اور اس امر کی مبارکباد ہے کہ قادیانی کے سر پر جو ایک گندی روح کا خبیث بھتا سوار ہو رہا ہے تو آپ براہ ہمدردیٔ اسلام اس کے اتارنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اگرچہ اس اخبث العفاریت کی شرارتوں اور خباثتوں اور پلیدیوں کے روکنے کے واسطے ..... جناب مولٰنا مولوی محمد حسین صاحب قدس سرہ نے اوّل اوّل تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک شروع کی تھی۔ پھر اکثر ہمدردانِ اسلام نے چاہا کہ اس عزیز مایوس العلاج کو اُس عفریت مردم خوار کے پنجوں سے رہائی بخشیں اس لئے پڑھنتیں پڑھی گئیں۔ حقے سنگھائے گئے۔ روحانی طمانچے مُنہ پر لگائے گئے مگر وہ پلید خبیث مرزا کو کچھ ایسے پنجے جھاڑ کر جھاڑ کی طرح لپٹا کہ.. ..... سرتا قدم سب پر غالب آگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

(ضمیمہ ۲۴ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

۷ا۔ مسیح محمدی اور مسیح ناصری کے متفرق اقوال پر اگر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے۔ تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کی طرز تحریر میں بھی بہت حد تک مشابہت و مماثلت موجود ہے مختصر طور پر ذیل میں چند تحریرات حضرت اقدسؑ کی پیش کی جاتی ہیں اور اس کے مقابل حضرت مسیح علیہ السلام کے اقوال کو رکھا جاتا ہے۔

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام	حضرت مسیح محمدی علیہ السلام
(۱) مَیں دُنیا کا نور ہوں۔ (یوحنا)	مَیں وہ پانی ہوں جو اُترا آسماں سے وقت پر مَیں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار
(۲) اپنی جماعت کے لئے رائی کے دانے کی تمثیل پیش کی۔ (لوقا)	"مَیں تو تخم ریزی کرنے کے لئے آیا ہوں۔ سو وہ بیج بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا۔" (تذکرۃ الشہادتین)

(۳) پہاڑی وعظ

(۴) "مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک تو کوڑی کوڑی ادا نہ کریگا وہاں سے ہرگز نہ چھوٹیگا۔" (متی)

(۵) "لومڑیوں کیلئے بھٹ ہیں اور ہوا کے پرندوں کیلئے گھونسلے مگر ابن آدم کو سر دھرنے کی جگہ نہیں۔"

(۶) "اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا مانگو۔"

(۷) "اسی طرح تم بھی جب ان سب باتوں کا جن کا تمہیں حکم ہؤا تو کہو کہ ہم نکمے نوکر ہیں۔"

پہاڑی وعظ کے مقابل پر حضرت اقدسؑ کی تعلیم مندرجہ کشتی نوح۔

یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف
قرض ہے واپس ملیگا تجھ کو یہ سارا ادھار
کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار
گالیاں سُن کے دُعا دو پاکے دُکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

"سچے ہوکر جھوٹوں کی طرح تذلّل اختیار کرو۔"

۱۸۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے موعد متبعین کو ان کے مصائب کے باعث قرآن مجید میں اصحاب کہف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔

"اصحاب الکھف اعوان المھدی۔"

(عن ابن عباسؓ درمنثور بحوالہ ابن مردویہؒ)

۱۹۔ حضرت مسیحؑ کے مبائعین کے متعلق لکھا ہے:۔

"یہودی ایکا کر چکے تھے۔ کہ اگر کوئی مسیح کی مسیحیت کا اقرار کرے۔ تو عبادت خانہ سے خارج کردیا جاوے۔" (یوحنا $\frac{9}{22}$)

اس کے مقابل پر خود مخالفین سلسلۂ مسیح موعود کا اقرار موجود ہے:۔

"پس مخفی نہ رہے کہ باعث اس صلح نامہ کا یہ ہے کہ جب طائفہ مرزائیہ امرتسر میں بہت خوار و ذلیل ہوئے۔ جمعہ و جماعت سے نکالے گئے اور جس مسجد میں جمع ہوکر نمازیں پڑھتے تھے اس میں سے بے عزتی کے ساتھ بدر کئے گئے۔ اور جہاں قیصری باغ میں نماز جمعہ پڑھتے تھے وہاں سے حکماً روکے گئے تو نہایت تنگ ہوکر مرزا قادیانی سے اجازت مانگی کہ مسجد نئی تیار کریں ۔۔۔۔ اور نیز اور بہت قسم کی ذلتیں اٹھائیں۔ معاملہ و برتاؤ مسلمانوں سے بند ہوگیا۔ عورتیں منکوحہ و مخطوبہ بوجہ مرزائیت کے چھینی

گئیں۔ مُردے اُن کے بے تجہیز وتکفین اور بے جنازہ گڑھوں میں دبائے گئے وغیرہ وغیرہ۔" (اظہار مخادعت مسیلمہ ثانی ص۲)

۲۰۔ یہود مسیح علیہ السلام کے مبائعین کو "ناصریوں کا بدعتی فرقہ" قرار دیتے تھے۔ ہمارے مخالف ہمیں "قادیانیوں" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اسی طرح لوگ ہمیں بدعتی بھی قرار دیتے ہیں:۔

"جو صاحب عالم مرزائیوں اور دیگر مبتدع فی الدین کے ساتھ بحث کرنا چاہے ....الخ (ایضاً ص۶)

"یہ فرقہ ابو جہلیہ مخذول ومطرود وملعون تعداد میں دو سو تک۔ الخ (ایضاً ص۱۲)

۲۱۔ مسیح فرماتے ہیں:۔

"بلکہ وہ وقت آتا ہے کہ جو کوئی تم کو قتل کرے گا وہ سمجھے گا کہ میں خدا کی خدمت کرتا ہوں۔" (یوحنا ۱۶/۲)

چنانچہ اسی اعتقاد[1] کے مطابق سنہ ۱۹۰۳ء میں جماعت احمدیہ کی ایک بزرگ ترین ہستی کے ساتھ وہ دردناک

---

[1] مولوی مرتضیٰ حسن کا فتویٰ یہ ہے "اگر کسی اسلامی سلطنت کا ایسا فرقہ ہو تو تین دن کے اندر واجب القتل ہے۔" (بحوالہ الفضل ۲۳ر اپریل ۱۹۲۲ء)

اخبار کشمیری ۲۸ر نومبر ۱۹۲۴ء نے مخالفین کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:۔

"احمدی جماعتوں میں ہزار عیب سہی وہ مذہب کے رو سے سنگساری کے لائق سہی۔"

"کشمیر میں الہامی طاعون کے چوہے (احمدی) ہمارے موجود ہیں جن کی ہلاکت کیلئے جدوجہد کرنا صحت عامہ کے لئے ضروری ہے۔" (اسلام ۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۳ء)

"اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت سے ...... ان طاعونی چوہوں کی گرفتاری کیلئے فولادی پنجرے تیار کر لئے ہیں توقع ہے کہ خدا کے فضل وکرم سے رینگنے والے جانوروں کا یہ موذی گروہ بہت جلد زندہ درگور ہو جائے گا۔" (اسلام ۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۳ء)

حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"مسیح علیہ السلام کو صلیب کا واقعہ پیش آیا اور خدا تعالیٰ نے انہیں اس سے نجات دی ہمیں بھی اسکی مانند صلیب یعنی پیٹھ کے متعلقات کے درد سے وہی واقعہ جو پورا موت کا نمونہ تھا پیش آیا خدا تعالیٰ نے ہمیں اس سے عافیت بخشی۔" (اخبار الحکم ۱۰ر مئی ۱۹۰۲ء)

واقعہ پیش آیا جس کے ابتدائی حالات کو ہی سُن کر آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ پُر درد واقعہ حضرت مولینا سید عبداللطیف صاحب رضی اللہ عنہ کی روح فرسا شہادت ہے ور آپ کے بعد کئی دیگر عاشقین مسیح کو بھی جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

۲۲۔ حضرت مسیح ناصریؑ نے آنے والے پُرخطر ایام کی بایں الفاظ خبر دی :-

"پھر تو ان بڑی بڑی عمارتوں کو دیکھتا ہے۔ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہیگا "پس دُعا مانگو کہ تمہیں جاڑوں میں یا سبت کے دن بھاگنا نہ پڑے۔ کیونکہ اسوقت ایسی مصیبت ہوگی کہ دُنیا کے شروع سے نہ اب تک ہوئی نہ کبھی ہوگی اور اگر وہ دن گھٹائے نہ جاتے تو کوئی بشر نہ بچتا۔ مگر برگزیدوں کی خاطر وہ دن گھٹائے جائیں گے" (متی ۲۴)

حضرت مسیح موعودؑ نے بھی آئندہ عدیم المثال تباہی کی بارہا مختلف طریق سے اطلاع دی۔

وفات حسرت آیات!

۱۔ الہام خداوندی اِنِّی متوفیک۔ الخ کے مطابق دونوں مسیح طبعی موت سے فوت ہوئے[1]

۲۔ یہود نامسعود نے انتہائی خباثت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بنا پر کہ مسیح ہمارے ذریعہ سے مصلوب ہو چکے ہیں۔ آپؑ کی موت کو لعنتی موت قرار دیا۔ اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے متعلق جہاں دیگر ہندو مسلم اور عیسائی اخبارات نے کمال دیانتداری سے شاندار آرٹیکلز لکھے وہاں ایک ایسے اخبار میں جس کا ایڈیٹر بھی احمدیوں کے مقابل اپنا اور دیگر تمام مسلمانوں کا یہودی[2] ہونا تسلیم کر چکا ہے۔ ایک بد باطن انسان نے حضرت اقدسؑ کی وفات کا

---

[1] نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب متوفیک کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں :-
"پھر خدا نے انکو اٹھالیا یعنی اپنی طبعی موت سے مر گئے۔" (حضرت عیسٰی اور صلیب ص ۲)

[2] مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں :-
"ہمارا اور مرزائیوں کا فرق عیسائیوں محمدیوں یا موسائیوں (یہودیوں) کا سا ہے جس طرح ان دونوں میں یہ تمیز ہے کہ ایکدوسرے سے ایک رسول زیادہ مانتا ہے اسی طرح قادیانی اُمت ہم سے زیادہ مرزا صاحب کو رسول مانتے ہیں۔" (اہلحدیث ۲۸ اپریل ۱۹۱۱ء)

مندرجہ ذیل اوباشانہ اشعار میں تذکرہ کرکے اپنی گندی ذہنیت کا نمایاں ثبوت پیش کر دیا ہے ؎

گھٹا حسرت کی اس کی قبر پر ہر دم برستی ہے ÷ نہیں زیر لحد کچھ بھی عفونت کے سوا باقی
وہ مرنا میرزا کا جیتے جگتے آہ غربت میں ÷ وہ عبرتناک نقشہ تھا جو ہر دن تک رہا باقی

(اہلحدیث ۱۹ رجنوری ۱۹۰۹ء)

۳۔ طبقات کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۶ میں حضرت مسیح ناصری کی وفات کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"لقد قبض الليلة التی عرج فيها بروح عيسى ابن مريم ليلة سبع وعشرين من رمضان"

کہ حضرت مسیح ۲۷ رمضان کو فوت ہوئے۔ ادھر مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کی وفات کے سلسلہ میں ایک الہام یہ بھی ہوا کہ "ستائیس کو ایک واقعہ ہمارے متعلق"۔

(بدر جلد ۶ صفحہ ۵ ۴۲)

چنانچہ حضرت اقدسؑ کو مطابق الہام بتاریخ ستائیس مئی ۱۹۰۸ء وفات کے بعد قادیان میں لاکر دفن کیا گیا۔ اور اس طرح ستائیس کے عدد نے دوسرے رنگ میں ایک اور مشابہت کو پیدا کر دیا۔

۴۔ مسیح علیہ السلام کی وفات کے بعد سلسلۂ خلافت جاری ہوا اور اس ضمن میں سب سے پہلا خلیفہ پطرس تھا جو عمر میں دیگر حواریوں سے کئی برس بڑا تھا اور پھر یعقوب کو جو مسیح کا جسمانی بھائی تھا خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ اسی طرح حضرت اقدسؑ کی وفات کے بعد اس شخص کو خلافت عطا ہوئی جسکے متعلق حضرت اقدسؑ کا یہ ارشاد تھا کہ

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نوردیں بودے

اور پھر خلیفہ اولؓ کی وفات کے بعد خدا تعالےٰ نے حضرت میرزا بشیر الدین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو خلافت کی مسند پر متمکن فرمایا جو مسیح موعودؑ کے فرزند ارجمند ہونے کے باعث ایک حد تک یعقوب سے بھی مشابہت رکھتے ہیں

۵۔ حضرت مسیح ناصری کے حواریوں کے متعلق پیشگوئی تھی کہ وہ غیر زبانوں میں تقاریر کریں گے چنانچہ لکھا ہے (اعمال باب ۲) کہ واقعہ صلیب کے بعد ایک موقعہ پر جبکہ یہودی لوگ مختلف اطراف سے جمع تھے حضرت مسیح کے حواریوں نے مختلف زبانوں میں لیکچر دیئے۔ اسکے مقابل جہاں پہلے مسیح کے حواریوں کو یہ توفیق ملی کہ یہود کی متفرق زبانیں بولیں وہاں اس دوسرے مسیح کی جماعت کو بھی یہ فضیلت عطا ہوئی کہ اسمیں غیر زبانیں

بولنے والے پیدا ہو گئے۔ چنانچہ قادیان میں دیگر کئی مواقع کے علاوہ اس مرتبہ گذشتہ سالانہ جلسہ کی تقریب پر مختلف احمدی حضرات نے متفرق زبانوں میں تقاریر فرمائی تھیں۔

مثیلِ مسیح ہونیکا ایک زبردست ثبوت

(از حضرت مسیح موعودؑ)

اِن مشابہات کے بیان کر دینے کے بعد جو مسیح محمدی کو مسیح ناصری سے متفرق پہلوؤں کے لحاظ سے حاصل ہیں بالآخر میں حضرت اقدسؑ کے الفاظ میں ایک ایسی زبردست دلیل اس دعویٰ کے ثبوت میں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حقیقی رنگ میں مثیلِ مسیح ہیں پیش کرنا چاہتا ہوں جو ایسی واضح اور روشن ہے کہ ایک حقیقت شناس انسان کی رہنمائی کیلئے اس مسئلہ میں پورے طور پر کافی ہو سکتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"خدا کی عجیب باتوں میں سے جو مجھے ملی ہیں ایک یہ بھی ہے جو میں نے عام بیداری میں جو کشفی بیداری کہلاتی ہے یسوع مسیح سے کئی دفعہ ملاقات کی ہے اور اُس سے باتیں کر کے اس کے اصل دعویٰ اور تعلیم کا حال دریافت کیا ہے ...... یہ مکاشفہ کی شہادت بے دلیل نہیں ہے بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق نیت کی صفائی سے ایک مدت تک میرے پاس رہے اور وہ حضرت عیسےٰؑ کو کشفی حالت میں دیکھنا چاہے تو میری توجہ اور دُعا کی برکت سے وہ اُن کو دیکھ سکتا ہے۔ اُن سے باتیں بھی کر سکتا ہے۔ اور اُن کی نسبت اُن سے گواہی بھی لے سکتا ہے کیونکہ میں وہ شخص ہوں جس کی روح میں بروز کے طور پر یسوع مسیح کی روح سکونت رکھتی ہے۔"

(تحفہ قیصریہ صلا)

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے
جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب
خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

واخردعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

خاموشی!

(از چوہدری مبارک احمد خاں صاحب امین آبادی)

قوتِ گویائی ـــــ یعنی بولنے کی طاقت انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے۔ اس کے ذریعہ ہر طرح کی خوبیاں اور کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ انسان کی حاجتیں پوری ہوتی اور سارے کام نکلتے ہیں۔

لیکن ہر وہ چیز جو اپنی مناسب حدود سے تجاوز کر جائے، انسان کے لئے مضرا ور نقصان رسانی کا موجب ہو جاتی ہے۔

تکلم اور نطق ایک قوت ہے جس کا سرچشمہ اور منبع اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذات میں دوسری قوتوں کی طرح ودیعت کر رکھا ہے۔

خداوند کریم نے انسان کی ذات میں متنوع الاقسام قوتوں اور جذبات و عواطف کا ایک ذخیرہ ودیعت فرما کر انہیں چند ضوابط کے ماتحت رکھ دیا ہے۔ جب تک ان ضابطوں کے مطابق انہیں استعمال نہ کیا جائے ان کے اصلی جوہر ظاہر نہیں ہوتے۔

قوتِ ناطقہ بھی دو ضابطوں کے ماتحت رکھی گئی ہے:۔

(۱) ضابطۂ تکلم اور

(۲) ضابطۂ خاموشی

قوتِ گویائی کا بیش بہا خزانہ اس قدر ارزاں اور بے وقعت نہیں کہ انسان اسے اناپ شناپ بلا سوچے سمجھے ضائع کرتا رہے۔ جو لوگ اس قوت کا صحیح اور موزوں و مناسب انداز سے خاص ضوابط کے مطابق استعمال نہیں کرتے اور فضول گوئی اور بے معنی باتوں سے دوسروں کی سمع خراشی کرتے رہتے ہیں انہیں اس نعمتِ خداوندی کے ناجائز استعمال کے نتیجہ میں عموماً ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ ان میں فہم و تدبر کا مادہ بہت کم رہ جاتا ہے فضول گوئی کی وجہ سے ابنائے جنس میں خفت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور ان کی باتوں کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ان کے صلاح و مشورے قابلِ اعتناء سمجھے جاتے ہیں۔ سمجھدار اور دانا

لوگ ہمیشہ اُن سے کنی کترانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاموش مزاج شخص ہمیشہ سنجیدہ طبع مدبّر اور دانشمند سمجھا جاتا ہے۔

جس شخص کو زیادہ باتیں کرنے کی عادت ہو جاتی ہے اُسے پھر یہ بھی تمیز نہیں رہتی کہ کس موقع پر بولنا چاہیئے اور کس موقع پر خاموش رہنا چاہیئے۔

کثرتِ گویائی کی وجہ سے جن لوگوں سے تمیز کی یہ بابرکت صفت چھن جاتی ہے وہ ہمیشہ ذلت اٹھاتے اور رُسوا ہوتے ہیں، اُن کے کلام سے وہ جذبہ و اثر مفقود ہو جاتا ہے جو سوچ سمجھ کر بوقتِ ضرورت کلام کرنیوالوں کی باتوں میں پایا جاتا ہے۔

پاگل بہت باتیں کرنیکی وجہ سے اپنے کلام میں کوئی وثوق اور وقعت پیدا نہیں کر سکتا صحیح الدماغ شخص بھی بہت باتیں کرنے سے تھک جاتا ہے۔ اُس کے کلام میں ایک قسم کی لغزش پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کی باتیں جذب اور اثر سے خالی ہونے لگتی ہیں اور اُن میں عقل و دانش کی بُو بہت کم رہ جاتی ہے۔ حکیم بُو علی سینا نے خوب کہا ہے کہ:-

"کسی کی قلتِ عقل کا اُس کے کثرتِ کلام سے اندازہ لگاؤ"

لیکن جب انسان قوتِ نُطق و تکلّم کو ضابطۂ خاموشی کے ماتحت لے آتا ہے تو اُس کے دل و دماغ میں رفتہ رفتہ پھر وہی لطافت و نفاست اور سلاست اور روانی پیدا ہو جاتی ہے اور قوتِ ناطقہ میں ایک ایسا زور اور جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ کام دینے لگ جاتی ہے۔

جس طرح بہتا ہوا پانی جب رُک جاتا ہے تو روک ہٹانے پر اُس کی رفتار میں ایک خاص زور اور عام رفتار سے زیادہ روانی پیدا ہو جاتی ہے، ایسے ہی خاموشی سے قوتِ نطق و تکلم کو آرام ملتا ہے۔ اور وہ پہلے سے زیادہ زور اور طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر کلام کو چاندی فرض کر لیا جائے تو چُپ رہنا سونا ہے۔ کم گوئی اور خاموشی سے انسان کی دماغی طاقتیں نشوونما پاتی ہیں۔ ذکاوتِ ذہنی اور قوتِ فہم و ادراک بڑھتی ہے۔ زیادہ گپیں ہانکنے اور بہت باتیں کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سوچ نہیں سکتا۔ کیونکہ جب زبان بولتی ہے تو دماغ کام نہیں کر سکتا اور غور و فکر کی عادت نہیں رہتی۔ صُوفیاء کا قول ہے کہ کم بولنا اور کم کھانا اور کم سونا روحانیت کے لئے از حد ضروری امور ہیں۔

خاموشی انسان کے عیبوں کو چھپاتی ہے۔ جب تک آدمی کوئی بات نہیں کرتا اُسکے عیوب و

ہُنر پوشیدہ رہتے ہیں۔ اور اس کی وجاہت پُراثر معلوم ہوتی ہے لیکن باتیں کرنے سے اسکی ذہنی و دماغی کیفیات ظاہر ہوجاتی ہیں۔ اور اس کی اندرونی حالت سب پر عیاں ہوجاتی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں قابو میں رکھے اور سوچ سمجھکر ایسی مطلب کی بات مُنہ سے نکالے کہ جس پر وہ خود اور اُسکے ابنائے جنس مستفید ہوں۔ حضرت ذوقؔ نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

کہے ایک جب سُن لے انسان دو
کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب انسان خاموش رہتا ہے اور ایک ضابطے کے ماتحت قوتِ گویائی سے کام لینے کی عادت ڈال لیتا ہے تو اس کی قوتِ ناطقہ میں ایک خاص قوت اور وسعت پیدا ہوجاتی ہے اور اسکے کلام میں میٹھا رنگ بیش بہا خوبیاں اور کمالات پیدا ہوجاتے ہیں کہ جیسے اُن کا اخفاء مشکل ہے ایسے ہی اُن کا بیان کرنا بھی آسان نہیں۔

ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قوتِ ناطقہ کو اُسکے ضابطے کے ماتحت استعمال کرنیکی مختلف رنگوں میں تلقین فرمائی ہے۔ حضور علیہ السلام کا مشہور ارشاد ہے:-

"اَلصَّمْتُ حِكْمَةٌ وَقَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ"

کہ خاموشی حکمت ہے لیکن بہت تھوڑے ہیں جو اسے اختیار کرتے ہیں۔

حکمت کے معنے ہیں راست گفتاری و درست کرداری اور ہر شے کو اُسکے مناسب حال طور پر استعمال کرنا اور بات کی حقیقت اور اس کا مغز۔

پس حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق قوتِ نطق و تکلّم کو ایک ضابطے کے ماتحت استعمال کرنیوالے راست گفتار و درست کردار بات کی حقیقت اور تہ کو پہنچنے والے اور موقع شناس بن جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ کہ کئی مصیبتیں بولنے کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اسلئے فرمایا کہ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ (بخاری کتاب الادب) کہ ہر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ اور آخرت کی جاودانی زندگی پانے پر یقین ہے میں اُسے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ جب بھی کلام کرے تو اچھی بات ہی مُنہ سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔ نیز فرمایا کہ ہر نیک اور اچھی بات کرنیوالے کو صدقہ کرنیوالے کی طرح ثواب ملیگا۔

اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ انسان جو لفظ بھی مُنہ سے نکالتا ہے ہمارے ہوشیار اور چوکس نگہبان اسے محفوظ کر لیتے ہیں۔ اسی لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ؎

دو عضو اپنے جو کوئی ڈر کر بچائے گا ÷ سید حامدا کے فضل سے جنت میں جائیگا
وہ اک زباں ہے عضو نہانی ہے دوسرا ÷ یہ ہے حدیث سیدنا سیدالورٰی نے

(درثمین)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کو ہاتھ سے پکڑا اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "اس کو قابو میں رکھو" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو کچھ ہماری زبان سے نکلیگا کیا اُس کی بابت ہم سے مؤاخذہ کیا جائیگا۔ فرمایا "خدا تمہاری والدہ کو سلامت رکھے یہی زبان تو ہے جس کی وجہ سے لوگ دوزخ میں اوندھے مُنہ جا پڑیں گے"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے پیارا اور قیامت کے دن میرا نزدیکی وہ شخص ہے جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں۔ اور تم میں سے میرے مبغوض اور قیامت کے دن مجھ سے دُور رکھے جانیوالے وہ ہیں جو بہت باتیں کرتے ہیں اور گفتگو کے وقت زبان کو مروڑ مروڑ کر اور مُنہ بھر بھر کر باتیں کرتے ہیں"

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے تین بار دُہرا کر فرمایا کہ "کلام میں مبالغہ سے تکلف کرنے والے ہلاک ہو گئے"

پس جہاں تک ہو سکے اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہئے۔ اور جب بات کرنی ہو خوب سوچ سمجھ کر بامعنی اور مطلب خیز کلام کرنی چاہئے۔ اگر ضرورت اور وقت پر نہ بولنا ایک عیب ہے تو بے وقت بولنے میں سَو عیب ہیں۔ زیادہ بولنے سے انسان جھوٹ، غیبت، چغلی، ریا، فریب، نفاق، سخت کلامی، تکرار، عیب جوئی، اپنے تئیں جتلانا، دوسرے کی بات کاٹنا، بات بدلنا، بات کو گھٹانا بڑھانا، پردہ دری وغیرہ عیوب میں سے ایک نہ ایک عیب کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اسی لئے دانا ؤں نے خاموشی کو بولنے پر فضیلت دی ہے لیکن خاموشی سے یہ مطلب نہیں کہ انسان بولے ہی نہیں۔ بلکہ یہ کہ نطق اور تکلم ضبط سے کرے کہ نطق و تکلم بغیر ضبط اور عقل و دانش کے ایک فضول اور بے قیمت چیز ہے۔

کرشن اوّل اور کرشن ثانی

(از جناب شیخ محمد شریف صاحب)

یوگیراج کرشن علیہ السلام فرماتے ہیں "ہے پرتنپ ارجن! اس یوگ کار شروع سے اس یوگ کو راجا رشی اور راجا لوگوں نے پایا۔ سو یوگ بہت کال بیتنے اور پاکھنڈیوں کے باعث اس وقت نشٹ ہو گیا ہے۔" (گیتا ادھیائے ۴ شلوک ۲)۔ "ہے ارجن! جب جب دھرم کی ہانی اور ادھرم کی زیادتی ہوتی ہے تب تب دھرم کے اٹھا دینے اور دھرم کے قائم کرنے کے لئے میں اوتار لیتا ہوں۔" (گیتا ادھیائے ۴ شلوک ۷) "نیکوں کی حفاظت اور پاپیوں کا ناش (اور) دھرم کے قائم کرنے کے لئے ہر یگ میں اوتار لیتا ہوں۔"
(گیتا ادھیائے ۴ شلوک ۸)

حضرت یوگیراج مسیح قادیانی کرشن ثانی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ "خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا میں اس خطرناک حالت کی اصلاح کروں اور لوگوں کو خالص توحید کی راہ بتاؤں۔ چنانچہ میں نے سب کچھ بتا دیا۔ اور نیز میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تا ایمانوں کو قوی کروں اور خدا تعالیٰ کا وجود لوگوں پر ثابت کر کے دکھلاؤں۔ کیونکہ ہر قوم کی ایمانی حالتیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں اور عالم آخرت صرف ایک افسانہ سمجھا جاتا ہے۔ اور ہر ایک انسان اپنی عملی حالت سے بتا رہا ہے کہ وہ جیسا کہ یقین دنیا اور دنیا کی جاہ و مرتبت پر رکھتا ہے اور جیسا کہ اس کو بھروسہ دنیاوی اسباب پر ہے یہ یقین اور بھروسہ ہرگز اس کو خدا تعالیٰ اور عالم آخرت پر نہیں۔ زبانوں پر بہت کچھ ہے مگر دلوں میں دنیا کی محبت کا غلبہ ہے۔ حضرت مسیح نے اسی حالت میں یہود کو پایا تھا۔ اور جیسا کہ ضعف ایمان کا خاصہ ہے یہود کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب ہو گئی تھی اور خدا کی محبت ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اب میرے زمانہ میں بھی یہی حالت ہے۔ سو میں بھیجا گیا کہ تا سچائی اور ایمان کا زمانہ پھر آئے اور دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ سو یہی افعال میرے وجود کی علت غائی ہیں۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ پھر آسمان زمین سے نزدیک ہوگا بعد اس کے کہ بہت دور ہو گیا تھا۔ سو میں انہی باتوں کا مجدد ہوں اور یہی کام ہیں جن کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔" (از کتاب البریہ ص۲۵۳ تا ص۲۵۶)

"میں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں۔ اور میں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اس بات کو شہرت دے رہا ہوں کہ میں گناہوں کے دور کرنے کے لئے جن سے زمین پر ہو گئی ہے،

جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ روحانی حقیقت کی رو سے میں وہی ہوں۔ یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اُس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے۔ اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے...... خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اُس کا (یعنی یوگیراج کرشن علیہ السلام کا: احمدی شرما) بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا...... سو میں کرشن سے محبت کرتا ہوں کیونکہ میں اُس کا مظہر ہوں۔" (از لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۳، ۳۴)

یوگیراج کرشن علیہ السلام فرماتے ہیں:- "پرانیوں کے مہشور یعنی قادر مطلق اور میرے پرم آتما کو نہ جان کر انسان سمجھ کر مُورکھ میرا نرادر یعنی میری بے عزتی کرتے ہیں۔"

(گیتا ادھیائے ۹ شلوک ۱۱)

"ہے ارجن! میں ادنیاشی۔ نرو کار سناتن دھرم کی اکھنڈت ہی سکھ کی پربرہم کی مُورتی یعنی خدا کا بھیجا ہوا بڑا اوتار ہوں۔" (گیتا ادھیائے ۱۴ شلوک ۲۷)

حضرت یوگیراج کرشن ثانی مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:- "میں قسم حضرت احدیت جل شانہٗ کی کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میرے خدا نے اپنی وحی کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا ہے کہ میرا غضب زمین پر بھڑکا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ معصیت اور دنیا پرستی میں ایسے غرق ہو گئے ہیں کہ خدا تعالےٰ پر بھی ایمان نہیں رہا۔ اور جو اُس کی طرف سے اصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا ہے اُس سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ اور یہ ٹھٹھا اور لعن طعن حد سے گذر گیا ہے۔ پس خدا فرماتا ہے کہ میں اُن سے جنگ کروں گا۔ اور میرے وہ حملے اُن پر ہوں گے جو ان کے خیال و گمان میں نہیں۔ کیونکہ انہوں نے جھوٹ سے اس قدر دوستی کی کہ سچائی کو اپنے پاؤں کے نیچے پامال کرنا چاہا۔ پس خدا فرماتا ہے کہ میں نے اب ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے غریب گروہ کو ان درندوں کے حملوں سے بچاؤں اور سچائی کی حمایت کروں۔" (تذکرہ صفحہ ۴۸۹-۴۹۰)

"مجھے اُس خدائے کریم کی قسم ہے جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست و نابود کرنے والا ہے کہ میں اُس کی طرف سے ہوں اور اُس کے بھیجنے سے عین وقت پر آیا

ہوں۔ اور اُس کے حکم سے کھڑا ہوا ہوں۔ اور وہ میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے۔ اور وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالے گا۔ جب تک وہ اپنے تمام کام کو پورا نہ کرے جس کا اُس نے ارادہ فرمایا ہے۔" (از اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲)

"ہے ارجن! جو انسان سٹردھا یوروک مخالفت نہ کرکے میرے اِس مت کو مضبوطی کے ساتھ قبول کرے گا وہ مکت ہوگا۔" (گیتا ادھیائے ۳ شلوک ۳۱)

"بخدا مَیں غالب ہوں اور عنقریب میری شوکت ظاہر ہو جائے گی۔ اور ہر ایک مریگا مگر وہی جو میری کشتی میں بیٹھ گیا۔" (تذکرہ صفحہ ۶۶۱)

"اب دیکھو! خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوحؑ کی کشتی قرار دیا ہے۔ اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدارِ نجات ٹھہرایا۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ جس کے کان ہوں سُنے۔" (از اربعین نمبر ۴ حاشیہ صفحہ ۲)

"اِس زمانہ کا حصنِ حصین مَیں ہوں۔ جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دُور رہنا چاہتا ہے ہر طرف اُس کو موت درپیش ہے۔ اور اُس کی لاش بھی سلامت نہیں رہیگی۔ مجھ میں کون داخل ہوتا ہے؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا اور نیکی کو اختیار کرتا ہے اور کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالےٰ کا بندۂ مطیع بن جاتا ہے۔ ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور مَیں اُس میں ہوں۔ مگر ایسا کرنے پر وہی قادر ہوتا ہے جس کو خدا تعالےٰ نفس مزکّی کے سایہ میں ڈال دیتا ہے۔ تب وہ اُس کے نفس کی دوزخ کے اندر اپنا پَیر رکھ دیتا ہے تو وہ ایسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ گویا اُس میں کبھی آگ نہیں تھی۔"

(فتح اسلام صفحہ ۲)

"مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ مَیں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور مَیں اس کے نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔" (از کشتی نوح)

"ہے ارجن! مجھ میں ہی اپنا من لگا۔ اپنی عقل میرے سپرد کر دے۔ اِس جسم کو چھوڑنے کے بعد یقیناً تُو میرے ساتھ ہی رہے گا۔ یعنی مکتی پائے گا۔ شک نہ کر۔"

(گیتا ادھیائے ۱۲ شلوک ۸)

"جو پُرش سدا سنتشٹ ہے اور پختہ عہد کر کے نفس امارہ کو جیت کر میری تعلیم کے مطابق عمل کرتا ہے۔ من اور عقل میرے سپرد کر دیا ہے سو بھگت مجھ کو پیارا ہے۔"
(گیتا ادھیائے ۱۲ شلوک ۱۴)

"جو بھگت وشواش پوروک مجھ کو قبول کر کے اس میرے دھرم رو دل امرت کو جس پرکار سے میں نے کہا ہے۔ سمپورن روپ سے سیون کرتے ہیں۔ یعنی میری تعلیم کے مطابق پورا پورا عمل کرتے ہیں وہ مجھ کو بہت ہی پیارے ہیں" گیتا ادھیائے ۱۲ شلوک ۲۰)

"جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے دل سے میرا پیرو بنتا ہے۔ اور میری اطاعت میں محو ہو کر اپنے تمام ارادوں کو چھوڑتا ہے۔ وہی ہے جس کی آفتوں کے دنوں میں میری روح اس کی شفاعت کرے گی۔" (از کشتی نوح)

"جو شخص مجھے دل سے قبول کرتا ہے وہ دل سے اطاعت بھی کرتا ہے اور ہر حال میں مجھے حکم ٹھہراتا ہے اور ہر ایک تنازع کا مجھ سے فیصلہ چاہتا ہے۔ مگر جو شخص مجھے قبول نہیں کرتا اس میں تم نخوت اور خود پسندی اور خود اختیاری پاؤ گے۔ پس جانو کہ وہ مجھ سے نہیں ہے کیونکہ وہ میری باتوں کو جو مجھے خدا سے ملی ہیں عزت سے نہیں دیکھتا اس لئے آسمان پر اسکی عزت نہیں۔" (از اربعین نمبر ۱ حاشیہ صلا)

"جو پُرش میرے اِس مت کا انوسرن نہ کر کے نندا کریں گے۔ تن سب گیان دھت یعنی جاہلوں کو نشٹ سمجھو۔" (گیتا ادھیائے ۳ شلوک ۳۲)

"جاہل۔ بدظنی کرنیوالا۔ عقل سے کام نہ لینے والا ناش ہو جاتا ہے۔ نبی کی بات نہ ماننے والے انسان کو نہ اِس دُنیا میں امن ملتا ہے نہ مرنیکے بعد خدا کو پا سکتا ہے۔ یا دوسری دُنیا میں خوش ہوتا ہے اور وہ انسان سُکھی نہیں رہتا یعنی خدا کو نہیں پا سکتا۔" (گیتا ادھیائے ۴ شلوک ۴۰)

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اُس خدا کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اِس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دیگا اور حُجت اور بُرہان کی روح سے سب پر انکو غلبہ بخشیگا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دُنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت سے یاد کیا جائیگا۔ خدا اِس مذہب اور سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا اور ہر ایک کو جو اسکے معدوم کرنیکی فکر رکھتا ہے نامراد رکھیگا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔"
(از تذکرۃ الشہادتین صلا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز (قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر!

عبدالقدیر نیاز

بابت ماہ شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۵ء

ماہ اخاء ۱۳۲۴ ہش

جلد ۴۴ —— عدد ۱۰

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنہ ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیشِ نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفینِ اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپیہ لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے، ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیلِ زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اُردو ماہنامہ ہے، بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گزرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:-

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چوالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چوّن روپے	نوّے روپے

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۴ | ماہ شوال سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء | عدد ۱۰

فہرست مضامین

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک کشف

متعلق تفسیر کبیر

اور

مولوی محمد علی صاحب والی تفسیر القرآن

(از مولوی مبارک احمد صاحب مبلغ مشرقی افریقہ)

غیر مبائعین اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کام قرار دیتے ہوئے یہ ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صحیح معنوں میں ماننے والی جماعت غیر مبائعین کی ہی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل حوالہ جات بھی پیش کرتے ہیں۔ جن میں حضورؑ نے فرمایا ہے کہ "میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔" (ازالہ اوہام) "یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔" خود مولوی محمد علی صاحب بھی بار بار اپنے خطبات و مضامین میں یہ کہتے رہتے ہیں کہ "ہم نے اس سارے عرصہ میں صرف ایک ہی کام پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھا ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کی تڑپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں تھی۔ یعنی قرآن کریم کو بذریعہ تراجم اور تعلیم اسلام کی کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ دنیا میں بالخصوص یورپ میں پھیلانا۔" (احباب قادیان سے اپیل)

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مولوی محمدؐ علی صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ اسکی اشاعت بھی کی گئی اور اسلامی تعلیم کے متعلق اپنی سمجھ کے مطابق کتابیں بھی تصنیف کی ہیں لیکن سوال تو یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کی یہ محنت دکاوش حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاءِ مبارک کے مطابق ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار اپنی بعثت کے مقصد کو واضح کیا ہے جو مولوی محمدؐ علی صاحب اور اُن کے متبعین سے بھی مخفی نہیں۔ اور آپ نے بار بار فرمایا ہے کہ لوگوں کو اس حقیقی اسلام سے آگاہ کیا جائے جو آپ پر خدا تعالےٰ نے تیرہ سو برس بعد پھر نئے سرے سے ظاہر کیا ہے۔ اور ان امتیازی خصوصیات کو دُنیا کے سامنے رکھا جائے۔ جو باقی مسلمانوں میں مفقود ہیں اور صرف سلسلہ احمدیہ میں پائی جاتی ہیں۔ اور پھر یہ کہ خدا تعالےٰ کی ہستی کے ثبوت میں جو تازہ بتازہ نشانات آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے وہ دُنیا میں ظاہر کئے جائیں۔ اگر تو مولوی محمدؐ علی صاحب کی تحریر کردہ تفسیر ان حقائق، ان معارف، ان نشانات اور آپ کی بعثت کی اغراض کو پورا کرنیوالی ہے تو بے شک۔ مولوی محمدؐ علی صاحب کی تفسیر گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی کام ہے۔ اور آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شارح کہلانے کے جائز مستحق ہو سکتے ہیں۔ اور اگر آپ کی تفسیر ان تمام امور سے خالی ہے۔ نہ صرف خالی بلکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان کردہ علوم اور حقائق و معارف کی تردید کی گئی ہے۔ اور معجزات و نشانات اور اسلامی انوار جو خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر کئے، کو باطل کرتی ہے تو پھر مولوی محمدؐ علی صاحب کا یہ ادعا کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شاخ ہیں اور آپ کا کام حضورؑ کا ہی کام ہے محض بے حقیقت شے سے زیادہ قدر نہیں رکھتا۔

جنہوں نے مولوی محمدؐ علی صاحب کی تفسیر کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مولوی محمدؐ علی صاحب نے حتی المقدور اس بات کی کوشش کی ہے کہ حضور علیہ السلام کے ملفوظات اور سلسلہ کی امتیازی خصوصیات اور قرآن مجید کے اُن معارف کو جنہیں آپ نے خدا تعالےٰ سے خاص علم پاکر بیان کیا ہے، کو چھپایا جائے۔ بلکہ اس سے بڑھکر مولوی محمدؐ علی صاحب نے یہ بھی جسارت کی ہے کہ حضورؑ کے بیان کردہ معانی و مطالب کو بڑے زور سے رد کیا ہے۔ اس کے ثبوت میں کئی ایک مثالیں متعدد مرتبہ لکھی جا چکی ہیں تاہم چند ایک کا یہاں درج کرنا بطور نمونہ کے خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ مولوی محمدؐ علی صاحب نے اپنی تفسیر اور دیگر تصنیفات میں بہت زور دیا ہے کہ مسیح علیہ السلام یوسف کے نطفہ سے پیدا ہوئے اور اس طرح با باپ تھے۔ اور یہی مذہب آپ کے متبعین کا ہے۔ (بیان القرآن

حقیقۃ المسیح اور رسالہ ولادت مسیح) برعکس اس کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "ہمارا اعتقاد اور ایمان یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ تھے اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ نیچری جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہیں ایسے لوگوں کا خدا مُردہ خدا ہے" (الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۱ء) پھر حضور علیہ السلام نے خاتم النبیین کے معنے نبیوں کی مُہر کئے اور فرمایا کہ "اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۷) لیکن مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں "نبیوں کا خاتم ہونے کے معنے نبیوں کی مُہر نہیں بلکہ آخری نبی ہیں" (بیان القرآن صفحہ ۱۰۱۹) سورۂ جمعہ کی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ سے استدلال کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "یہ آیت آخری زمانہ میں ایک نبی کے ظاہر ہونے کی نسبت ایک پیشگوئی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے لوگوں کا نام اصحاب رسول اللہ رکھا جائے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہونے والے تھے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۷) لیکن مولوی محمد علی صاحب جو اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دلی تڑپ قرآن کی تفسیر لکھکر پورا کرنیوالے ہیں حضور کے استدلال کی جو آپ نے اس آیت سے کیا ہے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ "نص صریح اس بات پر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی نہیں آسکتا۔" (بیان القرآن صفحہ ۱۹۴۴) حضور علیہ السلام تو ان علوم و معارف کے متعلق جو آپ نے بیان کئے اور تحریر فرمائے لکھتے ہیں کہ یہ ایسے حقائق و معارف ہیں "جو انسان کی طاقت سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طاقت سے معلوم ہو سکتے ہیں۔" (فتح اسلام) اور مولوی محمد علی صاحب خدا تعالیٰ کی طاقت سے معلوم کئے ہوئے اور اس کی قدرت و علم کامل کے توسط سے سیکھے ہوئے معارف کا ابطال و رد کرتے ہوئے یہ بھی دعوے رکھتے ہیں کہ آپ حضور علیہ السلام کے منشاء مبارک کو پورا کرنیوالے اور آپ کے کام کو ہی سرانجام دینے والے ہیں ؏

بریں عقل و دانش بباید گریست

اگرچہ ان چند حوالوں سے ظاہر ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کی تحریر کردہ تفسیر ان علوم عالیہ اور معارف عظیمہ پر مشتمل نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی خاص قوت و طاقت سے معلوم ہوئے اور نہ ہی اس میں ان امتیازات خصوصی کا ذکر ہے جو سلسلہ احمدیہ سے ہی تعلق ہیں اس سے بڑھکر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک آسمانی شہادت بھی اس غرض کے لئے پیدا کر دی ہے

جو واضح طور پر مولوی محمد علی صاحب کے ادعا کو باطل کرتی ہے۔ اور خود اللہ تعالےٰ نے بتادیا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کا دعوٰے صداقت سے سراسر خالی ہے۔ اور اُن کی تیار کردہ تفسیر وہ تفسیر نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء مبارک کو پورا کرنے والی اور آپؑ کے ملفوظات کی حامل ہو۔ اور جس کی آپ کو تڑپ تھی۔ بلکہ وہ کوئی اور تفسیر ہے جو آپؑ کی زینت اور عزّت کا موجب ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشوف و الہامات کے مجموعہ تذکرہ کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک ایسا کشف معلوم ہوا جو اِس نزاع میں فیصلہ کن ہے اور حضور علیہ السلام لکھتے ہیں :-

"آج ہی ایک خواب میں دیکھا کہ ایک چوغہ زرّیں جس پر بہت سنہری کام کیا ہوا ہے مجھے غیب سے دیا گیا ہے۔ ایک چور اس چوغہ کو لے کر بھاگا۔ اس چور کے پیچھے کوئی آدمی بھاگا جس نے چور کو پکڑ لیا اور چوغہ واپس لے لیا۔ بعد اِس کے وہ چوغہ ایک کتاب کی شکل میں ہوگیا جس کو تفسیر کبیر کہتے ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ چور اُس کو اِس غرض سے لیکر بھاگا تھا کہ اس تفسیر کو نابود کردے" (فرمایا) اِس کشف کی تعبیر یہ ہے کہ چور سے مراد شیطان ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ ہمارے ملفوظات لوگوں کی نظر سے غائب کردے مگر ایسا نہیں ہوگا اور تفسیر کبیر جو چوغہ کے رنگ میں دکھائی گئی اس کی یہ تعبیر ہے کہ وہ ہمارے لئے موجب عزّت و زینت ہوگی۔ واللہ اعلم" (تذکرہ صفحہ ۶۴۴)

۵ ستمبر ۱۹۰۶ء کا یہ کشف ہے جو اخبار بدر جلد ۲ صفحہ ۳۶ اور الحکم جلد ۱۰ صفحہ ۳ میں بھی چھپ چکا ہے۔ یہ کشف نہایت ہی واضح ہے اور کسی تشریح و توضیح کا محتاج نہیں۔ تاہم چند ایک باتوں کا لکھنا اس سلسلہ میں خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

سب سے پہلی بات اِس میں جو قابلِ غور ہے وہ چوغہ زرّیں ہے۔ اس سے مراد وہ پاک اور صحیح علم ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں "مجھے وہ معارف وحقائق سکھلائے گئے جو انسان کی طاقت سے نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کی طاقت سے معلوم ہوسکتے ہیں" (فتح اسلام) علم تعبیر الرؤیا میں قمیص سے مراد علم ہوتا ہے اور چوغہ زرّیں سے مراد ایسا وسیع اور پاکیزہ اور مصفّٰے علم ہے جو اپنی چمک ودمک میں خارجی و بیرونی زینت کا محتاج نہیں بلکہ قدرت نے خود ہی اس کو زرّیں بنایا ہے۔

دوسری بات اِس میں قابلِ غور یہ ہے کہ یہ چوغہ زرّیں ایک چور لے کر بھاگ گیا ہے یعنی حضور علیہ السلام کے پاکیزہ علم اور پاکیزہ معارف اور امتیازاتِ خصوصی کو کوئی شخص چوروں کے رنگ میں نابود کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور آپؑ کے ملفوظات کو لوگوں کی نظر سے غائب کردینے کیلئے

زور لگائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی تفسیر بھی تیار کی جائے گی جو صحیح علم اور حضور علیہ السلام کے ملفوظات و خصوصیات کی حامل تو ہوگی لیکن کوئی شخص چرا کر لے جائے گا اور اس کے اندر تبدیلیاں کر دے گا اور اس کی اصل شکل و صورت کو مسخ کر دے گا اور ان معارف کو نکال دیگا جو حضور علیہ السلام کو خدا تعالےٰ نے دیئے ہیں۔ پھر اس میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ جو شخص چرا کر لے جائے گا وہ اس کا اپنا مال نہیں ہوگا کیونکہ اگر اپنا مال ہو تو اُسے چوری نہیں کہہ سکتے۔ چوری تبھی کہلا سکتی ہے کہ جب کسی دوسرے کے مال کو ناجائز طور پر لیا جائے۔

تیسری بات اس میں قابلِ غور یہ ہے کہ جب چور چوغہ زریں کو چرا کر لیجا چکے گا تو پھر کوئی اور شخص اٹھے گا اور وہ چور کا پیچھا کرے گا اور پیچھا کر کے اُسے پکڑ لے گا۔ اور چغہ زریں کو واپس لے لے گا۔ یعنی وہ صحیح علم جو کسی تفسیر میں سے نکال دیا گیا ہوگا اور وہ معارف جو حضور علیہ السلام کے بیان کردہ ہیں ان کو اس اصل تفسیر سے غائب کر دیا ہوگا تو بعد میں پھر انہی علوم اور نشانات اور ملفوظات اور مسیح موعود علیہ السلام کے امتیازی نشانات پر مشتمل ایک تفسیر تیار کی جائیگی یہ تفسیر بعد میں تیار ہوگی۔ اور یہ بعد میں تیار ہونے والی تفسیر جو اصل تفسیر ہوگی یعنی چوغہ زریں اسکا نام تفسیر کبیر ہوگا۔

چوتھی بات اس کشف میں یہ قابلِ غور ہے کہ ایک ایسا شخص ہوگا جو چوغہ زریں کی تلاش اور اس کو حاصل کرنے کے لئے بے قرار ہوگا۔ اور جوں ہی اس کو معلوم ہوگا کہ چوغہ زریں چوری ہو گیا ہے وہ آرام سے نہیں بیٹھے گا جب تک کہ اس چوغہ کو حاصل نہ کرے۔ یعنی اصل تفسیر جو حضور علیہ السلام کی زینت کا باعث ہے اور وہ ملفوظات جو حضور پُرنور کی صداقت اور قوتِ قدسیہ اور آپ کے برگزیدہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اُن کو وہ ظاہر کرنے والا ہوگا اور وہ ایسے ملفوظات و معلومات اور علومِ صحیحہ پر مشتمل ہوگی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصل مقام کو ظاہر کرنیوالی اور آپ کی عزت و شرف کا موجب ہوگی۔

اب ہر ایک عقلمند ان سطور کو پڑھ کر خود ہی سمجھ لے کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ مولوی محمد علی صاحب نے قیامِ قادیان میں ان علوم کی روشنی میں تفسیر لکھی جو حضور علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر ہوئے اور جس کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ نوٹس بھی قلمبند کر کے اس میں درج کئے گئے۔ لیکن اختلاف کے موقعہ پر مولوی محمد علی صاحب اس چوغہ زریں کو جو سلسلہ احمدیہ کا مال تھا نہ کہ مولوی صاحب کا، لے کر چلے آئے۔ اور پھر اس میں کئی تبدیلیاں کیں اور احمدیت کی

خصوصیات کو اس سے نکال دیا۔ اُن علوم و معارف کو جو حضورؑ نے بیان فرمائے خارج کر دیا۔ بلکہ ان مطالب کو جو حضورؑ نے بعض آیات کے بیان فرمائے تردید کی اور اُن کے خلاف بڑے زور سے قلم چلائی۔ اور پھر اس کی اشاعت کر کے سلسلہ کی چیز کو اپنی ملکیت قرار دے لیا۔ کیا یہ چوغہ زریں کی چوری نہ تھی۔ کیا حضورؑ کے ملفوظات کو غائب کرنے کی یہ کوشش نہ تھی۔ یہ ساری کی ساری کارروائی کیا شیطانی تحریک کا نتیجہ نہ تھی؟ پہلے سے ہی یہ مقدر تھا کہ ایک تفسیر لکھی جائے پھر مولوی محمد علی صاحب اس میں تبدیلیاں کرتے اور ایسے حالات پیدا ہوتے کہ سرقہ کا داغ ان پر لگتا۔ پس حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کا اسوقت تک تفسیر نہ لکھنا اِسی وجہ سے ہی تھا کہ یہ سب کچھ پہلے ہوتا۔ چنانچہ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو پھر اس چوغہ زریں کو لینے کے لئے "اس چور کے پیچھے کوئی آدمی بھاگا"۔ "کوئی آدمی" اس لئے کہ مخالفین اُسے ایک نہایت ہی معمولی انسان گردانینگے اور اس کے اعزاز و احترام کو صدمہ پہنچانے کے لئے ہر ناجائز کارروائی کر کے اپنے خیال کیمطابق اسے معمولی قرار دے لیں گے۔ لیکن یہی معمولی آدمی جو خدا تعالےٰ کے علم میں بڑی عظمت رکھتا ہوگا۔ اس صحیح علم اور ملفوظات و معارفِ عالیہ کے چوغہ زریں کو واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ یعنی وہ پھر خود ایک تفسیر لکھیگا جو ان خوبیوں پر مشتمل ہوگی اور اس تفسیر کا نام تفسیر کبیر ہوگا۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے پھر اس چوغہ زریں کو حاصل کیا (حضورؑ کی خلافت کے متعلق بھی اس میں اشارہ ہے۔) اور ان پاکیزہ علوم کو جو حضورؑ نے خدا کی قوت سے سیکھے اور حاصل کئے آپ نے اپنی تفسیر میں بیان کر دیئے اور دلیری سے حضورؑ کے نشانات اور معجزات کو، آپؑ کے ملفوظات کو اپنی تفسیر میں لکھا۔ اور پھر اس کا نام بھی تفسیر کبیر ہُوا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے عزت اور زینت کا موجب ہے۔ کیونکہ اگرچہ اس بات کی کوشش کی گئی کہ حضورؑ کے ملفوظات کو غائب کر دیا جائے۔ حضورؑ کے مقامِ عالیہ کو چھپایا جائے۔ بلکہ آپؑ فرماتے ہیں "مگر ایسا نہیں ہوگا"۔ یعنی یہ ملفوظات ظاہر ہوں گے، یہ علوم و معارف پھیلیں گے۔ اور یہی معارف و علوم ہی دراصل آپؑ کی زینت و شرف کا موجب ہوں گے۔

پس یہ کشف جہاں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے برحق خلیفہ ہونے اور حقیقی معنوں میں حامل چوغہ زریں ہونے کا ثبوت ہے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا بھی ثبوت ہے کہ ایک لمبا عرصہ قبل خدا تعالےٰ سے علم پاکر ایسے واقعات بیان کئے جو

بالکل اسی طرح پورے ہوئے۔ کیونکہ کسی انسان کا کام نہیں کہ وہ اپنی طرف سے مصفا غیب کا اظہار کر سکے خدا تعالیٰ نے اس غیب کو اپنے برگزیدہ رسول پر ظاہر کیا اور جو تیس سال بعد اسکے تمام حصے من وعن پورے ہو گئے۔ اور پھر یہ کشف اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دلی خواہش، آپ کی دلی تڑپ کو پورا کرنے والی نہیں۔ بلکہ آپ کے کام کو مولوی صاحب نے بگاڑا اور اس وجہ سے مولوی صاحب کا اپنے آپکو "یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہو گا جیسے مجھ سے یا جیسا اُس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے" اِن الفاظ کا مصداق کرنا سراسر سینہ زوری ہے۔ ہاں وہ شخص جو اس چوری کو پکڑنے میں کامیاب ہوا، جس نے حضور کے کلام کو بیان کیا اور قرآن کی تفسیر اس رنگ میں لکھی جو حضور کی منشاء مبارک تھی اور جو آخرکار تفسیر کبیر کے نام سے بھی موسوم ہوئی، وہی ہے جو لفظی اور معنوی رنگ میں حضور میں سے اور حضور کی شاخ میں سے ہے اور آپ میں داخل ہے۔ اور وہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد متعنا اللہ بطول حیاتہٗ کا گرامی وجود ہے جنکی صداقت کے لئے بے شمار نشانوں میں سے ایک نشان اور خدا تعالیٰ نے تفسیر کبیر کے ذریعہ ظاہر فرمایا ہے۔ اور حقانیت کو روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیا۔ اور اس آسمانی شہادت نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ تفسیر القرآن کے بارے میں مولوی محمد علی صاحب کی زور آزمائی محض چوری اور سینہ زوری کے سوا کچھ نہیں۔ اتنے واضح نشانات کے ہوتے ہوئے بھی اگر مولوی محمد علی صاحب اور اُن کے متبعین ہٹ دھرمی ہی دکھائیں تو یہ انتہائی افسوس کا مقام ہوگا۔ مولوی صاحب! اِس کشف کو پڑھیں اور بار بار غور کریں اور حق کو قبول کر لیں اور "خدا کے ساتھ جنگ نہ کریں"۔

آنندپور صاحب کے میلہ پر تبلیغِ احمدیت

از جناب عباد اللہ صاحب گیانی

خاکسار کو امسال بسلسلہ تبلیغ آنندپور صاحب جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ ضلع ہوشیارپور تحصیل اونا کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہاں پر ہولیوں میں سکھوں کا ایک بہت بڑا میلہ ہوتا ہے۔ اس سال بھی یہ میلہ انہی دنوں میں منایا گیا۔ اور باوجود سفر کی دقتوں اور مشکلات کے لوگ دور دراز سے پیدل چل کر اور گڈوں پر سوار ہو کر لاکھوں کی تعداد میں آئے۔ تین چار دن خوب چہل پہل رہی۔ ان دنوں سکھوں کی مختلف سوسائٹیوں کی طرف سے دھرم پرچار کے نام پر مختلف اوقات میں کئی دیوان (جلسے) بھی کئے گئے۔ ان جلسوں میں اکثر سکھ لیکچراروں کی طرف سے سکھ مذہب کی خوبیاں بیان کرنے یا گورمت کی تعلیم پر روشنی ڈالنے کی بجائے حسبِ معمول مسلمان بادشاہوں کو کوسا گیا اور فوت شدہ مسلمانوں کے مظالم کی فرضی داستانیں بیان کی گئیں۔ خاکسار کو بھی بعض دیوانوں میں تقریر کرنے کا موقعہ ملا۔ میں نے اپنے سکھ بھائیوں کو حضرت باوا نانک صاحبؒ کے اس حکم کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی کہ:-

سانجھ کریجے گناں کیری
چھوڈ اوگن چلیئے۔

(گرنتھ صاحب محلہ ۱)

یعنی دوسروں کی عیب چینی نہ کرو۔ البتہ کسی میں کوئی خوبی ہے تو اس کا تذکرہ ضرور کرو۔

نیز یہ بھی کہا کہ ہم آنندپور صاحب آئے تھے کہ ہمیں سکھ ودوانوں اور گیانیوں سے ملنے کا اتفاق ہوگا اور "سنت ملے کچھ سنئیے کہیئے" کے ماتحت ہم کچھ ان سے سنیں گے اور کچھ ان کو سنائیں گے اور سکھ لیکچراروں کی زبان سے سکھ مذہب کی خوبیاں اور گورمت کے خصوصی مسائل کی فلاسفی سننے کا موقعہ میسر آئے گا۔ لیکن یہاں آکر ہمیں بہت ہی مایوسی ہوئی۔ ہمارے سکھ بھائیوں کے اکثر لیکچراروں کے پاس فوت شدہ مسلمانوں کو کوسنے کے اور کوئی علمی سرمایہ نہیں۔ ہمارے نزدیک تو کسی مذہب کی خوبصورتی اُس کی اعلیٰ اور

پاکیزہ تعلیم پر منحصر ہوتی ہے نہ کہ کسی دوسرے کے عیوب پر۔ اگر فرضاً کے طور پر یہ تسلیم بھی کر دیا جائے کہ مسلمان سب کے سب بُرے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے کہ سکھ مذہب اچھا ہے۔ خاکسار کی اس تقریر کو تعلیمی فتہ سکھوں نے بہت پسند کیا اور بعض سنجیدہ اور ذمہ وار سکھ صاحبان نے یہ بھی کہا کہ آپ شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی کو اس طرف توجہ دلائیں۔ فی الواقع سنگھ لیکچراروں کا یہ طریق ملک میں فتنہ پھیلانے کا موجب بن رہا ہے۔

آنندپور صاحب کی تاریخی حیثیت

ناظرین کی دلچسپی کے لئے خاکسار یہاں پر آنندپور صاحب کے کچھ تاریخی حالات درج کرتا ہے۔ سکھ مورخین تحریر فرماتے ہیں کہ گورو تیغ بہادر صاحب نے (جو سکھ صاحبان کے نویں گورو تھے) سمت ۱۷۲۳ بکرمی میں دریائے ستلج کے کنارے پر موضع ماکھووال کی زمین خرید کر آنندپور صاحب آباد کیا۔ اس کے بعد سکھوں کے دسویں گورو گورو گوبند سنگھ صاحب نے بھی اس کی رونق میں اضافہ کیا اور یہاں سے آپ نے اپنی گوریائی کا اعلان کیا اور اپنی زندگی کے ابتدائی ایام بسر کئے۔ اور یہاں پر ہی انہوں نے باون (۵۲) شاعر اپنے پاس رکھے جو مختلف زبانوں کے عارف تھے۔ اس طرح ایک علمی مجلس قائم کی۔ اس مجلس میں بعض مسلمان عالم بھی شامل کئے گئے۔ ان سب کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ مختلف مذاہب کی کتب کا گورمکھی زبان میں ترجمہ کر دیں۔ چنانچہ کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

سمت ۱۷۵۶ بکرمی میں گورو گوبند سنگھ صاحب نے سکھوں کو فوجی شکل دینے کے لئے خالصہ پنتھ کی بنیاد رکھی اور سکھوں کو "پانچ ککے" یعنی کیس (سر کے بال) کنگھا، کڑا، کرپان،

ﻟﮧ بعض سکھ مورخین نے خالصہ پنتھ کی بنیاد رکھنے کے سمت ۱۷۵۶ بکرمی میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ کسی نے سمت ۱۷۴۶ بکرمی ظاہر کیا ہے (ملاحظہ ہو سنکھیپ جیون چرتر گورو گوبند سنگھ ص۹) اور کسی نے سمت ۱۷۵۲ بکرمی بتایا ہے (ملاحظہ ہو پراچین پنتھ پرکاش ص۳۰) نیز کوئی سمت ۱۷۵۴ بکرمی بتاتا ہے (ملاحظہ ہو دَم گرنتھ مترجمہ پنڈت نارائن سنگھ صاحب گیانی ص۳۶۲) اور کوئی سمت ۱۷۵۵ بکرمی ظاہر کرتا ہے (ملاحظہ ہو مدھرم مارگ گرنتھ ص۸۴)

اور کچھ دار لکھنے کا حکم دیا، فرمایا کہ:-

نشان سکھی ایں پنج حرف است

ہرگز نہ باشد ایں معاف است

کرا کڑا کچھ کنگھا بدان

بلا کیس ہیچ است جملہ نشان

(کیساں دی برکت صفحہ ...)

اس دن سے اس مقام کو سکھ صاحبان میں ایک خاص اہمیت حاصل ہوگئی اور اس کو "خالصہ دی واسی" یعنی خالصہ کا گھر کا نام دیا گیا۔

گورو گوبند سنگھ صاحب نے اس آنندپور صاحب کو فوجی طریقہ پر ایک چھاؤنی کی شکل دیدی۔ دیکھنے میں آنندپور صاحب ایک قدرتی قلعہ کی صورت میں ہے۔ اس کے تین طرف پہاڑی سلسلہ قائم ہے اور اس حصہ پہاڑی سلسلہ کے ساتھ ساتھ کچھ حصہ میں دریا بھی بہہ رہا ہے جو قدرتی کھائی کا کام دے رہا ہے۔ اور اس پہاڑی دیوار کے اندر ایک وسیع میدان ہے جس میں علاوہ اور دیہات کے یہ آنندپور صاحب بھی آباد ہے۔ صرف ایک طرف ہی ایسی ہے جو اس پہاڑی دیوار سے خالی ہے یعنی روپڑ کا راستہ۔ اس طرف ایک ندی بہہ رہی ہے جس کو عبور کرکے ہی آدمی روپڑ پہنچ سکتا ہے۔ گورو صاحب نے اس قدرتی قلعہ کو مزید مضبوط کرنے کے لئے اور اس کی حفاظت کی غرض سے یہاں پر پانچ قلعے اور تیار کروائے جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) قلعہ آنند گڑھ۔

(۲) قلعہ لوہگڑھ

(۳) قلعہ کیس گڑھ

(۴) قلعہ فتح گڑھ

(۵) قلعہ ہولگڑھ

آج کل ان قلعوں کی جگہ پر گوردوارے بنوائے گئے ہیں۔

گورو گوبند سنگھ صاحب کے زمانہ میں آنندپور صاحب کے اردگرد ہندو راجاؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جنکو "بائی دھار کے راجے" کہا جاتا تھا۔ گورو گوبند سنگھ صاحب نے

"خالصہ پنتھ" کی سازمانہ شروع کیا تو ان راجاؤں کو بھی آپنے خالصہ پنتھ میں شامل ہونیکی دعوت دی جس کو انہوں نے رد کردیا۔ اس پر گورو گوبند سنگھ صاحب اور ان راجاؤں میں کشمکش شروع ہوگئی اور راجہ بھیم چند، راجہ کرپال چند، راجہ کیسری چند، راجہ گھمنڈ یال، راجہ ہری چند، راجہ پرتھی چند اور راجہ فتح شاہ صاحبان سے گورو گوبند سنگھ صاحب کی کئی بار باقاعدہ جنگ بھی ہوئی۔ ان جنگوں میں مسلمان بھی کافی تعداد میں شامل ہوئے، جو گورو گوبند سنگھ صاحب کی حمایت میں پہاڑی راجاؤں سے لڑے چنانچہ سید بدھو شاہ صاحب کے دو لڑکے بھی کام آئے۔

گورو گوبند سنگھ صاحب نے خود بھی ان جنگوں کی وجہ مذہبی اختلاف ہی بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ آپنے جو چٹھی فارسی اشعار میں اورنگ زیب کی خدمت میں ارسال کی اس میں پہاڑی راجاؤں کے ساتھ لڑائی کا باعث مذہبی اختلاف ہی بیان کیا جیساکہ آپنے لکھا ہے کہ ؎

منم کشتنم کوہیاں بت پرست
کہ او بت پرستند و من بت شکست

(ظفرنامہ صفحہ ۱۲۵)

اسی طرح گیانی گیان سنگھ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ گورو گوبند سنگھ صاحب نے پہاڑی راجاؤں کو ایک چٹھی کے جواب میں تحریر فرمایا کہ :-

"آپکو معلوم ہو کہ ہم اپنی زرخرید زمین میں آباد ہیں۔ ہم کسی کی رعایا نہیں۔ ہم نے پہلے بھی کسی کی اطاعت قبول نہیں کی اور اب بھی کسی کی اطاعت قبول نہ کرینگے۔ اگر آپ ہم سے میل کرنا چاہتے ہیں تو امرت چھک کر سنگھ بن جائیں جس پر تمام خالصہ تم کو اپنا سردار تسلیم کرلیگا اور آپکے پیچھے چلیگا۔ اسکے نتیجہ میں آپکو آزاد حکومت حاصل ہوگی۔ بغیر سنگھ بننے کے آپسے خالصہ کسی قسم کا بھی میل نہیں کرسکتا۔ (تواریخ گورو خالصہ مترجم از گورمکھی صفحہ ۱۱۴)

اسکے بعد جب پہاڑی راجاؤں نے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھی تو وہ صوبہ سرہند کی خدمت میں امداد طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ چنانچہ گیانی گیان سنگھ صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"جب پہاڑی راجاؤں نے دیکھا کہ سکھوں کو شکست دینا ان کے بس کی بات نہیں، فوراً صوبہ سرہند کے قدموں پر جا گرے اور بیس ہزار خرچ ادا کرکے مدد کے خواہاں ہوئے۔ انجام صوبہ سرہند نے بہت سی فوج لیکر راجہ بھیم چند کی مدد کی"۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲..)

[illegible] آنجہانی ایڈیٹر اخبار "دھرم ویر" ا۔ یوں رقمطراز ہیں کہ :-

صوبہ سرہند کی اس فوجی امداد نے پہاڑی راجاؤں کے پاؤں مضبوط کر دیئے اور اُن کی طرف سے آنندپور صاحب کا محاصرہ اس قدر سختی سے کیا گیا کہ کوئی چیز بھی اندر نہ جانے دی جاتی کہ کھانے پینے کی اشیاء کو بھی روک دیا گیا۔ اس تنگی سے تنگ آکر اکثر وہ سکھ جو گورو صاحب کے ساتھ رہا کرتے تھے آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ بلکہ یہ لکھ کر دے گئے کہ آپ ہمارے گورو نہیں اور ہم آپ کے سکھ نہیں۔ آخر گورو گوبند سنگھ صاحب کو آنندپور چھوڑنا پڑا۔

آنندپور صاحب میں گورو صاحب کی بعض اشیاء تاریخی یادگار کے طور پر رکھی ہوئی ہیں جنکو سکھ لوگ بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان چیزوں میں سے ایک "سیف" بھی ہے جس کے متعلق سکھ مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی "سیف" ہے۔ جو بہادر شاہ نے گورو گوبند سنگھ صاحب کو بطور تحفہ پیش کی تھی۔[1]

اس سیف کی لمبائی معہ دستہ کے چار فٹ تین انچ ہے اور چوڑائی دستہ کے پاس تین انچ، درمیان میں دو انچ، آخر میں تیز نوک ہے۔ اور اس کا وزن ۲۲ چھٹانک ہے۔ نیز اس کے ایکطرف حسب ذیل عبارت ہے:-

نصر من اللہ و فتح قریب

محیط علم راکندہ امیرالمومنین حیـدر

امام الجن والانس وصی المصطفےٰ حقاً

لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ

اور دوسری طرف یہ عبارت ہے:-

لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

بسم اللہ الرحمن الرحیم
تحفہ است علی فاطمہ حسن و حسین

بقیہ حاشیہ صـ۱۲) "گورو گوبند سنگھ صاحب نے بلا تمیز ہندو اور مسلمانوں کے لڑائیاں کیں بلکہ زیادہ اُن کا جنگ و جدل ہندوؤں کے ساتھ تھا۔ مسلمان حاکموں کو صرف ہندوؤں کی مدد کیلئے شامل ہونا پڑتا تھا اور یہ اُن کا اخلاقی فرض تھا۔ کہ اپنے ماتحت اور کمزور سلطنتوں میں امن و امان قائم رکھیں۔" (ہندو جاتی اور سکھ گورو صـ۹)

[1] ملاحظہ ہو گوردوارے درشن صـ۶۰۔ سردار بہادر کاہن سنگھ صاحب نے لکھا ہے کہ "سید بدھو شاہ نے یہ سیف گورو صاحب کو دی تھی۔"

(ملاحظہ ہو مہمان کوشش صـ۲۰)

اس سیف کو ہمارے سکھ مہمان بہت عقیدت سے دیکھتے ہیں۔

آنندپور صاحب کے گوردوارے

آنندپور صاحب میں آج کل سکھ صاحبان کے مندرجہ ذیل گوردوارے ہیں:-

(۱) گوردوارہ اکال بنگا صاحب یہ گوردوارہ شہر میں گوردوارہ سیس گنج کے احاطہ میں ہے۔ یہاں پر گورو گوبند سنگھ صاحب کے گورو مقرر ہونے کی رسم ادا کی گئی تھی۔

(۲) گوردوارہ آنندگڑھ صاحب یہ گوردوارہ آنندپور سے نصف میل کے فاصلہ پر جانب جنوب ہے یہ اس قلعہ پر بنایا گیا ہے جو گورو صاحب نے آنندپور کی حفاظت کیلئے تیار کروایا تھا۔

(۳) گوردوارہ سیس گنج صاحب آنندپور شہر میں شری گورو تیغ بہادر صاحب کی یادگار میں یہ گوردوارہ بنایا گیا ہے اسجگہ گورو صاحب موصوف کا سر جلایا گیا تھا۔

(۴) گوردوارہ کیس گڑھ صاحب یہ گوردوارہ آنندپور صاحب سے جنوب مغرب کی طرف ہے۔ اس جگہ گورو گوبند سنگھ صاحب نے خالصہ پنتھ کی بنیاد رکھی تھی۔

(۵) گوردوارہ گورو کے محل یہ گوردوارہ شہر کے اندر ہے۔ گورو تیغ بہادر صاحب نے اس جگہ اپنی رہائش کے لئے مکان بنائے تھے۔ ان مکانوں میں ہی گورو گوبند سنگھ صاحب نے رہائش اختیار کی تھی اور آپ کے چار صاحبزادوں کی پیدائش بھی اسجگہ ہوئی تھی[۱]

(۶) گوردوارہ دمدمہ صاحب یہ گوردوارہ آنندپور صاحب سے جانب غرب ہے اور گورو گوبند سنگھ صاحب کی یادگار میں بنایا گیا ہے اور اسی مقام پر آپ نے مسندوں کو سزا بھی دی تھی[۲]

---

[۱] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گورو گوبند سنگھ صاحب کے تین ہی فرزند تھے۔ جیسا کہ مرقوم ہے کہ:-

"یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جوجھار سنگھ اور زورآور سنگھ صاحب ایک ہی صاحبزادہ کے دو نام تھے۔ ایک نام ہے اور دوسرا لقب"

(سورج پرکاش مترجم از گورمکھی ۱۹۵۵ء)

[۲] مسند گوروراماس صاحب نے مقرر کئے تھے۔ ان کے سپرد سکھ مذہب کا پرچار۔ اور چندوں کا وصول

(۷) گوردوارہ منجی صاحب

گوردوارہ گورو کے محلوں کے پاس ہی یہ گوردوارہ ہے۔ اس جگہ گورو تیغ بہادر صاحب روزانہ شام کے وقت دیوان لگایا کرتے تھے۔

(۸) گوردوارہ منجی صاحب

یہ گوردوارہ شہر میں گوردوارہ کیس گڑھ صاحب کے پاس چار صاحبزادوں کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ یہاں پر وہ صاحبزادے بچپن کے زمانہ میں کھیلا کرتے تھے۔ نیز انہوں نے ابتدائی تعلیم بھی یہاں پر ہی حاصل کی تھی۔

(۹) گوردوارہ بھوراصاحب

یہ گوردوارہ گورو کے محلوں میں ہے۔ اس جگہ گورو تیغ بہادر صاحب علیحدگی میں بھجن کیا کرتے تھے۔

(۱۰) گوردوارہ فتح گڑھ صاحب

یہ گوردوارہ آنند پور صاحب کے تھانہ کے پاس ہے اس جگہ گورو گوبند سنگھ صاحب نے آنند پور صاحب کی حفاظت کے سلسلہ میں ایک قلعہ بنوایا تھا۔ جو اب گر چکا ہے۔

(۱۱) گوردوارہ لوہگڑھ صاحب

آنند پور صاحب سے جانب جنوب مغرب ایک میل کے فاصلہ پر یہ گوردوارہ ہے۔ اس جگہ بھی گورو صاحب نے آنند پور صاحب کی حفاظت کے لئے ایک گوردوارہ بنایا تھا۔ یہ قلعہ بھی اب گر چکا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) کرنا کیا گیا تھا۔ گورو گوبند سنگھ صاحب کے زمانہ میں ان مسندوں نے بلکہ گورو صاحب کے خلاف سازش کی کہ آپ کو گورپائی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اور آپ کی جگہ آپ کے صاحبزادہ کو گورو مقرر کر دیا جائے۔ گورو صاحب کو اس کا علم ہوگیا۔ اس پر انہوں نے بڑے بڑے مسندوں کو زندہ تیل کے تپتے ہوئے کڑاہوں میں ڈال کر جلا دیا۔ (ملاحظہ ہو پنتھ پرکاش بھنگو رتن سنگھ صفحہ ۳۶ ، تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۰۹ ، گور پرتاب سورج گرنتھ رت ۳ انسو ۱۸ ، واتھا اس سکھ گورو صاحبان و دیگر تیغ دا مالک عدد ۱۲ مصنفہ گیانی کشمیر سنگھ صاحب صفحہ ۲۶۹ اور تواریخ گورو خالصہ پنتھ مصنفہ گیانی لال سنگھ صاحب صفحہ ۵۴۶)

جسمانی صفائی کی حقیقت پر فلسفیانہ نظر

(از جناب ڈاکٹر شاہ نواز خاں صاحب)

تمہید جسمانی صفائی کا احساس اور ظاہری پاکیزگی اور طہارت کا شعور ایک فطری جذبہ ہے۔ انسان تو انسان حیوانوں تک میں یہ جذبہ پایا جاتا ہے۔ تمام مذاہب نے اس پر زور دیا ہے۔ بلکہ اسکو خدا شناسی کا بڑا ذریعہ قرار دیا ہے۔ آج کل کی تہذیب میں تو صفائی پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ وہ مبالغہ کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ محض جسمانی صفائی کے حصول کے لئے تمام اخلاقی، مجلسی اور معاشرتی قوانین کو ایسا بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے کہ گویا صفائی ہی انسان کا اصل مقصود ہے۔ اس مضمون میں انشاء اللہ علوم جدیدہ کی روشنی میں بتایا جائے گا کہ ظاہری صفائی کا کونسا طریق فطری اور طبعی ہے اور کس مذہب نے اپنے متبعین کی اس معاملہ میں سچی راہنمائی کی ہے۔

جسمانی صفائی کی اصل غرض یہ ہے کہ انسان اوّل تو اندرونی مَیل اور گندی رطوبتوں، فضلات وغیرہ سے خلاصی حاصل کرے اور دوسرے بیرونی مَیل اور گند اور گرد وغبار سے جسم کو بچائے رکھے صفائی کے حصول کے لئے ذرائع ہیں۔ مثلاً غسل کرنا، استنجا کرنا، مُنہ ہاتھ دھونا، دانتوں کو صاف کرنا، حجامت، تزئین وغیرہ۔ اِن میں سے بعض ایسے طریق ہیں کہ تمام مہذب لوگ اور تمام مذاہب کے ماننے والے ان پر متفق ہیں۔ گو تفصیلات میں یہاں بھی فرق ہے مگر اس اتفاق کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ جسمانی صفائی کے حصول کے طریق میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ صفائی کی تعریف تک میں اختلاف ہے۔ اس زمانہ میں ہمارے سامنے تین قومیں ہیں جن کا مثلاً بالوں کی صفائی کا طریق ایک دوسرے سے بالکل جدا گانہ ہے۔ اوّل ہمارے سکھ دوست ہیں جو جسم کے کسی حصہ کے بال کو چھونا تک خلافِ فطرت سمجھتے ہیں۔ اور ان کا یہ طریق ہے کہ جس طرح قدرت نے پیدا کیا ہے رہنے دیا جائے اور تزئین وغیرہ نہ کی جائے۔ دوسری طرف یورپین یا مغربی لوگ ہیں جو صفائی کے یہ معنے کرتے ہیں کہ چہرہ پر بالوں کا نام و نشان نہ

رہنے دیا جائے یعنی داڑھی بلکہ مونچھوں تک کا صفایا کر دیا جائے۔ مگر وہ اندرونی بال (بغل اور زیرناف) کو لمبا چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی صفائی اُن کے نزدیک ضروری نہیں ہے۔ تیسرے ہمارے مسلمان بھائی ہیں جو کہ اس کے بالکل برعکس چہرہ پر بال (داڑھی اور مونچھ) رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر اندرونی بال (بغل اور زیر ناف) کا لینا سنت خیال کرتے ہیں۔

سر کے بالوں کی وضع کے متعلق بھی تینوں میں اختلاف ہے۔ ایک عورتوں کی طرح مردوں کے سر کے بال بھی لمبے رکھتے ہیں، دوسرا گرد چھوٹے بڑے بال (قزع) کترواتا ہے اور مسلمان لوگ سر کے بال چھوٹے مگر ایک جیسے یا بعض پٹے پسند کرتے ہیں۔ یہی حال طہارت کے طریق غسل وغیرہ کا ہے۔ جس میں مشرق اور مغرب میں اختلاف ہے۔ مغربی لوگ پانی کے بغیر طہارت کافی سمجھتے ہیں مگر مشرقی لوگ پانی کی ضرورت کے قائل ہیں۔ مغربی لوگ ٹب باتھ لیتے ہیں مگر مشرقی جاری پانی سے غسل یا وضو کرنے کے قائل ہیں۔ ایسے حالات میں نئی پود خصوصاً نوجوانوں کے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ کونسا طریق فطری اور طبعی ہے۔ مغربی قوموں کو چونکہ آج کل غلبہ اور اقتدار حاصل ہے اس لئے وہ اپنی تہذیب کو اعلیٰ سمجھتے ہیں اور وہ حکومت کے نشہ میں اس بات پر غور کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتے کہ مشرق کی بھی کوئی بات اچھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ "الناس علیٰ دین ملوکھم" کے ماتحت خصوصاً نوجوان طبقہ مغربی اثر کے ماتحت ان کی تہذیب کو اختیار کرتا جا رہا ہے۔ الا ماشاء اللہ

ایسے حالات میں ضروری ہے کہ طب اور سائنس کی روشنی میں نوجوانوں کو بتایا جائے کہ کونسا طریق طبعی اور فطرت کے منشاء کے مطابق ہے۔ اور کس قوم اور مذہب نے یہ طبعی طریق سکھلایا ہے جس کو اختیار کرنا ہر دانشمند کا فرض ہے۔ یہ ایک وسیع مضمون بلکہ مضامین کا سلسلہ ہے (جس کی طرف عاجز پہلے بھی توجہ دلاتا رہا ہے۔ مگر چونکہ انسان یاددہانی کا محتاج ہے۔ پھر نئے لوگ بھی سلسلہ میں داخل ہوتے رہتے ہیں اس لئے تکرار کی ضرورت ہے) اس لئے اس مضمون میں مختصر اشارات[1] ہی کئے جا سکتے ہیں۔ تاکہ مضمون زیادہ طول پکڑ کر نازک طبع ناظرین پر گراں نہ گذرے۔ اس مضمون کی ترتیب بھی طبعی رکھی گئی ہے یعنی انسان کی پیدائش سے لے کر مرنے تک کے جسمانی یا ذاتی صفائی کے لئے جو جو طبعی طریق ہو سکتے ہیں اُن کا بیان انشاء اللہ الگ الگ سرخیوں کے ماتحت کیا جائے گا۔ واللہ الموفق۔

---

[1] بعض مضامین کی تفصیل ریویو اردو کے پرانے فائلوں میں مل سکتی ہے۔

۱۔ نوزائیدہ بچّے کی ذاتی صفائی

(۱) مُنہ کی صفائی (تحنیک یا گھُٹی) نوزائیدہ بچّے کا مُنہ بالعموم غلاظت، جراثیم وغیرہ کے اثر سے پاک ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وضع حمل کی شدت کی وجہ سے اُس کا مُنہ کھُل جائے اور گندی رطوبت لگ جائے۔ اس کے بعد چند یوم کے اندر ہی مختلف قسم کے (مفید اور مضر) جراثیم اُس کے مُنہ میں داخل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ کچھ خوراک کے ذریعے اور کچھ دوسرے بچوں کی غلیظ انگلیوں سے۔ واضح ہو کہ جراثیم کا وجود بالکل مضر نہیں ہے بلکہ یہی جراثیم جن کو بُرا کہا جاتا ہے زندگی کا ستون ہیں چنانچہ تجربہ سے یہ معلوم کیا گیا ہے کہ اگر کسی بچّے کو ایسے طریق پر جنایا جائے (مثلاً پیٹ کھول کر) کہ اُس کے مُنہ میں غلاظت لگنے کا امکان نفی کے برابر ہو اور بعد میں بھی اُس کے مُنہ کو پاک و صاف رکھا جائے اور غذا بھی خوب اُبال کر دی جائے (تاکہ جراثیم مر جائیں) تو اُس بچّے کا ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے اور صحت گرنی شروع ہو جاتی ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کا منشاء یہ ہے کہ ولادت کے بعد جلد ہی بچّے کے جسم میں "مفید" جراثیم داخل ہو جائیں جو اُس کے معدہ اور امعاء کی مشینری کو چلانا شروع کریں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ بچّے کے لئے جراثیم کا وجود ضروری ہے اور رحمت ہے تو طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے آیا کہ بچّے کو بعد ولادت قدرت کے حوادث کا شکار ہونے کو چھوڑ دیا جائے (مثلاً ماں کی بے احتیاطی، چھاتیوں کو صاف نہ کرنا یا کسی دوسرے بچّے کا غلیظ انگلی اُس کے مُنہ میں ڈال دینا، یا کسی ماخورہ کے شکار کا اُس کا مُنہ چوم لینا۔ یا بچہ ہی جب رینگنا شروع کرتا ہے تو اکثر وہ فرش پر سے تھوک وغیرہ سے انگلی تر کر کے مُنہ میں ڈال لیتا ہے اور بعض غلیظ جوتی کو مُنہ میں ڈال لیتے ہیں) یا خود اُس کے لئے ولادت کے فوراً بعد ہی قبل اِس کے کہ دوسرے ذرائع سے مضر جراثیم مُنہ میں داخل ہو جائیں ہم کوئی مفید کلچر جراثیم کا تیار کر کے اُس کے مُنہ میں ڈال دیں جو کہ اعلےٰ کلچر تیار کر کے جسم پر قبضہ کر لے۔ ظاہر ہے کہ دوسرا طریق زیادہ دانشمندانہ اور مفید ہے۔

اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ ولادت کے بعد جلدی ہی بچّے کے مُنہ میں کوئی شے ڈالنی ضروری ہے جس کو پنجابی میں گھُٹی کہتے ہیں۔ میرے نزدیک گھُٹی کی ضرورت اتنی بطور غذا کے نہیں ہے جتنی کہ اُس کی اہمیت بطور مفید جراثیم کی کلچر کے ہے۔ کیونکہ بچّے کو آنول سے اتنا خون ماں کے رحم سے الگ ہوتے ہی مل جاتا ہے جو اُس کو ۲، ۳ دن تک بغیر خوراک کے زندہ رکھ سکے۔ ہمارے

ملک میں بالعموم گڑ یا شہد کے پانی میں تھوڑا سا کسٹرائل ملا کر ململ کی بتی سے گھٹی دیتے ہیں۔ عربی زبان میں اس کو تحنیک کہتے ہیں یعنی کسی شے کو بابرکت کرنا اور پاک کرنا اور بڑھانا اور اس کا مسنون طریق جو احادیث سے ثابت ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلعم ایسے مواقع پر اپنے دہن مبارک میں نرم کھجور چبا کر اس کا لعاب نوزائیدہ بچے کو چٹاتے تھے اور اس طریق کی نقل میں مسلمانوں کو حکم ہے کہ کسی بزرگ کے ہاتھوں گھٹی دلائی جائے۔ مگر افسوس ہے کہ اس مفید اور بابرکت اُسوۂ حسنۂ نبویؐ سے پورا فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا (الّا در کالمعدوم) جو یہ ہے کہ کسی سچے مسلمان کے (جس سے میری مراد وہ مسلمان ہے جو کہ باقاعدہ مسواک یا برش بھی کرتا ہو سو کر پائی اور دیا کا مارا ہوا رسمی مسلمان) منہ کا لعاب بچے کے منہ میں ڈال کر اس کے معدہ کو پاک کیا جائے۔ یعنی مفید جراثیم کی کلچر اندر داخل کی جائے جو یا منہ کے فعل کو جاری کرے۔

بادی النظر میں یہ طریق قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی مغربی تہذیب کا دلدادہ یہ سن لے تو شائد اس کو سکتہ ہو جائے۔ مگر جب اس حقیقت کو مدنظر رکھا جائے کہ بہرحال بچے کے اندر جراثیم داخل ہونے ہیں۔ اگر تم خود مفید کلچر تیار نہ کرو گے تو مضر اور مفید سے جلے جراثیم منہ میں داخل ہو کر اپنا کام شروع کر دیں گے۔ پس یہ بہتر ہے کہ مسنون طریق تحنیک کا اختیار کر کے جسمانی اور روحانی دونوں فوائد حاصل کئے جائیں۔ یہ بچے کی جسمانی صفائی کی ابتدا ہے جس میں کسی مذہب نے بھی اپنے متبعین کی راہنمائی نہیں کی سوائے مسلمانوں کے رسول پاک صلعم کے جنہوں نے ایسا پُرحکمت طریق منہ کی صفائی کا دُنیا کو سکھلایا۔ یہ مسلمانوں کے رسولؐ کی پہلی فتح ہے۔

(۲) نوزائیدہ کا سر مونڈنا (جھنڈ)

تحنیک اور غسل کے بعد سر کی صفائی کا سوال ہے۔ جب اس حقیقت کو مدنظر رکھا جائے کہ جنین کا سر رحم مادر میں کئی مہینوں تک ایک ایسے سیال مادہ میں ڈوبا ہوتا ہے جس میں کئی قسم کے گند اور بچے کی غلیظ رطوبتیں پڑی رہتی ہیں۔ تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ بچے کے لمبے لمبے گھنے سر کے بالوں کی مکمل صفائی محض زیتون کا تیل لگا دینے اور صابن سے غسل دینے سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بالوں کی جڑوں میں سے میل اس طرح بھی دُور نہیں ہو سکتی۔ پس ضروری ہے کہ بچے کا سر مونڈا جائے۔ اس طرح نہ صرف سر پوری طرح صاف ہو جائے گا بلکہ اُسترے کی رگڑ کا بالوں کی آئندہ نشو و نما پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ سر مونڈنے کے بعد ضروری ہے کہ

سر پر کوئی ایسی دوائی مل دی جائے جو جراثیم کش ہو اور حرارت غریزی کو بڑھانے والی بھی ہو۔ تا کہ اگر کوئی کٹ لگ گیا ہو تو وہ پک نہ جائے۔ اور بال لینے کے بعد چونکہ سر کو سردی لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے بھی سر کو گرم رکھنے والی دوائی کی ضرورت ہے۔

اس حقیقت کی روشنی میں آؤ اب دیکھیں کہ کس مذہب نے اپنے پیروؤں کو نونامیدہ بچوں کا سر مونڈنے کا حکم دیا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے سوائے اسلام کے کسی نے بھی اس کو مذہب کا جزو قرار نہیں دیا۔ چنانچہ مسلمانوں کا یہ مسنون طریق ہے کہ وہ اپنے بچوں کا ساتویں دن (یا اگر کوئی موانع ہوں تو ۱۴ یا ۲۱ دن کے بعد) سر مونڈ کر زعفران کا پانی لگاتے ہیں جو کہ نہایت ہی ضروری اور پُرحکمت طریق ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ سات دن کی شرط کیوں رکھی ہے؟ کیوں نہ پہلے دن ہی صفائی کر دی جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو بچے کو پیدائش کا ہی اتنا صدمہ (SHOCK) پہنچا ہوتا ہے کہ اس کو چند دن تک پوری ہوش نہیں ہوتی۔ دوسرے۔ ضروری ہے کہ اُس کی جلد اس حد تک مضبوط ہو جائے جو اُسترے کی رگڑ کو برداشت کر سکے۔ (ورنہ کٹ لگ جانے کا اندیشہ رہے گا) بچے کی جسمانی صفائی کا یہ دوسرا سنہری اصل ہے جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے۔ اور یہ مسلمانوں کے رسول صلعم کی دوسری فتح ہے۔

---

(۳) ختنہ منہ اور سر کے بعد عضو مخصوص کی صفائی کا سوال ہے۔ جس کیلئے ضروری ہے کہ لڑکوں کا ختنہ جتنی جلدی ہو سکے کرا دیا جائے۔ ختنہ کی ضرورت اور اس کے فوائد کے متعلق کچھ لکھنا اب تو تحصیل حاصل سا ہو رہا ہے۔ یورپ میں بھی اس کا رواج عام ہو گیا ہے۔ چنانچہ انگلستان کے بعض پرائمری سکولوں میں بچوں کو داخل نہیں کرتے جب تک بچے کا ختنہ نہ کیا ہوا ہو۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا والے ہر ایڈیشن میں اس کے متعلق تعریفی نوٹ لکھتے ہیں۔ اور بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں کہ :-

"واقعی کسی نہایت ہی عقلمند اور دُور اندیش قانون ساز نے یہ مفید حکم دیا ہے جس کو جاری کرنا ایک اہم قومی ضرورت ہے"

ختنہ کو سُنتِ ابراہیمی کہا جاتا ہے۔ اس کا رواج مذہبی طور پر صرف مسلمانوں اور یہودیوں میں پایا جاتا ہے۔ افریقہ کے بعض حبشی قبائل بھی ختنہ کرواتے ہیں۔ مگر اس کی بنیاد زیادہ تر

قدیم قبائلی رسوم اور رواج پر معلوم ہوتی ہے۔ ہندوستان میں غیر مسلموں میں ابھی اس کا رواج عام نہیں ہوا۔ بلکہ بہت حد تک اس کے خلاف عنصر پایا جاتا ہے۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اختصار کے ساتھ ختنہ کے فوائد لکھ دیئے جائیں۔

قدرت نے انسان کو بعض ایسے قدرتی غلاف دیئے ہیں۔ جن کی ضرورت ہم مادر میں ہے اور بعض کی صرف اس وقت اور اس حد تک ہے جب تک کہ انسان تمدن اختیار نہ کرے۔ تمدن اختیار کر لینے کے بعد چونکہ انسان ان قدرتی غلافوں کی بجائے مصنوعی غلاف۔ لباس وغیرہ استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے اس لئے قدرتی غلاف کی ضرورت نہیں رہتی۔ (اس مسئلہ کی تفصیل بالوں کی فلاسفی میں آگے آئے گی۔) غلفہ (یعنی عضو مخصوص کا قدرتی غلاف) بھی ان غلافوں میں سے ہے جس کی ضرورت بعد ولادت انسان کو نہیں رہتی۔ کیونکہ بچوں میں اس کی وجہ سے کئی امراض پیدا ہوتی ہیں اس لئے اس کا کاٹ دینا ضروری ہے۔ ختنہ کے بغیر عضو کی صفائی قریباً محال ہے۔ بخصوصاً جن بچوں کا غلفہ بہت تنگ ہو اور آسانی سے پیچھے نہ ہٹ سکتا ہو تا چنانچہ میل وغیرہ جمع ہو کر کھجلی ہوتی رہتی ہے۔ جس سے بچے کی توجہ اس طرف ہو کر جلق وغیرہ کی عادت پیدا ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بعض دفعہ غلفہ پیچھے ہٹ کر پھر واپس نہیں آسکتا جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور کئی دفعہ اپریشن تک نوبت آجاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر وقت عضو میں میل جذب ہونے کی وجہ سے اور متعفن مادوں کے خون میں داخل ہوتے رہنے کی وجہ سے بعض بچوں کی عام صحت خراب رہتی ہے جس کا علاج صرف ختنہ ہے۔ چنانچہ قادیان میں ایک مشہور ہندو گھرانہ ہے ان کے لڑکے بچپن میں فوت ہو جاتے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو کہ مشہور طبیب بھی تھے مشورہ لیا۔ تو حضور نے فرمایا ختنہ کرا دو۔ چنانچہ اس کے بعد ان کے بچوں کی صحت درست ہونی شروع ہو گئی اور اب وہ باوجود ہندو ہونے کے باقاعدہ سب بچوں کا ختنہ کرواتے ہیں۔

ختنہ نہ کروانے کے نقصان کے علاوہ ختنہ کروانے کے فوائد بھی ہیں۔ مثلاً صفائی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے مختون بچوں کی ہی اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ امراض خبیثہ اور عضو کا سرطان (CANCER) مختون قوموں میں نسبتاً بہت کم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ختنہ قوت امساک[1] کو بھی بڑھاتا ہے

---

[1] قوت امساک صرف عیاشی کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کا ایک حد تک موجود ہونا مردانہ جوہر ہے اور قرار حمل کے لئے نہایت ضروری بھی۔

پولاک ایلس اپنی مشہور کتاب سائیکالوجی آف سیکس (SEX) میں لکھتے ہیں کہ یورپ میں جب کوئی عیسائی دوست (غیر مختون) کسی عورت کی تسلی نہ کر سکے تو وہ یہودی (مختون) دوست کو بلاتی ہے اور یہ فرق صرف ختنہ کی وجہ سے ہے ۔ ہندوستان میں بھی ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ کہ بعض غیر مسلم آوارہ عورتیں مسلمان اور باشوں کو ترجیح دیتی ہیں جس کی ایک وجہ ختنہ بھی ہے ممکن ہے گوشت خوری کا بھی اس میں کچھ دخل ہو۔ غیر مسلم لیڈر جو آئے دن مسلمانوں کو کوستے رہتے ہیں ان کو چاہئے کہ اپنی قوم میں ختنہ اور گوشت خوری کو جاری کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ کتنی جلدی اغوا کی وارداتوں میں کمی ہو جاتی ہے ۔ اس طرح نہ صرف بے اولادوں کو اولاد حاصل ہوگی بلکہ بچوں کی صحت بھی بہتر ہو جائے گی اور ان میں صفائی کا احساس بھی بڑھ جائے گا۔

ختنہ سات دن تک ملتوی کرنے میں حکمت

اگر یہ سوال ہو کہ ایسا مفید اپریشن سات دن تک کیوں ملتوی کیا جائے ۔ کیوں نہ پیدائش کے جلد ہی بعد ختنہ کر دیا جائے ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت اسلام نے کسی حکمت کی بناء پر ہی اس کو سات دن تک ملتوی کیا ہے ۔ مگر آج کل یورپین ڈاکٹروں کو ختنہ کا ایسا جنون سا ہو رہا ہے کہ بعض تو ولادت کے ساتھ ہی ختنہ کر دیتے ہیں ۔ اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ایک احمدی ڈاکٹر بھی محض مغرب کی تقلید میں (نہ کسی فقہ کی سند کی بناء پر) اپنے بچوں کا سات دن سے قبل ہی ختنہ کر دیتے ہیں ، مگر ظاہر ہے کہ یہ طریق نہ صرف خلاف سنت نبوی صلعم ہے بلکہ خطرناک اور مضر صحت بھی ہے کیونکہ :-

اول :- جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے بچے کو ولادت کا کافی صدمہ (شاک) پہنچا ہوتا ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا اثر ختنہ سے قبل پوری طرح دور ہو چکا ہو۔ دوسرے ماں خود بستر پر پڑی ہوتی ہے اور اس کے لیے آٹھ دس دن تک زیادہ اٹھنا یا بار بار رات کو جاگنا مضر ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ کم سے کم سات دن تک اپریشن ملتوی کیا جائے ۔ اور تیسرے سب سے بڑھ کر اہم طبی دلیل سات دن تک ختنہ کو ملتوی کرنے کی یہ ہے کہ اس طرح جریانِ خون کا اندیشہ بھی بہت کم ہو جاتا ہے ۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بچے کے خون میں پہلے ۴،۵ دن تک خون کو جمانے والے دانے (PLATELETTS) بہت کم ہوتے ہیں ۔ اس لئے اگر ان دنوں میں بچے کو کوئی زخم آ جائے تو خون جلدی بند نہیں ہوتا ۔ ۶،۷ دن تک یہ دانے کافی مقدار میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جریانِ خون کو روکنے کی طاقت جسم میں

کافی پیدا ہوجاتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ ختنہ سات دن سے قبل ہرگز نہ کیا جائے۔

بچوں کی جسمانی صفائی کا یہ تیسرا طبعی اور فطری طریق ہے جو کہ مسلمانوں کو مذہبی طور پر سکھایا گیا ہے۔ اور یہ مسلمانوں کے رسول اکرم کی تیسری فتح ہے۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۲۔ عام جسمانی اور ذاتی صفائی

جاری پانی کا اصل عام جسمانی صفائی میں پانی کا استعمال سب سے اہم ہے۔ یعنی منہ ہاتھ دھونا، آنکھ ناک کان کی صفائی، طہارت، غسل وغیرہ ہیں۔ مگر یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ صفائی کے طریق میں خصوصاً مشرق اور مغرب کے لوگوں میں بہت اختلاف ہے۔ تفصیلات کو الگ کر کے مثلاً ایک نمایاں اصولی فرق یہ ہے کہ مشرقی لوگ جاری پانی یعنی لوٹے یا گڑوی سے وضو اور غسل وغیرہ پسند کرتے ہیں اور مغربی لوگ (جن میں مغرب زدہ ایشیائی بھی شامل ہیں)، بند پانی یعنی ٹب یا واش بیسن میں غسل کرتے اور منہ ہاتھ دھوتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ بند پانی یعنی ٹب یا واش بیسن کا استعمال پانی ہرگز پوری صفائی نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح میلا پانی بار بار منہ اور جسم پر ڈالا جاتا ہے جس سے ہر پاکیزگی اور طہارت کے خواہشمند کو طبعاً نفرت ہونی چاہئے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے بعض ہندوستانی نوجوان ہر بات میں یورپین لوگوں کی اندھی تقلید شروع کر دیتے ہیں۔ خواہ وہ بات خلاف عقل یا صفائی کے اصول کے خلاف ہی ہو۔

(نوٹ):۔ جاری پانی کی فضیلت بند پانی پر اس طرح سے بھی ثابت ہے کہ اپریشن سے قبل سرجن ہمیشہ جاری پانی سے ہاتھ صاف کرتے ہیں جو کہ زیادہ محفوظ طریق ہے۔

وضو کے فوائد انسان کے جسم کو دو قسم کے گند ہر وقت لگتے رہتے ہیں۔ ایک بیرونی گرد و غبار اور دوسرے اندرونی رطوبتوں کی میل پسینہ وغیرہ۔ اسلئے ضروری ہے کہ جسم کو بار بار پانی سے دھویا جائے تاکہ مساموں کا منہ کھلا رہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ سارے جسم کو سوائے دن میں دو ایک بار کے دھونا مشکل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وضو کیا جائے جو غسل کا ایک حد تک قائم مقام ہے۔ کیونکہ اس میں جسم کے ان تمام حصوں کو دن میں کئی بار دھویا جا سکتا ہے جو بالعموم ننگے رہتے ہیں اور بیرونی گرد و غبار کا اثر

زیادہ لیتے ہیں۔ یعنی ہاتھ، چہرہ، بازو اور پاؤں۔ اِس طرح پانی بھی کم خرچ ہو گا وقت بھی زیادہ صرف نہ ہو گا اور کپڑے اُتارنے کی تکلیف بھی بار بار نہ کرنی پڑے گی۔ اور اصل مقصود یعنی صفائی بھی حاصل ہو جائے گی۔ یوں تو تمام مہذب ممالک کے لوگ مُنہ ہاتھ دھوتے ہی ہیں اور سوائے جاری اور بند پانی کے اصل میں اختلاف کے جو اُوپر بیان ہوا ہے مشرق اور مغرب اس بارے میں متفق ہیں مگر وضو کو مذہب کا حصہ اور ضروری جُزو صرف اسلام نے ہی رکھا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ہر نماز سے قبل یعنی دن میں پانچ بار وضو کیا جائے۔ یعنی ہاتھ، مُنہ اور پاؤں کو دھویا جائے۔ (سوائے ان مُستثنیات کے جن کی تفصیل فقہ میں موجود ہے) وضو کا حکم بالعموم اور اُس کی تفصیلات بالخصوص نہایت ہی لطیف اور پُر حکمت اصولوں اور جسمانی اور روحانی فوائد پر مبنی ہے۔ جیسا کہ ذیل کی تشریح سے واضح ہو گا۔ مگر اِس وقت میں صرف اس کے جسمانی فوائد بیان کروں گا۔

وضو کا ایک موٹا اصولی فائدہ تو اُوپر لکھا جا چکا ہے کہ یہ غسل کا قائم مقام ہے۔ کیونکہ اِس طرح جسم کے اُن تمام حصّوں کو بار بار دھویا جا سکتا ہے جو بالعموم ننگے رکھے جاتے اور گرد وغبار کا اثر زیادہ لیتے ہیں۔ وضو کی نہ صرف ترکیب بلکہ اُس کی ترتیب بھی طبعی اور پُر حکمت ہے۔

پُر حکمت ترتیب وضو میں اِس ترتیب سے جسم کو صاف کیا جاتا ہے۔ اوّل ہاتھ دھونا، پھر کُلی کرنا (جس میں دانتوں کی صفائی کے لئے مسواک بھی شامل ہے مگر اس کا ذکر الگ ہو گا) ناک صاف کرنا۔ چہرہ دھونا، آنکھوں کو صاف کرنا، ہاتھ کُہنیوں تک دھونا اور سر کا مسح کرنا، کانوں کو صاف کرنا اور آخر میں پاؤں ٹخنوں تک دھو کر پھر ہاتھوں پر پانی ڈالنا۔ اِس پر ادنےٰ تدبّر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ترتیب کیسی پُر حکمت ہے۔ سب سے پہلے طبعی طور پر ہاتھوں کا دھونا ضروری ہے کہ کوئی عقلمند انسان بغیر ہاتھ صاف کئے مُنہ میں پانی نہیں ڈالتا۔ اس کے بعد پہلے کُلی کو رکھا ہے اور ناک کی صفائی بعد میں جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ناک صاف کر کے کُلی کی جاتی تو ناک کی غلاظت مُنہ میں جانے کا اندیشہ رہتا تھا۔ چہرے کی صفائی اس کے بعد رکھی ہے۔ کیونکہ ناک اور مُنہ کی صفائی میں چہرے پر چھینٹے پڑتے رہتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اس کو بعد میں رکھا جائے۔ ورنہ اگر چہرہ پہلے صاف کر کے پھر ناک صاف کیا جائے تو چہرہ کو دوبارہ دھونا پڑتا ہے۔ اِس کے بعد بازوؤں کو لیا ہے۔ اِس کی وجہ بھی یہ ہے کہ مُنہ کی صفائی کے دَوران میں بازوؤں پر مَیلا پانی گرتا رہتا ہے۔ اسلئے ضروری

ہے کہ چہرہ کی صفائی کے بعد بازو دھوئے جائیں۔ اس کے بعد سر کا مسح رکھا ہے اور سب سے آخر میں پاؤں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس صفائی کے دوران میں پاؤں پر کثرت سے میلے چھینٹے پڑتے رہتے ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ سب سے آخر میں پاؤں کو دھویا جاتا۔ اور اٹھتے وقت دوبارہ ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے تاکہ پاؤں دھوتے وقت جو میل لگ گئی تھی وہ بھی ہاتھوں سے دور ہو جائے۔

وضو کا صرف یہ موٹا فایدہ ہی نہیں کہ اس سے جسمانی صفائی حاصل ہوتی ہے بلکہ اس میں اور بھی باریک فوائد ہیں۔ اس سے جسم میں چستی پیدا ہو جاتی ہے۔ تکان اور کسل دور ہو کر نشاط کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ خیالات میں سکون پیدا ہو کر اطمینان حاصل ہوتا اور توجہ کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ کام کاج کے دوران میں اعصابی رَو جسم سے نکل کر خیالات پریشان ہو جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ نماز سے قبل (جس میں کامل سکون اور اجتماعِ توجہ کی ضرورت ہے) خیالات کی اس رَو کو بند کیا جائے۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ خیالات کی رَو زیادہ تر چہرہ اور ہاتھوں کے راستے منتشر ہوتی ہے۔ اور اس کو روکنے کا ذریعہ پانی سے چہرہ اور منہ کو تر کرنا ہے۔ مسمریزم والے بھی عمل کے بعد چہرہ اور ہاتھوں پر پانی ملتے ہیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو خیالات کی رَو جاری رہنے کی وجہ سے سخت اعصابی ضعف ہو جاتا ہے۔ پس سکون کی حالت پیدا کرنے کے لئے نماز سے قبل اور یوں بھی ہر وقت باوضو رہنا ضروری ہے۔ وضو کی تفصیلات بھی بہت پُر حکمت اور مفید ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

کلی کرنا

کلی کرنا یعنی منہ میں پانی لے کر انگلی مسوڑوں پر ملنا بہت مفید ہے۔ اس سے عام صفائی کے علاوہ مسوڑوں کی مالش ہو جاتی ہے اور اگر ماخورہ وغیرہ کی وجہ سے کوئی رطوبت یا پیپ مسوڑوں میں ہو تو وہ نکل جاتی ہے اور مسوڑے مضبوط ہو جاتے ہیں۔

ناک صاف کرنے کا طبعی طریق

ناک میں پانی ڈالنا نہ صرف ناک کی عام صفائی کے لئے ضروری ہے بلکہ اس میں اور بھی فوائد ہیں۔ ناک کے اندر قدرت نے موٹے بال رکھے ہیں جو چھلنی کا کام دیتے ہیں یعنی سانس کی ہوا میں جو گرد و غبار ہوتی ہے اس کو یہ روک لیتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ دن میں چار پانچ دفعہ اس چھلنی کو پانی سے دھویا جائے تا اس کا منہ کھلا رہے۔ ناک صاف کرنا بظاہر کوئی مشکل کام نہیں۔ لیکن اس میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بے احتیاطی میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ عام طور پر لوگ دونوں نتھنوں کو اکٹھے صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو کہ

بالکل غیر طبعی اور پُرخطر طریق ہے۔ طبعی طریق یہ ہے کہ دونوں نتھنوں کو الگ الگ صاف کیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دونوں نتھنوں کو اکٹھا صاف کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جو ناس بند ہو اس کی رطوبت بجائے باہر کو آنے کے اندر حلق کے راستے کانوں میں چلی جاتی ہے جس سے کان کے پردہ میں سوزش ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ پردہ پھٹ کر انسان لمبے عرصہ کے لئے بہرہ ہو جاتا ہے۔ پس چاہیئے کہ وضو کرتے وقت مسنون طریق پر نتھنوں کو الگ الگ صاف کیا جائے جو کہ نہایت ہی پُرحکمت اور طبعی طریق ہے۔

آنکھ کی صفائی

آنکھوں کا دھونا کوئی مشکل کام نہیں سب ہی جانتے ہیں۔ مگر اس کا بھی ایک طبعی اور سائنٹیفک طریق ہے جو اختیار کرنا مفید ہے اور وہ یہ ہے کہ آنکھ کو گیلی انگلی سے صاف کرتے وقت باہر سے اندر کی طرف حرکت دی جائے لوگ بالعموم اندھا دھند آنکھوں کو زور سے ملنا شروع کر دیتے ہیں (خصوصاً جب کوئی چیز آنکھ میں پڑ جائے) اور باہر سے اندر، اندر سے باہر دونوں طرف حرکت دیتے جاتے ہیں جو کہ مضر طریق ہے۔ قدرت نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ آنکھ کی صفائی غیر مرئی آنسوؤں کی لہر سے خود بخود ہوتی رہتی ہے جس کا رُخ باہر (کانوں) سے اندر (ناک) کی طرف ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ آنکھ صاف کرتے وقت قدرت کے طریق کی اتباع کی جائے۔ میرا خیال ہے کہ مسنون طریق بھی یہی ہوگا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کے سچے جانشین کا یہی طریق ہے۔ (واللہ اعلم)

سر کا مسح اور کانوں کی صفائی کا پُرحکمت طریق!!

سر کا مسح کرتے وقت پہلے آگے سے پیچھے گیلے ہاتھوں کو لے جاتے ہیں۔ پھر پیچھے سے آگے کو واپس آتے ہیں اور ساتھ ہی گردن پر بھی پانی پھیر لیا جاتا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ سر کے بالوں کا رُخ دو طرف ہے۔ آگے کو اور پیچھے کو۔ اور جب تک بالوں کے رُخ کی مخالف سمت کو ہاتھ نہ پھیرا جائے اُن کی جڑوں میں نمی نہیں جا سکتی۔ اور پُوری طرح خلال نہیں ہو سکتا۔ اِسی واسطے حکم ہے کہ پہلے پیچھے کو ہاتھ پھیرو، اس طرح سامنے کے بالوں کا خلال ہو جاتا ہے۔ پھر واپس گردن سے ماتھے کی طرف ہاتھ پھیرنے سے پیچھے کے بالوں کا خلال ہو جاتا ہے۔

گردن پر گیلا ہاتھ پھیرنے کے بعد کانوں کی پچھلی طرف انگلیوں کو پھیرا جاتا ہے اور ساتھ ہی کان کی بیرونی اور اندرونی سطح کو صاف کر کے کان کے اندر شہادت کی اُنگلی کو داخل کیا جاتا

ہے۔ یہ سب عمل محض زوائد جان کر لوگ بالعموم جلدی میں وضو ختم کر دیتے ہیں۔ مگر باریک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زوائد نہیں بلکہ وضو کا نہایت ہی مفید، پُر حکمت اور ضروری حصہ ہیں۔ پس ضروری ہے کہ ان کی حکمت اور فوائد کو مدنظر رکھ کر پوری توجہ اور شوق سے اس حصہ کو ذرا تکلف سے بجا لایا جائے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بیرونی کان کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ اس کی سطح ہموار نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کئی نشیب و فراز رکھے گئے ہیں۔ جس کی حکمت یہ ہے کہ کان بیرونی آواز کی لہروں کو اکٹھا کر کے پردے کی طرف بخوبی پہنچا سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گرد و غبار کان کے اندر، باہر اور پیچھے جمع ہوتا رہتا ہے پس ضروری ہے کہ کان کو اچھی طرح صاف کیا جائے۔

پھر کان کے پیچھے ذرا تکلف سے انگلی پھیرنا جسمانی صفائی کے لئے اس واسطے ضروری ہے کہ اس جگہ میل زیادہ جمع ہو جاتی ہے مگر انسان اس کو دھونا بھول جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ایک باریک حکمت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مقام پر سے ایک نہایت ہی اہم عصب گزرتا ہے جو کہ تمام چہرہ کے عضلات کو کنٹرول کرتا ہے۔ اور اس عصب کو اگر سردی لگ جائے یا کوئی زہریلی رطوبت وغیرہ اس کے غلاف میں جمع ہو جائے تو انسان کو لقوہ ہو جاتا ہے۔ وضو کرتے وقت کان کے پیچھے گیلی انگلی پھیرنے سے اس عصب کی دن میں پانچ بار مالش ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کی ٹون (TONE) ٹھیک رہتی ہے اور سوزش وغیرہ کا احتمال کم ہو جاتا ہے۔

کان میں انگلی ڈالنے کی باریک حکمت

سب سے آخر کان میں انگلی ڈالی جاتی ہے۔ یہ بھی بظاہر معمولی صفائی کے لئے ہوتا ہے۔ مگر اس میں بھی عام صفائی کے علاوہ ایک باریک حکمت بھی ہے اور وہ یہ کہ اس طرح کان میں انگلی ڈالنے سے کان کے پردہ کی مالش ہو جاتی ہے۔ جو کہ پردے کو صحت پر رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کان کے سوراخ میں شہادت کی انگلی ایسے طور پر فٹ آتی ہے کہ اس کا منہ مکمل طور پر بند ہو کر اندر ہوا کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ جس سے پردہ اندر کو دب جاتا ہے۔ پھر یک دم انگلی نکال لینے سے اندر کی ہوا باہر زور سے نکلتی ہے جس سے پردہ پھر باہر ابھر آتا ہے۔ اور یہ اس پردہ کی مالش ہے جو کہ بعض امراض کان یعنی (OTO-SCLEROSIS) وغیرہ کے لئے جو عموماً بڑھاپے میں پیدا ہوتی ہیں، بجلی کے ذریعہ بھی کی جاتی ہے یعنی (OTO-MASSAGE)

اگر شروع سے ہی اور دن میں پانچ بار اِس پردہ کی مالش وضو کے ذریعے ہوتی رہے تو یہ امراض پیدا ہی نہ ہوں۔ مگر کان میں یہ کیفیت پیدا کرنے کے لئے ذرا تکلف سے یہ عمل کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ رسمی طور پر کان میں انگلی پھیرنے سے پورا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر احتیاط سے پوری طرح انگلی کان کے سوراخ میں ڈال کر یک دم باہر نکالی جائے تو ہوا کے باہر نکلنے کا اثر پردہ پر نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے اور پردے پر ہلکی سی ضرب لگتی ہے جو مفید ہے۔ مجھے اُمید ہے آئندہ ہمارے بھائی وضو کرتے وقت کان کی صفائی ایسی باریک حکمت کو مدنظر رکھ کر پوری شرائط کے ساتھ وضو کیا کریں گے۔ تاکہ اِس پُر حکمت مسنون طریق سے پورا جسمانی فائدہ اُٹھایا جاسکے۔ اور دل سے اُس پاک وجود کے لئے دُعا اور درود نکلے جس نے ہم کو یہ نہایت ہی مفید طریق سکھلائے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

پاؤں بار بار دھونے کی ضرورت

بوٹ اور جرابوں کے باقاعدہ استعمال کے زمانہ میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب پاؤں اس طرح گرد و غبار سے محفوظ رہتے ہیں تو اُن کو بار بار دھونے کی کیا ضرورت ہے؟۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے جرابوں پر مسح کرنے کی اجازت دی ہے اور اِس کی حد مقیم کے لئے ۲۴ گھنٹے اور مسافر کے لئے ۳ دن بطور خاص رعایت کے ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ باوجود جرابوں کے استعمال کے پاؤں کو کم سے کم دن میں ایک دفعہ ضرور دھویا جائے کیونکہ اوّل تو جراب (سوائے چمڑے کے موزوں کے) مٹی کو اندر جانے سے روک نہیں سکتی۔ پھر بیرونی گرد و غبار کے علاوہ جسم کی اپنی مَیل بھی ہے جو دُور کرنی ضروری ہوتی ہے۔ پاؤں میں خصوصاً انگلیوں کے درمیان پسینہ بھی زیادہ آتا ہے جس کی وجہ سے کئی جلدی امراض پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ فوجی سپاہیوں میں جن کو بھاری بوٹ اور موٹی گرم جرابیں پہن کر مارچ کرنا پڑتا اور کئی کئی دن جرابیں اُتارنے اور پاؤں دھونے کا موقع بعض دفعہ نہیں ملتا۔ اُن میں ایک مرض EPIDERMOPHYTOSIS جو کہ انگلیوں کے درمیانی نرم حصہ میں شروع ہوتا ہے بہت عام ہو رہا ہے۔

وضو کرتے وقت خاص طور پر انگلیوں کا خلال کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ تاکہ اس نرم اور کمزور حصہ سے مَیل بخوبی دُور ہو سکے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی شریعت نے پسند کیا ہے کہ رات کو سونے سے قبل ضرور پاؤں کو دھو لیا جائے۔ یعنی اگر وضو ہو یا جرابوں پر مسح ہو سکتا ہو تو بھی مستحب ہے

کہ عشاء کی نماز کا وضوء ضرور کر لیا جائے اور جرابوں کو اُتار کر پاؤں کو دھو لیا جائے۔ اس میں بھی صفائی کے علاوہ ایک حکمت یہ ہے کہ سونے سے قبل خیالات کا انتشار بند ہو کر سکون کی حالت پیدا ہو اور نیند جلدی آجائے۔ یورپین لوگ سونے سے قبل پورا غسل کرتے ہیں جو صفائی کے لحاظ سے بہتر مگر عوام کے لئے تکلیف مالایطاق ہے۔ اس لئے اسلامی شریعت نے جو عالمگیر وسعت والی ہے وضو کو کافی جانا ہے

غسل کرنے کا طبعی طریق

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے غسل کے لئے بھی جاری پانی (لوٹا، گڈوی، نلکا، فوارہ وغیرہ) کا استعمال بند پانی (ٹب، باتھ) سے افضل اور پاکیزہ طریق ہے۔ ذرا غور تو کرو کہ مغربی باتھ کا طریق کس قدر گھنونا ہے۔ اوّل تو یہ لوگ (یہ صفائی، علم وحکمت اور تہذیب کے اجارہ دار جو افریقہ اور جزائر میں نئی روشنی پھیلانے کے لئے مضطرب رہتے ہیں) اجابت کے بعد طہارت نہیں کرتے۔ پھر غسل بھی بند پانی میں کرتے ہیں اور وہی گندہ مستعمل پانی بار بار سر پر ڈالتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ آخر میں جسم پر صاف پانی بھی کھڑے ہو کر نہیں بہاتے۔ اس طرح پاخانہ کے باریک ذرات ٹب کے پانی میں حل کر منہ میں جا سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی کئی قسم کی امراض مثلاً ہیضہ، ٹائیفائڈ، پیچش، اسہال کے جرم اور پیٹ کے کیڑے کدو دانے چھونے وغیرہ کے انڈے جسم میں داخل ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً اُن لوگوں میں جو ان امراض کے کیریئر (CARRIER) ہوں یعنی جن کے پاخانہ کے ساتھ یہ جراثیم باہر آتے ہوں عورت کے لئے تو یہ طریق خصوصیت سے خطرناک ہے۔ کیونکہ اس طرح پاخانہ کی آلائش جس میں بی کولائی (B. COLi) ہوتا ہے قُبل اور فرج میں داخل ہو کر کئی امراض لگ سکتے ہیں۔ (طہارت کرکے دوائی والے پانی میں بطور علاج کے ٹب باتھ لینا مضر نہیں ہے)

غسل کرنے کا بھی طبعی طریق یہ ہے کہ پہلے طہارت کی جائے (اگر ضرورت ہو تو) پھر ہاتھ صاف کرکے پورا وضو کیا جائے۔ پھر سر پر پانی ڈال کر باقی جسم کو دھویا جائے۔ اور ہمیشہ پہلے دائیں طرف سے شروع کیا جائے۔ اگر پانی سرد ہو یا موسم سرد ہو تو جسم کو پانی ڈال کر خوب زور سے ملنا چاہئے۔ تاکہ حرارتِ غریزی بڑھے۔ ساتھ ہی بالوں اور انگلیوں کا خلال بھی ضروری ہے تاکہ جسم کے سب مسام بخوبی تر ہو جائیں۔ اور کوئی حصہ جسم کا خشک نہ رہے۔

غسل جنابت اور حیض

یہ بھی عام غسل کی طرح ہی ہے۔ سوائے اس کے کہ تین دفعہ پانی سر پر ڈالا جاتا ہے۔ جیسا کہ وضو کے ذکر میں لکھا گیا ہے۔ خیالات کی رَو جو جسم میں سے نکلتی ہے اُس کو روکنے کے لئے پانی کا استعمال ضروری ہے اسی اصل کی بناء پر جنابت کے بعد غسل بھی ضروری ہے۔ ورنہ خیالات کی رَو اگر بند نہ کی جائے تو کمزوری بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اگرچہ غسل کو صبح تک ملتوی کرنا جائز ہے مگر تقویٰ کا مقام یہی ہے اور طب کی رو سے بھی مناسب یہی ہے کہ غسل سونے سے قبل ہی کر لیا جائے۔

غسل حیض کا بھی یہی طریق ہے۔ مگر اس میں ضروری ہے کہ کستوری کے پانی سے "اندام" کو صاف کیا جائے۔ یہ مسنون طریق نہایت ہی مفید اور پُر حکمت ہے۔ مگر افسوس کہ ہماری عورتوں کی توجہ اس طرف قطعاً نہیں ہے۔ خوشبو کے علاوہ کستوری جراثیم کش بھی ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ اس پُر حکمت طریق کی خلاف ورزی کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آج کل عورتوں میں لیکوریا (سیلانِ ابیض) کا مرض اتنا عام ہو رہا ہے۔

کھانے کے آداب (دایاں ہاتھ)

کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا نہ صرف طبعی طریق ہے۔ بلکہ حفظانِ صحت اور صفائی کے خیال سے بھی ضروری ہے۔ بائیں ہاتھ سے چونکہ طہارت وغیرہ کی جاتی ہے اس لئے اگر بائیں ہاتھ سے کھایا جائے تو اس بات کا امکان ہے کہ پاخانہ کی غلاظت کے ذریعے امراض معدہ اور امعاء کے جراثیم اور پیٹ کے کیڑوں کے انڈے مُنہ میں جا کر مرض پیدا کر دیں۔

یوں بھی دایاں ہاتھ بائیں سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسانی قلب بائیں طرف ہے اس لئے دماغ کی بائیں طرف (یعنی جو حصّہ دائیں طرف کے اعصاب کو کنٹرول کرتا ہے) خون زیادہ جاتا ہے۔ اس لئے دایاں ہاتھ کھانے کے لئے زیادہ موزوں ہے جس پر انسانی شہادت بالاجماع موجود ہے۔ پس بائیں ہاتھ سے کھانا کسی بیماری یا غیر طبعی اثر کے ماتحت ہی ہو سکتا ہے۔

کُلّی قبل اور بعد طعام

کھانے سے قبل ہاتھ دھونا تو ایسی موٹی بات ہے کہ کوئی عقلمند ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر مغربی تہذیب کے

دلدادوں میں اس کا رواج نہیں رہا۔ شاید اس لئے کہ وہ لوگ چھری کانٹوں سے کھاتے ہیں مگر اس کے باوجود اُن کو بھی تو روٹی ہاتھ سے ہی اُٹھانی پڑتی ہے۔ اور کئی دفعہ کھانے کو ہاتھ لگانا پڑتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ خواہ چھری کانٹوں، و چمچ سے ہی کھانا کھانا ہو تو بھی ہاتھ پہلے ضرور دھوئے جائیں۔

کُلی قبل طعام کا رواج بھی مغربی لوگوں میں نہیں ہے۔ مگر اسلامی شریعت نے اس کو پسند کیا ہے۔ کیونکہ اس میں کئی طبی فوائد ہیں۔ مُنہ کی عام صفائی کے علاوہ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس طرح مُنہ کی خشکی دور ہو جاتی ہے۔ اور کھانے کا ذائقہ اچھی طرح انسان محسوس کر سکتا ہے۔ مُنہ کے اعصاب اگر خشک ہوں تو اُن کی حس بہت کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اگر کوئی کڑوی کسیلی دوائی پینی ہو تو اگر مُنہ کو پہلے خشک کر لیا جائے (مثلاً رومال مُنہ میں ڈال کر اور پان یا بھنے ہوئے چنے چبا کر) تو کڑواہٹ کا احساس بالکل نہیں ہوتا۔ یا بہت کم ہوتا ہے قدرت بھی کھانے سے قبل لعاب دہن کو زیادہ پیدا کر کے مُنہ کی اس خشکی کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ لذیذ کھانے کو دیکھ کر یا اس کی خوشبو سونگھ کر مُنہ میں پانی آ جاتا ہے۔ جو نہ صرف ہاضمہ میں مدد دیتا ہے بلکہ قوتِ ذائقہ کو بھی بڑھا کر کھانے کو پُرلطف بنا دیتا ہے۔ لیکن خوف کی حالت میں جب مُنہ خشک ہو رہا ہو تو کھانے کا مزا نہیں آتا۔

کھانے کے بعد بھی کُلی کرنا اور اُنگلی کو مسوڑوں پر ملنا مُنہ کی صفائی کے لئے ضروری ہے۔ تاکہ کھانے کے باریک ذرات دانتوں کو لگے نہ رہیں۔ انسان چونکہ ہر دفعہ کھانے کے بعد برش یا مسواک نہیں کر سکتا۔ اس لئے کُلی اور اُنگلی سے مالش کو اس کا قائم مقام رکھ دیا گیا ہے۔

دانتوں کی صفائی

دانتوں کو صاف کرنا ایک قدرتی اور فطری بات ہے۔ اور اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ کہ دانتوں کو کیوں صاف کیا جائے۔ ہاں یہ بتانا اطمینان کا موجب ہوگا کہ دانت نہ صاف کرنے کے کیا کیا نقصانات ہیں اور صاف کرنے کے کیا فوائد ہیں۔ کیونکہ جب انسان کو علم ہو جائے کہ فلاں فعل میں میرا بہت فائدہ ہے اور نہ کرنے میں نقصان ہے تو وہ اس کو چٹی نہیں سمجھتا بلکہ خوشی سے کرتا ہے

واضح ہو کہ مسوڑوں کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ کھانے کے بعد ان کے نرم حصہ میں خوراک

مکے باریک ذرات لگے رہتے ہیں۔ جن کو اگر جلدی صاف نہ کیا جائے تو وہ متعفن ہو کر طرح طرح کے زہر پیدا کرتے ہیں جو خون میں مل کر صحت کو برباد کر دیتے اور کئی امراض کا موجب ہو جاتے ہیں۔ دانت صاف نہ کرنے والوں میں ماسخورہ (پائی اوریا) عام ہوتا ہے اور یہ مرض نہ صرف معدہ اور امعاء کی کئی امراض کا موجب ہے۔ بلکہ اس سے گلا، حلق، کان، ناک اور آنکھ تک بھی خراب ہو جاتے ہیں۔ چند سال ہوئے کہ جنون کے اسباب معلوم کرنے کے لئے ایک طبی کمیشن بیٹھا تھا۔ انہوں نے معلوم کیا کہ ۸۰ فی صدی مجانین کے جنون کا بڑا باعث یہی پائی اوریا تھا۔ باقاعدہ دانت صاف کرنے سے نہ صرف منہ صاف رہتا ہے۔ اور بو نہیں آتی۔ بلکہ انسان کئی طرح کے امراض سے بچا رہتا ہے۔ ہاضمہ درست رہتا ہے۔ قوتِ ذائقہ۔ شامہ (سونگھنا) سمع (سننا) اور بصر (دیکھنا) سب پر اس کا مفید اثر پڑتا ہے۔ پس دانتوں کی صفائی کی ضرورت اور اہمیت ایک واضح چیز ہے۔

مسواک اور برش

اس کے بعد تشریح طلب سوال یہ ہے کہ دانت صاف کس طرح اور کب کئے جائیں۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ عام طور پر رائج دو طریق ہیں۔ ایک ہے مسواک کرنا جو پرانا طریق ہے اور ایک ہے برش کا استعمال۔ جو ماڈرن ہے۔ دونوں میں فوائد ہیں اور کچھ خامیاں بھی۔ مسواک اس لحاظ سے کہ ہر روز تازہ بتازہ مل سکتی ہے اور اس میں درخت کے کیمیاوی اثرات شامل ہیں۔ جو مسوڑوں کو مضبوط کرتے اور جراثیم کو ہلاک کر سکتے ہیں برش سے افضل ہے۔ مگر صفائی کے لحاظ سے مسواک برش سے ادنےٰ ہے۔ کیونکہ اسے دانتوں کے اندر کی طرف اور داڑھوں پر بخوبی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے بہتر ہے کہ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرْ کے اصول کے ماتحت دونوں کو ملا لیا جائے۔ یعنی ایک وقت مسواک استعمال کی جائے اور ایک وقت برش۔ کہ یہی درمیانی راہ ہے اور اس کے لئے بہترین وقت یہ ہے کہ صبح اٹھ کر مسواک اور سونے سے قبل برش کر لیا جائے۔ لیکن اگر ہو سکے تو ہر کھانے کے بعد برش یا کم سے کم کلی کر لینی چاہئے۔

اس کے بعد سوال منجن یا کریم کا ہے۔ کہ برش کے ساتھ کونسی چیز استعمال کی جائے۔ جو مسواک (داتن) کے فوائد کا بدل ہو سکے۔ اصولی طور پر منجن کریم سے افضل ہے۔ کیونکہ سفوف (پوڈر) مسوڑوں کے نرم حصہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے کسی قیمتی ولایتی منجن کی ضرورت نہیں جو آج کل نہ صرف سخت مہنگے بلکہ نایاب بھی ہیں۔ بلکہ معمولی باریک پسا ہوا نمک۔

اور کوئلہ کافی ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ملے تو صرف صابن برش کو لگا لیا جائے۔

مسواک کرنے کا پُرحکمت مسنون طریق

انسان اور حیوان میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ حیوان بغیر نمونہ اور تربیت کے محض فطرت حیوانی سے کام چلاتا ہے۔ مگر انسان ہر بات میں نمونہ اور تربیت کا محتاج ہے۔ انسان کے لاکھوں کام قدرت خود کر دیتی ہے اور کوئی ضرر نہیں پیدا ہوتا۔ مثلاً انسان کی ۲۵، ۳۰ فٹ لمبی آنتوں کی صفائی کا کام قدرت خود کر دیتی ہے۔ اور بہت کم امراض پیدا ہوتی ہیں۔ مگر دونوں سروں پر صرف ایک، دو انچ حصہ انسان کے سپرد کیا گیا ہے اور اس میں بھی اتنی بے احتیاطی ہوتی ہے کہ سینکڑوں امراض اس کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ ہر بات میں نمونہ اور ہدایت دی جائے اور بار بار دی جائے۔ مسواک یا برش کرنے کا طریق بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے مگر اس کا بھی ایک طبعی طریق ہے جو کہ زیادہ مفید ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ برش کو اوپر نیچے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی ایک حدیث سے بھی یہی طریق ثابت ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جب ۱۹۲۴ء میں انگلستان تشریف لے گئے تو وہاں پر ایک بہت بڑے ڈنٹل سرجن نے حضور کو بتایا کہ دانت صاف کرتے وقت برش کو اوپر نیچے حرکت دینی چاہیئے کیونکہ ورم ہمیشہ ورم حصہ میں ہوتا ہے۔ یہ تحقیق کیسی واضح طور پر بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلعم کے ارشادات اقوال بھی سائنس اور طب پر مبنی تھے۔ اور ممکن نہیں کہ علوم جدیدہ صحیحہ اُن کی تردید کر سکیں۔

بیت الخلاء کی صفائی

اگر انسان کو محض اپنی عقل پر چھوڑ دیا جائے اور شریعت اس کی راہنمائی نہ کرے یا وہ شریعت کو ٹھکرا دے تو وہ باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے بعض دفعہ حیوانوں سے بھی بدتر نمونہ پیش کرتا ہے۔ مثلاً مغربی مغربی لوگ محض عقل کو ہی کافی راہنما سمجھتے ہیں اور الہام اور شریعت کی روشنی کے قائل نہیں۔ معمولی اجابت کے طریق اور طہارت وغیرہ کے معاملات میں بھی کیسا گندہ نمونہ پیش کر رہے ہیں جیسا کہ ذیل کی تشریح سے واضح ہوگا۔

بیت الخلا (پاخانہ) کھلا، ہوادار، صاف اور روشن ہونا چاہیئے تاکہ انسان بدبو دار زہریلی گیسوں کے مضر اثرات سے بچا رہے۔ پھر ایسی جگہ بعض دفعہ سانپ بچھو وغیرہ بھی رہتے ہیں۔ خصوصاً اگر اندھیرا ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ اندر داخل ہوتے وقت انسان بہت ہوشیار

ہو اور اپنی توجہ کو خاموشی سے ایک طرف قائم رکھے۔ تاکہ کپڑوں وغیرہ کو بے احتیاطی سے غلاظت نہ لگ جائے۔ اسی واسطے شریعت نے ایسے مواقع کے لئے خاص دُعا بھی سکھلائی ہے۔ تاکہ انسان اجتباء اُن کے خُبث اور نجاست کے ضرر سے بچا رہے۔

اجابت کا طبعی طریق

اجابت کے طریق میں بھی مشرق اور مغرب میں نمایاں فرق ہے۔ طبعی طریق یہ ہے کہ انسان دونوں پاؤں پر بیٹھے۔ جیسا کہ ایشیائی لوگ کرتے ہیں۔ مگر مغربی طریق یہ ہے کہ کموڈ پر بیٹھا جائے۔ جس طرح کرسی پر بیٹھا جاتا ہے۔ اجابت کے وقت ان لوگوں کے منہ میں سیگرٹ اور ہاتھ میں اخبار ہوتا ہے۔ اور اسی طرح وہ کافی وقت تک آرام سے بیٹھے اخبار پڑھتے یا آپس میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اب ایک موٹی عقل کا آدمی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ ایشیائی طریق نہ صرف قدرتی اور طبعی اور مفید طریق ہے بلکہ جسمانی صفائی کے نقطۂ نگاہ سے بھی زیادہ عمل کرنے کے قابل ہے۔ ظاہر ہے کہ کموڈ ایک ایسی چیز ہے جس کا باوجود احتیاط کے پاک وصاف رکھنا بہت مشکل ہے۔ اب ایسی مشتبہ جگہ پر جسم کے ایک نازک حصے کو رکھ دینا خطرہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ پس صنفی سوراخوں کو جراثیم کے حملہ سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ پاؤں کے بل بیٹھا جائے۔

جسمانی صفائی کے علاوہ ایشیائی طریق اجابت میں اور فوائد بھی ہیں۔ اوّل تو یہ قدرتی طریق ہے جس پر دُنیا کے اکثر یہ اپنے مہذب لوگ بلکہ وحشی اقوام بھی عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح پیٹ کے عضلات پر دباؤ اچھی طرح ڈال کر پاخانہ بخوبی اور جلدی امعاء مستقیم سے خارج ہو سکتا ہے اور دوبارہ اجابت کی حاجت نہیں رہتی۔ خصوصاً اگر بائیں پاؤں پر (جیسا کہ احادیث نبویؐ سے بھی ثابت ہے) دباؤ ڈال کر بیٹھا جائے۔ جس میں حکمت یہ ہے کہ بڑی آنتوں کا آخری حصہ بائیں طرف سے ہو کر امعاء مستقیم میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ حبشیوں میں جو کہ مشرقی طریق پر پاخانہ کرتے ہیں اپنڈکس (Appendix) کے امراض بہت کم ہیں۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ اس طرح اجابت کرنے سے دایاں کولن بخوبی خالی ہو جاتا ہے۔ پھر مشرقی طریق ایسا محفوظ ہے کہ اس طرح بیٹھنے میں ہرنیا (فتق) کے مرض کا امکان بالکل نہیں رہتا۔ کیونکہ جب پیٹ پر زور پڑتا ہے تو رانوں کا سامنا حصہ فتق کے سوراخوں کو دبائے رکھتا ہے۔ اور اُن کا منہ کھلنے نہیں دیتا۔ پس ظاہر ہے کہ مشرقی طریق اجابت کموڈ سے ہر لحاظ سے افضل ہے۔

موڈ کا استعمال ایسا خطرناک ہے کہ آئے دن مغرب میں مخصوص سوراخوں کی سوزش اور امراض خبیثہ کے کیس (C A) اس طرح گند لگ جانے سے ہوتے رہتے ہیں۔ خصوصاً ہوٹلوں، ہوسٹلوں اور بارکوں وغیرہ میں جہاں مشترک کموڈ استعمال ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے تو یہ طریق خصوصاً خطرناک ہے۔ کیونکہ اس طرح قُبل اور فرج کی سوزش کا بہت امکان ہے۔ ورنہ صرف امکان ہے بلکہ آئے دن ایسے کیس زنانہ بورڈنگوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ مگر یہ لوگ بجائے اس کے کہ مشرقی طریق اجابت کی خوبی کو دیکھ کر اس کو اختیار کریں اپنے ہی گندے طریق کی اصلاح سوچتے رہتے ہیں۔ مثلاً کبھی یہ تجویز ہوتی ہے کہ کموڈ بجائے گول چکر کے آگے سے کٹا ہوا یا V (وی) کی شکل کا ہو تاکہ سامنے کا حصہ آلائش سے پاک رہ سکے۔ اور کبھی کوئی اور طریق اختیار کرتے ہیں۔ مگر باوجود سخت ناکامی اور ٹھوکریں کھانے کے وہ اپنا مزعومہ اعلیٰ تہذیب اور کلچر کے گھمنڈ میں محفوظ مشرقی طریق کو اختیار نہیں کرتے۔ یہ غلاموں کا طریق ہے۔

طہارت کا عام طبعی طریق

اجابت سے فارغ ہونے کے بعد طہارت (آب دست یا استنجا) کا سوال ہے۔ استنجا کے معنے ہیں آلائش سے نجات حاصل کرنا۔ کیونکہ پیشاب پاخانہ کر لینے کے بعد دونوں مقامات پر کچھ آلائش لگی رہتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کو دُور کیا جائے۔ اس کے متعلق بھی شریعت نے ہم کو نہایت ہی پاکیزہ، مکمل اور پُرحکمت طریق سکھایا ہے۔ مگر یہاں بھی مجرد عقل سے کام لینے والے مغربی لوگ ہم سے ابھی بہت پیچھے ہیں۔ مثلاً مغربی لوگ اجابت کے بعد محض نرم کاغذ سے صفائی کو کافی جانتے ہیں۔ اور پیشاب کے بعد کی صفائی کی ضرورت کے وہ لوگ قائل ہی نہیں۔ مگر اس کے برخلاف ایشیائی لوگ بالعموم پانی کا استعمال کرتے ہیں۔ جہاں تک صرف صفائی کا تعلق ہے یہ ظاہر ہے کہ پانی کا استعمال کاغذ کے استعمال سے افضل ہے کیونکہ پانی سے صفائی زیادہ مکمل طور پر ہو سکتی ہے۔ مگر ساتھ ہی ہاتھوں کو آلودہ کر لینے کا سوال بھی ہے۔ جس میں بظاہر مغربی طریق یعنی کاغذ والوں کی جیت معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف پانی کے استعمال سے ہاتھوں کو پاخانہ ضرور لگتا ہے۔ اور اگر ناخنوں میں باریک ذرات چلے جائیں تو کئی امراض لگ سکتی ہیں۔ پس میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ دونوں طریق کو ملا لیا جائے۔ یعنی پہلے کاغذ یا جیسا کہ اسلامی شریعت نے پسند کیا ہے مٹی کے ڈھیلوں سے استنجا کیا جائے۔ پھر پانی کے ساتھ مکمل صفائی کر لی جائے۔ خواہ اسی وقت یا بعد میں جب پانی میسر آ جائے۔ مسلمانوں نے

معلوم نہیں کیوں (خصوصاً شہریوں نے) مٹی کا استعمال ترک کر رکھا ہے اور وہ کاغذ کے استعمال ... ہیں۔ (سوائے مغرب زدہ نوجوانوں کے جو کاغذ کے بعد پانی کا استعمال ضروری ... ۔ میرے خیال میں بھی اگر میسر نہ ہو سکے تو کاغذ اور پانی کو ملا لینے میں کوئی حرج نہیں ... کی سب اغراض پوری ہو جائیں گی۔ اور ہاتھ بھی پاک اور صاف رہ سکیں گے۔

طہارت کا ایک پرحکمت مسنون طریق

احادیث نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو (خصوصاً عورتوں کو) ایک نہایت ہی پرحکمت مفید اور آج کی سائنس پر مبنی طریق طہارت کا سکھایا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کو اللہ تعالےٰ نے بوجہ اللہ تعالےٰ کے سچے اور آخری قول (قرآن) کا حامل ہونے کے اپنے سچے فعل یعنی سائنس کا بھی ... بنایا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ اجابت کے بعد مٹی کے ڈھیلوں سے طہارت کرتے وقت خصوصاً عورتوں کو چاہئے کہ ڈھیلوں کو سامنے (قُبل) سے پیچھے (دُبر) کی طرف حرکت دیں۔ اور ایک ڈھیلہ صرف ایک دفعہ استعمال کیا جائے۔ اسی طرح پانی کے استعمال کے وقت بھی چاہئے کہ (مرد و عورت دونوں) پہلے پیشاب کی جگہ کو صاف کیا کریں اور اس کے بعد پاخانہ کے مقام کو۔ تاکہ پاخانہ والا ہاتھ پیشاب کے سوراخ کو نہ لگے۔ اسی طرح مٹی کا اگر مثلاً ایک ہی ڈھیلہ ہو تو پہلے پیشاب کے مقام کو خشک کر کے اس کے بعد پاخانہ کے مقام کو صاف کیا جائے۔ کیونکہ پیشاب کا مقعد کو لگنا نہ صرف مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔ کیونکہ تازہ پیشاب میں جراثیم کش تاثیر ہے۔ چنانچہ ختنہ کے زخم کے جلدی مندمل ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تازہ پیشاب اس کو لگتا رہتا ہے۔) لیکن پاخانہ کا پیشاب کے سوراخ میں داخل ہونا نہایت ہی خطرناک ہے۔

علوم جدیدہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ پاخانہ کے اندر ایک جرم ہوتا ہے جس کو بی کولائی (B. COLI) کہتے ہیں۔ اور تازہ پیشاب اس کو ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ بی کولائی پیشاب کے سوراخوں میں داخل ہو جائے تو خصوصاً عورتوں میں کئی امراض پیدا ہو سکتی ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جن عورتوں کا وضع حمل کے وقت پاخانہ خارج ہو جائے (اسی واسطے ہم لوگ ...) ان کو سوتیکا (سپلے) کا بخار بالعموم ہو جاتا ہے۔ اپریشن ... کی جاتی ہے۔ تو اس کا صحیح طریق بھی یہی ہے کہ

روئی کا ایک پھایہ صرف ایک دفعہ استعمال کیا جائے۔ اور ہمیشہ پھایہ آگے سے پیچھے کی طرف لایا جائے۔ تاکہ بی کولائی قبل کو نہ لگ جائے۔ پس طہارت کے اس پُرحکمت مسنون طریق پر عمل کرنے سے انسان کئی طرح کے ضرر سے بچ جاتا ہے۔ طہارت کے بعد بہتر ہے کہ انگلی سے دبا کر امعاء مستقیم کی جھلی کو مقعد کے اندر داخل کر دیا جائے ورنہ وہ جھلی اس کے عضلات کے درمیان پھنس جاتی ہے جس سے کھنچ لگ لگ کر بعض لوگوں کو بواسیر ہو جاتی ہے پس بواسیر کی روک تھام کے لئے یہ طریق بہت مفید ہے۔

ہاتھ کی صفائی کی اہمیت

طہارت سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ کی صفائی کا سوال ہے۔ جو سب سے اہم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف سے لاپرواہی کی جاتی ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ دن بدن محرقہ (ٹائیفائڈ) اسہال، ہیضہ، پیچش وغیرہ امراض ترقی کر رہے ہیں۔ اگر مٹی یا کاغذ سے پاخانہ کی جگہ کو خشک کر کے پانی بخوبی استعمال کر لیا جائے تو ہاتھ کو بظاہر کوئی آلائش لگی ہوئی نظر نہیں آتی لیکن پاخانہ کے باریک ذرات کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہاتھ کو طہارت کے بعد بخوبی دھویا جائے۔ اور فوراً دھویا جائے۔ یہاں تک کہ بیت الخلاء سے نکلنے سے قبل۔ بلکہ ازاربند باندھنے سے قبل ہی ہاتھ کی صابون سے صفائی ضروری ہے۔ تاکہ ازاربند باندھتے وقت آلودہ ہاتھ کپڑوں کو لگ کر ان کو ناپاک نہ کر دے۔ اس کے لئے میرے نزدیک ضروری ہے کہ پاخانہ کے اندر ہی صابن اور پانی رکھوا دیا جائے۔ تاکہ ہاتھ کو دھو کر پھر کسی اور شئے کو چھوا جائے۔ بعض لوگ طہارت کر کے پاخانہ سے باہر آکر ہاتھ دھونا بھول جاتے ہیں۔ اور جب وہ کئی روزانہ استعمال کی اشیاء کو آلودہ کر لیتے ہیں تو پھر ان کو یاد آتا ہے کہ ہم نے ابھی ہاتھ دھونے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خصوصاً اگر وہ کیریئر (CARRIER) بھی ہوں، محرقہ، پیچش وغیرہ کا مرض ان کے گھر سے نکلتا ہی نہیں۔ مثلاً ماں کو اگر پیچش ہو جائے تو بالعموم دیکھا گیا ہے کہ اس کے بچوں کو بھی باری باری یہ مرض ضرور لگتا ہے۔ اس کی وجہ بھی ماں کی بے احتیاطی ہوتی ہے۔ اگر ماں پاخانہ کے اندر ہی ہاتھوں کو بخوبی دھو کر باہر آئے تو مرض متعدی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ پھر بعض لوگوں کے پیٹ میں کرم (کدو دانے، ملپ اور چھوٹے) ہوتے ہیں اور ان کے انڈے پاخانہ میں لاکھوں کی تعداد میں خارج ہوتے رہتے ہیں۔ مگر وہ باوجود علاج کے تندرست نہیں ہونے پاتے۔ بار بار کرم نکلتے رہتے ہیں۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ جیسے اوپر بیان کیا

ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنے منہ کو آلود کر کے انڈے نگلتے رہتے ہیں۔ جس سے یہ قبیح دور جاری رہتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اوّل ہاتھ کو بعد طہارت بخوبی صابن سے صاف کیا جائے بلکہ ناخنوں کے اندر بھی صابن ڈالا جائے۔ اور یہ صفائی پاخانہ کے اندر ہی کر کے آزار بند باندھا جائے۔ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں اور خصوصاً بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو منہ میں ڈالنے کی عادت بند کی جائے اور ناخنوں کو لمبا نہ ہونے دیا جائے۔ جب تک اس طرح پوری احتیاط نہ کی جائے گی منہ رجہ بالا امراض میں کمی نہیں ہو گی۔

پیشاب کرنے کا طریق

پیشاب کرنے کا طبعی صحیح طریق جس پر نہ صرف دنیا کے اکثر عقلمند لوگ بلکہ حبشی بھی عامل ہیں یہ ہے کہ دونوں پاؤں پر بیٹھ کر کیا جائے۔ یہ طریق نہ صرف جسمانی صفائی کے لئے موزوں ہے بلکہ طب کی رو سے بھی فطری طریق یہی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مجری البول کے عضلات کو نرم نہ کیا جائے پیشاب بخوبی خارج نہیں ہو سکتا۔ اور حاجت کے بعد قطرہ قطرہ نکلتا رہتا ہے۔ جس سے کپڑے آلودہ و متعفن ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد پانی کا استعمال ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ اجابت کے بعد۔ تاکہ پانی کی ٹھنڈک سے عضلات سکڑ کر پیشاب کا آخری قطرہ نکل جائے۔ اور صفائی بھی حاصل ہو جائے مگر افسوس ہے کہ مغربی لوگوں کی نقل میں ہمارے بعض ہندی بھائی بھی نہ صرف کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں بلکہ پانی بھی استعمال نہیں کرتے۔ جو کہ سخت وقار کے خلاف، غلیظ اور غیر طبعی طریق ہے۔ پس ضروری ہے کہ سوائے سخت مجبوری کے ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کیا جائے اور پانی سے طہارت کی جائے۔

جسم انسانی پر بالوں کی تقسیم اور انکی تزئین کا فلسفہ

بالوں کی ضرورت

قدرت نے انسانی جسم پر بال پیدا کر دیئے ہیں۔ جو مختلف حصوں پر کم و بیش ہوتے ہیں۔ بالوں کی اصل غرض جسم انسانی کی حفاظت یعنی چوٹ، سردی، گرمی، ہوا، گرد و غبار سے بچاؤ اور اس کے بعد زینت ہے۔ چنانچہ سرد ملکوں کے رہنے والوں کے بال نسبتاً لمبے ہوتے ہیں اور گرم ملکوں کے باشندوں خاص کر افریقہ کے حبشیوں کے بال جسم پر تو قریباً ہوتے ہی نہیں۔ اور سر پر بھی برائے نام ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی بھیڑ کی اون کی طرح باریک اور گھنگریالے۔ یہاں تک کہ عورتوں کے سر پر بھی

بہت کم بال ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بجائے اُن کو زینت کا سامان سمجھ کر منوانے کے منڈا ہی دیتی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ قدرت نے اُن کو سخت گرمی سے بچاؤ کے لئے سیاہ رنگ دیدیا ہے تاکہ حرارت اور روشنی کی تیز شعاعیں جلد کے اندر دھنس کر ناقابل برداشت صدمہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ یہ رنگ صرف جلد تک گہرا ہوتا ہے۔ ورنہ اندر سے کالے گورے ہیں قدرت نے کوئی فرق نہیں رکھا۔ سب میں مساوات ہے لیکن محض رنگ کی بنا پر جو صرف آب و ہوا کا اثر اور طبعی ضرورت بلکہ ایک رنگ میں فوقیت ہے، کسی قوم کا غرور اور تکبر کرنا سراسر حماقت ہے۔ ہاں میں بیان کر رہا تھا کہ بالوں کا کام سردی گرمی سے جسم انسانی کی حفاظت ہے جو سرد ملکوں میں بالوں کو لمبا کر کے اور گرم ملکوں میں جلد کا رنگ سیاہ کر کے لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بال بیرونی صدمات چوٹ، ہوا کے جھونکوں وغیرہ سے بھی جسم کو محفوظ رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص کے سر کے بال لمبے ہوں اور دوسرے نے ٹنڈ کروائی ہوا ہو۔ دونوں کے سر پر اتفاقاً اوپر سے اینٹ آ پڑے تو سر منڈے کو بہت زیادہ چوٹ آئے گی۔

اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ قدرت نے بالوں کا کام خاص خاص حالات میں چربی سے بھی لیا ہے۔ یعنی جس جگہ لمبے بالوں کا رکھنا کسی اور لحاظ سے موزوں نہ تھا وہاں چربی کی موٹی تہہ رکھ دی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عورتوں کے جسم پر بالعموم مردوں کی نسبت بال کم ہوتے ہیں۔ (النادر کالمعدوم۔ اور جس عورت کے جسم یا چہرہ پر مردوں کی طرح لمبے بال ہوں وہ بھی درحقیقت اندرونی خلقت کے لحاظ سے نصف مرد ہی ہوتی ہے۔) اور چربی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ خاص کر چہرہ حلق اور سینہ پر۔ گویا جہاں تک سردی سے حفاظت کا سوال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت کے ساتھ بالوں کا کام چربی سے لیا ہے جو کہ سردی اور چوٹ سے حفاظت کے علاوہ نہ صرف عورت کے حُسن کو بڑھاتی بلکہ حمل اور رضاعت کے ایام میں خوراک کا کام بھی دیتی ہے۔

بالوں کی پُرحکمت تقسیم جسم انسانی پر بالوں کی تقسیم میں بھی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سر، چہرہ، بغل اور زیر ناف مقامات پر بال بالخصوص لمبے، گھنے ہوتے ہیں اور مرد و عورت دونوں اس خصوصیت میں شامل ہیں۔ سوائے اس کے کہ عورت کے چہرہ پر بال یعنی داڑھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح بچوں کے جسم پر بھی ان مقامات پر بال نہیں ہوتے۔ جس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ قدرت نے عورت اور بچوں میں بالوں کا کام چربی سے لے لیا ہے۔ اور بجائے لمبے بال دینے کے ان مقامات پر چربی کی موٹی تہہ رکھدی ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ عورتوں اور بچوں کو بالعموم سردی مردوں کی نسبت بہت کم لگتی ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی عورت غیر معمولی طور پر دُبلی ہو۔ اور وہ سردی ایک موٹے مرد سے زیادہ محسوس کرے۔ مگر یہ استثنائی صورتیں ہیں جو قاعدہ کو ثابت کرتی ہیں نہ کہ رد۔

قدرت نے بالوں کو اس طرح کم و بیش کیوں رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان چار مقامات (سر، چہرہ، بغل اور زیرِ ناف) پر نہایت موٹی اور اہم شریانیں، وریدیں، اعصاب اور دیگر نازک اعضاء سطح کے قریب سے ہو کر گزرتے ہیں اور ان کو چوٹ وغیرہ سے نقصان پہنچ جانے کا خطرہ ہے۔ چنانچہ سر کے اندر دماغ ہے جو بہت نازک اور قیمتی عضو ہے پھر کھوپڑی کی خون کی نالیاں اس قسم کی ہیں کہ اگر سر پھٹ جائے تو زخم میں سے جریانِ خون بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح چہرہ یعنی نچلے جبڑے کے نیچے سے نہایت موٹی اور اہم شریانیں، وریدیں اور اعصاب گزرتے ہیں جن کو چوٹ لگ جانا گویا موت کے منہ میں جانا ہے۔ یہی حال بغل اور بن ران کا ہے۔ بلکہ بن ران میں تو ایک اور بھی نہایت قیمتی رگ خصیوں سے نکل کر پیٹ میں داخل ہوتی ہے جس پر نسل انسانی کا دارومدار ہے۔ پس قدرت نے کمال حکمت کے ماتحت ان چار مقامات پر خصوصیت سے لمبے بال رکھ دیئے ہیں تاکہ ان نازک اور اہم حصوں کی حفاظت ہوتی رہے۔

قلب بھی اہم عضو ہے مگر وہ چونکہ سینہ کے اندر محفوظ ہوتا ہے اس لئے سینہ پر زیادہ لمبے بال نہیں رکھے گئے۔ بلکہ متوسط درجہ کے رکھے ہیں جو کم و بیش ہوتے ہیں اور یہی حال پیٹ کا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ بالوں کا کام جسم انسانی کی ہر طرح کے حوادث سے حفاظت ہے۔ تو طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بالوں کی تزئین وغیرہ کس اصول کے ماتحت ہو۔ اس وقت دنیا میں تین مختلف گروہ ہیں جن کا طریق ایک دوسرے سے جداگانہ ہے۔ اوّل تو سکھ لوگ ہیں جو جسم کے کسی حصہ کے بالوں کو لینا ناجائز سمجھتے ہیں۔ دوسرے مسلمان ہیں جو سر اور داڑھی کے بالوں کو رکھتے اور بغل اور زیرِ ناف بالوں کو لیتے ہیں۔ تیسرے یورپین لوگ ہیں جو بالعموم داڑھی مونچھ منڈاتے مگر سر، بغل اور زیرِ ناف کو بڑھاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان میں سے کونسا گروہ با اصول ہے اور قدرت کے منشاء کو پورا کر رہا ہے۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سکھ لوگ با اصول ہیں اور سب سے بڑھ کر قدرت کے منشاء کو پورا کر رہے ہیں اور باقی دونوں

ایک نہ ایک لحاظ سے بے اصولے ہیں۔ کیونکہ اگر تو بال مفید ہیں تو سکھوں کی طرح سب کو بڑھنے دو۔ اور اگر یہ تمدن اختیار کرنے کے بعد زائد ہیں تو پھر سب جگہ کے بال منڈا دو۔ یعنی داڑھی مونچھ کے ساتھ سر بھی منڈا دو۔ اور بغل اور زیر ناف بھی۔ مگر یہ مین بین طریق کس اصول کی بنا پر ہے۔ جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے

بالوں کی تزئین کا فطری اصول

انسانی تمدن کے ارتقاء کے وسیع مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو حفاظت وغیرہ کے مکمل سامان دے کر پیدا کر دیا ہے۔ تاکہ اگر یا جب اس کو وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرنی پڑے تو یہ قدرتی غلاف لباس وغیرہ کا بدل ہو کر حفاظت کا کام دے سکیں۔ یعنی اگر کبھی انسان پر ایسا زمانہ آجائے کہ کسی مجبوری کے ماتحت اس کو لباس نہ مل سکے اور اس کو ننگا رہنا پڑ جائے تو یہ قدرتی غلاف اس کا ستر ڈھانپ لیں۔ اور جسم کی حفاظت بھی کریں۔ اس لئے ابتدائی حالت میں انسان کو ان قدرتی غلافوں کی ضرورت تھی۔ جب کہ وہ ننگا پھرتا تھا اور اب بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس لئے قدرت نے ان کا پیدا کرنا بند نہیں کیا۔ لیکن تمدن اختیار کر چکنے کے بعد انسان نے اپنے جسم کو لباس وغیرہ سے ڈھانپنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے اب اس کو ان قدرتی ابتدائی غلافوں کی ضرورت نہیں۔ مثلاً جنین کو غلفہ کی عضو مخصوص کی حفاظت کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ تا کہ اس کی نشو و نما ناقص نہ رہ جائے لیکن بعد ولادت انسان کو اس قدرتی غلاف کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کی ضرورت صرف رحم مادر میں ہے۔ اس لئے بعد ولادت سب انسانوں کو ختنہ کروا دینا چاہیئے۔ اسی طرح جسم کے دوسرے مقامات ہیں۔ یعنی جن مقامات کو تمدن اختیار کر لینے کے بعد انسان لباس سے ڈھانپ لیتا ہے ان مقامات پر قدرت کے غلاف کی ضرورت تحصیل حاصل ہے اس لئے ان کو اُڑا دینا چاہیئے۔ مثلاً بغل اور زیر ناف ہمیشہ لباس سے ڈھکے رہتے ہیں۔ اس لئے اس جگہ کے بالوں کو بڑھنا ابتدائی حالت کی طرف لوٹنا ہے۔ لیکن اس کے برعکس چہرے کو چونکہ ہر وقت ننگا رکھنا پڑتا ہے اس لئے اس مقام کے بالوں یعنی داڑھی کا منڈانا قدرت کے منشاء کی خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ اس مقام کے قدرتی غلاف داڑھی کی جگہ ہم نے لباس کو اختیار نہیں کیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ قدرت کا غلاف رہنے دیا جائے۔ اور مناسب حد تک داڑھی کو بڑھایا جائے۔

سر کی حالت درمیانی ہے۔ یعنی نہ تو یہ ہر وقت ڈھانپا ہوتا ہے اور نہ ہر وقت ننگا۔ بلکہ گھر کے اندر ننگا ہوتا ہے اور باہر ہوں تو سر پر ٹوپی یا پگڑی۔ اس لئے سر کے بالوں کو مونڈنا یا سکھوں کی طرح لمبا چھوڑ دینا دونوں قدرت کے منشا کے خلاف ہیں۔ پس اس کو درمیانی حالت میں رکھنا مناسب ہے۔ (یعنی اوسط لمبائی اور ایک جیسے یا پٹے) اسی طرح قزع کرنا بھی قدرت کے منشا کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ قزع میں گردن کے اوپر کے اور سر کے پچھلے حصے اور کنپٹی پر بال بہت کم رہ جاتے ہیں۔ بلکہ ملٹری حجامت میں تو مونڈنے کے برابر ہو جاتا ہے جس سے حفاظت کا کام بخوبی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سر کے یہ حصے یعنی کنپٹی اور گردن بہت نازک ہیں اور ان پر بالوں کی متوسط حد تک موٹی تہ ہونی ضروری ہے جو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ سارے سر کے بال ایک جیسے ہوں یا پھر پٹے رکھے جائیں۔ عورت کا سر کے بالوں کو لمبا رکھنا قدرت کے منشاء کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔ کیونکہ مرد کے خلاف عورت کا دائرہ عمل گھر کے اندر ہے۔ اس لئے وہ بالعموم سر کو ننگا رکھ سکتی ہے۔ (یا معمولی دوپٹہ ہوتا ہے جو گھنے بالوں کا بدل نہیں ہو سکتا۔) اور اس کو صرف اس وقت سر بخوبی ڈھانپنا ضروری ہوتا ہے، جب وہ کبھی کبھار باہر نکلے۔ اور مرد کے دائرہ عمل میں داخل ہو۔ یعنی دوپٹہ کے علاوہ وہ چادر یا برقعہ سے جو حفاظت کے ساتھ پردہ کا کام بھی دے دیتا ہے۔ پس عورت کا سر گھر کے اندر چونکہ بالعموم ننگا رہتا ہے۔ اس لئے اس کو لمبے بالوں کی ضرورت ہے۔ جو کہ حفاظت کے علاوہ زینت اور راحت ناز کا موجب بھی ہیں اور عورت کا بال کٹوانا یا قزع کروانا قدرت کے منشاء کی خلاف ورزی ہے۔ بچوں کا سر بھی عورتوں کی طرح بالعموم ننگا رہتا ہے اس لئے ان کو بھی حفاظت کے لئے متوسط حد تک لمبے بالوں کی ضرورت ہے۔ اور مونڈنا یا قزع کرانا دونوں غیر طبعی ہیں۔

سنتِ ابراہیمیؑ کی فضیلت

بالوں کی تقسیم اور تزئین کے متعلق قدرت کا منشاء معلوم ہو جانے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ کس قوم کا طریق طبعی اور قدرت کے منشاء کے مطابق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سکھ لوگوں کا طریق بالکل غیر طبعی، غیر متمدن اور ابتدائی ہے۔ یورپین لوگوں کا طریق بھی قدرت کے منشاء کے نہ صرف خلاف بلکہ بالکل برعکس ہے۔ یعنی جس مقام کے بال لینے ہیں (بغل، زیر ناف) ان کو وہ بڑھاتے ہیں۔ اور جس مقام کے رکھنے ہیں (داڑھی) ان کو وہ لے رہے ہیں۔ مسلمانوں کا

طریق بالکل فطری، تمدنی زندگی اور قدرت کے منشاء کے مطابق ہے۔ کیونکہ اسلامی شریعت نے کمال حکمت کے ساتھ مسلمانوں کو اُن مقامات کے بالوں کے لینے کا حکم دیا ہے، جن مقامات پر اب بوجہ لباس کی ایجاد کے قدرت کے غلاف (بالوں) کی ضرورت نہیں یعنی وہ بغل اور زیر ناف بالوں کو لینے ہیں اور اس کے بالمقابل جن مقامات کو لباس سے ڈھکا نہیں جا سکتا اُس پر قدرت کے غلاف کو ہی رہنے دیا ہے۔ یعنی داڑھی کو بڑھانے کا حکم ہے۔

سر کے متعلق صرف اصولی ہدایت دی ہے کہ نہ منڈا ہو نہ قزع یعنی درمیانی جانب ہو یعنی سارے سر کے بال متوسط حد تک لمبے مگر ایک جیسے ہوں۔ یا پٹے رکھ لئے جائیں مگر سکھوں کی طرح بالکل لمبے چھوڑ دینا یا منڈنا یا قزع کرنا یا انگریزی فیشن کی نجاست کو شریعت نے ناپسند فرمایا۔ جو کہ بہت سی طبی، تمدنی اور قومی فوائد پر مبنی ہے۔

عورتوں کو بھی بغل اور زیر ناف بال لینے کا حکم ہے۔ داڑھی چونکہ ہوتی نہیں اس لئے اُس کے رکھنے یا لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سر کے بال عورت کو بڑھانے کا حکم ہے۔ تاکہ سر کی حفاظت کے علاوہ وہ زینت کا کام دیں۔ مرد و عورت کے درمیان امتیاز ظاہری بھی قائم رہے۔ اور ملکی اور قومی روایات بھی قائم رہیں۔ اس لئے عورت کا بال کٹوانا یا جوڑا نکال دینا باب (BOB) فیشن منع ہے۔

صفائی کا حقیقی معیار

بعض مغربی اور مغرب زدہ لوگ داڑھی والے سچے مسلمان کو دیکھ کر حقارت سے یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ ناصاف (Dirty) طریق ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ حقیقتاً ناصاف طریق ہے یا محض حکومت کے نشہ اور اپنی تہذیب کے گھمنڈ میں اُن کو گند نظر آتا ہے۔ اگر کوئی سچا مسلمان داڑھی تو رکھے مگر شریعت کی خلاف ورزی کر کے اُس کو صاف نہ رکھے تو وہ بے شک ناصاف ہے۔ مگر کسی جگہ محض بالوں کا ہونا یا نہ ہونا صفائی کا معیار نہیں ہے۔ ورنہ پھر سر کے بالوں کے متعلق کیا فتوےٰ ہوگا۔ کیا ان کا محض سر پر ہونا ناصاف طریق ہے۔ اگر ہے تو ان کو بھی منڈا دو۔ اگر نہیں تو داڑھی پر کیا اعتراض ہے۔ پھر میں اِن صفائی کے اجارہ داروں سے پوچھتا ہوں کہ ان کا بغل کے بالوں اور زیر ناف بالوں اور مقعد کے بالوں کے متعلق کیا فتوےٰ ہے جن کو وہ عمر بھر نہیں لیتے اور شوق سے پالتے ہیں۔ حالانکہ اگر بالوں کا چہرے پر بڑھانا ناصاف طریق

ہے تو بغل اور زیر ناف کا بڑھانا بہت زیادہ ناصاف ہے۔کیونکہ چہرے کے بال (داڑھی) ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔اُن کو تازہ ہوا اور روشنی لگتی رہتی ہے۔پسینہ بھی کم آتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دن میں پانچ دفعہ ان کو دھویا جاتا ہے۔لیکن اس کے برخلاف بغل اور زیر ناف بال ہر وقت بند رہتے ہیں۔تازہ روشنی اور ہوا سے محروم ہیں۔پسینہ اور دیگر غلیظ رطوبتیں اُن کو لگتی ہیں۔اور اُن کو بار بار دھونا بھی مشکل ہے۔سوائے اس کے کہ دن میں ایک دفعہ غسل کیا جائے۔ورنہ وہ بھی شب میں۔چنانچہ تجربہ بھی بتاتا ہے کہ اندر کے بالوں کا لینا ضروری ہے۔جب ضرورتاً ان جگہوں کو جویوں سے صاف ستھرے رکھتے بغل اور زیر ناف بالوں میں جوئیں بہت دیکھا ہے۔مگر آپ نے ایک بھی شخص ایسا نہ دیکھا ہوگا جو صاف ستھرا ہو اور اس کی داڑھی میں جوئیں پڑی ہوں۔نیز بیشتر کردہ جلدی امراض (مثلاً خارش، RING WORM (داد وغیرہ۔اگزیما وغیرہ) بغل اور زیر ناف میں پائی جاتی ہیں۔مگر داڑھی کے مقام پر بالعموم یہ امراض نہیں پائی جاتیں۔پس معلوم ہوا کہ اگر محض صفائی ہی معیار ہو تو انسان کو بجائے داڑھی کے بغل اور زیر ناف بالوں کو لینا چاہئے۔مگر یہ طریق کہ بے ضرر مقام کے بالوں کو لینا اور پر ضرر مقامات پر بال بڑھانا بالکل ہی خلاف فطرت بلکہ حماقت ہے۔جس کی مرتکب وہی قوم ہو سکتی ہے جو شیطان کے پورے قبضہ میں ہو اور وہ اس کو اس کے بھیانک اعمال مزین کر کے دکھا رہا ہو۔پس حقیقی صفائی کا طبعی طریق اسلامی شریعت نے ہی سکھایا ہے۔جس کے ساتھ کسی نوازمات اور تکلفات کی ضرورت نہیں رہتی۔ورنہ دیگر بالوں کی طرح اندرونی حصہ کے بالوں کو پسینہ پیشاب اور پاخانہ کی نجاست سے آلودہ کرتے رہنا اور لونڈر، سینٹ، پف پوڈر سے ظاہری صفائی کر دینا مہذب قوم کا طریق نہیں ہو سکتا۔

(نوٹ) یورپین عورتوں نے آج کل بغل کے بال لینے شروع کر دیئے ہیں۔جس کی وجہ یہ ہے کہ آستین اُڑا دی گئی ہے۔جو کہ دوسری غلطی ہے۔کیونکہ بغل کو عادتاً ننگا رکھنے سے بالوں کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔حفاظت کے لئے ایک غلاف کافی ہے۔بال یا لباس۔نہ کہ دونوں۔اُن کی جب آستین لمبی تھی تو بال بھی لمبے تھے۔اور اب جب فراک کی آستین اُڑا دی تو بال بھی لے لئے۔

ان اصولی بحث سے ہی ثابت ہو گیا ہے کہ اسلامی شریعت نے جو ابراہیمی سنت کی اتباع میں مسلمانوں کو سر کے بالوں کی تزئین، داڑھی کو بڑھانے اور بغل اور زیر ناف بالوں کو لینے کا

حکم دیا ہے۔ وہی طبعی اور فطری طریق ہے۔ مگر مزید تسلی کے لئے میں ان کے فوائد بھی بتا دیتا ہوں۔

داڑھی کے فوائد

داڑھی میں مرد و عورت کے درمیان قدرت نے امتیاز کی ایک ظاہری صورت رکھ دی ہے۔ اور یہ مردانہ حسن کی جان ہے۔ حسن دو قسم کا ہے۔ ایک مردانہ اور ایک زنانہ۔ بعض لوگ حسن کو صرف عورت سے مخصوص جان کر صاف چہرہ کو غلطی سے مردانہ حسن سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ داڑھی منڈا کر عورت سے مشابہت پیدا کر کے حسین کہلانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ حسن عورت کو زیب ہے نہ کہ مرد کو اور حقیقت بھی یہ ہے کہ عورت داڑھی منڈے کو دل سے پسند نہیں کرتی کیونکہ وہ اُس کے رقیب یعنی عورت ذات کا مثیل اور ظل ہوتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اپنی جنس سے محبت خلافِ فطرت ہے۔ ہاں فیشن اور مغربی اثر کے باعث چونکہ بڑے بڑے لوگ بھی داڑھی منڈاتے ہیں اس لئے وہ بظاہر اُن سے محبت کرتی اور اُن کو پسند کرتی ہے۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ داڑھی عورت کے لئے بہت زیادہ صنفی اپیل اور اثر رکھتی ہے کیونکہ یہ مرد کی زینت اور حقیقی حسن ہے۔

زینت کے علاوہ داڑھی انسان کے گلے، حلق اور حنجرہ کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ اس کے نازک اعضاء، اعصاب اور خون کی رگوں کو بیرونی صدمات، گرمی، سردی، گرد و غبار کے مضر اثرات اور ہوا کے تیز جھونکوں سے بچاتی ہے۔ نیوی میں غالباً اسی واسطے داڑھی کا رواج شروع ہوا تھا۔ کہ نیلسن (Nelson) اور اس کے ساتھیوں کو سخت تیز سمندری ہواؤں اور طوفانوں میں گلے کی حفاظت کا ایک یہ ذریعہ نظر آیا تھا۔

حلق اور حنجرہ کی سوزش اگر پرانی ہو جائے تو داڑھی رکھنے سے فائدہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خنازیر کا مرض بھی داڑھی والوں میں کم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ دیگر حالات ایک جیسے ہوں۔ اور اگر کسی خنازیر والے کو اپریشن سے فائدہ نہ ہو تو اُس کو داڑھی رکھنے سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اُسترے کی رگڑ اور کٹ لگ جانے سے جراثیم کے جلد میں داخل ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ اقتصادی نقطۂ نگاہ اور صبح کے نہایت ہی قیمتی وقت کو ضائع نہ ہونے کے لحاظ سے بھی داڑھی رکھنا دانشمندی ہے۔

داڑھی کی لمبائی

لیکن آج پاکستانی معاشرہ میں داڑھی کے ذریعہ ٹھوڑی پر گولائی

پیدا کر کے مردانہ حسن کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ انسان کا چہرہ اس قسم کا قدرت نے بنایا ہے کہ اُوپر سے گول ہے لیکن ٹھوڑی کے دونوں طرف آکر یک دم اندر کو دب جاتا ہے۔ اور داڑھی کے بالوں کے ذریعے اس دبی ہوئی جگہ کو اگر بھر دیا جائے تو چہرہ میں گولائی پیدا ہو کر نہایت خوبصورت ہو جاتا ہے۔ داڑھی ترشواتے وقت بھی اس تناسب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے داڑھی کی لمبائی ہر شخص کے چہرہ کی بناوٹ پر ہوگی یعنی کسی کو لمبی سجے گی کسی کو چھوٹی اور گول۔ اس لئے شریعت نے بھی کمال حکمت سے اس کے متعلق خاموشی اختیار کر کے ہر شخص کو اُس کے حالات پر چھوڑ دیا ہے۔

داڑھی کی ہفتہ وار تزئین ضروری ہے۔ مگر اس کو اتنا چھوٹا کر دینا کہ بالکل خشخاشی ہو جائے داڑھی کی اصل غرض کو باطل کرنا ہے۔ کیونکہ قدرت کا جو منشاء اس مقام پر لمبے بال پیدا کرنے کا ہے وہ پورا نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ داڑھی اتنی لمبی نہ ہو جس میں کم سے کم کنگھی ہو سکے۔ بالوں میں کنگھی کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اُکھڑے ہوئے بال الگ ہوتے رہیں۔ نیز اس طرح بالوں کی جڑھوں کو تحریک ہو کر چہرہ کا دوران خون تیز ہو جاتا ہے۔ جو بالوں کی نشوونما میں ممد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کنگھی کی رگڑ سے بالوں میں بجلی کی رَو پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اکثر احباب نے دیکھا ہوگا کہ گرم خشک موسم میں اگر بالوں کو زور سے سیاہ مصالحہ کی کنگھی کی جائے تو چڑ چڑ کی آواز نکلتی ہے۔ اور اگر اس کنگھی کو کاغذ کے ٹکڑوں کے پاس لاؤ تو وہ اس کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں۔ یہ بجلی کی رَو ہے۔

مونچھوں کی ضرورت

مونچھوں کو پیدا کرنے سے قدرت کا منشاء یہ ہے کہ بال ناک کے اندرونی بالوں کے ساتھ مل کر پھیپھڑوں میں جانیوالی ہوا کے لئے چھلنی اور فلٹر کا کام دیں۔ پس اس غرض کو پورا کرنے کے لئے مونچھوں کا ہونا اور متوسط حد تک لمبا ہونا ضروری ہے۔ مونچھوں کی تزئین کے ساتھ لبوں کا لینا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر مونچھیں سکھوں کی طرح اتنی لمبی ہوں کہ وہ اُوپر کے لب پر چھا رہی ہوں تو کھاتے پیتے وقت وہ خوراک کے ساتھ تر ہو جاتی ہیں اور اس طرح بالوں سے لگی ہوئی آلائش وغیرہ پیٹ میں جا سکتی ہے۔ مگر ساتھ ہی یاد رکھنا چاہئے کہ مونچھوں کو اتنا چھوٹا بھی کر دینا کہ منڈی ہوئی معلوم ہوں جیسا کہ مسلمانوں کے ایک فرقہ کا طریق ہے مونچھوں کی پیدائش کو باطل کرنا ہے اسی حکمت کے ماتحت شریعت اسلامی نے مونچھوں کا متوسط حد تک بڑھانا اور لبوں کا لینا

ضروری قرار دیا ہے۔

بغل اور زیرِ ناف بال لینے کے فوائد!!

متمدن حالت میں جہاں داڑھی مونچھوں کو بڑھانا ضروری ہے وہاں بغل اور زیرِ ناف بالوں کی صفائی بھی فطرتی اور قدرت کے منشاء کے مطابق ہے۔ اسی طرح جیساکہ لکھا جا چکا ہے ان نازک حصوں کو بالوں کی غلیظ رطوبتوں اور پسینہ وغیرہ کی بُو سے بخوبی پاک رکھا جاسکتا ہے۔ ہمیشہ ان حصوں کے کپڑوں سے ڈھکے رہنے کی وجہ سے تازہ ہوا اور روشنی سے محروم رہتے ہیں اور پسینہ وغیرہ کی مَیل جلدی دُور نہیں ہوسکتی ۔کیونکہ ان مقامات کو بار بار دھونا مشکل ہے۔ پھر یہ جلدی امراض اور جُوؤوں وغیرہ کا بھی آسان ٹارجٹ ہیں۔ کیونکہ ان کے مخصوص حالات جراثیم اور حشرات کی نشوونما میں ممد ہوجاتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان دو مقامات کے بالوں کو باقاعدہ اُسترے سے صاف رکھا جائے۔ چہرے پر اُسترے کا استعمال اس لئے منع ہے کہ چہرہ ہر وقت ننگا رہتا ہے اور گرد وغبار پڑتا رہتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی جرم اس گرد میں ہو تو اُسترے کے کٹ سے یا محض رگڑ سے وہ جلد کے اندر جاسکتا ہے۔ مگر ایسے مقام پر جو بالعموم کپڑوں سے ڈھکا رہتا ہو اُسترے کا استعمال مضر نہیں ہوسکتا کیونکہ اس جگہ بیرونی گرد وغبار نہیں ہوتا۔

زیرِ ناف بالوں کو لینا اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ یہ حفظانِ صحت اور حفظِ ماتقدم کا یہ ایک بھاری ذریعہ ہے۔ ان مقامات پر جلد کی مَیل اور پسینہ کے علاوہ پیشاب پاخانہ کی غلاظت بھی لگتی رہتی ہے۔ جس کو بالوں کی موجودگی میں بخوبی صاف نہیں کیا جاسکتا۔ مخصوص تعلقات کے دَوران میں بھی یہ مقامات آلودہ ہوجاتے ہیں۔ پھر عورت کے لئے حیض، وضع حمل اور نفاس کے ایام ایسے ہیں کہ اُن میں بھی بالوں کی موجودگی صفائی میں روک پیدا کرتی ہے۔ مرد کے لئے اس مقام پر اُسترے کا استعمال ایک اور لحاظ سے بھی مفید ہے۔ طب کی کُتب میں لکھا ہے کہ اس طرح قوتِ باہ زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ مخصوص کمزوری کا ایک علاج بھی ہے۔

مخصوص مقامات پر لمبے بال اس لئے بھی مضر ہیں کہ اس طرح مَیل وغیرہ جمع ہو کر کھجلی ہوتی رہتی ہے اور اعضاء کی حرارتِ غریزی بڑھ جاتی ہے۔ جو کہ توجہ کو اس طرف رکھ کر قبیح عادات

کا پسینہ خیمہ بن سکتی ہے۔ بال چننے سے کھُلی نہیں ہو سکتی اور اعضاء ٹھنڈے بھی رہتے ہیں۔ کیونکہ حرارتِ غریزی کا انتشار بخوبی ہوتا رہتا ہے پس صنفی صحت اور صفائی دونوں کے لحاظ سے ضروری ہے کہ بغل اور زیر ناف کو بالوں سے پاک رکھا جائے۔

سر کے بالوں کی ضرورت اور تزئین اصولی بحث میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ سر کی حالت بین بین ہے یعنی متمدن زندگی میں نہ تو سر کو چہرہ کی طرح ہر وقت ننگا رکھا جاتا ہے کہ بال لمبے چھوڑ دیئے جائیں۔ اور نہ ہی بغل کی طرح ہر وقت لباس سے بند رکھا جاتا ہے کہ بالکل منڈ دیا جائے اس لئے سر کے بالوں کو (مردوں کے لئے سکھوں کی طرح بالکل آزاد چھوڑ دینا یا منڈ کروانا دونوں خلاف فطرتِ انسانی ہیں۔ اور وسطی راہ یہ ہے کہ بال متوسط حد تک لمبے مگر سارے ایک جیسے ہوں۔ اسی طرح قزع کرانا (یعنی سر کے پچھلے حصہ اور کنپٹی کے بالوں کو بالکل باریک کر دینا) سر کے بالوں کی پیدائش کی اصلی غرض کو باطل کر دیتا ہے۔ کیونکہ سر کے یہ حصے درمیانی اور اُوپر کے حصوں سے کم نازک اور اہم نہیں ہیں۔ کہ ان کی حفاظت چوٹ، دھوپ کی شعاعوں اور سرد ہوا کے جھونکوں کے خلاف نہ کی جائے۔ بلکہ بعض لحاظ سے تو ان حصوں کا محفوظ رکھنا زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ ان دو مقامات پر کھوپری کی موٹی موٹی خون کی رگیں سطح کے قریب ہو کر گذرتی ہیں۔ جہاں چوٹ لگ جانے سے جریانِ خون بہت زیادہ ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ان دو جگہوں کنپٹی اور پچھلے حصہ پر بھی بال لمبے ہوں۔ اور قزع نہ کرایا جائے[1]۔

عورت کو برخلاف مرد کے نہ صرف صنفی امتیاز، سر کی حفاظت اور زینت بلکہ بالوں کی عمر کو لمبا کرنے کے لئے بھی لمبے بالوں کی ضرورت ہے۔ عورت چونکہ بالعموم گھر کے اندر رہتی ہے اس لئے اس کو سر ڈھانپنے کی ضرورت کم پڑتی ہے اور اکثر عورتیں تو گھر میں سر کو ننگا ہی رکھتی ہیں اور دوپٹہ جو گلے میں پڑا ہوتا ہے صرف اس لئے ہوتا ہے کہ نامحرم سے مُنہ کو چھپا لیا جائے۔ اس لئے سر کی حفاظت کے لئے عورتوں کو لمبے بالوں کی ضرورت ہے اور اُن کے لئے بال کٹوانا خلافِ فطرت ہے۔

لمبے بالوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کنگھی کرتے وقت جب اُن کو کھینچ لگتی ہے تو بالوں کی جڑوں کو تحریک ہو کر دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے جس سے بالوں کے نشوونما میں مدد ملتی ہے۔ یوں بھی لمبے بالوں کا محض وزن ہی جڑوں کو تحریک کرتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے عورت کے بال (بوجہ محض انکی لمبائی کے

---

[1] گنج کا اثر بالعموم سر کے اُوپر کے حصہ میں زیادہ ہوتا ہے لیکن کنپٹی اور پچھلے حصہ پر سے بال نہیں اُکھڑتے۔ اس سے بھی ان دو مقامات کی اہمیت واضح ہے۔ جو قزع کو قدرت کے منشاء کے خلاف ثابت کرتی ہے۔

جلدی نہیں اُکھڑتے۔ چنانچہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ سر کا گنج عورتوں میں مردوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ یہی حال سکھوں کا ہے کہ ان میں بھی گنج نسبتاً کم ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ لمبے بالوں کی جڑوں کو تحریک ہوتی رہتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ لمبے بالوں کی عمر چھوٹے بالوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سر کے بال بھی اس حد تک لمبے ہوں کہ اُن کو کنگھی کی جا سکے۔ اور اگر پٹے رکھے ہوں جیسا کہ آنحضرت صلعم کا طریق تھا۔ جو کہ مسنون بھی ہے تو پھر یہ اور مفید ضرور رہے۔ تو اور بھی اچھا ہے۔ کیونکہ اس طرح سر پر گنج جلدی ظاہر نہیں ہوگا۔

پگڑی اور ٹوپی

سر کی صفائی کے سلسلہ میں سر کے لباس کا ذکر بے موقع نہ ہوگا اس فطری اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے عورت کو کسی خاص لباس مثلاً ٹوپی یا پگڑی سے سر ڈھانپنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے لمبے بالوں کے لئے معمولی چادر یا دوپٹہ ہی حفاظت کے لئے کافی ہے۔ پس عورت کے لئے ٹوپی کا استعمال خلافِ عقل ہے۔ لیکن مرد کے بال نسبتاً چھوٹے ہوتے ہیں اس لئے اس کو نہ صرف سر کی حفاظت بلکہ زینت اور وقار کے قیام کے لئے بھی سر پر ٹوپی یا پگڑی رکھنی چاہئے۔ سوائے اس کے کہ انسان گھر کے اندر ہو جو نسبتاً محفوظ جگہ ہوتی ہے۔ لیکن باہر نکلتے وقت سر کا ڈھانپنا ضروری ہے اور ننگے سر پھرنا نہ صرف وقار کے خلاف بلکہ خلافِ عقل اور فطرت بھی ہے کیونکہ گھر کے باہر ہی انسان اکثر حوادث کا شکار ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ سر کو کسی محفوظ ملبوس سے ڈھانپا جائے۔ شریعت نے سر کے لباس کو ہر شخص کے حالات پر چھوڑ دیا ہے اور پگڑی کو جو کہ نہ صرف زیادہ موزوں، مفید اور وقار کا موجب ہے بلکہ سر کے لئے ٹوپی سے بڑھ کر حفاظت کرنے والی بھی ہے فرض نہیں کیا لیکن پسند ضرور کیا ہے۔ عرب میں پگڑی کا ہی رواج ہے جو کہ گرم ملک کے لئے بہترین لباس ہے اسی لئے آنحضرت صلعم نے بھی پگڑی یا عمامہ ہی پسند فرمایا۔ حفاظت کے نقطۂ نگاہ سے پگڑی ٹوپی سے افضل ہے کیونکہ پگڑی سر کے تمام نازک حصوں کو بخوبی ڈھانپ کر نہ صرف چوٹ بلکہ گرمی اور سردی سے بھی بخوبی حفاظت کرتی ہے۔ خصوصاً اگر شملہ لمبا ہو تو وہ نہ صرف گردن اور سر کے پچھلے حصہ بلکہ کمر کی بھی حفاظت کرتی ہے۔ اور اس طرح دماغ اور حرام مغز (نخاع) دونوں کو سورج کی تیز شعاعوں سے بچا کر سن سٹروک وغیرہ روک سکتی ہے۔ پس بہتر ہے کہ سر کے لئے پگڑی استعمال کی جائے اور شملہ کو لمبا کمر تک چھوڑا جائے۔ لمبے شملہ والی پگڑی کو سامنے رکھو تو دماغ اور حرام مغز کا خاکہ ذہن میں آ جاتا ہے جو کہ دونوں حصوں کی بخوبی حفاظت کر سکتی ہے۔ لیکن ٹوپی باوجود پہننے اور اُتارنے کی سہولت کے یہ کام نہیں

دے سکتی۔ بعض لوگ پگڑی تو باندھتے ہیں لیکن شملہ کو اُس کے اندر ٹانگ لیتے ہیں مگر یہ طریق دانشمندانہ نہیں ہے۔ اُن کو چاہیئے کہ گردن اور کمر کی حفاظت کے لئے شملہ کو کھلا چھوڑ دیں۔ اور کمر پر لٹکنے دیں۔ شملہ ناک اور منہ کو گرد وغبار سے بچانے کے لئے رومال کا کام بھی دے سکتا ہے۔

نوٹ۔ سکھوں کا عورتوں کی طرح سر کے بال لمبے چھوڑ دینا خلافِ فطرت ہی نہیں بلکہ ساتھ [illegible] خلافِ عقل بھی ہے۔

میت کا غسل

اس مضمون کو بچے کی ولادت سے شروع کیا گیا تھا اور یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اِس کو انسان کی موت پر ختم کیا جائے تاکہ مضمون کامل سکے یعنی مکمل ہو جائے۔ انسان جسمانی صفائی اور صحت کے لئے ساری عمر خود غسل کرتا ہے (سوائے بیماری یا معذوری کے) لیکن سب سے پہلا اور سب سے آخری غسل اُس کو دوسرے دیتے ہیں۔ میت کے متعلق خیال ہو سکتا ہے کہ زندگی میں تو خیر جسمانی صفائی اور صحت کے لئے غسل لینا چاہیئے لیکن مُردے کو غسل کا کیا فائدہ؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ مُردے کا غسل زندوں کی صحت اور سلامتی کیلئے ہے جنہوں نے اُس کو اُٹھانا اور چھونا ہوتا ہے۔ موت کے بعد جسم کے ساتھ لگی ہوئی رطوبتیں اور آلائش وغیرہ میں تعفن شروع ہو جاتا ہے اِس لئے ضروری ہے کہ میت کو جلد غسل دے کر اِس گند سے پاک کیا جائے جس کے لئے مخصوص سوراخوں کے علاوہ ناک منہ آنکھ وغیرہ کی صفائی کافی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اثنا عشریہ شیعوں کی طرح میت کو "گز" کیا جائے۔ (سُنا ہے شیعہ لوگ میت کے پیٹ میں گز پھیر کر انتڑیوں سے پاخانہ وغیرہ نکالتے ہیں۔ واللہ اعلم یہ کہاں تک درست ہے) ہم کو صرف ظاہری گند اور نجاست سے خطرہ ہو سکتا ہے جس کا دُور کرنا کافی ہے۔ میت کے جسم کی اندرونی آلائش کو اُس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ قبر کی مٹی بڑی عجیب پردہ پوش ہے وہ ہر قسم کے گند کا ازالہ خاموشی سے کر دیتی ہے۔

مُردے کو دفن کرنا یا جلانا

سب سے آخری مرحلہ میت کو ٹھکانے لگانے کا طریق ہے یعنی آیا اُس کو دفن کیا جائے یا جلایا جائے۔ یا پارسیوں کی طرح چیلوں کی خوراک مہیا کی جائے۔ یہ ایک مستقل اور لمبا مضمون ہے اس لئے یہاں صرف اصولی بات کا ذکر ہی کر سکوں گا۔ کیونکہ مضمون پہلے ہی لمبا ہو گیا ہے۔ جہاں تک میت کا سوال [illegible] ہے [illegible] جلا دو یا دفن کر دو۔ البتہ ہم زندوں کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ [illegible] صفائی اور حفظانِ صحت کے اصول اور قدرت کے منشاء اور فطرت کے اصول

کے مطابق ہے۔ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے۔ ہمارا جسم خون سے بنا۔ خون خوراک سے اور خوراک مٹی سے (سبزی گوشت کی صورت میں) آئی۔ یعنی وہی کاربن۔ نائٹروجن۔ سوڈیم۔ پوٹاشیم وغیرہ کے مفرد اجزاء مٹی سے نکل کر سبزی میں اور سبزی سے حیوانی غذا میں مرکب صورت لے لیتے ہیں۔ جن سے جسم بنتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہم جہاں سے آیا تھا۔ وہیں اس کو پہنچا دیا جائے "مٹی سے آیا مٹی میں گیا"! انجیل کا بھی مشہور مقولہ ہے۔ حفظانِ صحت کے لحاظ سے بھی دفن کرنا جلانے اور چیلوں کو ڈالنے سے افضل ہے۔ جس کی وجوہات اوپر بھی ہیں۔ پھر جذباتی اور اقتصادی نقطۂ نگاہ سے بھی دفن کرنا بہتر ہے۔ یہ قدرتی طریق بھی ہے۔ کیونکہ قدرت نے یہی طریق لاکھوں کروڑوں ٹن روزانہ حیوانی مادے کو اسی طرح ٹھکانے لگانے کا ہے۔ یعنی سب روزمرہ درختوں کے پتے، حیوانوں کی لاشیں وغیرہ جو ہوتی ہیں اُن کو زمین ہی کھا جاتی ہے۔ اور اس طرح زمین کی کھوئی ہوئی نائٹروجن واپس آجاتی ہے۔ جو پھر نوراک پیدا کرنے میں ممد ہوتی ہے۔ اور زرعی زمین کو کمزور نہیں ہونے دیتی۔

دفن کرنے کے روحانی، قومی اور ملی فوائد بھی ہیں۔ مگر وہ میرے اس مضمون سے بالا ہیں۔ اگر بظاہر مردے کو جلانا یا چیلوں کو ڈالنا جسمانی صفائی اور حفظانِ صحت کے نقطۂ نگاہ سے زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس سوال کے سب پہلوؤں پر غور کر کے موازنہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ مردے کو دفن کرنا ہی قدرتی، طبی، پاکیزہ، کم خرچ عملی، دربایولاجیکل طریق ہے۔

(نوٹ) اگر تپ دق والی میت کی قبر کو چاروں طرف سیمنٹ سے پختہ کر دیا جائے تو پھر جراثیم کے پھیلنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔

سُنتِ ابراہیمیؑ کی فضیلت اور آنحضرت صلعم کی صداقت!

عاجز نے اس مضمون میں اختصار کے ساتھ جسمانی صفائی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اور انسان کی ولادت سے وفات تک جو احکام شریعت اسلامی نے اس شعبۂ زندگی کے متعلق دیئے ہیں اُن کی بعض حکمتیں اور فلسفہ بیان کر دیا ہے۔ اب ہر شخص ادنےٰ تدبر سے معلوم کر سکتا ہے کہ سُنتِ ابراہیمیؑ کا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے علم پا کر اسلامی شریعت میں جاری رکھا ہے انسان کے نئے متمدن زندگی میں اختیار کرنا ہی فطرت اور قدرت کے منشاء کے مطابق ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالےٰ کا سچا اور آخری

قول ہے اور سچی سائنس اللہ تعالےٰ کا فعل ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کے سچے قول اور سچے فعل میں تصادم ممکن نہیں۔ اگر تصادم نظر آئے تو ضرور یا تو قول (مذہب) کی ترجمانی غلط ہو رہی ہوگی یا فعل (سائنس) کی۔ قرآن کریم ہی تمام صحیح علوم، سچے فلسفہ اور حقیقی سائنس کا مجموعہ ہے۔ اور اگر کوئی علم اس کے ساتھ ٹکراتا ہے تو وہ علم نہیں جہل ہے۔ اس کو بھول جاؤ۔ اور اگر کوئی فلسفہ قرآن کے خلاف تعلیم دیتا ہے تو وہ فلسفہ نہیں حماقت ہے۔ اس کو رد کر دو۔ اور اگر کوئی سائنس قرآن کریم کے ساتھ متصادم ہوتی ہے تو وہ سچی سائنس نہیں۔ کسی سائنسدان کی غلط تھیوری ہے یا تخیل ہے اس کو ٹھکرا دو اور اس سے ہرگز مرعوب نہ ہوں۔ اس زمانہ میں جو تشریح اللہ تعالیٰ کے آخری قول کی احمدیت نے کی ہے وہی حقیقی اسلام ہے۔ اور اسی کو اب بفضل خدا دنیا میں قائم کیا جائے گا۔ اور یہ کام احمدی نوجوانوں کے کرنے کا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تمام دجالی علوم احمقانہ فلسفوں اور غلط تھیوریوں کی عمارات کو روحانی بموں سے اُڑا کر نیست و نابود کیا جائے اور اُن کی جگہ رحمانی علوم، قرآنی فلسفہ اور سچی سائنس کے عالیشان محل کو تعمیر کیا جائے۔ تا دنیا جہالت، حماقت، ناپاکی، ظلم اور بے انصافی کے شیطانی قید خانہ سے نکل کر احمدیت کے رحمانی باغ کے سایہ میں بیٹھ کر اطمینان اور آرام کا سانس لے سکے۔ اور آخر اللہ تعالےٰ کی ابدی جنت میں داخل ہو جائے۔ اللھم آمین۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ؕ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اقوامِ عالم کو انذار۔ اور سلسلۂ احمدیہ کا اقتدار

(از جناب قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحب)

۹ اپریل ۱۹۰۵ء کو حسب ذیل وحی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی:-

(۱) "ربّ ارنی زلزلۃ السّاعۃ (۲) یریکم اللہ زلزلۃ السّاعۃ (۳) اریک زلزلۃ السّاعۃ (۴) یسئلونک احقّ ھو (۵) قل ای و ربّی انّہ لحقّ ولا یردّ عن قوم یعرضون نصرٌ من اللہ و فتحٌ مبین۔ (۶) اراد اللہ ان یبعثک مقامًا محمودًا۔ (۷) ھو الّذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی و دین الحقّ لیظھرہٗ علی الدّین کلّہٖ"

مذکورہ بالا الہامات میں آنے والے حوادث کی عجیب ترتیب سے خبر دی گئی ہے۔ یہ حضور علیہ السلام تشریح فرما چکے ہیں کہ زلزلہ سے مراد انقلاب انگیز تباہی لانے والی، بربادی ڈھانے والی آفات و مصائب ہیں جو جنگ کی صورت میں بھی آئیں گی۔ اور پہلے تین الہاموں سے ثابت ہے کہ وہ زلزلے تو نمونۂ قیامت ہوں گے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں "یعنی اس میں بہت جانوں کا نقصان ہوگا۔ یہ نہیں کہ حقیقت میں قیامت آجائے گی بلکہ یہ معنے ہیں کہ دنیا پر سخت صدمہ ہوگا اور بہت جانیں تلف ہوں گی۔" (بدر جلد ۲ صفحہ ۱۔ الحکم جلد ۱۰ صفحہ ۱۲) ان عالمگیر اور عظیم عذابوں کے بارے میں یہ بھی ارشادِ باری ہے کہ "یہ بات سچ ہے میرے رب کی قسم اور اعراض کرنے والی قوم سے عذاب نہیں ٹلے گا۔" دوسرے مقام پر بتا دیا کہ اس تباہی کا دامن امریکہ، یورپ، ایشیا تک وسیع ہے۔ آپ نے "شہروں کو گرتے دیکھا اور آبادیوں کو ویران پایا" اور انتباہ فرمایا کہ "جزائر کے

رہنے والا کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا" اور پہلے زلزلہ کی نسبت ارشاد تھا کہ "زلزلہ بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی با حالِ زار" یہ آفت تو زیادہ تر شمال مغربی ممالک سے متعلق تھی۔ اور دوسری جزائر کے متعلق جس میں ایک مصنوعی خدا کی پرستش ہوتی ہوگی اور اسی کو فتح و کامیابی کا کرتا دھرتا سمجھا جاتا ہوگا۔ لیکن انجام کار باطل کا انجام تباہی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اور حق اپنی تمام شان و شوکت سے نمایاں۔ یہ کب ہوگا؟ "جب تمہیں اے مسیح موعود محمود کی صورت ظلی میں اُٹھایا جائے گا" تب رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ستائش دُنیا کے کناروں تک کی جائے گی۔ اور دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے یہ پیشگوئی "چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشاں کی پنج بار" وحی کے نزول کے بعد (مارچ ۱۹۰۶ء میں) بایں الفاظ فرمادی:۔

"خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل و نشانوں کے رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمے سے پانی پئے گی۔ اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جائیگا۔ بہت سی روکیں پیدا ہونگی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دیگا۔ اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

(تذکرہ صفحہ ۵۴۶)

پس ضرور ہے کہ خدا کے نوشتے پورے ہوں اور جیسا کہ قرآن مجید میں یاجوج ماجوج کے بارے میں آیا ہے وَھُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ۔ ان اقوام کو جن کا ذکر بائیبل میں تفصیل سے آیا ہے ایسا عروج حاصل ہو کہ وہ ہر بلندی کو چھلانگ کر اپنی گذرگاہ بناتے ہوئے روند ڈالیں۔ چنانچہ اس کی تکمیل کے لئے ایک مشرقی طاقت کی نازک[1] حالت کی پیش از وقوع خبر دی گئی۔ تا

[1] واضح ہو کہ خدا تعالےٰ کی وحی "ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک* حالت" میں، نازک حالت کا تعلق صرف کوریا سے اوائل میں ہم سمجھتے تھے مگر اس کا تعلق تو دونوں سے ہے۔ مشرقی طاقت

مغرب و مشرق میں ان اقوام کو تسلط حاصل ہو جائے۔ اور ان کا مصنوعی خدا اگرچہ اس کی ہستی قائم رہے اپنے پرستاروں کی کچھ بھی مدد نہ کر سکے۔ یہ سب کچھ ہم نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا۔ اور جو حضور ؑ نے فرمایا تھا وہ بھی سب بعینہٖ پورا ہوا۔

"اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے۔ اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی۔ اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین و آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی۔ یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی۔ اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ میں ان کا پتہ نہیں ملے گا"

(تذکرہ ص۶۶۶)

اب انسانوں میں اضطراب پیدا ہو چکا ہے۔ اور قبل اس کے کہ "بہتیرے نجات پائیں اور بہتیرے ہلاک ہوں" (تذکرہ ص۶۶۷) ہمارا فرض ظاہر ہے کہ دنیا والوں کو امن و سلامتی کی شاہراہ دکھائیں تا وہ کلمات پورے ہوں جو احمدیت کے تمام دنیا پر چھا جانے کے بارے میں اوپر نقل کئے جا چکے ہیں۔ جو کچھ میں نے حوادث روزگار کے بارے میں لکھا ہے اس کی تصدیق دوست دشمن کی تحریروں تقریروں سے ہو رہی ہے۔ حال ہی میں مشہور ادیب اور چشتی برادری کے لیڈر خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے اپنے اخبار منادی میں ایک نوٹ لکھا ہے اور بے ساختہ ان کی زبانِ قلم سے ایسے الفاظ نکلے ہیں جن سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دی ہوئی خبروں کی صداقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۵۴) اُس وقت ظاہر نہ تھی۔ ۱۹۰۵ء کے بعد جاپان کو ترقی ملی اور اقتدار حاصل ہوا۔ اور وہ یورپ کی نگاہوں میں مشرقی طاقت قرار پائی۔ مگر خدا نے یہ بھی خبر دیدی کہ پھر اس کی نازک حالت ہوگی۔ چنانچہ یہ براڈ کاسٹ ہوا ہے کہ جاپان سے ۱۵ لاکھ مربع میل علاقہ جنوب مشرقی بحر الکاہل سے واگذار ہوگا۔ جس میں آبادی ۱۲ کروڑ ۱۰ لاکھ مختلف جزائر کی ہے ایک لاکھ جنگی قیدی اور ڈیڑھ لاکھ نظر بند صرف اس علاقے میں ہیں۔ چین کا جو ملک زیر تصرف تھا الگ اور قیدی و نظر بند بھی جدا ہیں۔ اور خود جاپان پر اتحادیوں کی فوجی قبضہ اس کی نازک حالت ظاہر کر رہا ہے۔

قیامت کا نمونہ لڑائیاں

"۴ راگست ۱۹۱۴ء کو پہلی جنگ یورپ شروع ہوئی تھی اور دوسری جنگ یورپ ستمبر ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی تھی۔ جو آج ۱۵ راگست ۱۹۴۵ء کو ختم ہو گئی۔ یہ دونوں لڑائیاں قیامت کا نمونہ دکھانے والی لڑائیاں تھیں۔ جو اس لڑائی میں جیتے ہیں وہ ہارے ہیں اور جو ہارے ہیں وہ مرے ہیں۔ مگر ان دونوں سے زیادہ ہم غیر جانبداروں نے حشر و نشر کے تماشے دیکھے ہیں۔ جاپانی اپنے بادشاہ کو خدا سمجھتے ہیں۔ اُن کے خدا نے کبھی کسی سے بات نہیں کی تھی۔ مگر آسمان والے خدا نے جاپان میں جا کر حکم دیا۔ "میرے بندے بول۔ اور ساری دُنیا سے بات کر اور اپنی ہار مان تاکہ تیری عاجزی کا سب کو علم ہو جائے۔" (منادی ۲۴ راگست)

اس میں دونوں لڑائیوں ۱۴ تا ۱۸ء کی جنگ عظیم اور ۳۹ تا ۴۵ء کی جنگ عالمگیر کو نمونہ قیامت تسلیم کیا ہے۔ اور جاپان کے شہنشاہ کا مصنوعی خدا اور پھر بے کس و بے بس ہونا بتا دیا ہے۔ پھر آپ پرتاپ لاہور مؤرخہ ۷ ستمبر کے اس اقتباس کو مطالعہ کریں جس سے کسی قدر حسب پیشگوئی اتلافِ جان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

دوسری عالمگیر جنگ

"واشنگٹن۔ ۵ ستمبر۔ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے معلوم ہو جائے گا کہ دوسری عالمگیر جنگ میں کتنے شہری اور فوجی ہلاک و زخمی ہوئے یا لاپتہ ہو گئے۔ ان میں جنگی قیدی شامل نہیں۔ روس ۲ کروڑ ۱۰ لاکھ۔ جرمنی ۹۰ لاکھ سے ایک کروڑ ۲۵ لاکھ۔ پولینڈ۔ فوجی ۹ لاکھ۔ شہری وغیرہ ۵۷ لاکھ۔ چین ۳۰ لاکھ۔ جاپان ۲۷ لاکھ۔ امریکہ ۱۰ لاکھ ۷ ہزار۔ برطانوی سلطنت ۱۴ لاکھ ۳۰ ہزار۔ فرانس ۱۰ لاکھ۔ اٹلی ۱۱ لاکھ۔ یوگوسلاویہ ۱۶ لاکھ ۵۰ ہزار۔ آسٹریا ۷ لاکھ۔ ہنگری ۶ لاکھ۔ رومانیہ ۷ لاکھ۔ یونان ۷ لاکھ۔ ہالینڈ ۲ لاکھ ۷۵ ہزار۔ فن لینڈ ۱۸۳۱۰۶۔ بلجیم ۹۰ ہزار۔ چیکوسلواکیہ ۶۰ ہزار۔ فلپائن ۳۰ ہزار۔ سیام ساڑھے تین لاکھ۔"

جاپانی ہلاک و مجروحین کی تعداد پچاس لاکھ پچاس ہزار

"جاپانی حکومت کے ایک اعلانچی نے آج جاپانی پارلیمنٹ میں بتایا کہ جاپانی بری

اور بحری افواج کے مجروحین کی اور ہلاک شدگان کی تعداد ۵۰۸۵۰۰۰ ہے۔ برّی فوج کے ہلاک شدگان کی تعداد ۳۱۰۰۰۰۔ اور بحری فوج کے ہلاک شدگان کی تعداد ۱۵۷۳۶۵ ہے۔"

"جاپانی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے جاپانی وزیرِ اعظم نے بتایا کہ چار سال کی جنگ میں جاپان کے ۵ لاکھ کے قریب سپاہی ہلاک ہوئے۔ ۴۶۸ جنگی جہاز غرق ہوئے اور ۲۲۰۰۰ ہوائی جہاز تباہ ہوئے۔ ..... صلح نامہ پر دستخط کرنے سے پہلے تمام جاپانی نمائندے سسکیاں لے کر روتے رہے۔"

اور اِس بات کی تصدیق کہ اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا اُن میں کبھی آبادی نہ تھی ذیل کے اقتباس سے ہوگی۔ جس میں جاپان کے صرف ایک شہر کی بربادی و تباہی کا ذکر ہے۔ اور مضمون نگار وہی الفاظ لکھنے پر مجبور ہوا ہے جو خدا کی وحی میں آئے۔ کہ ان شہروں کو دیکھ کر رونا آئے گا۔ وہ قیامت کے دن ہوں گے۔ (تذکرہ صفحہ ۶۶۵)

ساری جنگ میں اِس سے زیادہ تباہی کہیں نہیں ہوئی

"ہیروشیما ایک ایسا شہر معلوم نہیں ہوتا جو بم سے تباہ ہو گیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھاری سٹیم رولر اس شہر پر سے گذر گیا ہے اور اسے بالکل زمین کے ساتھ ملا گیا ہے۔ تمام جنگ میں اتنی خوفناک تباہی نہیں ہوئی جتنی کہ ہیروشیما کی ہوئی ہے۔ ۲۵-۳۰ میل میں کوئی عمارت کھڑی نظر نہیں آتی۔ انسان کے ہاتھوں اِس شہر کی بھاری تباہی دیکھ کر دل دہل جاتا ہے۔ کئی میلوں تک کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتے ہیں۔ درجنوں بازاروں، عمارتوں، کارخانوں، اور انسانی جانوں کے ڈھیر نظر آتے ہیں معلوم ہوا ہے کہ کیمیائی مادہ سے پانی زہر آلود ہو گیا ہے۔ پرمانو بم نے اپنا اثر دُور تک زمین کے اندر کیا۔ اور ابھی تک یہ پلیگ پھیلا رہی ہے۔ تمام وہ عمارتیں کیا لکڑی کی اور کیا کنکریٹ کی جدید طرز کی۔ زمین سے ہموار ہو گئیں۔ کئی زخمی ہسپتالوں میں جا کر پاگل ہو گئے۔ شہر کے عقب میں سبز پہاڑیاں اور چاولوں کے کھیت پانچ پانچ میل جُھلس کر بھُورے ہو گئے۔ دس دس میل دُور لوگوں کو ریڑھ کا فالج ہو گیا۔"

فاعتبروا یا اولی الابصار!

اللہ تعالےٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ٥ یعنی تجھ سے پہلے بھی اقوام عالم میں یہی ہمارا طریق رہا ہے کہ اُن کو انواع و اقسام کی بلاؤں مصیبتوں، جنگوں، قحطوں میں گرفتار کیا تا اُن کے قلوب میں تضرع پیدا ہو اور وہ غفلت اور تکبر چھوڑ کر ہوشمندی اور عاجزی اختیار کریں اور امر حق پر ایمان لائیں۔ آگے چل کر فرمایا۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ٥ کس قدر وضاحت سے بتا دیا ہے کہ خدا کے فرستادے بشارتیں بھی لاتے ہیں اور انذار بھی۔ جو ایمان لا کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں اُنہیں کوئی خوف و حزن نہیں۔ نہ کسی گذشتہ امر پر اندوہ و غم اور نہ آئندہ کے لئے کوئی خوف۔ البتہ جو نشانات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں اُن پر عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔ اس پے در پے نافرمانی اور کفر و عصیان کے سبب۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ پس ان غیر معمولی و عالمگیر آفات کی لپیٹ میں آئے ہوئے اپنی اصلاح کر لیں ورنہ کھو جڑ اکھو یا جانے کا وعید موجود ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ اور اچھی طرح سمجھ لیں کہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا کے مطابق عالمگیر شدید عذاب اُس وقت تک مسلط نہیں ہوتا جب تک کہ رسول کے ذریعہ اتمام حجت نہ ہو جائے۔ پس اس فرستادۂ حق کو پہچاننا اور اسے اپنا ہادی و رہنما ماننا لابدی ہے ؎

من از بہر دیت گفتم تو خود ہم فکر کن بارے
خرد از بہر ایں روز است اے دانا و ہشیارے

(۸ ستمبر ۱۹۴۰ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز

(قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر!

مرتبہ

عبدالقدیر نیاز

شائع ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۴ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۵

ماہ نبوت ۱۳۲۴ ھش

جلد ۴۴ عدد ۱۱

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا:۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرون ہند تین روپے اور بیرون ہند چار روپے ہے طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپیہ لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے، ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے جو بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے۔ اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چوالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چوّن روپے	نوّے روپے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

ماہنامہ اُردو

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۴ | ماہِ ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہِ نومبر ۱۹۴۵ء | عدد ۱۱

فہرستِ مضامین

اُردو زبان
نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے جہان کی زبان ہونے والی ہے

(از جناب سید فضل الرحمٰن فیضی مینا کمرشل ہاؤس کوہ مفوی)

جناب سید غلام حسین صاحب وٹرنری آفیسر بھوپال کا ایک مضمون زیر عنوان "اُردو زبان اور احمدی برادران" الفضل ۷ ارمئی ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا ہے۔ جو اُردو کے حق میں نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ اس کے شروع میں ایک قسم کا گلہ کرتے ہوئے سید صاحب موصوف رقمطراز ہیں کہ "اِس زمانہ میں جو دُرگت اُردو زبان کی برادرانِ وطن کے ہاتھوں ہو رہی ہے اُس کی کوئی حد نہیں"۔ اِن الفاظ کو پڑھ کر اِس عاجز کے خیالات کچھ دیر کے لئے دہلی کے لال قلعہ کی طرف منتقل ہو گئے، اور دل نے کہا...... جب قلعہ والے ہی چل بسے تو بعد میں اُن کی پروردہ زبان کی دُرگت بنائی جانا کون سے تعجب کی بات ہے!

اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنا دورِ سلطنت ختم کر لے تو پھر اُس کی پیدا کی ہوئی باتیں، اُس کا تمدن اور اُس کی زبان وغیرہ سب ہی ایک عرصہ کے بعد ماند پڑ جاتی ہیں، اور رعایا کا رجحان آہستہ آہستہ نئی باتوں اور نئے حالات کا گرویدہ ہونے لگتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سلطنت کی تبدیلی ہمیشہ ملک میں ایک انقلاب پیدا کیا کرتی ہے۔ اور ایسے وقت میں تسخیر و تعمیر کا ایک نیا باب کُھل جاتا ہے۔ محکوم لوگ اپنے پہلے فرمانرواؤں کے جوئے سے آزاد ہو کر صحیح یا غلط شکایات کی بناء پر، اُن کے خلاف اپنے دلوں کا بخار اس طرح پر نکالا کرتے ہیں، کہ اُن کی تمام جاری کردہ چیزوں کی دُرگت بنائیں، اُن کی تہذیب اور اُن کے تمدن کو بدلیں، حتّٰی کہ اُن کی یادگاروں کو بھی مٹانے کی کوشش کریں۔ اسلامی دِلّی کے اُجڑ جانے کے بعد برادرانِ وطن کا مسلمانوں کی ہر بات کے خلاف

آواز اُٹھانا اور اُردو زبان کی بھی دُرگت بنانا کوئی خاص بات نہیں۔ اِس کی تہ میں غلطی یا لاعلمی بھی ہوسکتی ہے۔ البتہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے مسلمان بادشاہوں کی ایک بڑی بھاری غلطی کے نتیجہ میں ہے۔ انہوں نے اپنے دَورِ جہانگیری میں تبلیغ اسلام یعنی ہندوؤں کو اپنا حقیقی بھائی بنانے کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی تھی۔ اگر اِس وقت بذریعہ تبلیغ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سے غیریت کا پردہ اُٹھ جاتا تو آج ہندوستان میں نہ کوئی شدید تفرقہ نظر آتا، اور نہ ہی اُردو زبان کی یہ دُرگت بنتی۔

جہاں تک زبان کا سوال ہے، ہندو بھائی یہ بھول رہے ہیں کہ اُردو زبان دراصل برج بھاشا سے نکلی ہے، اور برج بھاشا خالص ہندوستانی زبان ہے۔ گذشتہ زمانہ میں جب مسلمان بادشاہوں کے لشکری ہندوؤں سے بازاروں میں ملتے تھے تو اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کیلئے کچھ اپنے اور کچھ اُن کے الفاظ میں ملی جُلی بات چیت کیا کرتے تھے۔ چونکہ اکثریت ہندوؤں کی تھی اس لئے برج بھاشا کے الفاظ ہی کثرت سے لشکریوں کی زبان پر چڑھتے گئے۔ مسلمانوں نے ہندوستان کو کبھی غیر مُلک نہیں سمجھا۔ بلکہ اسلام کی توحید بھری تعلیم کے ماتحت ان کا سیاسی نظریہ ہمیشہ یہی رہا کہ "ہر مُلک ملکِ ما است۔ کہ ملک خدائے ما است"۔ اس لئے یہاں آکر بھی مسلمان نہایت اعلیٰ درجے کے ملکی بن کر رہے۔ اور اہلِ ہند کی برج بھاشا کو انہوں نے اختیار کرنے اور اپنانے کی کوشش کی۔ روزمرہ کے میل جول اور باہمی گفتگو کے سبب آہستہ آہستہ برج بھاشا سے ہندوستان کے اندر ایک مخلوط زبان پیدا ہوگئی، جس نے بعد میں اُردو نام پایا۔ اُردو کے معنی بازارِ لشکر کے ہیں۔ نَومولود اُردو زبان کا مقدر شروع سے ہی بہت اچھا تھا، لشکریوں کے وسیلہ سے کچھ دنوں بعد یہ زبان دیوانِ عام میں پہنچ گئی، جہاں اس کے بچپن کے دن گذرے۔ پھر کچھ ہوش سنبھالا تو ترقی کر کے شاہی دیوانِ خاص میں جا پہنچی۔ جہاں اُمرا و ادبا کی مجلس میں اس نے سنِ بلوغت کو پایا۔ وہاں سے پھر قلعۂ معلّٰی میں حاضر ہوکر زیرِ سایۂ خسروی اُردو نے لسانی پختگی کو حاصل کیا اور ہندوستان کی مُلکی زبان بن گئی۔

مسلمانوں کے عہد میں ہندوستان کے اندر فارسی زبان کا دَور دَورہ رہا ہے۔ تمام شاہی کام، اور عدالتوں کے کام فارسی زبان میں انجام پذیر ہوتے تھے۔ جب انگریزوں کا عمل دخل ہوا تو انہوں نے بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں پہلے فارسی زبان سے ہی کافی مدت تک کام لیا۔ لیکن ۱۸۲۸ء میں جب لارڈ ولیم بنٹینگ گورنر جنرل ہوکر ہندوستان آئے تو اُس وقت اُن کی اصلاحات کے ماتحت عدالتوں کی زبان فارسی کے بجائے اُردو قرار پائی۔ اگر اُردو ہندوستان

کی عام مقبول زبان نہ ہوتی تو تبدیلیٔ زبان کے سوال کو انگریز اُردو سے کبھی حل نہ کرتے بلکہ ہندی یا سنسکرت یا کوئی اور زبان جس کو ہندو صاحبان مُلکی زبان کہنا چاہتے ہیں اس کو فارسی کی جگہ عدالتوں میں رائج کرتے۔ مگر اس وقت انگریزوں کا اُردو زبان کو ہی عدالتی زبان قرار دینا ثابت کرتا ہے کہ ملک ہندوستان عام فہم زبان یا "لنگا فرینکا" اُردو ہی تھی۔ تاریخی لحاظ سے بھی مدت سے اُردو ہی ہندوستان کی عام مُلکی زبان ہے۔

اب صدیوں بعد یہ محض زمانہ کی بوالعجبی ہے کہ اس خالص ہندوستانی زبان کی دُرگت ہندوؤں کے ہاتھوں بن رہی ہے۔ اور اُردو کے مُلکی زبان ہونے پر ہندو صاحبان کو خلش سی محسوس ہوتی ہے۔ نہ ہوئے آج "فسانۂ آزاد" کے مصنف پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار آنجہانی۔ وہ یقیناً مہاسبھائی ذہنیت کو اُردو کے حق میں استوار کئے بغیر چین نہ لیتے۔ اب ان جیسی ناموَر ہستیوں کے اُٹھ جانے کے بعد ہی ہندو اخباروں اور تقریروں میں یہ سوال زیر بحث لایا جا رہا ہے کہ اُردو زبان ہندوستان کی مُلکی زبان ہے یا نہیں۔ لیکن خیر ہمارے نزدیک تو یہ ایک عارضی بحث ہے۔

۱۹۳۵ء میں ایک مرتبہ ریل کے سفر میں ایک مسلمان صاحب اور ایک ہندو صاحب دونوں تعلیم یافتہ اُردو زبان کے قضیہ پر بحث فرما رہے تھے۔ یہ عاجز بھی سُنتا رہا۔ بالآخر ہندو صاحب نے مجھ سے بھی اظہارِ خیال کا تقاضا فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ "آپ کی بحث تو ہندوستان کی حد تک ہی محدود رہی کہ اُردو اِس مُلک کی زبان ہو سکتی ہے یا نہیں۔ مجھے تو یہ ساری دُنیا کی زبان ہوتی نظر آرہی ہے" وہ چونک پڑے، بولے "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "پرماتما کا منشاء اب ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ میرے پاس تو ولایت سے انگریزوں کے خطوط میں اُردو لکھی ہوئی آتی ہے آپ ابھی تک ہندوستان کی بحث ہی لئے بیٹھے ہیں" یہ سُنکر اُن کو اور حیرت ہوئی اور میری طرف زیادہ متوجہ ہو گئے۔

تب میں نے بتلایا کہ "میں احمدی ہوں اور جماعت احمدیہ قادیان سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہماری جماعت کے مبلغ دُنیا میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ جا بجا ہمارے مشن قائم ہیں۔ اس زمانہ کے اوتار حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لٹریچر قریباً سارے کا سارا اُردو زبان میں ہے اور ہمارے مبلغ دُنیا کے جس مُلک میں جاتے ہیں حضور علیہ السلام کی اُردو کتابیں بھی ساتھ لیکر جاتے ہیں۔ یورپ میں اور امریکہ میں، چین میں اور جاپان میں، افریقہ میں اور آسٹریلیا میں۔ غرضیکہ ہر جگہ احمدی مبلغ کام کر رہے ہیں۔ غیر ممالک میں نئے مسلمان ہونے والوں

میں سے بعض دوست محض احمدی لٹریچر سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے شوق میں اُردو زبان بھی سیکھتے ہیں۔ چنانچہ میرے ایک دوست صوفی عبد القدیر صاحب بی۔ اے جب مبلغ ہو کر ولایت گئے تو انہوں نے بھی بعض نومسلم انگریزوں کو اُردو پڑھائی جن میں سے بعد تعارف بعض کے خطوط میرے پاس آئے تو اُن میں اُردو بھی لکھی ہوئی تھی۔ اِسی طرح دُنیا کے کنارے وں تک احمدی مبلغوں کے ذریعہ اُردو زبان بھی پہنچ رہی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ دُنیا میں احمدیوں کے ذریعہ اسلام پھیلے' اس لئے دُنیا بھر میں اب انشاء اللہ العزیز اُردو بھی پھیل کر رہے گی۔ سو یہ بات بالکل درست ہے کہ اُردو ساری دُنیا کی زبان ہونے والی ہے۔" اِس پر وہ دونوں مسافر صاحبان اپنی بحث بھول گئے کہ اُردو ہندوستان کی زبان ہو سکتی ہے یا نہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ احمدی جماعت کے سامنے' جن کی نگاہیں عہدِ نو پر لگی رہتی ہیں' اور جن کا فکر اور جن کا غم' جن کی راحت اور جن کی زندگی اشاعتِ اسلام کے لئے وقف ہے' اور جن کے پاس روحانی علم و عرفان کے خزانے اُردو زبان میں موجود ہیں' اور جو بنی نوعِ انسان کی بہتری کا پروگرام اُردو زبان میں لئے ہوئے ہے ...... ایسی کوئی بحث کہ اُردو ہندوستان کی بھی زبان ہو سکتی ہے یا نہیں' بھلا معنے ہی کیا رکھ سکتی ہے؟ یہ صورت کہ "اس زمانہ میں جو دُرگت اُردو زبان کی برادرانِ وطن کے ہاتھوں ہو رہی ہے اُس کی کوئی حد نہیں" محض ایک عارضی صورت ہے کیونکہ یہ تجدیدِ اسلام کا زمانہ ہے۔ تُرکوں نے بھی اسلام لانے سے قبل بغداد میں اسلامی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ لیکن بعد میں جب یہی ترک بفضلِ ایزدی من حیث القوم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو بہترین حاملِ دینِ متین و خدام الحرمین شریفین ثابت ہوئے۔ آج برادرانِ وطن بھی اگر لاعلمی کی وجہ سے اُردو کی دُرگت بناتے نظر آ رہے ہیں تو کیا مضائقہ ہے۔ یہ کوئی خاص اندیشہ کی بات نہیں۔ انشاء اللہ العزیز کل کو یہی فائدہ شناس لوگ حضرت کرشن قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر بہترین خادمِ اسلام اور بہترین خادمِ اُردو زبان ثابت ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے یہ بھی صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہوگا۔" (تذکرہ صفحہ ۲۸۵)

خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہوتے ہیں۔

نیز حضرت امیر المومنین مصلح موعود ایدہ اللہ الودود فرماتے ہیں:۔

"چونکہ اِس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر عربی زبان کے بعد اُردو میں الہام کثرت سے ہوا ہے' مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس آیت (بِلِسَانِ قَوْمِہٖ) کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ زبان ہندوستان کی اُردو ہوگی۔ اور دوسری کوئی زبان اُس کے مقابل پر نہیں ٹھہر سکے گی۔" (تفسیر کبیر ص۲۲۴)

لہٰذا اُردو زبان کی طرف سے ہمیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اصل فکر کی بات ہمارے سامنے اپنے فرائض کی ادائیگی یعنی تبلیغ ہے جس قدر زیادہ تندہی سے ہم تبلیغ کا کام سرانجام دینگے اور جماعت بڑھے گی اُسی نسبت سے یہ فروعی خدشات ہمارے سامنے سے خود بخود کم ہوتے جائینگے۔ حضرت امیر المومنین کا یہ مطالبہ یاد رہے کہ ہندوستان میں کم از کم چار کروڑ احمدیوں کی جلد ضرورت ہے...... پروفیسر لین پول نے لکھا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد ہندوستان میں چار کروڑ کی تھی۔

باقی اُردو زبان کی تائید و ترویج کے سلسلہ میں جناب سیّد غلام حسین صاحب نے جتنی باتیں اپنے ذوق کے مطابق" تحریر فرمائی ہیں وہ بلاشبہ ہر احمدی کے لئے نہایت درجہ پیاری، مفید و اعلیٰ قسم کی ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ"........ بارہ سال متواتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ مگر مَیں نے حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے ہمیشہ اُردو زبان میں گفتگو اور تقریر سُنی...... حضور علیہ السلام کی صحبت اور برکت سے مجھے اُردو زبان سے محبت ہو گئی اور مَیں بیعت کے بعد ہی اُردو میں بات چیت کرنے لگا۔ حالانکہ ٹھیٹھ پنجابی تھا" آگے فرماتے ہیں کہ "مَیں نے اپنی اولاد کو نصیحت کر رکھی ہے کہ وہ ہمیشہ اُردو بولا کرے...... یہ محض اس لئے کہ میرے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُردو بولتے تھے۔" نیز "میرا دل تو یہ بھی چاہتا ہے کہ سب احمدی احباب خصوصاً ہندوستان کے رہنے والے تو ضرور ہی اُردو بولا کریں" اِن مختصر مگر جامع الفاظ میں جن اعلیٰ دلی جذبات اور پُرخلوص محبت کا اظہار ہے' اور جس عملی نمونہ کو پیش کر کے نہایت لطیف پیرایہ میں جماعت احمدیہ کو خصوصیت سے اُردو زبان اختیار کرنے اور اُس کو رائج کرنے کی ترغیب دلائی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ احمدی جماعت کو ہر جگہ اس کی طرف ضرور عملاً پوری توجہ دینی چاہئے اور دُنیا کے کونے کونے میں اُردو کو رائج کرنا چاہئے۔ ہمارے سامنے یہ ہندوستان کا سوال نہیں بلکہ ساری دُنیا کا سوال ہے۔

یہ بات سمجھنے کے لئے کہ اُردو زبان کس طرح دُنیا میں رائج ہو سکتی ہے اور اس کے کیا امکانات

میں ہم انگریزی زبان کی قریبی اور کامیاب مثال کو لے سکتے ہیں۔ یہ زبان تجارت پیشہ انگلش قوم کی زبان ہے۔ جو چند صدیوں پیشتر تجارت اور اس کے فروغ کے سلسلہ میں برطانیہ کے جزیرہ سے نکلی تھی اور آہستہ آہستہ انگریزوں کی ان تھک کوششوں کیساتھ دُنیا میں پھیلتی گئی۔ ہندوستان میں یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ آئی تھی ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے نے جو اس وقت گورنر جنرل کی کونسل میں قانونی مشیر تھے انگریزی زبان کو ہندوستان میں رائج کرنیکی زبردست کوشش کی۔ چنانچہ بحکم گورنر جنرل انگریزی بھی اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جانے لگی۔ اسی طرح دُنیا میں جہاں بھی انگریزوں کے قدم پہنچے انہوں نے وہاں انگریزی زبان کو بھی رواج دینے کی پوری کوشش کی۔ نتیجہ یہ کہ آج ہمارے سامنے انگریزی زبان دُنیا میں تجارت کی زبان بنی ہوئی ہے۔ اور تمام دُنیا کو فائدے پہنچا رہی ہے۔ اگر انگریزی زبان سب کے لئے یکساں تجارتی فوائد اپنے اندر نہ رکھتی تو ممکن نہ تھا کہ اس وسعت کے ساتھ دُنیا میں پھیل سکتی۔ اس کی تین سو سالہ تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء سے انگریزی زبان کے ساتھ سیاحت رہی، سعی بلیغ رہی، اور پھر خود زبان کے اندر فائدہ رسانی کا جوہر بھی موجود تھا۔

اس مثال کی روشنی میں اُردو پر نظر ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ ابتداء سے جو موافق حالات دُنیا میں پھیلنے کے لئے انگریزی زبان کو میسر آئے بفضلہ تعالےٰ اسی قسم کے حالات مگر دینی رنگ کے آج اُردو زبان کو بھی عالمگیر بننے میں میسر آ رہے ہیں اور بفضلہ بہت امید افزا ہیں۔ مثلاً (۱) سیاحت کے سوال کو مبلغینِ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے حل کرنا شروع کر دیا ہے۔ دُنیا کے جس مُلک میں وہ پہنچتے ہیں اُردو اُن کے ساتھ جاتی ہے۔ نیز اُن کی رپورٹیں تجارت کے دروازے بھی سلسلہ کے لئے کھول رہی ہیں۔ اب ہماری سیاحت میں انشاء اللہ ہندوستان کے احمدی تاجروں کا بھی نمایاں حصہ ہوگا۔ ....

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تجارت کو بہت اچھا اور مستحسن پیشہ قرار دیا ہے ..... سو تجارت کے ذریعہ بھی اُردو زبان اپنے وطن سے باہر پہنچ کر انشاء اللہ متعارف ہوگی۔ (۲) سعی بلیغ کے ضمن میں اُردو زبان کی یہ خوش قسمتی ہے کہ دُنیا میں پھیلنے کے لئے اِس کو جماعت احمدیہ جیسی فعال جماعت کی ہمدردی مل گئی ہے جو سعی بلیغ کے معنے بفضلہ تعالےٰ عملاً جانتی ہے۔ "براہین احمدیہ" کے زمانے سے جب قدرت نے ترقی اسلام کے ساتھ ترقی اُردو کو بھی وابستہ کر دیا۔ اور خدمتِ اسلام کے لئے جماعت احمدیہ کو ہی منتخب فرمایا، تو اس سے زیادہ سعی بلیغ کی ضمانت اُردو کے لئے اور کیا ہوگی۔ اُردو اپنی اِس خوش قسمتی پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ (۳) فائدہ رسانی کا جوہر بھی اُردو زبان میں اب بافراط موجود ہے اور یہ نافع للناس بن چکی ہے۔ کیونکہ اِس زمانہ میں دُنیا کی بہتری اور فائدہ کے لئے وحی الٰہی اُردو میں

بھی نازل ہوئی۔ پھر قرآن مجید کے معارف و حقائق اور اسلامی کمالات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ زیادہ تر اُردو زبان میں ہی کھلے۔ حضرت امیر المومنین مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی "تفسیر کبیر" بھی اُردو میں ہے۔ غرضیکہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی وہ زبردست روح جو ساری دُنیا کے لئے پیغامِ حیات ہے، وہ اس زمانہ میں بکمالِ حُسن و صفائی تام اُردو زبان کے قالب میں ہی ہی ہوئی ہے۔ دُنیا جو حقیقتاً اس کی متلاشی ہے، اب انشاء اللہ العزیز اُردو کو بھی لازماً اپنائے گی کیونکہ اسی زبان میں اب جوہرِ زندگی ہے۔

انگریزی زبان کی مثال پر اگر یہ سوال پیدا ہو کہ انگریزی تو دُنیوی فوائد لیکر اُٹھی تھی، اس لئے دُنیا میں پھیل گئی۔ مگر اُردو زبان تو زیادہ تر دینی قسم کے فوائد پیش کر رہی ہے، بحالیکہ دُنیا دین کی طرف سے سخت بے رغبت ہے پھر کیونکر اُردو زبان کامیابی کے ساتھ دُنیا میں پھیل سکتی ہے؟ ...... تو اس کا جواب یہ ہے کہ دین کی طرف سے دُنیا کی موجودہ بے رغبتی ہی اُردو کے پھیلنے کی زبردست ضمانت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اِس بے رغبتی کو مٹانے کی خاطر ہی تو اسلام کا دَورِ تجدید دُنیا میں شروع ہوا ہے۔ اور جبکہ اس دَور کا بہترین مایۂ ناز اسلامی لٹریچر اُردو میں ہے اور جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کے ماتحت انشاء اللہ دُنیا کی لامذہبی اب بالیقین مٹ کر رہے گی، تو پھر دُنیا میں تجدید و اشاعتِ اسلام کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کے پھیلنے میں کیا شک و شبہ ہوسکتا ہے۔ انگریزی بے شک محض دُنیوی فوائد لیکر اُٹھی تھی، مگر اُردو دینی اور دُنیوی دونوں فوائد لے کر اُٹھ رہی ہے۔ یعنی قرآنی فوائد۔ اور قرآنی فوائد میں جیسا کہ تاریخِ عالم شاہد ہے تمام اعلیٰ قسم کے دُنیوی فوائد بھی شامل ہیں۔ اِسی لئے اُردو کے سامنے کوئی خاص رُکاوٹ نہیں، یہ انشاء اللہ پھیل کر رہے گی۔

وقت آرہا ہے، اور اگر ہم دیوانہ وار تبلیغ میں لگ جائیں تو دُور نہیں جبکہ اُردو زبان نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے جہان میں انشاء اللہ عزت کے ساتھ مقبول ہوگی۔ اہلِ نظر اس کی اہمیت کو دیکھ رہے ہیں۔ جناب محمد مارما ڈیوک پکتھال نے اپنے مشہور آٹھ لیکچروں میں جو تمدنِ اسلام پر ۱۹۲۷ء میں انہوں نے مدراس میں دیئے تھے، چوتھے لیکچر کے آخیر میں اُردو زبان کو اسلام کی چوتھی بڑی زبان قرار دیا ہے۔ یعنی عربی، فارسی اور ترکی کے بعد اب خالص ہندوستانی زبان اُردو بھی اسلامی صف میں نظر آرہی ہے۔ اور لُطف یہ کہ اِس زمانہ میں ہی ایسے خیالات کا اظہار شروع ہوا ہے۔ ورنہ احمدیت سے پہلے اُردو ایک مُلکی زبان سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

احمدیت نے آکر اُس کی قیمت کو چار چاند لگا دیئے ۔ ایک طرف فی زمانہ اُردو زبان کا اسلامی صف میں نظر آنا ، اور دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی کہ "پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہوگا" اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ ارشاد کہ "آئندہ زبان ہندوستان کی اُردو ہوگی ......" یہ سب مل کر ہندوستان کی مُلکی زبان کے سوال کو تو ہمیشہ کے لئے حل کر دیتے ہیں۔ آگے اُردو کے عالمگیر بننے کے قوی امکانات وقت اُن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس فرمانِ مبارک میں موجود ہیں "خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے عظمت دے گا۔ اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا۔ اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا .... ہر ایک قوم اِس سر چشمہ سے پانی پئے گی .... اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا۔ اور پھولے گا۔ یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جائے گا" (تجلیاتِ الٰہیہ ص۱۷) احمدیت کے محیط ہونے پر مرکزِ احمدیت کی زبان اُردو بھی انشاء اللہ عالمگیر حیثیت اختیار کرے گی۔

مستقبل کی جہت سے بھی اُردو کی اہمیت واضح ہے۔ پیشگوئیوں کے مطابق جب سلسلہ عالیہ احمدیہ ساری دُنیا پر محیط ہونے والا ہے، اور اقوامِ عالم نے اِس چشمۂ اسلامی سے پانی پینا ہے، تو ظاہر ہے کہ آئندہ زمانہ میں انشاء اللہ مختلف ممالک اور ولایتوں کے لوگ کثرت سے اس سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ اُس وقت ان کو متحد الخیال اور نظامِ مرکز سے وابستہ رکھنے کے لئے ضروری ہوگا کہ دُنیائے احمدیت میں ایک زبانِ ملت بھی رائج ہو۔ کیونکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ وحدتِ ملی ہمیشہ وحدتِ لسانی کو بھی چاہتی ہے، تا شیرازۂ ملت بندھا رہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اب اردو زبان کو ہی زبانِ ملت بننے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ اِس صدی سے یہ قرآن مجید کی تفسیری زبان ہے یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان ہے۔ اور یہ ہی مرکزِ احمدیت کی زبان ہے۔ آج ہمارے سب کام اُردو میں ہو رہے ہیں۔ مرکزی سالانہ جلسے اور مشاورتوں کے اجلاس بھی اُردو میں منعقد ہوتے ہیں۔ ...... دو ایک صدی بعد کے جلسے اور مشاورتیں بھی ذرا مدِّ نظر رہیں۔ اگر ابھی سے اُردو زبان عام طور پر احمدیوں میں رائج نہ کی گئی، تو کیا آئندہ مرکزی جلسوں اور مشاورتوں میں مختلف زبانوں میں تقریریں ہوا کریں گی؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ کثرتِ لسانی کو تسلیم کرنا وحدتِ ملی کے منافی ہوگا۔ پس ضروری ہے کہ ہم اُردو کو ابھی سے دُنیا بھر میں وحدتِ ملی کے لئے وحدتِ لسانی کی بھی داغ بیل ڈال دیں۔ چاہئے کہ ہر جگہ کے احمدی احباب آپس میں اُردو بولا کریں۔ مبلغینِ سلسلہ

ہر ملک میں قرآنی تعلیم کے ساتھ ساتھ اردو زبان کو بھی رائج کرنے کی پوری کوشش فرمائیں۔ دنیا میں جہاں جہاں بھی احمدی مدرسے جاری ہیں یا آئندہ جاری ہوں ان میں عربی کے علاوہ اردو زبان بھی ضرور پڑھائی جائے۔ قاعدہ یسرنا القرآن (اردو) کے ذریعہ اطفال احمدیہ کو ابھی سے اردو سے واقفیت پیدا کرا دیں۔ تا آئندہ نسلیں ہر جگہ اردو سے واقف ہوں۔ اور تا وہ خود بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی کتب کا مطالعہ اور سلسلہ کے مرکزی لٹریچر سے مستفیض ہو سکیں اور دوسروں کو مستفیض کریں۔ اب ساری نوع انسان کی بہتری اور فلاح کے لئے سارے عالم میں اردو کا پھیلانا بھی ازبس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و مددگار ہو، ہمارے نیک ارادوں اور ناچیز کوششوں میں برکت ڈالے اور ہر جگہ ہمیں اردو زبان رائج کرنے کی توفیق بخشے اور کامیابی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین ❊

سلسلہ خلافت ٹوٹ جانے سے مسلمانوں کو کیا کیا نقصانات پہنچے

(مولوی عبد القادر صاحب مولوی فاضل)

قیامِ خلافت کے متعلق وعدہ الٰہی

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَ مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(سورۃ نور ع ۷)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں سے پانچ باتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ اول وہ ایمان لائیں گے اور اچھے اعمال بجا لائیں گے۔ اللہ تعالےٰ یقیناً اُن کو زمین میں خلیفہ بنائے گا [illegible] اسی طرح جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ دوم وہ [illegible] ان کے لئے ان کے دین کو مستحکم کر دے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ سوم وہ یقیناً ان کو ان کے خوف کے بعد امن سے بدل دیگا۔ چہارم وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پنجم جو اس کے بعد انکار کریں گے وہ پورے نافرمان ہوں گے۔

اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ جس قدر اللہ تعالےٰ نے خلافت پر زور دیا ہے اس قدر کسی اور بات پر زور نہیں دیا۔

طریقِ انتخاب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو خلیفہ کے انتخاب کے لئے کیا تعلیم دی ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ نے انتخاب حاکم

کے متعلق اصولی تعلیم دیتا ہوا فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ○ (نساء ع)

یعنی اللہ تعالےٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ حکومت کی امانتوں کو اُن کے حقدار لوگوں کے سپرد کیا کرو۔ اور جب اے حاکمو! تم حاکم بن جاؤ تو تمہارا فرض ہوگا، کہ تم عدل کے ساتھ حکمرانی کرو۔ اللہ تعالےٰ جس امر کی تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہے اور اللہ تعالےٰ سُننے والا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو بتایا ہے کہ خلیفہ کا انتخاب تمہارے سپرد ہے۔ نیز یہ ایک مقدس امانت ہے، تمہیں چاہئے کہ تم اسے اسی شخص کے سپرد کرو جو اسکا اہل ہو۔ دوسرے خلیفہ کو حکم دیا کہ دیکھنا! حکومت ایک امانت ہے جو تمہاری موت تک تمہارے سپرد کی گئی ہے، تمہارا فرض ہے کہ اسے بلاخراب یا تباہ کرنے کے اپنی وفات کے وقت واپس کرو۔ یعنی بتایا کہ خلافت تمہاری ذاتی جائیداد نہیں، کہ تم اسے مرتے وقت اپنی اولاد کو بطور ورثہ سپرد کر جاؤ، بلکہ یہ قوم کی امانت ہے جو صرف تمہارے سپرد کی گئی ہے، نہ کہ نسلاً بعد نسلٍ تمہاری اولاد کے لئے بھی۔

اس آیت سے اشارۃ النص کے طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ مسلمان اس معاملہ میں کمزوری دکھائیں گے اور پھر بادشاہت کی طرف رجوع کریں گے۔ مگر فرمایا کہ دیکھو! جو نصیحت ہم نے کی ہے، کہ وراثت کی بادشاہت کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ ایک نہایت ہی اہم اور مفید نصیحت ہے اور اللہ تعالےٰ نے تمہاری حالتوں کو...... دیکھ کر اور تمہاری دُعاؤں کو سُنکر تمہیں یہ طریقِ حکومت بتایا ہے۔ پس اس کی ناقدری اور ناشکری نہ کرنا۔

فرائضِ خلیفہ

اب ہم نے اس امر پر غور کرنا ہے کہ خلیفہ کے سپرد کام کیا کیا ہیں، جن کا سرانجام دینا اُس کے لئے ضروری ہے۔ سو واضح رہے کہ خلیفہ چونکہ نبی کا قائم مقام ہوتا ہے، اس لئے جو کام اس کے متبوع کا ہو وہی تابع کا ہونا ضروری ہے۔ قرآن پاک کی نصِ صریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سپرد اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کے لئے چار اہم کام تھے۔ اوّل تلاوتِ آیات۔ دوم تعلیمِ کتاب۔ سوم تزکیہ نفوس۔ چہارم تعلیمِ حکمت۔ گویا اپنے متبوع نبی کی اُمت کی ہر قسم کی نگرانی اس کے سپرد ہوتی ہے۔ سیاسی، جسمانی،

مذہبی، روحانی ہر قسم کے امور میں وہ اُن کا نگران ہوتا ہے۔

مضمون کے عنوان کے مطابق جب ہم تفصیلی طور پر غور کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح رنگ میں خلافت کب تک قائم رہی، اور یہ کہ اُس کے مفقود ہو جانے سے اُمت کو کیا کیا نقصانات پہنچے، تو ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ پہلے چار خلفاء یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین تھے۔ لیکن بعد کے خلفاء گو کہلاتے خلیفہ ہی رہے، لیکن درحقیقت وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین نہ تھے محض اُمت محمدیہ میں اپنے اثر و رسوخ کو پیدا کرنے کی خاطر اور اپنے آپ کو عوام الناس میں محبوب بنانے کی خاطر انہوں نے خلیفہ کا لفظ اپنے ساتھ لگا رکھا تھا۔ چنانچہ اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کو معلوم ہوگا کہ جب ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے دریافت کیا کہ آیا آپ کے نزدیک میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا، کہ اگر آپ کسی مسلمان سے ایک درہم یا اُس سے کم و بیش وصول کرکے بیجا خرچ کریں تو آپ بادشاہ ہیں ورنہ خلیفہ۔ اِس سے ظاہر ہے کہ پہلے چار خلفاء جنہیں اسلامی اصطلاح میں خلفاء راشدین کہا جاتا ہے، درحقیقت وہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کہلانے کے مستحق تھے۔ بعد میں آنے والے خلفاء چونکہ بیت المال کو اپنی ذاتی جائیداد سمجھتے تھے اس لئے وہ ہرگز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین نہیں کہلا سکتے۔

برکاتِ خلافتِ راشدہ

گو بظاہر مضمون کے عنوان کے لحاظ سے یہ امر بے تعلق معلوم ہوتا ہے کہ احباب کو خلافتِ راشدہ کی برکات سے آگاہ کیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ خلفاء راشدین اصلاحِ اُمت کے لئے کیا کیا کام کرتے تھے، اُس وقت تک یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ اُن کے بعد مسلمانوں کو کیا کیا نقصانات پہنچے۔ اس لئے اب میں مختصراً خلافتِ راشدہ کی برکات کا ذکر کرتا ہوں اور پھر بتاؤں گا کہ آیا اُمتِ محمدیہ بعد میں آنے والے خلفاء کے زمانہ میں بھی اُن برکات سے مستفیض ہوتی رہی یا وہ محض شاہانہ رنگ میں حکومت کرتے رہے۔ سو خلفاء راشدین کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

اوّل:۔ خلیفہ مسلمانوں کی صائب الرائے جماعت کے انتخاب سے مقرر ہوتا تھا۔ اس انتخاب میں وراثت یا خاندانی حقوق کو مطلق دخل انداز نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ گویا مسلمان جس

شخص کو خلافت کے قابل سمجھتے تھے، اُس کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور دے دیتے تھے۔ اور وہ تمام عمر اس اہم عہدہ کو ایک مقدس امانت کی طرح اپنے پاس رکھتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات پر تمام صحابہؓ نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ آپؓ نہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار تھے، اور نہ خاندانی طور پر آپؓ کو دوسرے صحابہؓ پر کوئی فوقیت حاصل تھی۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپؓ کے والد جن کی کُنیت ابو قحافہ مشہور تھی، کو جب اس امر کا علم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ خلیفہ منتخب ہو گئے ہیں تو انہوں نے تعجب سے کہا، کہ کیا قریش کے لوگ ابو قحافہ کے ہاتھ پر مجتمع ہو گئے ہیں؟

غرض آپؓ کو محض اس وجہ سے مسلمانوں نے آنحضرت صلعم کا خلیفہ بننے پر مجبور کیا، کہ آپؓ ہر رنگ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کے اہل تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی وفات کے قریب سب سے پہلے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو بلا کر خلافت کے متعلق مشورہ لیا۔ پھر حضرت عثمانؓ سے رائے لی۔ پھر حضرت علیؓ کو بلایا۔ اور سب سے آخر حضرت طلحہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق حضرت عثمانؓ کو بلا کر وصیت نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو جب شدید زخم لگا تو آپؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوامؓ حضرت طلحہؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمانؓ کو طلب فرمایا یعنی قوم کے بہترین اور متقی اصحاب کو بلا کر فرمایا کہ آپ لوگ تین دن کے اندر اندر اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لینا۔ پھر اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم کو رائے دینے کا تو حق ہے مگر خلافت کا نہیں اس سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کو اہل الرائے سمجھتے تھے، اور وہ خلافت کے بار کو بھی اُٹھانے کے قابل تھا۔ مگر اس لئے کہ خلافت کو بعد میں آنے والے لوگ ورثہ نہ سمجھ لیں، آپؓ نے فرمایا کہ عبد اللہ خلیفہ نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ جب کسی شخص نے عبد اللہ بن عمر کا نام لیا تو آپؓ نے فرمایا کہ بار خلافت کی ذمہ واری میرے ہی لئے کیا کم ہے کہ میں اپنے خاندان پر بھی یہ بوجھ ڈال دوں۔ ہاں آج اگر ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں اُن کو اپنا قائم مقام کر دیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کی بازپرس کرتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی سے سُنا تھا کہ ابو عبیدہؓ اس اُمت میں امین ہے۔ یا ابو حذیفہؓ کا غلام سالمؓ ہوتا تو اُس کو خلیفہ بنا دیتا۔ اور اللہ تعالےٰ سے کہتا کہ سالمؓ للّٰہیت کا شیدائی تھا، اس لئے میں نے اُسے خلیفہ بنا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی زندگی میں اپنے قائم مقام کا کوئی انتظام نہیں کیا، بلکہ اس معاملہ کو مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔ آپؓ کی شہادت پر جب مسلمانوں

نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانا چاہا تو انہوں نے انکار کیا، مگر لوگوں نے کہا کہ امت آپ کے سوا اور کسی کو منظور نہیں کر سکتی۔ اگر آپ انکار کریں گے تو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ اس پر آپؓ نے لوگوں سے بیعت لی۔ پس آپؓ کی خلافت تک یہی یہ انتظام رہا، کہ خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کی رائے سے ہوتا رہا۔ بعد میں جب خلافت بنو امیہ کی طرف منتقل ہوئی تو خلافت بادشاہت کے رنگ میں تبدیل ہو گئی۔

دوم۔ خلیفہ بیت المال کا مالک نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ خلفاء اسے قومی مال سمجھتے تھے جس میں سے وہ اپنا گذارہ بھی آپ مقرر نہیں کر سکتے تھے، بلکہ مسلمانوں کی مشورہ سے گذارہ مقرر کرتی تھی۔ چنانچہ خلفاء راشدین میں سے کسی خلیفہ نے بھی اپنے مقررہ گذارہ سے سوا بیت المال میں سے ایک حبہ تک بغیر اجازت عامۃ الناس اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو کسی مرض کی وجہ سے اطباء نے شہد کھانے کو بتایا۔ آپؓ کے پاس شہد نہ تھا اور نہ ہی اس قدر جلدی کسی اور جگہ سے مل سکتا تھا، البتہ بیت المال میں تھوڑا سا شہد موجود تھا۔ لوگوں نے کہا آپ اس شہد کو استعمال فرمائیں۔ آپؓ نے فرمایا، یہ سارے مسلمانوں کا مال ہے جب تک تمام لوگ اجازت نہ دیں گے، میں استعمال نہیں کروں گا۔ چنانچہ سب لوگوں نے اجازت دی، تب استعمال کیا۔

سوم۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں عہود کی پابندی کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ جب حضرت خالدؓ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسیلمہ کذاب کے لشکر کی سرکوبی کے لئے بھیجا تو بنو حنیفہ شکست کھا کر بھاگ گئے اور اپنے قلعوں میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے۔ آخر انہوں نے اس شرط پر مصالحت کی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے، ہاں نقد مال اور ہتھیار سب ضبط کر لئے جائیں، اور جس قدر اسیران جنگ ہیں اُن میں سے ایک چہارم لے لئے جائیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کے نام ہدایت نامہ لکھا تھا کہ بنو حنیفہ کے مقاتلین قتل کر دیئے جائیں۔ یہ مکتوب معاہدہ صلح کے بعد پہنچا، اسلئے حضرت خالدؓ نے اپنی ہی شرائط کو پورا کیا۔

حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں ہرمزان جو ایرانی لشکر کا سردار تھا، جب اُس نے دیکھا کہ اب مسلمانوں کا مقابلہ مشکل ہے تو فصیل کے بُرج پر سے پکار کر کہا، کہ میں اس شرط پر اُترنے کے لئے تیار ہوں، کہ تم مجھ کو اپنے خلیفہ کے پاس بھیجدو، وہ میری بابت جو حکم دیں گے میں اُسی پر راضی ہوں مسلمانوں نے اُسے ایک وفد کے ہمراہ حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدیا۔ حضرت عمرؓ اکیلے مسجد نبویؐ میں

فرش پر آرام فرما رہے تھے۔ ہرمزان سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کا بادشاہ بڑی شان سے دربار میں بیٹھا ہوگا، مگر حضرت عمرؓ کو اس سادگی کی حالت میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ حضرت عمرؓ نے ترجمان کی وساطت سے اُسے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ اِس بات کا تمہارے پاس کیا جواب ہے، کہ بار بار معاہدے کرکے تم اُن کو توڑتے رہے۔ جواب دینے سے قبل اُس نے پانی مانگا۔ جب پیالہ دیا گیا، تو اُس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ اُس نے کہا، کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں پانی پینے سے پہلے نہ قتل کیا جاؤں۔ حضرت نے فرمایا، "جب تک تم اِس پانی کو پی نہیں لوگے قتل نہیں کئے جاؤگے"۔ یہ سُنکر اُس نے پانی کو پھینک دیا، کہ مجھے پانی کی ضرورت نہیں، مَیں تو امان لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اپنے الفاظ کا احترام کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کو پناہ دینا پڑی۔

چہارم:۔ خلفاءِ راشدین اپنے زمانہ میں ہر اہم امر کو "امرھم شوریٰ" کے ماتحت مسلمانوں کے مشورہ سے طے کرتے تھے۔ اور اسے اپنا فرض سمجھتے تھے۔

پنجم:۔ خلافتِ راشدہ میں خلفاء میں تعیش پسندی نہیں آئی تھی۔ اُن کی رہائش اور خوراک وغیرہ بالکل عام مسلمانوں کی طرح تھی۔ حتّٰی کہ باہر سے جو وفود حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات کرنے کے لئے آیا کرتے تھے تو آپؓ کے ساتھ کھانا کھا کر اُن کو تکلیف ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ اِس قدر سادہ کھانا کھانے کے عادی نہ ہوتے تھے۔

ششم:۔ خلفاءِ راشدین کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ وہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اجرائے احکامِ شرع کے سب سے زیادہ خواہاں تھے۔ چنانچہ حج کے لئے خود تشریف لے جاتے، وہاں عالمِ اسلامی کے ہر حصّے اور ہر گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں سے ملتے اور اُن کی ضروریات اور شکایات کو بغور سُنتے اور وہاں کے عاملوں کی قابلیت اور ناقابلیت سے واقف ہوکر ضروری احکام جاری کرتے۔ ان کے زمانہ میں مسلمان حج کے موقع پر آپس میں تعارف اور تعلقات بڑھاتے۔ ان کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ اپنے غیر ممالک کے مسلمان بھائیوں سے کیا مدد لے سکتے ہیں، یا اُن کی کس طرح امداد کرسکتے ہیں۔ گویا اس طرح حج میں دینی اور اُخروی فوائد کے علاوہ دُنیاوی اور مُلکی منافع بھی بے شمار حاصل ہوتے تھے۔

ہفتم:۔ نمازوں کی امامت دار الخلافہ میں خود کراتے اور جمعہ کا خطبہ خود پڑھتے۔

ہشتم:۔ خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں الگ الگ مذہبی فرقے اور جماعتیں نہ تھیں، بلکہ تمام عالمِ اسلامی کی نظر خلیفۂ اسلامی کی طرف جمی رہتی تھی۔ جو حکم مرکز سے آتا تھا، یا جو فتویٰ مرکز

سے صادر ہوتا اُسے ہر شخص فوراً تسلیم کر لیتا تھا۔

نہم:۔ خلفاء راشدین اپنے آپ کو مسلمانوں کا بادشاہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا چرواہا اور چوکیدار سمجھ کر اُن کی پاسبانی کرتے تھے۔ وہ دینی معاملات میں قرآن و حدیث کے تابع ہوتے، اور جب کسی مسئلہ میں اختلاف یا شبہ پیدا ہوتا تو دوسرے صحابہؓ کو بُلا کر اُن سے دریافت فرماتے۔ گویا اُن کا کام شریعت کے احکام کا نفاذ اور امن و امان کا قائم رکھنا تھا۔

دہم:۔ خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں جن ممالک میں اسلام پھیل گیا تھا، اُس کی برکت سے آج تک اُن ممالک کی غالب آبادی مسلمان ہے، بلکہ اُن کی زبان بھی عربی ہو چکی ہے۔ اِس سے خلفاء کی روحانی طاقت و اثر کا پتہ چلتا ہے۔ اُن کے زمانہ میں عموماً ہر مسلمان تعلیم نبویؐ کا صحیح نمونہ اور پیکرِ اسلام تھا۔ اس لئے جس جس ملک میں مسلمان پہنچتے تھے، نہ صرف اُن کی شہادت اور بہادری کی وجہ سے بلکہ اُن کی سادگی اور خلوص کو دیکھ کر اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ تقویٰ، نیکی، وفاداری، صداقت شعاری، حُسنِ معاملت اور سب سے بڑھکر ہمدردیٔ مخلوق اُن میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

مندرجہ بالا دس اہم فوائد مَیں نے نمونۃً بیان کئے ہیں، ورنہ خلافتِ راشدہ میں مسلمانوں کو اِس قدر فوائد پہنچ رہے تھے، کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ امیر غریب کا امتیاز بالکل کالعدم تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی قابلیت کے مطابق ترقی کر سکتا تھا، اور ترقی کے انتہائی منازل طے کرنے کے لئے خاندان اور قوم کی کوئی قید نہ تھی۔ اِس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت انتخابی ہوتی تھی اور ساتھ ہی نیابتی بھی۔ خلیفۂ اسلام منتخب ہوتا تھا اِن معنوں میں کہ خدا تعالیٰ لوگوں کے ذریعے سے اُسے منتخب کرواتا تھا۔ اور نیابتی حیثیت رکھتا تھا اِن معنوں میں کہ اس سے امید کی جاتی تھی کہ وہ سوائے کسی غیر معمولی ضرورت کے اہم امور میں کثرت رائے کے خلاف نہ جائے۔ اور وہ آسمانی طاقت رکھتا تھا، اِن معنوں میں کہ کوئی اسے مسندِ خلافت سے علیحدہ نہیں کر سکتا تھا، اور یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص نصرت اُسے حاصل ہوتی تھی۔

ایک شبہ کا ازالہ

اِس موقعہ پر مَیں ایک شبہ کا ازالہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، اور وہ یہ کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر خلفاء کا تقرر بھی دُنیوی پریذیڈنٹوں کی طرح چند سال کے لئے ہوتا تو غالباً اسلام کے لئے زیادہ مفید ہوتے، اور وہ مسلمانوں کی زیادہ خدمت

کرسکتے۔ مگر یہ اُن کی غلطی ہے اور ساتھ ہی عدمِ تدبّر کا نتیجہ بھی۔ کیونکہ ایک پریذیڈنٹ کو ہر وقت اُن لوگوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے جن کے ووٹوں سے وہ پریذیڈنٹ بنتا ہے، اور ووٹ دینے والے بھی اس سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ دوسروں کی نسبت اُن کے مفاد کا زیادہ خیال رکھے۔ لیکن خلیفہ چونکہ ساری عمر کے لئے ہوتا ہے، اور اُسے کوئی شخص یا قوم اُس کے منصب سے معزول نہیں کرسکتی اس لئے اس سے انصاف کی زیادہ توقع کی جاسکتی ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے کہ وہ ایسے خلفاء کی رہنمائی کرے گا اور اُن کو جادۂ مستقیم سے بھٹکنے نہیں دے گا۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ اسلام کے پہلے چار خلفاء چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی جانشین تھے، اور قوم کے حقیقی نمائندے تھے۔ اس لئے جو انصاف انہوں نے کیا اور جیسی ترقی اُمتِ مسلمہ نے اُن کے زمانہ میں کی، بعد میں صدیوں تک وہ ترقی نصیب نہ ہوسکی۔

خلافتِ بنو امیّہ خلافتِ راشدہ کی برکات کا ذکر کرنے کے بعد اب میں بنو امیہ کی خلافت کے چند واقعات کا ذکر کرتا ہوں، اور بتاتا ہوں کہ خلفاءِ راشدین کے طریق کو خیرباد کہہ دینے کی وجہ سے اُمتِ مرحومہ کو کیا کیا نقصانات پہنچے۔

اوّل:۔ سب سے پہلی خرابی خلفاءِ بنی امیہ میں یہ پیدا ہوئی، کہ اُن کے عہد میں وہ خلافت جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور جس کے ماتحت خلفاءِ راشدین کا انتخاب عمل میں آتا رہا، خلفاءِ بنی امیہ کے زمانہ میں یہ بات نہ رہی، بلکہ سب سے پہلے امیر معاویہ نے خلافت پر زبردستی قبضہ کیا اور پھر اس کے بعد اپنی زندگی میں ہی اسے اپنے بیٹے یزید کے قبضہ میں دے کر اُمتِ محمدیہ پر ایک ایسا ظلم کیا کہ میری رائے میں غالباً اس سے بڑھ کر اسلام کو کسی اور چیز نے نقصان نہیں پہنچایا۔ گویا وہ خلافت جو مسلمانوں کی ایک مقدس امانت تھی، اُسے بنو امیہ اپنی ذاتی جائیداد سمجھنے لگے اور پھر اس کے جو قبیح نتائج نکل سکتے تھے، اُمتِ مرحومہ کو مجبوراً اُن سے دوچار ہونا پڑا۔ خلیفہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور اُسے اِس امر کی مطلقاً پروا نہیں ہوتی تھی، کہ جو کام میں کررہا ہوں آیا شرعاً وہ جائز ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ وہ مسلمانوں کے حق میں کہاں تک مفید ہے۔ حق اور راستی سے لوگ دُور جاپڑے اور اپنے ذاتی مفاد کی خاطر خوشامد اور چاپلوسی امراء

خلافتِ یزید کی بُنیاد اور اعیانِ حکومت کا جزوِ لاینفک ہوگئی۔ چنانچہ امیر معاویہ کی زندگی ہی کا واقعہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ ایک بار دمشق گئے اور یزید سے ملاقات کرکے اُسے کہا، کہ جلیل القدر صحابہؓ اور بزرگانِ قریش سب گذر گئے، اب اُن کے بیٹے ہیں۔

اور تم فضیلت، شرافت، علم اور سیاست دانی میں ان سب سے بہتر ہو، پھر میں نہیں سمجھتا کہ آپ کے والد امیر معاویہ آپ کو کیوں اپنا ولیعہد تجویز نہیں کرتے۔ اِس پر یزید نے فوراً کہا، کہ کیا آپ کی رائے میں میں لوگوں سے بیعت لینے میں کامیاب ہوسکوں گا؟ مغیرہ نے کہا، کہ بے شک۔ یزید نے امیر معاویہ سے اِس امر کا ذکر کیا۔ وہ تو یہ چاہتے ہی تھے، انہوں نے مغیرہ سے مشورہ کرکے اِس معاملہ کو طے کیا، اور پھر مختلف علاقوں کے والیوں کو لکھا، کہ تم اِس معاملہ میں اپنے اپنے علاقہ کے رؤسا کو رضامند کرو۔

اب ذرا اِس امر کا خلفاءِ راشدین کے زمانہ سے مقابلہ کرکے دیکھو۔ تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ وہ بےنفسی اور دیانت جو خلفاءِ راشدین میں پائی جاتی تھی، خلفاءِ بنو امیہ میں وہ نام کو بھی نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے بےنفس اور بےریا انسان کو جب خلافت پیش کی گئی تو انہوں نے کہا کہ میری رائے میں تم عمر بن الخطابؓ یا ابو عبیدہؓ میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ لیکن ان دونوں نے کہا کہ آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں، غار میں رسول اللہؐ کے رفیق اور نماز پڑھانے میں اُن کے قائم مقام رہے۔ اور نماز وہ شے ہے جو امورِ دین میں سب سے افضل ہے پس ایسا کون شخص ہے جو آپ پر مقدم ہو، اور آپ کے ہوتے ہوئے خلافت کا متولّی بنے۔"

اِن الفاظ سے ظاہر ہے کہ صحابہؓ میں کس قدر بےنفسی کے جذبات موجزن تھے۔ اور ذاتی مفاد کی خاطر اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کا جذبہ کس قدر شدت کے ساتھ اُن میں کام کر رہا تھا۔ لیکن شاہانِ بنو امیہ ان پاکیزہ جذبات کو بالکل خیرباد کہہ چکے تھے۔ اور اُن کو ہر وقت اگر کسی چیز کی فکر تھی تو یہ کہ کسی طریق سے خلافت کا منصبِ جلیلہ ہمارے خاندان کے اندر رہے۔ خواہ اِس سے اُمتِ محمدیہ کو فائدہ پہنچے یا نقصان اِس سے اُنہیں قطعاً کوئی سروکار نہ تھا۔

خلافتِ یزید کیلئے پراپیگنڈا

ہاں! میں ذکر کر رہا تھا۔ کہ امیر معاویہ نے اپنی سلطنت کے تمام علاقوں کے والیوں کو لکھا، کہ تم یزید کی خلافت کے بارہ میں پروپیگنڈا کرو۔ مغیرہ نے کہا، کہ کوفہ کی طرف سے میں ضامن ہوتا ہوں، اور اہلِ بصرہ کو زیاد رضامند کرلیں گے۔ اور جب اہلِ عراق نے بیعت کرلی، تو پھر کوئی مخالفت نہیں کرسکتا چنانچہ یہ امر طے کرلینے کے بعد امیر معاویہ نے مروان بن حکم والیٔ مدینہ کو لکھا، کہ اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور اعضاء مضمحل ہوچکے ہیں، میں ڈرتا ہوں کہ میرے بعد کہیں اُمتِ محمدیہ میں پھر فتنہ نہ پیدا ہوجائے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں، کہ اپنی زندگی میں ہی خلافت کو کسی اور شخص کے سپرد کرجاؤں

لیکن اِس بارہ میں اہلِ مدینہ کا مشورہ بھی ضروری ہے۔ تم وہاں کے اہل الرّائے اصحاب کے سامنے اِس معاملہ کو پیش کرو۔ اور جو کچھ وہ جواب دیں اُس سے مجھے مطلع کرو۔"

مروانؔ نے مدینہ کے ذی اثر اور اہل الرّائے طبقہ کے سامنے اِس امر کو پیش کیا۔ امیر معاویہ کے خط میں چونکہ یزید کا ذکر نہیں تھا، بلکہ مطلق طور پر ان سے مشورہ طلب کیا گیا تھا کہ آیا میں اپنی زندگی میں کسی شخص کو خلیفہ نامزد کر دوں یا نہ۔ اس لئے انہوں نے خوشی سے یہ رائے دی، کہ ہم اِس تجویز کو پسند کرتے ہیں اور اِس امر کا فیصلہ آپ ہی پر چھوڑتے ہیں۔ آپ اُمّتِ مسلمہ میں سے خیر خواہیٔ اُمّت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے جس کو مناسب سمجھیں خلیفہ نامزد کر دیں۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ خلافت کو ورثہ نہیں بنایا جا رہا، بلکہ امیر معاویہ صرف اس شخص کے سپرد اس مقدس امانت کو کریں گے جو اس کا اہل ہو گا۔ لیکن اُن کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب انہوں نے امیر معاویہ کے اِس اعلان کو سُنا کہ ہم نے سوچ سمجھ کر اور اُمّت کی خیر خواہی کو مدِّ نظر رکھکر یزید کو ولیعہدی کے لئے منتخب کیا ہے۔

امیر معاویہ کے اِس اعلان میں چونکہ خود غرضی کا پہلو بالکل نمایاں تھا، اور اُمّتِ محمّدیہ کی بدخواہی اور تباہی کے آثار بالکل ظاہر تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو اس کا سخت صدمہ پہنچا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کہا، کہ تم لوگوں کو اُمّت کی خیر خواہی منظور نہیں، بلکہ تم خلافتِ اسلامیہ کو بھی قیصریت بنانا چاہتے ہو، کہ جب ایک قیصر مر جائے تو اُس کی بجائے اُس کا بیٹا قیصر ہو۔ خواہ وہ اِس بار کو اُٹھانے کے قابل ہو یا نہ ہو۔ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی اس کی سخت مخالفت کی، اور امیر معاویہ کی اس خواہش کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔

امیر معاویہ چونکہ اِس امر کا تہیّہ کر چکے تھے اس لئے انہوں نے اِس مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کے ناجائز اور خلافِ شریعت طریقوں کو استعمال کیا۔ چنانچہ اپنے امراء اور عمّال کو لکھا کہ تم لوگ یزید کی خوبیاں لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دو۔ اور اُن میں سے جو لوگ ذی اثر ہوں انہیں میرے پاس بطور وفود بھیجو۔ مَیں خود بھی اُن سے گفتگو کر کے انہیں راضی کرنے کی کوشش کرونگا۔ چنانچہ جب مختلف صوبوں سے وفود پہنچے تو امیر معاویہ نے ایک دربارِ عام کیا، جس میں کھڑے ہو کر پہلے اسلام کی عظمت، خلافت کی حُرمت، خلفاء کے حقوق، اولیاءِ امر کی اطاعت اور اس معاملہ میں اُمّت کے فرائض بیان کئے۔ اور پھر یزید کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں سے خواہش کی کہ وہ اُس کی ولیعہدی پر بیعت کریں۔ اس کی تقریر کے بعد خوشامدی لوگوں نے یزید کے حق میں بڑی پُر جوش تقریریں کیں۔ امیر معاویہ نے احنف بن قیس سے کہا کہ آپ کیوں نہیں بولتے۔ وہ

بولے، کہ جھوٹ کہوں تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور سچ کہوں تو آپ سے ڈرتا ہوں، آپ خود بہ نسبت ہم لوگوں کے یزید کے حالات سے زیادہ واقف ہیں، اگر آپ کے خیال میں یزید کی بیعت اللہ اور اُمت کی رضامندی کا موجب ہے تو پھر لیجئے مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ خلافت کے قابل نہیں تو پھر کیوں اُس کی دُنیا کے پیچھے اپنی عاقبت خراب کرتے ہو۔

امیر معاویہ چونکہ لوگوں کو انعام و اکرام سے خوش رکھتے تھے، اس لئے اکثر لوگوں نے بیعت کرلی۔ پھر عراق گئے وہاں کے لوگوں نے بیعت کرلی۔ پھر ایک ہزار سوار لیکر حجاز کا رُخ کیا۔ پہلے مدینہ پہنچے۔ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اُن کی آمد کی خبر سُنکر مکہ چلے گئے۔ امیر معاویہ نے اہلِ مدینہ کے سامنے ایک بڑی پُرجوش تقریر کی جس میں کہا کہ بعض لوگ یزید کی بیعت کے مخالف ہیں، اور وہ اُس وقت تک اس سے باز نہ آئیں گے جب تک کہ اُن پر سختیاں نہ ہوں۔ کاش میری تنبیہ سے وہ لوگ سمجھ جاتے۔ پھر مکہ آئے اور ان چاروں حضرات کو بُلایا۔ اُن کی طرف سے عبداللہ بن زبیرؓ گفتگو کے لئے منتخب ہوئے۔ امیر معاویہ نے

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے گفتگو

کہا، کہ آپ لوگ میری سیرت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ میں رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہوں اور اُن کے ہر قسم کے ناز برداشت کرتا ہوں۔ یزید آپ کا بھائی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ لوگ اُس کی خلافت کو تسلیم کرلیں، اور اُس کے جس قدر کام ہیں مثلاً والیوں کا عزل ونصب، تحصیل وخرچ مالیہ وغیرہ سب اپنے ہاتھ میں لے لیں، وہ کسی بات میں بھی تعرض نہیں کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا، کہ ہم تین صورتیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، اُن میں سے جس کو آپ چاہیں اختیار کریں۔ اوّل یہ کہ جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا، بلکہ اِس معاملہ کو اُمت پر چھوڑ دیا، اسی طرح آپ بھی بے انتخاب چھوڑ جائیں۔ دوسرے یہ کہ جو صورت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اختیار فرمائی تھی، کہ ایسے شخص کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا، جو نہ اُن کا ہم قبیلہ تھا نہ رشتہ دار، آپ بھی وہی طریق اختیار کریں۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ آپ حضرت عمر فاروقؓ کے طریق پر چلیں اور جس طرح انہوں نے چھ نمائندوں کو چُن کر یہ معاملہ اُن کے سپرد کیا تھا، اور فرمایا تھا کہ آپ لوگ اپنے میں سے جس شخص کو چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں۔ جن میں نہ کوئی اُن کا بیٹا تھا نہ بھائی نہ ہم قبیلہ، آپ بھی وہی طریق اختیار کریں۔ امیر معاویہ نے پہلی بات کا جواب تو یہ دیا۔ آنحضرت صلعم کے بعد

حضرت ابو بکرؓ جیسے لوگ موجود تھے، جن کو اُمت نے بالاتفاق خلیفہ مان لیا۔ اب ایسے لوگ موجود نہیں ہیں، لہٰذا اگر میں کسی شخص کو نامزد نہ کروں تو اُمت میں سخت فتنہ پڑنے کا اندیشہ ہے اور دوسری صورت کا جواب یہ دیا، کہ حضرت ابوبکر صدیق کے بعد حضرت عمرؓ جیسا عظیم الشان انسان موجود تھا۔ اب ایسا کون شخص ہے جس کے سپرد یہ عظیم الشان امانت کی جائے۔ اور تیسری صورت کا چونکہ ان کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا، اس لئے کہا کہ کیا اس صورت کے سوا کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے؟ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ نہیں۔ یہ سُنکر امیر معاویہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ مجھے آپ لوگوں سے جو کچھ کہنا تھا وہ میں کہہ چکا ہوں، جو ہونے والا ہے وہ ہو کر رہیگا۔ خواہ آپ لوگ مانیں یا نہ مانیں۔

امیر معاویہ کی آخری وصیت

اس کے بعد جمادی الثانی میں امیر معاویہ بیمار ہوئے اور یکم رجب سنہ ۶۰ھ مطابق سات اپریل سنہ ۶۸۰ء کو انہوں نے انتقال کیا۔ یزید اس وقت کسی مہم پر گیا ہوا تھا۔ بیماری کے ایام میں جو وصیت انہوں نے یزید کے نام لکھی، اُس کا حرف حرف بتا رہا ہے کہ خلفاءِ راشدین کو جس طرح اُمت کی خیر خواہی مدنظر تھی، اور وہ اپنے ہر عزیز سے عزیز متاع سے بھی اُمت کی بہتری کو مقدم رکھتے تھے، امیر معاویہ کی وصیت اس سے قطعاً خالی تھی۔ اس میں سوائے دُنیاداری کے پہلو کے اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا کہ:۔

"میں نے تیرے لئے تمام راستے ہموار کر دیئے، اور عرب کو تابعِ فرمان اور دُشمنوں کو مغلوب بنا لیا۔ اہلِ حجاز کا خیال رکھنا کیونکہ وہی ہمارا گہوارہ ہے۔ اور اہلِ عراق اگر روزانہ عامل کو بدلوانا چاہیں، تو اُن کی بات مان لینا اس لئے کہ ایک عامل کا تبدیل کرنا آسان ہے اس سے کہ ایک لاکھ تلواریں تیرے خلاف میان سے نکل آئیں۔ شامیوں کا خاص خیال رکھنا، یہ تمہارے وفادار اور معاون ہیں۔ خلافت کے معاملہ میں مجھے چار شخصوں کے علاوہ اور کسی کا ڈر نہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ، حسین بن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (رضی اللہ عنہم) لیکن عبداللہ بن عمرؓ عبادت گذار اور دُنیا سے بیزار ہے۔ جب تمام لوگ بیعت کر لیں گے تو وہ بھی کر لے گا۔ حسین بن علیؓ سُبک مزاج ہیں، اہلِ عراق ضرور اُن کو اُکسا کر مقابلہ پر لائیں گے۔ اگر ایسا ہو اور تجھے اُن پر دسترس حاصل ہو جائے تو اُن سے درگذر کرنا، کیونکہ وہ ہمارے قریبی

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نواسے ہیں، اُن کا ہمارے اُوپر بہت بڑا حق ہے۔ مگر جو شخص لومڑی کی طرح چکمے دے گا اور شیر کی مانند حملے کرے گا، وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے، اس پر قابو مل جائے تو اس کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالنا۔"

اب ایک طرف اِس وصیت کو رکھو اور دوسری طرف خلفاءِ راشدین کی وصایا کو اور پھر مقابلہ کر کے دیکھو، کہ ان میں کیا فرق تھا، صاف نظر آئے گا کہ دونوں قسم کی وصایا کے درمیان بعد المشرقین ہے۔ خلفاءِ راشدین کی وصایا میں محض اُمت کی خیر خواہی مدنظر تھی، لیکن خلافت بنی امیہ میں محض دُنیوی سیاست سے کام لے کر خلافت کو ورثتہً اپنے خاندان میں منتقل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

یزید کے واقعہ کو مَیں نے زیادہ وضاحت سے اس لئے بیان کیا ہے کہ تا احباب اِس امر کا اندازہ لگا سکیں، کہ مسلمان خلافت کے متعلق غیر انتخابی طریق کو کس قدر ناپسند کرتے تھے۔ اور یہ کہ بادشاہت کے طریق سے انہیں کس قدر نفرت تھی۔

انتخابی طریق کو خیرباد کہنے کا نتیجہ

خلافت کو اِس طریق سے حاصل کرنیکا طبعاً نتیجہ یہ نکلا، کہ خلفاء کا وقار جاتا رہا اور اُن کا مسلمانوں کے ساتھ تعلق محض اِس حد تک رہ گیا، جس طرح دُنیوی بادشاہوں کا اپنی رعایا کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ اخوت اور برادری جو خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں مسلمانوں کے درمیان تھی، وہ اُڑ گئی اور اُس کی جگہ حسد، سیاست اور چالاکی نے لے لی۔ بعض جگہوں کی رعایا فوائد حاصل کرنے کی وجہ سے بخوشی مطیع رہی۔ بعض جگہ ملکی سیاست پر قبضہ ہونے کی وجہ سے لوگ مجبوراً اطاعت کرتے، مگر جب سر اٹھانے کا موقعہ ملتا تو فوراً بغاوت کھڑی کر دیتے۔ چنانچہ امیر معاویہ کے وقت میں ہی تین مشہور سیاسی فرقے بن گئے۔

اوّل۔ بنی اُمیہ۔ اِس فرقہ میں کل اہلِ شام و دیگر دیار و امصار کے لوگ بھی شامل تھے۔

دوم۔ شیعہ علیؓ۔ اِس فرقہ میں زیادہ تر اہلِ عراق اور کچھ مصر کے لوگ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ امامت کا حق صرف حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد کو حاصل ہے۔

سوم۔ خوارج۔ یہ فرقہ سابقہ دونوں جماعتوں کو دین سے خارج اور سخت بے ایمان سمجھتا تھا، اور تخت خلافت بنو امیہ کو اُلٹانے کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہتا تھا۔ چنانچہ اِس کی وجہ سے بنو امیہ کو اپنی ساری خلافت کے زمانہ میں سخت مشکلات کا سامنا پیش رہا۔

نتیجہ یہ ہؤا، کہ خوارج کو تو بنو امیہ نے ہزارہا کی تعداد میں بے دریغ قتل کیا، لیکن شیعہ علی کی کھلی کھلی مخالفت سے بنو امیہ کچھ کتراتے رہے۔ ہاں جن لوگوں نے سر اُٹھایا اور کھلم کھلا مقابلہ پر آئے ان کو بھا نوں سے بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا گیا۔

چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت اس کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ پھر یزید کے حکم کے ماتحت بارہ ہزار کے لشکر نے مدینہ اور مکہ پر چڑھائی کرکے وہ کشت وخون کیا، کہ الاماں! اوران سب مسلمانوں کی جانیں محض اس لئے ضائع ہوئیں کہ وہ خلفاءِ بنی امیہ کو برحق خلفاء نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک خلیفۂ اسلام صرف وہی ہو سکتا تھا، جو تمام اُمت میں سے انتخاب کے طریق پر خلیفہ بنے۔ یعنی جسے خود مسلمان اپنی مرضی سے خلیفہ منتخب کریں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں بھی ہزارہا مسلمان قتل کئے گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعوٰی کیا، اور حجاز کو ساتھ ملا کر عراق پر بھی مکمل قبضہ کر لیا۔ مگر عراقی چونکہ قابلِ اعتماد نہیں تھے اس لئے اُن پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو کامل اعتبار حاصل نہیں تھا۔ چنانچہ واقعات نے بھی ثابت کر دیا کہ اہلِ عراق عبدالملک کے ساتھ بھی خط وکتابت کر رہے تھے۔ اور جب عبدالملک نے ایسے ہی لوگوں کے سہارا پر عراق پر فوج کشی کی، اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے اُن کے بھائی مصعب بن زبیرؓ نے عراقی لشکر کے ساتھ عبدالملک کا مقابلہ کیا، تو فوج کا بیشتر حصہ میدانِ جنگ میں ہی عبدالملک کے ساتھ جا شامل ہؤا، اور باہم مسلمانوں میں وہ کشت وخون ہؤا کہ جس کی نظیر تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ جس قصر میں ابن زیاد عامل یزید کے سامنے حضرت امام حسینؓ کا سر کٹ کر آیا تھا، اُسی قصر میں ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور مختار کو جب عبداللہ بن زبیرؓ کے لشکر نے شکست دی تو اس کا سر بھی اسی قصر میں مصعب بن زبیرؓ کے حضور پیش کیا گیا۔ اور مصعبؓ جب عبدالملک کے مقابلہ میں آکر مارے گئے تو اُن کا سر بھی اسی قصر میں عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا۔

جب عراق سے عبداللہ بن زبیرؓ کا اثر مٹ گیا، تو عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک جرار لشکر دے کر مکہ میں اُن کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حجاج نے وہاں جا کر مکہ کا محاصرہ کیا۔ اِس محاصرہ نے اِس قدر طول کھینچا، کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طرفدار تنگ آگئے۔ اور آہستہ آہستہ امان لے کر حجاج کے پاس آنے لگے۔ حتیٰ کہ خود ابن زبیرؓ کے دو بیٹے حمزہ اور

حبیب بھی حجاج سے آکر مل گئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس گئے، اور کہا کہ آپ جانتی ہیں کہ میرے ساتھی یہاں تک کہ میرے بیٹے بھی مجھ سے جدا ہو گئے دشمن مجھے دُنیا دینے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ میں اس کی اطاعت کروں۔ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت اسماءؓ نے جواب دیا، کہ اے میرے بیٹے! اگر تجھے یقین ہے کہ تو حق پر ہے تو جس راہ میں تیرے ساتھیوں نے گردنیں کٹائی ہیں اُس میں تو بھی اپنی جان دیدے اور بنی اُمیہ کی غلامی اختیار نہ کر لیکن اگر تو دُنیا کے لئے لڑتا رہا ہے تو تم نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا اور اپنے ساتھیوں کی جانیں بھی ضایع کروائیں۔ اور اگر تیرا خیال ہے کہ تو حق پر ہے لیکن حامیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اب دشمن سے دب جانا مناسب ہے، تو یہ شرفاء اور دیندار وں کا شیوہ نہیں، اس سے تو قتل ہو جانا بہتر ہے۔ زندگی چند روزہ ہے، آخر کب تک تو اِس دُنیا میں رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا، مجھے خطرہ ہے کہ اگر اہل شام میرے قتل پر قادر ہو گئے تو میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا، کہ بکری جب ذبح ہو گئی تو کھال کھینچنے سے اس کو کیا تکلیف۔ اپنی بوڑھی والدہ کے یہ الفاظ سنکر ابن زبیرؓ نے اُس کا سر چُوم لیا، اور کہا کہ میری رائے بھی یہی تھی، مگر میں اپنا خیال ظاہر کرنے سے پہلے آپ کی رائے لینا ضروری سمجھتا تھا۔ اب دیکھنا آج میں شہید ہو جاؤں گا، میرے بعد مجھ پر غم نہ کرنا۔ یہ الفاظ کہہ کر آپؓ نے تلوار ہاتھ میں لی اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حجاج نے اُن کی نعش کو سُولی پر چڑھایا اور تین دن کے بعد اُتار کر حضرت اسماءؓ کے پاس بھیجدیا۔ انہوں نے اسے دفن کروایا اور خود بھی بیس دن کے بعد فوت ہو گئیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اِس واقعہ سے بھی ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کی تہ میں بھی وہی جذبہ کام کر رہا تھا جس کا میں اُوپر ذکر کر آیا ہوں۔ اہلِ حجاز میں چونکہ اسلامی روح زیادہ عرصہ زیرِ تربیت رہنے کی وجہ سے زیادہ پائی جاتی تھی، اس لئے جہاں تک اُن سے ہو سکا، وہ بنو اُمیہ کا مقابلہ کرتے رہے۔ آخر جب بالکل بے بس ہو گئے تو مجبوراً ہتھیار ڈال دیئے۔

دوم۔ بیت المال کے مال کے متعلق یہ عرض کر چکا ہوں، کہ خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں اُسے قوم کی امانت سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے برمحل خرچ کرنے کے متعلق خلفاء اپنے اوپر ایک بہت بڑی ذمہ واری محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں جب کثرت سے

مال آیا اور بیت المال کا محکمہ الگ مقرر کیا گیا تو آپؓ نے اللہ تعالےٰ سے یوں دُعا کی۔ کہ اَللّٰھُمَّ انا لا نستطیع اِلَّا ان نفرح بما زَیَّنْتَ لنا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ ان انفقه فِی حقّه (بخاری) "اے خدا! تو نے جو مال ہمیں عطا کیا ہے ہم اس کی مسرت کو دبا نہیں سکتے۔ اے خدا! میں درخواست کرتا ہوں، کہ مجھ کو توفیق عطا فرما کہ میں مال کو اس کے حق میں صرف کروں" لیکن اس کے بالکل برخلاف خلفاءِ بنو امیہ کا یہ حال تھا کہ وہ بیت المال کے روپیہ کو بھی خلافت کی طرح اپنی ذاتی جائیداد سمجھتے تھے اور اپنے ذاتی مفاد کے لئے اس قومی مال کو بے دریغ استعمال کرتے تھے۔

سوم:۔ عہود کی پابندی کا تو عربوں میں اس قدر رواج تھا، کہ جاہلیت میں بھی وہ اس کی خاطر اپنی جانوں پر کھیل جاتے تھے۔ اور خلافتِ راشدہ میں تو مسلمانوں نے اِس اعلیٰ خصلت کو کمال تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن خلفاءِ بنو امیہ نے اخلاقی طور پر اس قدر کمزوری دکھائی کہ اُن کے زمانہ میں عربوں کی یہ قدیمی خوبی بھی اُن کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ چنانچہ عبدالملک نے سعید بن العاص کو امان دینے کے بعد قتل کر ڈالا۔ اور اس کا عربوں پر اتنا بُرا اثر پڑا، کہ خود عبدالملک نے جب ایک عربی شیخ سے پوچھا، کہ میں نے جو سعید کو قتل کر دیا تھا تو اس کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟ اس بوڑھے عرب نے کہا، کہ کاش اس کے بعد تم زندہ رہتے۔ عبدالملک نے کہا کہ میں تو زندہ ہوں۔ اس پر وہ بولا کہ بے اعتمادی کی زندگی کیا!

چہارم:۔ مجلس شوریٰ جسے خلفاءِ راشدین اپنی خلافت کا جزوِ اعظم سمجھتے تھے اور مسلمانوں کے امور کو بغیر مشورہ کے ہرگز طے نہ کرتے تھے، خلفاءِ بنی امیہ میں آکر مسلمان اس حق سے بھی محروم رہ گئے۔ میں عرض کر آیا ہوں، کہ خلفاءِ بنی امیہ مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر اپنی من مانی کارروائیاں کرتے تھے۔ چنانچہ یزید کے انتخاب پر جو فتنہ برپا ہوا، وہ اس کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

پنجم:۔ سادگی جو خلفاءِ راشدین کا ایک خاص جوہر تھا، اس کی جگہ خلفاءِ بنی امیہ میں تعیش نے لے لی تھی۔ چنانچہ یزید بن عبدالملک اور ولید بن یزید کے متعلق تاریخ اِس امر کی شہادت دیتی ہے کہ یہ دونوں شراب نوشی اور راگ رنگ میں مشغول رہتے تھے۔

ششم:۔ حج کے لئے خود جانا خلفاءِ بنی امیہ نے بالکل چھوڑ دیا۔ اور اس طرح سے اس اجتماع سے خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں جو فائدہ اٹھایا جاتا تھا اس سے اُمّتِ مرحومہ محروم رہ گئی۔

ہفتم:۔ شرعی احکام کی پابندی جو خلافتِ راشدہ کا جزوِ لاینفک تھی: خلفاءِ بنی امیہ کے زمانہ میں وہ ایک کھیل بن کر رہ گئی۔ معمولی معمولی شبہ کی بناء پر لوگوں کو قتل کر دیا جاتا تھا رعایا کے حقوق کی نگرانی کے لئے بے شک عدالتیں وغیرہ قائم تھیں۔ لیکن خود خلیفہ کا یہ حال تھا، کہ وہ اپنے آپ کو خلفاءِ راشدین کی طرح مسلمانوں میں سے ایک فرد نہیں سمجھتا تھا، بلکہ اپنی ہستی کو بالکل ایک الگ تصور کرتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی، کہ اُسے جس پر ذرا سا بھی شبہ گذرتا اُس پر بغیر مقدمہ چلائے فوراً تلوار چل جاتی تھی۔ بلکہ خلفاء تو الگ رہے ان کے مقرر کردہ والیوں کا یہ حال تھا، کہ وہ بھی اپنے آپ کو اپنے علاقہ میں بالکل مطلق العنان سمجھتے تھے، اور جس کو چاہتے تھے بلا تامل قتل کر دیتے تھے۔ چنانچہ عبید اللہ بن زیاد کو جب امیر معاویہ نے بصرہ کا والی مقرر کیا، تو ایک بار وہ گھوڑ دوڑ میں شریک ہوا۔ وہاں ایک خارجی عروہ بن اویہ نے اس سے سخت کلامی کی۔ ابن زیاد کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کے ساتھ ضرور کوئی جماعت ہے، ورنہ یہ اکیلا سخت کلامی کی جراُت نہیں کر سکتا تھا۔ فوراً اپنے محل کو واپس گیا اور سپاہیوں کے ذریعہ سے اُسے گرفتار کروا کر اُس کے پاؤں کٹوا دیئے۔ اور پھر دریافت کیا، کہ اب بتاؤ۔ اُس نے جواب دیا، کہ تم نے میری دُنیا خراب کی اور اپنی عاقبت برباد کر لی۔ اس کے بعد ابن زیاد نے اُسے مار ڈالا۔ اور پھر اُس کی بیٹی کو بھی قتل کر دیا۔

ان واقعات سے صاف پتہ لگتا ہے، کہ احکامِ شریعت سے یہ لوگ قطعاً اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتے تھے۔ جو جی میں آتا تھا بلا روک ٹوک کر گذرتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کے شہید ہونے کے واقعہ پر غور کرو، کہ جب ابن ملجم کے حملہ کی وجہ سے جو ایک منظم سازش کے ماتحت کیا گیا تھا، آپؓ نے جامِ شہادت پیا، تو اپنی وفات سے قبل اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو صرف قاتل سے قصاص لینا، دوسرے لوگوں کو قتل نہ کرنا اور قاتل کے اعضاء کو بھی نہ کاٹنا، کیونکہ اسلام میں دیوانے کُتے کا مثلہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

ہشتم:۔ بے جا ظلم کرنا خلفاءِ بنی امیہ کا شیوہ بن چکا تھا۔ سلیمان بن عبد الملک کو حجاج سے اس بناء پر دشمنی تھی، کہ اُس نے اُس کو ولیعہدی سے معزول کرانے میں ولید کی موافقت کی تھی۔ چنانچہ جب یہ خلیفہ ہؤا تو اس نے حجاج کے تمام رشتہ داروں اور ماتحت عاملوں کو جن کا اس معاملہ میں کوئی قصور نہ تھا، سخت سے سخت سزائیں دیں۔ اور فاتح

فاتحِ سندھ محمد بن قاسم کو تو مروا ہی ڈالا۔ اسی طرح موسیٰ بن نصیر جیسے خدمت گذار انسان پر جس نے اسلامی علم کو یورپ میں جا کر گاڑا تھا، ناقابلِ برداشت جرمانہ کیا۔ اور جب اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو اس کے فرزند عبدالعزیز والئے سپین کا سر کٹوا کر منگایا اور اس مظلوم پدر کے سامنے طشت میں رکھ کر پیش کیا۔

پھر جب یزید بن عبدالملک کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آئی تو اس نے آلِ حجاج کی حمایت کی لیکن مہلب بن ابی صفرہ جیسے نیک نام سپہ سالار کے سارے خاندان کو برباد کر دیا۔ خالد بن عبداللہ قسری جس سے خلیفہ ولید بن یزید نے اپنے بیٹے کی ولی عہدی میں مدد طلب کی تھی، اس نے جب انکار کیا تو اس کو محض اس قصور کی بنا پر اس کے جانی دشمن یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ پانچ کروڑ درہم پر فروخت کر دیا۔ یوسف نے اس پر یہ ظلم کیا کہ اسے شکنجہ میں ڈال کر لوہے کی ریتی سے اس کے سینہ کو ریت ڈالا۔ حالانکہ وہ قحطان کا سب سے بڑا رئیس تھا، اور پندرہ سال تک عراق کا والی رہ چکا تھا۔

غرض کہ دورِ خلافت بنی امیہ میں بعض امراء بھی اس قدر سفاک اور ظالم تھے، کہ الامان لوگ ان کے مظالم سے اس قدر تنگ آ گئے تھے، کہ اس خلافت سے انہیں سخت دشمنی پیدا ہو گئی تھی اور وہ ہر وقت اس کوشش میں رہتے تھے، کہ اگر موقعہ ملے تو اس خلافت کو بالکل مٹا دیا جائے۔ چنانچہ خاندانِ بنو امیہ کے رؤسا کی جب آپس میں چل گئی اور وہ ایک دوسرے کے مدِ مقابل ہو کر کمزور ہو گئے، تو جماعتِ شیعہ بنو امیہ کے ہاتھ سے خلافت کو نکال کر بنو عباس میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

نوٹ:۔ اس امر کی صداقت کے لئے کہ اوپر جو باتیں بیان کی گئی ہیں یہ بالکل صحیح ہیں، اور خلفاءِ بنو امیہ میں واقعی دنیاداری کا رنگ غالب آ گیا تھا، میں ذیل میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت پیش کرتا ہوں جو خود بنو امیہ کے خاندان کے ایک فرد تھے۔ وہ ان خلفاؤں میں سے ایک خلیفہ تھے، لیکن انہوں نے آ کر خلافتِ بنو امیہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا، اور پیغمبرِ اسلام کے خلفاءِ راشدین کے زمانہ کی یاد کو تازہ کر دیا۔ آپؓ جب خلیفہ ہوئے تو ان تمام رقوم اور نذرانوں کو جو ظالمانہ رنگ میں امراء اور رعایا سے وصول کیا کرتے تھے، یکدم موقوف کر دیا۔ اور ظالم عمّال کو موقوف کر کے رحمدل عمّال کو مقرر کر دیا۔ فدک جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں تھا، اور پھر حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ہاتھ میں اس کا انتظام رہا،

آخر مروان نے اپنے عہد میں اسے اپنی ذاتی جائیداد بنالیا۔ اس کے متعلق آپؓ نے مسلمانوں کو گواہ کرکے کہا، کہ مَیں اسے پھر اسی مصرف میں مسترد کرتا ہوں۔ جس میں کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔ آپؓ نے بنو امیہ کی ان تمام جائیدادوں اور ملکیتوں کو جن پر انہوں نے غاصبانہ طور پر قبضہ کر رکھا تھا اُن کے اصل مستحقین کو واپس دلوایا۔ بنو امیہ پر جب یہ امر گراں گذرا تو انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی پھوپھی فاطمہ بنت مروان کو اُن کے پاس بھیجا کہ وہ جاکر انہیں سمجھائیں، کہ وہ اپنے خاندان کے افراد سے اس طرح جائیدادیں نہ چھینیں۔ چنانچہ وہ آئیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ان سے کہا کہ:۔

"خدا تعالےٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دُنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپؐ نے ایک ایسا چشمہ چھوڑا کہ اس میں سب کو پینے کا یکساں حق تھا۔ پھر ابوبکرؓ نے بھی اس چشمہ کو اسی حالت میں رکھا اور عمرؓ نے بھی انہیں کی پیروی کی۔ ان کے بعد وہ چشمہ یزید، مروان، عبد الملک، ولید اور سلیمان کے ہاتھوں میں آیا۔ انہوں نے اس میں سے نہریں نکالیں جن کی وجہ سے وہ خشک ہوگیا۔ اب پھر جب تک وہ اپنی اصلی حالت پر لایا نہیں جاتا، لوگ اس سے سیراب نہیں ہوسکیں گے۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی اس شہادت سے ظاہر ہے، کہ خلفاء بنی امیہ نے واقعی خلافتِ راشدہ کے طریق کو چھوڑ کر شاہانہ رنگ اختیار کر لیا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے عدل و انصاف کو دیکھ کر خوارج کا فتنہ بھی بہت حد تک دب گیا تھا۔ اور حضرت علیؓ کے متعلق جو منبروں پر لعن طعن کی جاتی تھی اُسے بھی آپؓ نے بالکل بند کر دیا اور اس کی بجائے خطبہ میں یہ آیت رکھدی کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○

آپؓ کی خلافت میں بعد میں آنے والے خلفاء بنو امیہ کے لئے ایک عظیم الشان سبق تھا، مگر افسوس کہ انہوں نے اس سے ذرہ بھی فائدہ نہ اُٹھایا، بلکہ پھر اُسی دلدل میں پھنس گئے۔

اگر خلفاء بنی امیہ اپنی طاقت کو اپنے اندرونی جھگڑوں میں صرف نہ کرتے اور خلفاء راشدین کی طرح خلیفہ کا انتخاب جمہور مسلمانوں کے ہاتھ میں رہنے دیتے تو یقیناً

چند ہی سالوں میں تمام دُنیا پر اسلامی حکومت چھا جاتی، اور آج دُنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا۔ مگر افسوس! کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش نے یہاں تک نوبت پہنچا دی کہ وہ رومیوں کی سلطنت جو ابتدائے خلافت بنو امیہ میں بالکل کمزور تھی، اسے اپنی طاقت کو مضبوط بنانے کا موقعہ مل گیا۔ اور جب عبدالملک بن مروان مصعب کا مقابلہ کرنے کے لئے شام سے عراق کی طرف روانہ ہؤا تو رومیوں نے یکدم شام پر حملہ کر دیا۔ اور عبدالملک کو ایک ہزار دینار روزانہ خراج پر اُن سے صلح کرنی پڑی۔

خلافت بنو امیہ میں صرف ایک ہی خلیفہ کے زمانہ میں مسلمانوں کو اندرونی فتنہ سے فراغت ملی تھی اور وہ ولید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ اور گو انہیں کل نو سال اور آٹھ ماہ خلافت کرنے کا موقعہ ملا، مگر اس عرصہ میں مسلمانوں نے اس قدر شاندار فتوحات حاصل کیں کہ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد اُن کے خاندان کے کسی بھی خلیفہ کو ایسی فتوحات نصیب ہوئیں۔ اس کے زمانہ میں (۱) محمد بن قاسم سترہ سالہ نوجوان نے کل چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ سندھ تک کے تمام علاقہ کو فتح کر لیا۔

(۲) قتیبہ بن مسلم باہلی نے بخارا، خوارزم، سمرقند، شاس اور فرغانہ حتّٰی کہ خجند اور کاسان تک کے تمام علاقہ کو مسخر کر لیا۔

(۳) موسیٰ بن نصیر کے غلام طارق بن زیاد نے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ راڈرک شاہ اندلس کی ایک لاکھ قواعد دان فوج کو شکست دیدی۔

(۴) مسلمہ بن عبدالملک نے رومیوں پر متعدد چڑھائیاں کر کے اُن سے متعدد مضبوط قلعے چھین لئے۔

خلافتِ بنی عباس

یہ بتایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کی حکومت میں سب سے اہم وجہ فساد کی خلافت کو بنو امیہ کا ذاتی جائیداد قرار دینا تھا۔ شیعہ گروہ کو اس امر کی اشاعت کا موقعہ مل گیا، کہ اگر خلافت کا حق کسی خاندان کو ہو سکتا ہے، تو وہ اہل بیت ہیں۔ چنانچہ خود غرض لوگوں نے اس آگ کو خوب ہوا دی، اور یہ آگ ایسی مشتعل ہو گئی کہ اندر ہی اندر عراق، ایران اور خراسان کی ایک کثیر جماعت اہلبیت کی طرفدار ہو گئی۔ ان لوگوں میں بعض آدمی نہایت ہی عقلمند اور زیرک واقع ہوئے تھے، [illegible] خلافت کو ایک خاندان سے دوسرے

خاندان میں منتقل کرنا کوئی آسان امر نہیں۔ اس لئے خاص جدوجہد ہونی چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ ان علاقوں میں تبلیغ شروع کی جو قدیم سے صاحب ریاست اور حکومت رہ چکے تھے، مگر مسلمان ہونے کے بعد حکومت میں اُن کو کوئی حصہ نہیں ملا تھا۔ یہ بھی دراصل بنوامیہ کی سخت غلطی تھی، کہ انہوں نے خلافت پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ حکومت کے دوسرے عہدوں کو بھی اپنے ہی خاندان تک محدود رکھا۔ جس کا نتیجہ لازماً یہ نکلا، کہ شیعہ گروہ آہستہ آہستہ طاقت پکڑ گیا۔ اور جب بنوامیہ میں نفاق زیادہ پھیل گیا، تو امام ابراہیم نے ایک نہایت ہی حوصلہ مند، صاحب عزم وہمت نوجوان **ابومسلم** خراسانی کو شیعہ جماعت کا امیر بنا کر خراسان بھیج دیا۔ اور وصیت کی، کہ اگر ہوسکے تو ان علاقوں میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ رہے۔ ابوسلم ۱۲۸ھ میں خراسان پہنچا۔ عربوں کی باہمی عداوت سے فائدہ اٹھا کر ایک سال تک اُس نے خوب اپنے پاؤں جمالئے۔ اور پھر علی الاعلان طاقت اور سطوت سے کام لینا شروع کیا۔ اُس نے وہ کشت وخون کیا کہ اکثر مسلمان مؤرخین کا قلم اس کے ذکر سے رُک جاتا ہے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ صرف دو تین سال کے عرصہ میں اس شخص کے ذریعہ سے چھ لاکھ سے زائد مسلمان مارے گئے۔ مگر بہرحال وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور حکومت بنوامیہ سے نکل کر بنوعباس میں آگئی۔

ولیعہدی کا بُرا دستور بنوعباس کے سامنے بنوامیہ کی تاریخ کا ایک کھلا باب موجود تھا۔ وہ جانتے تھے، کہ ولیعہدی کے بُرے دستور کی وجہ سے ہی بنوامیہ پر تمام مصیبتیں آئی تھیں، مگر افسوس کہ انہوں نے ان کے حالات سے مطلقاً کوئی نصیحت نہیں پکڑی۔ بلکہ ان کے عہد میں بھی ولی عہدی کا وہی بُرا دستور قائم رکھا جو بنوامیہ میں تھا۔ **سفاح** نے جو پہلا عباسی خلیفہ تھا، اپنے بھائی **ابوجعفر منصور** کو ولیعہد تجویز کیا۔ اور ساتھ ہی اُس کے بعد اپنے بھتیجے **عیسٰی بن موسٰی** کی ولیعہدی کا فرمان بھی لکھدیا جب **منصور** تخت خلافت پر متمکن ہؤا تو اس کی طبیعت بھلا یہ کب گوارا کرسکتی تھی کہ اس کا نوجوان بیٹا **مہدی** خلافت سے محروم رہے اور اس کے بعد عیسٰے بن موسٰے اس کا بھتیجا تخت نشین ہو جائے۔ اس نے چاہا کہ خلافت میں عیسٰے کا درجہ مہدی کے بعد کردے۔ عیسٰی اس امر پر راضی نہیں تھا۔ اس وجہ سے خلیفہ کی طرف سے اس پر اس قدر سختیاں کیں کہ اسے مجبوراً اس امر پر رضامند ہونا پڑا۔ **مہدی** جب خلیفہ ہؤا تو اس نے بھی اس بات کا اعادہ کیا جو **منصور** نے کی تھی یعنی عیسٰے

کو مجبور کیا، کہ وہ بالکل ولی عہدی سے دست بردار ہو جائے، تاوہ اپنے بعد اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بنائے۔ چنانچہ اس بچارے نے تنگ آکر دستبرداری لکھ دی۔

اب جب ہادی کا عہد شروع ہؤا، تو وہ بھلا یہ کب پسند کر سکتا تھا، کہ اُس کے بعد اُس کے بیٹے کی بجائے اُس کا بھائی خلیفہ بن جائے، اُس نے یہاں تک جرأت کی کہ ہارون کی رضامندی کے بغیر اسے ولی عہدی سے نکال کر اپنے نو عمر بیٹے کو ولی عہد بنایا۔ لیکن ہارون چونکہ ایک بیدار مغز آدمی تھا اور علاوہ ازیں اُس کی امداد کے لئے قوی دست و بازو تھے اس لئے خلیفہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہؤا۔ ہارون نے خلیفہ ہو جانے کے بعد پہلے مامون کو خلیفہ بنانا چاہا، لیکن وہ چونکہ کنیز کے بطن سے تھا اس لئے زبیدہ کے اثر سے مجبور ہو کر اُس نے امین کی ولیعہدی کا فرمان لکھا۔ دس سال کے بعد جعفر بن یحییٰ برمکی کی کوشش سے جو مامون کا اتالیق تھا، مامون کے لئے بھی عہد نامہ لکھا۔ پھر عبد الملک بن صالح کے مشورہ سے اپنے تیسرے بیٹے قاسم یعنی موتمن کو بھی ولی عہد بنایا۔ اور اس کا لقب موتمن رکھا۔ اس کے بعد کل ممالکِ اسلامیہ کو ان تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔

(۱) مشرقی حصہ یعنی خراسان وغیرہ مامون کو دیا۔

(۲) مغربی حصہ یعنی مصر اور شام امین کو دیا۔

(۳) جزیرہ موتمن کے حوالہ کیا۔

اور ہر ایک کو مستقل امیر بنا دیا۔ اور اس طرح سے اپنی زندگی میں ایسے سامان پیدا کر دیئے، کہ اُس کی اولاد ایک دوسرے کی جانی دشمن بن گئی۔

ہارون کی وفات کے بعد جب امین تخت پر بیٹھا، تو اس کے دل میں بھی وہی خواہش پیدا ہوئی جو اُس کے اسلاف کے دلوں میں ہوئی تھی۔ یعنی اُس نے بھی چاہا، کہ مامون کو ولایت سے دست بردار کرا کے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے۔ مامون کے پاس خراسان کی حکومت تھی اور وہ ایک زبردست فوجی قوت کا مالک تھا۔ اس بناء پر اُس نے انکار کیا۔ مامون سے مقابلہ کے لئے ایک جرّار لشکر بھیجا۔ اور آخر وہ خونی واقعات پیش آئے، کہ جن سے عالمِ اسلامی میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ خود بغداد کا محاصرہ ہؤا۔ یہاں تک کہ امین مارا گیا اور مامون خلیفہ ہؤا۔

مامون نے دوسروں کی نسبت یہ عقلمندی کی کہ صرف اپنے بھائی معتصم کو جانشین مقرر کیا۔ اسی طرح معتصم نے بھی صرف اپنے بیٹے واثق کو ولیعہد بنایا۔ لیکن واثق عہد و ابیت لکھے بغیر فوت ہوگیا۔ اور اس کی موت کے بعد ارکانِ دولت نے متوکل کو خلیفہ منتخب کیا۔

متوکل پھر اسی غلطی کا مرتکب ہوا جس کا ارتکاب ہارون نے کیا تھا یعنی اُس نے بھی اپنے تینوں بیٹوں منتصر، معتز اور موئد کو یکے بعد دیگرے ولیعہد بنایا اور کل ممالک اسلامیہ کو تین حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا۔

(۱) افریقہ، مغرب، شام، جزیرہ، حجاز، عراق، یمن، اہواز، مکران اور سندھ منتصر کو۔

(۲) خراسان، طبرستان، آرمینیہ، آذربائجان اور فارس معتز کو۔

(۳) جند حمص، جند دمشق، اور جند فلسطین موئد کو۔

تعجب ہے کہ ہارون کی اولاد کا بُرا انجام دیکھ لینے کے بعد متوکل کو کس طرح جرأت پیدا ہوئی کہ اُس نے بھی اپنے تینوں بیٹوں کے نام ولیعہدی کا فرمان لکھدیا۔

منتصر کو بعض وجوہات کی بناء پر ولیعہدی سے معزول کرنا چاہا۔ لیکن وہ چونکہ مستقل امیر تھا اور اس کے پاس ترکوں کا ایک جرار لشکر تھا۔ اس نے متوکل کو قتل کر دیا اور خود خلیفہ ہوگیا۔

منتصر نے چالیس دن کے بعد اپنے دونوں بھائیوں کو بلا کر ولیعہدی سے معزولی کا فرمان سُنایا۔ موئد نے تو تسلیم کر لیا۔ لیکن معتز نے مخالفت کی۔ مگر اسے بھی بالآخر مجبور ہو کر ماننا پڑا۔ منتصر کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے وہ بھی ولیعہد بنائے بغیر فوت ہوگیا۔

اس کی وفات کے بعد ارکانِ حکومت نے مستعین بن محمد بن معتصم کو تخت نشین کیا۔ اس کے زمانہ میں خلافتِ عباسیہ ترکی غلاموں کے قبضہ میں آگئی۔ وہ جس کو چاہتے تھے خلیفہ بنا دیتے تھے اور جس کو چاہتے تھے معزول کر دیتے تھے۔ صرف پندرھویں عباسی خلیفہ معتمد نے اپنے بھتیجے معتضد کو اپنا ولیعہد بنایا۔ اور اس نے اپنے بیٹے مکتفی کو۔ اس کے بعد پھر خلیفہ کا عزل و نصب ترکوں کے ہاتھ میں آگیا۔

بنی بویہ کے زمانہ میں کل اختیارات ان ہی کے ہاتھ میں تھے۔ خلفاء صرف برائے نام ہوتے تھے۔ اس عہد میں جس قدر خلفاء ہوئے سب کے سب معزول ہوتے رہے۔ صرف قادر ایک عرصہ تک قائم رہا۔ اور اُس نے اپنے بیٹے قائم کو ولیعہد بنایا۔ اس کے بعد خلافت باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان نے جو چنگیز خان کا پوتا تھا بغداد پر

قبضہ کرلیا اور وہاں کے آخری خلیفہ **مستعصم** کو قتل کر ڈالا۔

بدعہدی

ناظرین نے غور کیا ہوگا کہ ایفاء عہد اور وفا جن پر عربوں کو ناز تھا، خلفاء بنی عباس کے زمانہ میں انہیں کس طرح **بدعہدی اور بے وفائی** میں منتقل کردیا گیا۔ اپنے ذاتی اغراض کی خاطر عہد کا احترام ان سے اِس حد تک اُڑ چکا تھا، کہ غیر تو الگ رہے **محمد بن علی طباطبائی** کو بھی لکھنا پڑا کہ "دولتِ عباسیہ کا شیوہ مکر، چالاکی اور غداری تھا۔ اور قوت وطاقت کی بہ نسبت، ان کی سیاسیات میں بدعہدی وفریب کا جُز غالب رہا"

چنانچہ جب **مروان** کو **صالح بن علی** نے مصر میں پہنچکر قتل کیا، تو اس کا یہ حال دیکھ کر **ابن ہبیرہ** نے بھی جو پہلے خوب ڈٹ کر عباسیوں کا مقابلہ کر رہا تھا **منصور** سے صلح کی درخواست کی، منصور نے اسے امان دی اور باقاعدہ عہد نامہ لکھا گیا۔ لیکن اسی اثناء میں **ابومسلم** کا خط پہنچا، کہ **ابن ہبیرہ** کا باقی رکھنا دُور اندیشی کے خلاف ہے۔ چنانچہ ابھی عہدنامہ کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی، کہ ابوجعفر **منصور** نے اس کو مع اس کے تمام ساتھیوں کے قتل کر ڈالا۔

بیجا ظلم

بے جا ظلم کا یہ حال تھا، کہ **سفاح** نے جو بنو عباس کا سب سے پہلا خلیفہ تھا اپنے عہد میں بنو امیہ کو چُن چُن کر قتل کر ڈالا۔ جوشِ انتقام میں **عبداللہ بن علی** نے شام میں جاکر خلفاء بنی امیہ **امیر معاویہ، یزید** اور **عبدالملک** وغیرہ کی قبریں کھدوا ڈالیں۔ اور بوسیدہ ہڈیوں کو بھی کھدوا کر پھینکوا دیا۔ **ہشام بن عبدالملک** کی لاش صحیح وسالم نکلی تھی، صرف ناک گل گئی تھی اُسے کوڑوں سے پٹوا کر سُولی پر چڑھا دیا۔ پھر آگ میں جلایا اور راکھ ہوا میں اُڑا دی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

عراق میں خود **سفاح** نے بھی یہی کیا۔ ایک بار تخت پر بیٹھا تھا، ایک جانب کرسیوں پر **بنو ہاشم** اور دوسری جانب گدّوں پر **بنو امیہ** بیٹھے تھے، اسی اثناء میں ایک شاعر نے آکر بنو امیہ کے مظالم میں چند اشعار ایسے دردناک لہجہ میں سُنائے کہ **سفاح** کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور اُس نے بنو امیہ کی طرف مخاطب ہوکر کہا، کم بختو! ہمارے جن عزیزوں کو تم نے قتل کیا وہ تو فنا ہوگئے اور تم ابھی تک اِس دُنیا میں عیش کرنے اور لذت اُٹھانے کے لئے زندہ ہو۔ پھر خراسانیوں کو حکم دیا اور سب کو قتل کروا ڈالا۔

خودغرضی اور حسد

بنو عباس نے صرف بنو امیہ کا خاتمہ کرکے ہی چین نہیں لیا بلکہ چونکہ ارکانِ حکومت میں بھی باہمی حسد اور خودغرضی کے جذبات موجزن تھے اسلئے

بد عہدی، دھوکہ اور فریب سے جو کسی کے قابو آیا اُس نے اُسے مروا دیا چنانچہ ابو سلمہ خلال جو وزیر آل محمدؐ کے لقب سے مشہور تھا اور جس نے سلطنتِ عباسیہ کے قیام میں بڑی امداد دی تھی، مگر پہلے خلافت آل علی کو پیش کی تھی اُسے بھی سفاح نے قتل کروا دیا۔

سفاح کے بعد منصور نے ابو مسلم خراسانی کو جو ان کی خلافت کا بانی مبانی تھا ایک منصوبہ کے ماتحت دربار میں منگوایا اور وہیں قتل کر دیا۔

باہمی رقابت باہمی رقابت کا یہ حال تھا کہ حکومت کے ایک رکن کی ماتحتی میں دوسرا رکن حج کرنے کے لئے نہیں جاتا تھا۔ اور نہ جانیوالے کے متعلق جا بجا اِن [illegible] کر دیتا تھا کہ یہ دشمن ہے۔ پھر اس کے قتل کے منصوبے باندھے جاتے تھے۔ اس قسم کی کئی مثالیں [illegible] بخوفِ طوالت سے اس کا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

نسبی مفاخر نسبی مفاخر جیسے قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں قطعاً نابود کر دیا گیا تھا پھر عود کر آیا اور حسب نسب کے فخر کی وجہ سے خلافت کے دعوے کئے جانے لگے۔ چنانچہ ابو جعفر منصور اور محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی خط و کتابت پڑھنے سے اس پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

فضول خرچی خلفاء بنی عباس کے زمانہ میں عیش و عشرت اس حد تک ترقی کر چکا تھا کہ شاید اس زمانہ کی غیر مسلم حکومتوں میں بھی اس کی مثال نہ مل سکے۔ عباسی خلیفہ مامون کے دسترخوان کا روزانہ خرچ دس ہزار درہم تھا۔ اسکی ایک شادی کا حال بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

مامون جب حسن بن سہل کی بیٹی بوران سے شادی کیلئے گیا تو برات حسن بن سہل کے ہاں ۱۹ دن تک رہی۔ حسن بن سہل نے کاغذ کے پرچوں پر گاؤں، گھوڑے، درہم اور دینار کی رقمیں لکھکر مشک میں اُن کی گولیاں بنا کر بنی ہاشم، امراء فوج اور اعیانِ سلطنت کے اوپر نثار کیں۔ اور اعلان کر دیا کہ جس شخص کے ہاتھ میں جو پرچہ پڑے اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہو وہ اُسی کا ہوگا۔ غرض اس تقریب پر حسن بن سہل نے پانچ کروڑ درہم صرف کئے۔ اب اندازہ لگائیے کہ مامون نے اس تقریب پر کیا کچھ خرچ کیا ہوگا۔

بیجا سختیاں بعض ذوقی اور علمی مسائل کو دینی عقائد قرار دیکر سینکڑوں علماء ذی شان کو سزائیں دی گئیں۔ مثلاً خلیفہ مامون اور معتصم کے زمانہ میں "قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق" کی بحث چھیڑ کر اپنے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو سنگین سزائیں دی گئیں۔ حضرت احمد بن حنبلؒ جیسے عظیم الشان انسان کو پورے اڑھائی سال قید میں رکھکر کوڑے لگوائے جاتے رہے۔ اور وہ بیچارے انہی سختیوں کی وجہ سے قید میں فوت ہو گئے۔ حالانکہ یہ ایک صریح ظلم تھا جسے خلفاء نے محض تحکم اور ضد کی وجہ سے روا رکھا۔ ورنہ

دین اسلام کا اس سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس قسم کا ایک مسئلہ حضرت ابوذرؓ نے پیدا کیا کہ وہ بیت المال کے روپیہ کو اللہ کا مال نہیں کہنے دیتے تھے۔ بلکہ اسے مسلمانوں کا مال کہتے تھے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے اس بنا پر انہیں ہرگز کسی قسم کی سزا نہیں دی، بلکہ جب دیکھا کہ کچھ شریر لوگ انہیں انگیخت کر کے ایک فتنہ کی صورت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو انکا معقول وظیفہ مقرر کر دیا اور ان کے رہنے کے لئے ایک الگ جگہ مقرر فرما دی۔

اعلیٰ ترقی کی راہیں بند خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہر شخص اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کر سکتا تھا، اور اپنی خدمات سے اسلام کو بیش از بیش فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ مگر بعد کے خلفاء کے زمانہ میں وہ بات نہ رہی۔ اگر کوئی قابل جرنیل پیدا ہو جاتا تو اس کے متعلق خلفاء کو یہ شبہ لاحق ہو جاتا کہ شاید یہ حکومت پر ہی قبضہ نہ کر لے اسلئے وہ معمولی سے معمولی انحراف کو دیکھکر بھی اس کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے اکثر وزراء اور امراء مقتول یا محبوس ہوتے رہے خود ابومسلم خراسانی جو اس خلافت کا بانی مبانی تھا اسی شک میں مارا گیا اور ابوجعفر منصور کے شبہ کے سامنے اس کی عظیم الشان خدمات کچھ کام نہ آئیں۔

برامکہ کا خاندان جس نے اس سلطنت کی بہتری کے لئے نہایت ہی قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں ہارون کے ذرا سے شبہ پر کہ یہ باطن میں علویہ کا طرفدار ہے بالکل تباہ و برباد کر دیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ جو بہترین دماغ بھی ان میں پیدا ہوا اس کے متعلق کسی قسم کی بدگمانیاں کر کے اسے مردانیکی فکر کی۔ اور اگر کوئی قابل مدبر خلیفہ کی اپنی نظر بد سے بچ نکلتا تو اس کے حاسدین خلیفہ کے پاس چغلیاں کھا کھا کر اُسے قتل کروا دیتے۔ اور اس طرح سے سلطنت اپنے بہترین خادموں سے محروم رہ جاتی لیکن خلفاء راشدین کا زمانہ ان امور سے بالکل پاک تھا۔ نہ ان کو کوئی ذاتی غرض انصاف سے روک سکتی تھی کیونکہ وہ اچھی طرح سے سمجھتے تھے، کہ ہم اُمت کے نگران ہیں اگر ہماری وجہ سے اسلام کو ذرا سا بھی صدمہ پہنچا تو قیامت کے روز ہم سے باز پُرس ہوگی۔ اور نہ ہی کسی جرنیل یا مدبر کو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا، کہ ہم اُمت کی مرضی کے بغیر خلافت کے منصب جلیلہ کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی ذاتی اغراض کو بالائے طاق رکھکر محض اُمت کی خیر خواہی کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کی مثال اس امر کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ ان کو جب حضرت عمرؓ نے عہدۂ جرنیلی سے معزول کر دیا تو وہ ایک سپاہی کی حیثیت میں پورے اخلاص اور جوش کے ساتھ اپنے افسروں کی ماتحتی میں والہانہ رنگ میں کام کرتے رہے۔ یقیناً یہ ان کی ایک ایسی قربانی ہے کہ مسلمان قوم اس پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

اسلام کے مقابلہ میں ذاتی فوائد کو ترجیح

خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں مسلمانوں کے اتفاق اور اتحاد کا یہ عالم تھا، کہ وہ غنیم کے مقابلہ میں اپنے تمام اندرونی جھگڑوں اور مناقشات کو بھول جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے زمانہ میں جب امیر معاویہ نے سر اٹھایا اور باہمی جنگ شروع ہوئی تو رومی بادشاہ نے امیر معاویہ کو لکھا کہ اگر آپ چاہیں تو میں (حضرت) علیؓ کے مقابلہ میں آپ کی امداد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم نے حملہ کیا تو حضرت علیؓ کی فوج میں سے پہلا جرنیل میں ہونگا جو تمہارے مقابلہ کیلئے نکلونگا۔ لیکن بغداد کے عباسی خلیفہ ہارون نے سپین کے بنو امیہ فرمانرواؤں کو نقصان پہنچانے کیلئے مشرقی رومی حکومت سے جو بازنطینی کہلاتی تھی صلح کی اور سپین کے مسلمان بادشاہوں نے بغداد کی حکومت کے خلاف مدد لینے کے لئے پاپائے روم کو تحائف بھیجے اور اس سے صلح کی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

اس کے مقابلہ میں خلفاءِ راشدین کی زندگیوں کو دیکھو۔ وہ اپنے تمام ذاتی فوائد کو بالائے طاق رکھکر بلکہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے قرآن کریم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرائض کو پورا کرنا ضروری سمجھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے قبل مرض الموت میں جنگ موتہ کے انتقام کے لئے ایک لشکر اسامہؓ کی سرداری میں مرتب کیا تھا مگر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کی وجہ سے رُک گیا، یہانتک کہ آپؐ کا وصال ہوگیا۔ حضورؐ کے وصال کی خبر سُنکر عرب کے نومسلم قبائل کے ارتداد کی خبریں آنا شروع ہوگئیں۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ یہ فوج باہر نہ جانی چاہئے۔ فرمایا "قسم ہے اُس اللہ کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں یہ بھی جان لوں کہ درندے مجھ کو پھاڑ کھائیں گے تب بھی اس لشکر کو نہیں روکونگا، اور خواہ بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی زندہ نہ رہ جائے پھر بھی اس کو روانہ کئے بغیر نہیں رہوں گا" سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ اگر یسی خلافت بعد میں بھی جاری رہتی تو یقیناً دُنیا میں آج کوئی غیر مسلم نظر نہ آتا۔ اور چاروں طرف دُنیا میں اَمن ہی امن ہوتا۔

ایک اہم سوال کا جواب

اس موقعہ پر میں ایک اہم سوال کا جواب دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ بعض لوگوں کی طرف سے یہ سوال کیا جاتا ہے، کہ اگرچہ چاروں خلفاء خلفاءِ راشدین کہلاتے ہیں، تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں باہمی فسادات اور جنگیں کیوں شروع ہوگئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں مسلمانوں کے اندر باہمی جھگڑے اور جنگیں ہو ہی نہیں سکتے بلکہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ خلیفہ راشد

کے زمانہ میں مسلمانوں کو خلیفہ کی طرف سے کسی ناانصافی یا غداری کا خوف نہیں ہو سکتا اور نہ اُسے کوئی طاقت مسلمانوں کے درمیان عدل کرنے سے روک سکتی ہے اور اسی کا نام امن ہے۔

کلمۃ الفصل چونکہ مضمون لمبا ہو گیا ہے، اس لئے میں خلفاءِ عباسیہ بغداد کے واقعات پر ہی اِسے ختم کرتا ہوں۔ اور آخر میں پھر مختصر الفاظ میں یہ بیان کر دیتا ہوں کہ خلافت بنی امیہ اور خلافت بنی عباس دونوں خلافتوں میں چونکہ جمہوریت کی روح نہیں رہی تھی، اور خلفاء مسلمانوں کے مشوروں سے قطعاً بے نیاز ہو کر آزاد بادشاہوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے، اِس وجہ سے استبداد کے جو لازمی نقائص ہیں وہ اُن میں پیدا ہو گئے تھے۔ وہ سادگی اور عدم تصنّع جس سے خلفاءِ راشدین کی مجالس مزیّن ہوتی تھیں اس کی بجائے اُنکے دربار دارا اور کیخسرو کے درباروں کا نمونہ بن گئے۔ عیش و عشرت، شراب نوشی، شکار اور تفریح میں انہماک پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں باہمی فساد، عداوت، رقابت اور بُغض کے جذبات وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے۔ اور بجائے اس کے کہ اعلائے کلمۂ حق کے لئے غیر ممالک کی طرف توجہ کی جاتی مسلمان باہمی چپقلش میں ہی اُلجھ کر رہ گئے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ درمیان میں بعض بعض خلفاء اچھے بھی آتے رہے، لیکن ان کا وجود ایک عارضی فائدہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اگر خلافت کی بُنیاد خلافتِ راشدہ کے نمونہ پر قائم رکھی جاتی اور مسلمانوں میں سے اہل الرّائے اصحاب خلافت کے لئے قوم کے بہترین دماغوں کو چُنتے، تو یقیناً یہ خرابیاں پیدا نہ ہوتیں۔ ان خلفاء کو بھی اِس امر کا احساس رہتا کہ خلافت ہماری ذاتی جائیداد نہیں بلکہ قوم کی امانت ہے، قوم نے ہم پر بھروسہ کر کے ہمارے حوالہ کی ہے اسلئے ہمیں اس کی بہترین رنگ میں حفاظت کرنی چاہیئے۔ اور قوم بھی محض رضاءِ الٰہی کے لئے اُن کی اطاعت اور اُن سے تعاون کرتی؛

ا۔کیا موجودہ وید الہامی ہیں؟

(ملک فضل حسین صاحب احمدی مہاجر)

جس طرح یہودی توریت اور دیگر صحف انبیاءؑ کو، عیسائی چار انجیل اور خطوط الرسل کو، پارسی وساتیر اور ژنداوستا کو اور مسلمان قرآن کریم کو کلام اللہ سمجھتے ہیں اسی طرح آریہ سماج بھی ویدوں کو الہامی اور ایشوری گیان بتلاتی ہے۔

ویدکے متعلق سماجک دعویٰ اور اس کا دعویٰ ہے کہ ایشور نے ابتدائے دنیا میں اگنی، وایو، آدتیہ اور انگرا نام کے چار رشیوں کے ذریعہ رگوید۔ یجروید۔ سام اور اتھروید بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل فرمائے اور صحیح معنوں میں یہی چار پستکیں خدا کا کلام کہلانے کی مستحق ہوسکتی ہیں اور انہی پر عمل پیرا ہو کر ہی نوع انسان اپنی دنیا و عاقبت سنوار سکتی ہے۔

سماجی دعویٰ قابلِ قبول نہیں مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس دعویٰ کا مدعی وہ گروہ ہے جو ویدوں کے مغز اور ان کی اصل حقیقت سے ایسا ہی ناواقف ہے جیسا کہ ایک براہمن یا جینی سادھو گوشت کے ذائقہ سے۔ ایسی حالت میں ناظرین خود ہی قیاس فرمالیں کہ جو لوگ خود بھی ویدوں سے ناعلم ہیں اور نہیں جانتے کہ ویدوں میں کیا لکھا ہے وہ اگر یہ دعویٰ کریں کہ دُنیائے جہان کی تمام مذہبی کتابیں جعلی اور انسانی تصنیف ہیں۔ مگر وید ہی وہ کتب ہیں جو ایشور کی طرف سے نازل ہوئیں قابلِ قبول ہوسکتا ہے؟

لیکن جس طرح کسی شخص کا دیسی کو لہو کو دیکھکر اُسے ولایتی خراس بتلانا ناقابلِ تسلیم ہے اسی طرح اور بیشک اسی طرح ویدک سنسکرت اور ویدودیا سے بے خبر سماجیوں کا موجودہ ویدوں کو خالص ایشور کا گیان بتلانا بھی قبول کرنے کے لائق نہیں۔ کیونکہ یہ امر دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آریہ سماج میں نہ تو ویدک سنسکرت کا کوئی فاضل ہے اور نہ ہی ویدوں کا کوئی عالم اور پنڈت۔

اور یہ ایسی تلخ حقیقت ہے کہ جسکو بعض ممتاز پنڈتانِ سماج نے بھی بجا روناچار تسلیم کیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے عیاں ہے:-

آریہ سماج میں ویدوں کا کوئی عالم نہیں

ایڈیٹر آریہ پتر کا نے عرصہ ہوا اپنے اخبار میں آریوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس حقیقت کا بایں الفاظ اظہار کیا تھا کہ:-

۱۔ "اے بھولے بھائیو! آپ" میاں منگتے باہر کھڑے درویش" کے مصداق۔ جو چیز تمہارے پاس ہی نہیں تم دوسروں کو کیا دوگے؟ جب تم خود ویدوں کو پڑھنے کی کوشش نہیں کرتے اور انکی وِدیا کو حاصل کرنا تضیع اوقات سمجھتے ہو تو دوسروں کو ویدوں کا پیغام کیا دے سکتے ہو۔ تمہارے یہ کہنے سے کہ ویدوں میں رتن بھرے پڑے ہیں وہ روحانیت اور علوم الٰہی کا مخزن ہیں' ان میں دُنیا بھر کی سائنس اور فلاسفی پائی جاتی ہے اور دُنیا کی لائبریری میں سب سے اعلیٰ اور مفید پُستک ہیں کوئی شخص انکو پڑھنے کی رغبت نہیں کریگا۔ بلکہ وہ صریحاً دیکھیگا کہ تم جس چیز کی تعریف کر رہے ہو تم خود اسکی لذت سے ناآشنا ہو اور تم نے اسکو حاصل کرنیکی کبھی کوشش نہیں کی" (اخبار "آریہ پترکا" ۹؍ اکتوبر ۱۹۱۸ء)

اسی طرح کالج پارٹی کے معزز رکن لالہ رادھا کشن صاحب مہتہ کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی ظاہر ہے کہ:۔

۲۔ "آریہ سماجیوں کے دونوں فریقوں میں ویدوں کا فاضل کوئی نہیں" (رسالہ اندر جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۹۲)

یہی نہیں بلکہ آریہ گزٹ کے سابق ایڈیٹر اور مشہور وِدوان پنڈت شیوبرت لال ورمن ایم اے نے بھی رسالہ اندر میں اس حقیقت کا بایں الفاظ اعادہ کیا ہے کہ:۔

۳۔ "ہمارے سماجی بھائیوں کو کم از کم اتنا تو سمجھنا چاہیئے تھا کہ جن ویدوں کا تم گیت گاتے ہو تم میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو ان (ویدوں) کا ماہر کہا جائے۔ ویدک تعلیم کے لئے خود تم ان (سناتنی پنڈتوں) کے دست نگر ہو۔ نہ تم میں ایسے عالم ہیں جو اصلی معنوں میں ویدوں کے حقوق (؟) کا اعلان کرسکیں۔ نہ ایسے عالم ہیں جو براہمن گرنتھ وغیرہ (کتابوں) کی ماہیت کو سمجھ سکیں و سمجھا سکیں" (رسالہ اندر۔ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۲۶)

اسی پر بس نہیں بلکہ آریہ سماج کے مشہور مناظر اور چوٹی کے لیڈر سوامی درشنانند جی نے بھی اقرار کیا ہے کہ آریہ سماج میں ویدوں کا کوئی عالم نہیں۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

۴۔ آریہ بیچارے ویدک دھرم کو تمام سنسار میں پھیلانے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جب پچیس ۲۵ سال کے اندر ہم ایک بھی وید کا جاننے والا پیدا نہیں کرسکے تو ہم سارے سنسار (جہان) میں کس طرح ویدوں کا پرچار کرسکینگے۔" (ٹریکٹ "آریہ سماج وچھو والی" صفحہ ۲)

ایڈیٹر آریہ پترکا مہتہ رادھا کشن، پنڈت شیوبرت لال اور سوامی درشنانند جی ہی اس حقیقت کے اقراری نہیں بلکہ اور بھی بہتیرے سماجی وِدوان اس سچائی کا اقبال کر چکے ہیں۔ مگر یہ مختصر سا مضمون اُن سب آراء کا متحمل نہیں ہوسکتا جو وقتاً فوقتاً پنڈتان سماج کی طرف سے شائع ہوئیں لیکن تاہم ذیل میں ایک اور

بہت بڑے سماجی وِدوان کی رائے درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس کو پڑھ کر ناظرین جان سکیں گے کہ کہ ویدوں کا عالم نہ صرف سماج میں ہی کوئی نہیں بلکہ تختۂ دُنیا پر بھی ایسا وجود عنقا صفت ہے۔ نال پنڈت ساتولیکرجی فرماتے ہیں کہ:۔

۵ "حقیقت میں اِس وقت تمام روئے زمین پر کامل ویدمنتروں کی واقعی اور سچی شرح کرنیوالا ایک بھی شخص نہیں ہے" (رسالہ ویدک دھرم جلد ۱ نمبرے ص۲۲۶)

پس اب جبکہ خود سماجی پنڈتوں کی تحریروں ہی سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ ثابت ہوگیا کہ نہ صرف آریہ سماج میں بلکہ دُنیا بھر میں بھی ویدوں کا کوئی عالم نہیں تو ایسی حالت میں آریہ سماج کا ویدوں کو الہامی اور تمام خوبیوں کا مخزن بتلانا اپنے اندر کچھ بھی صداقت نہیں رکھتا۔

ویدوں کو الہامی بتلانا بیسود ہے

بھلا جس کتاب کو جاننے اور بوجھنے کی یہ لوگ اہلیت و قابلیت ہی نہیں رکھتے اس کے متعلق ان کا بڑے بڑے دعوے کرکے دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال بنانیکی سعی کرنا کیونکر مناسب ہے؟ لہٰذا وہ سماجی دوست جو وید سے ناواقف ہونے پر بھی اُن کے الہامی ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا کرتے ہیں آئندہ اس قسم کے پوچ اور بیسود دعووں سے اعراض کریں۔

لیکن اگر کوئی ضدی اور متمرد مذکورہ بالا اور اس قسم کی دیگر بہت سی شہادتوں کے ہوتے ہوئے بھی وہی سُنا سُنایا راگ الاپے اور دعویٰ کرے کہ وید ہی الہامی کتب ہیں تو اس کو چاہئے کہ ہمارے مندرجہ ذیل مطالبات کا جواب دے۔ تاکہ ہم بھی دیکھیں، کہ اس کا وید سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی اس کی وکالت کرنا کس طرح ویدوں کو الہامی ٹھہرا سکتا ہے۔

پہلا مطالبہ

اگر واقعی وید الہامی ہیں اور شروع دُنیا میں ایشور نے چار رشیوں پر نازل کئے تھے تو اس کے متعلق سماجی دوست بتلائیں 'ویدوں' میں کہاں اور کس مقام پر یہ لکھا ہے کہ ابتدائے دُنیا میں چار رشیوں پر وید نازل ہوئے؟ لیکن ہم بانگ دُہل پکار کر کہتے ہیں کہ سماجی بمعہ اپنی متفقہ کوشش صرف کر دینے پر بھی اس مطالبہ کا جواب وید سے نہیں دے سکتے۔

پس جب وید ہی اس بارہ میں گُنگ ہو اور نہ بتلائے کہ ہمارا نزول کن لوگوں پر ہوا تو اس صورت میں برادران سماج کا از خود ہی فرض کر لینا کہ وید کے ملہم اگنی، وایو، آدتیہ اور انگرا تھے انکے ناواقف وید ہونے پر مُنہ بولتا شاہد ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ وید ازلی ہیں نہ کہ تواریخی کتاب اسلئے اس میں کسی خاص انسان کا نام یاد کر نہیں ہو سکتا۔

تو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے، کہ اوّل تو وید کو ازلی کہنا اور اسکو تواریخی واقعات سے معرّا بتلانا بجائے خود اس سے ناواقف ہونیکی دلیل ہے۔ لیکن اگر فرض بھی کرلیں کہ وید ازلی ہیں اور ان میں تواریخ نہیں ہونی چاہیئے تو پھر بھی کم ازکم اس رنگ میں تو ذکر ہونا چاہیئے کہ جب ویدوں کا نزول ہوتا ہے تو اگنی، وایو، آدتیہ اور انگرا نام کے چار رشیوں پر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اگنی، وایو وغیرہ انسان دُنیا میں کبھی ہوئے ہی نہیں اس لئے آریوں کا انہیں مُلہم وید ثابت کرنے کے لئے وید کا پرمان پیش کرنا قطعی محال اور ناممکن ہے۔ اور ان کا یہ عجز دلیل ہے وید کے غیر الہامی ہونے کی۔

دوسرا مطالبہ اگر سماجی بھائی اگنی، وایو، آدتیہ اور انگرا کا مُلہم وید ہونا ویدک شُرتیوں سے ثابت نہیں کرسکتے تو کم ازکم کسی اور کتاب سے ہی یہ دکھلا دیں جہاں ان چار موہوم انسانوں نے دعویٰ کیا ہو کہ فلاں زمانہ میں ایشور کیطرف سے ہم پر چار وید نازل ہوئے تھے۔ کیونکہ جب تک وہ اشخاص جنہیں مُلہم بتایا جاتا ہے خود ہی دعویٰ نہ کریں تب تک دوسروں کا کیا حق ہے کہ خواہ مخواہ ان کی طرف وہ باتیں منسوب کریں جن کا انہیں کبھی خیال بھی نہ آیا ہو۔

لیکن چونکہ اس قسم کا دعویٰ وید سے لیکر مہابھارت اور اس سے بعد کی تصانیف میں بھی مرقوم نہیں اسلئے اگر یہ کہیں تو بیجا نہ ہوگا کہ جن کتابوں کو آریہ الہامی بتلاتے ہیں وہ ہرگز الہامی نہیں۔

تیسرا مطالبہ ویدک دھرمی اگر پہلے اور دوسرے مطالبہ کا جواب نہیں دے سکتے تو کم ازکم کسی مستند کتاب میں ہی لکھا ہوا دکھلا دیں کہ ابتدائے دُنیا میں فلاں جگہ اگنی، وایو وغیرہ چار رشیوں پر ایشور کیطرف سے رگوید وغیرہ چار کتابیں نازل ہوئیں۔ چونکہ یہ مطالبہ بہت معمولی اور ہلکا ہے اسلئے آریہ سماج پر واجب ہے کہ اسکو ضرور پورا کر دکھائے۔ کیونکہ اگر وہ اس کو بھی پورا نہ کرسکی تو پھر لامحالہ کہنا پڑے گا کہ وید الہامی نہیں۔ کیونکہ الہامی کتاب وہی ہوسکتی ہے جو کسی شخص پر نازل ہو لیکن جس شخص کا وجود کسی طرح بھی ثابت نہ ہوسکے اس کو از خود ہی مُلہم مان لینا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

لیکن جہانتک ہماری تحقیق ہے ہم علی الاعلان کہیں گے کہ نہ صرف آریہ سماج پہلے دو مطالبات کا جواب نہیں دے سکتی بلکہ اس تیسرے مطالبہ کو پورا کرنا بھی اس کے حیطۂ امکان سے قطعی باہر ہے۔ اور اس کا یہ عجز ثبوت ہے اس امر کا کہ وید نہ تو ایشور کا گیان ہیں اور نہ ہی یہ کسی انسان پر نازل ہوئے۔

ایک وہم کا ازالہ ممکن ہے اس جگہ کوئی سماجی ستیارتھ پرکاش سے پڑھ کر یہ کہدے کہ دیکھئے شت پتھ براہمن میں لکھا ہے کہ:۔

"پہلے پہل یعنی پیدائش کے شروع میں پرماتما نے اگنی، وایو، آدتیہ اور انگرا رشیوں

کے آتما میں ایک ایک وید کو ظاہر کیا" (ستیارتھ پرکاش ہندی بار دوم ص۲۳۲-۲۲۴ و اردو بار چہارم)

لہٰذا تیسرے مطالبہ کا جواب ہوگیا۔

مگر جو شخص ستیارتھ پرکاش کے محولہ بالا مقام کو پڑھکر یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہمارے تیسرے مطالبہ کا جواب ہوگیا وہ دھوکہ میں ہے۔ کیونکہ سوامی صاحب نے شت پتھ براہمن کی جس عبارت کو ستیارتھ میں نقل کیا ہے اس کے وہ معنے نہیں جو اُوپر نقل کئے گئے بلکہ اس کا اگر لفظی ترجمہ کیا جائے تو صرف اسقدر ہوگا کہ۔

"اگنی سے رگوید۔ وایو سے یجروید۔ سُوریہ سے سام وید ظاہر ہوئے۔"[1]

پس جو شخص اگنی، وایو، آدتیہ، انگرا کو رشی اور خاص انسان سمجھتا اور اعتقاد رکھتا ہے کہ رگوید، یجروید، سام اور اتھرووید انہی پر پرماتما نے ظاہر کئے وہ بتلائے کہ اصل سنسکرت عبارت کے کس لفظ یا فقرہ کا یہ ترجمہ ہے کہ :۔

"پہلے پہل یعنی پیدائش کے شروع میں پرماتما نے .... انگرا رشیوں کے آتما میں ایک ایک وید کو ظاہر کیا۔"

لیکن ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ دُنیا ئے جہان کے سماجی بلکہ بھی کوشش کریں تو وہ شت پتھ براہمن کی محولہ بالا اصل سنسکرت عبارت سے سوامی جی کے ترجمہ کی تصدیق نہیں کروا سکتے۔

مگر بات دراصل یہ ہے کہ جب سے دُنیا بنی اُس وقت سے لیکر تا ایندم اگنی، وایو، آدتیہ اور انگرا نام کے کوئی رشی ہوئے ہی نہیں۔ کہ جو ویدوں کے مُلہم بنائے جاتے۔ یہ سب باتیں بعد کی من گھڑت اور طبع زاد ہیں۔

پس وہ لوگ جو اگنی، وایو وغیرہ کو دھینگا مُشتی سے رشی اور مُلہم وید ثابت کرنا چاہتے ہیں، یاد رکھیں کہ سنسکرت کی کوئی بھی مُستند کتاب اُن کی مؤید نہیں۔ کیونکہ یہ نام انسانوں کے نہیں، بلکہ آگ، ہوا، سورج وغیرہ مادی عناصر کے ہیں۔ جیسا کہ چھاندوگیہ اُپنشد کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔ لکھا ہے کہ :۔

---

[1] سوامی صاحب کی نقل کردہ اصل عبارت یہ ہے :۔

"اگنیہ وا رگویدو جائتے۔ وایویجُروید۔ سوریات سام ویدہ۔"

[2] سوامی جی کی نقل کردہ عبارت میں اتھروا اور انگرا رشی کا تو نام تک بھی نہیں۔ پھر ان کو کیسے سماج نے خدا کا کلام اور رشی مان لیا۔ (احمدی مہاجر)

" پرجاپتی نے لوکوں کو تپایا۔ جب وہ گرم ہوگئے تو اس نے ان کے رس کو نچوڑا۔
(تب) اگنی زمین سے، وایو آکاش سے، سورج دیو (کرۂ ہوائی) سے (پیدا ہوا)"
"تب اس نے ان دیوتاؤں (آگ، ہوا، سورج) کو تپایا۔ جب وہ گرم ہوگئے تو اس نے
ان کے رسوں کو نچوڑا۔ رچائیں (رگ) آگ سے۔ یجو (یجر) ہوا سے۔ سام سورج سے (نکلے)"
(چھاندوگیہ اپنشد پرپاٹھک کھنڈ ۲)

اس عبارت نے معاملہ کی اصل حقیقت واضح کر دی۔ اور بتا دیا کہ اگنی وایو اور آدتیہ کوئی خاص انسان نہ تھے کہ جن پر وید نازل ہوئے بلکہ ان سے مراد یہی مادی آگ، ہوا اور سورج ہیں۔ کیونکہ اگر یہ اگنی وغیرہ انسان ہوتے تو ان کی پیدائش آکاش اور ہوائی کرہ سے بتلانا چہ معنی؟ کیا کبھی انسان آکاش اور ہوائی کرہ سے بھی پیدا ہوئے ہیں؟ پھر پرجاپتی کا ان کو گرم کرکے رس نکالنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا مادی اشیاء کی طرح انسانوں کو بھی تپا کر ان کا رس نکالا جا سکتا ہے؟

پس ثابت ہوگیا کہ اگنی، وایو، آدتیہ انسان نہ تھے۔ یہ صرف عناصر کے نام ہیں اور رگ وغیرہ انہی عناصر سے اخذ کئے گئے۔ یعنی ان کتابوں میں ان عناصر کی ماہیت بتلائی گئی ہے۔ یا ان کی پوجا اور تعریف کے گیت ان میں گائے گئے ہیں۔

یہ ثابت ہوجانے کے بعد کہ جن کو ویدوں کا ملہم بتایا جاتا ہے ان کا دنیا میں کبھی کوئی وجود ہی نہ تھا۔ آریہ دوستوں سے پوچھتے ہیں، وہ بتائیں کہ جب ویدوں کا کوئی ملہم ہی ثابت نہیں تو اس صورت میں یہ تسلیم کرنا کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ وید خدا کا کلام ہیں؟ کیونکہ جب تک ملہم کا وجود ثابت نہ ہو اس وقت تک کسی کلام کو الہامی کہنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ پس اگر وید واقعی الہامی ہیں تو ان کے ملہمین کا وجود ثابت کرنا چاہئے۔

چوتھا مطالبہ اور بتانا چاہیئے کہ وہ کب؟ اور کس ملک میں؟ اور کس جگہ پیدا ہوئے؟

پانچواں مطالبہ اور یہ بھی کہ انہوں نے کہاں؟ اور کن لوگوں کے سامنے؟ اور کس کتاب میں؟ الہام ربانی کا مورد بننے کا اعلان کیا؟

مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح دو اور دو کا تین ہونا محال اور ناممکن ہے اسی طرح ان مطالبات کا جواب دینا بھی قطعی امیوسی بل، اسنبھو اور محال ہے۔

اب سوال ہوگا کہ جب وید کے ملہموں کا وجود ہی متحقق نہیں تو پھر یہ چار وید کہاں سے آگئے؟

سو اس کا جواب صاف اور بالکل آسان ہے کہ یہ چار کتابیں نہ الہامی ہیں نہ ایک زمانہ میں تصنیف ہوئیں اور نہ چار آدمیوں کی تالیف ہیں بلکہ مختلف وقتوں میں مختلف لوگوں نے مختلف مضامین پر طبیعت کی جولانیاں دکھلاتے ہوئے انہیں تصنیف کیا ہے اور جن لوگوں کا ان کی تصنیف اور تالیف میں ہاتھ رہا اُن کے نام بھی وید کے سُوکتوں کے آغاز میں زمانہ شروع سے درج چلے آتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو اجمیر، بمبئی، لاہور وغیرہ کے مطبوعہ ویدوں کو اُٹھا کر دیکھ لیا جائے۔ ہر سُوکت کے شروع میں علاوہ بحر اور مضمون کے اس سوکت کے مصنفین (جنکو ویدک اصطلاح میں رشی کہتے ہیں) کا نام بھی لکھا ہوا صاف نظر آئے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ مشہور ویدک دہرمی فاضل پنڈت ستیہ برت سام شرمی کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ موجودہ وید قدیم رشیوں ہی کی تصنیف ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے۔

پنڈت ستیہ برت سام شرمی کا اقرار ہے۔

"تھا چہ اسمت پُوروپُورشی بھرایو ویداہ پرنیتا اِتی ڈبُروم" (ترئی پری چے ص۱۷)

یعنی یہ ثابت شدہ امر ہے کہ وید ہمارے گذشتہ بزرگ رشیوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

اور اسی طرح سنسکرت کے مشہور فاضل پنڈت اکھانند کوی رتن بھی اپنی کتاب اتھروویدآلوچنا کے ص۲ میں وید اور شاستروں کے حوالے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

"ہم نڈر ہوکر وید کے مصنفین کو رشی کہتے ہیں۔" (ص۲۷)

اُدین آچاریہ اپنی کتاب کُسمانجلی کے ص۲۳ میں لکھتے ہیں کہ:-

"وید انسانی کلام ہے۔ کلام ہونیکی حیثیت سے مہابھارت کی طرح وید انسانی حکایات ہیں۔" (منقول از ویدکیا چیز ہیں ص۲)

پنڈت مہیش چندر پرشاد بی۔ اے اپنی کتاب سنسکرت ساہتیہ کا اتہاس جلد دوم ص۲۲ میں بعنوان "ویدوں کی پیدائش" رقمطراز ہیں۔ کہ:-

"قدیم آریوں کے رسم، رواج، رہن سہن، کاریگری اور مذہبی خیالات وغیرہ کا ان (ویدوں) میں بیان ہونیکے باعث محققین کے ذریعہ گذشتہ پچاس برس کی بہترین تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ وید کسی خاص زمانہ میں رشیوں کے ذریعہ تصنیف ہوئے اور اس خیال کی تائید میں رگوید میں بہت سے فقرات ملتے ہیں۔

برہمانی سسرجے وششٹہ (۷ ۱۰۳) یعنی وششٹہ نے ویدمنتر بنائے۔

ایم گیرمان داریہ (یعنی یہ دیماں داریہ نے بنائی) (رگوید ۱۶۶/۱۵ ۱)

گوتمو نویم انکھشت برہم (یعنی گوتم نے اس نئے ویدمنتر کو بنایا) (رگوید ۱ ۳/۶۲ ۱)

برہمانی جن یئت ویراہ (یعنی براہمنوں نے ویدمنتر تصنیف کئے) (رگوید ۷ ۲۲/۹)"

پس اب دیکھنا چاہیئے کہ ویدوں کا ظہور کس طرح ہوا۔ کہتے ہیں کہ قدرت کی خوبصورتی نے شروع زمانہ میں آریوں کو بیحد موہت کیا۔ اسکی بہار اور خوشنمائی سے موہت ہو کر وہ حیران رہ جاتے اور اگر کوئی بھیانک نظارہ دیکھتے تو سہم جاتے۔ اسی طرح آریوں کے شاعر خوبصورت نظاروں کو دیکھکر انکی تعریف اور خوفناک سین دیکھکر انکے دفعیہ کیلئے کئی قسم کے منتر اور تعریفی گیت بناتے تھے جو بعد میں انکے خاندان میں رائج ہو گئے...... ان منتروں میں انکے دل کے سچے جذبات کا اظہار تھا۔ ویدک لٹریچر کی یہی اوّلین حالت ہے۔ مذکورہ بالا منتر مختلف وقتوں میں بنائے گئے یاسک اپنی نرکت (۸-۱-۹) میں کہتے ہیں:-

"یت کام رشی یام دیوتایام ارتھاپتیم اچھن ستتی پریکتے تت دیوتم منتر بھوتی"

یعنی مال اور اولاد کی خواہش سے رشیوں کے ذریعہ سے جس دیوتا کی جو تعریف کی گئی وہ منتر ہوئی۔

وید سوم کے کرانے کے وقت اور آگ وغیرہ عجیب غریب قدرتی طاقتوں کی پوجا کے وقت خوشی اور مختلف کاموں کے وقت جو (منتر) رشیوں کی زندگی سے تعلق رکھتے تھے پڑھے اور گائے جاتے تھے۔ اور پیڑیوں تک اسی طرح محفوظ رہے۔ آہستہ آہستہ وہ اتنے زیادہ ہو گئے کہ انہیں یاد رکھنا مشکل ہو گیا اس لئے بعد میں انہیں مجموعہ کی صورت دی گئی۔

ممکن ہے ہمارے جواب اور پنڈت ستیہ برت وغیرہ کی محررہ بالا شہادتوں (اور ان میں دیئے گئے وید شاستروں کے پرمانوں) کو پڑھکر بھی سماجی دوست سر ہلا دیں اور جواب میں اپنے سوامی سے سُنا سُنایا فقرہ رٹ دیں کہ وید کے سوکتوں کے شروع میں جن رشیوں کے نام لکھے ہیں وہ وید کے مصنف نہ تھے بلکہ یہ وہ لوگ تھے جن پر ان سوکتوں کے معنے ظاہر ہوئے یعنی وہ مصنف نہیں بلکہ شارح تھے لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ انکے اس جواب میں کوئی جان نہیں اور نہ ہی عقل اسے قبول کرتی ہے کیونکہ یہ بالکل مہمل سی بات ہے جو اپنے اندر کچھ بھی وزن نہیں رکھتی کیونکہ اس پوچ اور بے معنی جواب پر کئی زبردست سے زبردست سوال پیدا ہوتے ہیں جنکا جواب ممبران سماج کے حیطۂ قدرت میں نہیں۔

چونکہ ان کا ذکر اس جگہ مشکل ہے اس لئے ان میں سے بعض کو اگلے نمبر میں پیش کریں گے۔ اور ساتھ ہی ان کے ویدک رشیوں اور خود ویدہی کی اندرونی شہادتوں سے بفضلہ تعالیٰ ثابت کر دینگے کہ موجودہ وید الہٰی گیان نہیں، بلکہ مختلف رشیوں کی تصنیف ہیں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ؎

(بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپوا کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ اُردو

ریویو آف ریلیجنز (قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

مدیر

رحمت اللہ خان شاکر

1945

بابت ماہ محرم و صفر و ربیع الاول ۱۳۶۵ھ سنہ ۔ مطابق ماہ دسمبر، جنوری، فروری سنہ ۱۹۴۶ء

ماہ فتح، صلح، تبلیغ ۱۳۲۵ سنہ ہش

جلد — عدد ۱۲

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرون ہند تین روپے اور بیرون ہند چار روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپیہ لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ واری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے۔ بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اسکے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چوالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چون روپے	نوے روپے

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۵ | ماہ محرم صفر ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ دسمبر جنوری فروری ۱۹۴۶ء | عدد ۱۲ / ۱، ۲

فہرست مضامین

ڈاکٹر برق صاحب ایم۔اے پی ایچ ڈی کے اعتراضات کے جواب

(از جناب مولوی عطاء محمد صاحب)

ہمارے سامنے نام نہاد اُمتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار رسالہ البیان بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۲ء ہے۔جس میں ایک صاحب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی کا ایک مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق شائع ہوا ہے۔اگر برق صاحب حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کر کے دیانتداری سے جو اعتراضات ان کتابوں کے مضامین یا تحریرات پر ان کو پیش آتے انہیں نیک نیتی سے پیش کرتے تو ہمیں اس پر نہ صرف یہ کہ کوئی گلہ نہ ہوتا بلکہ گونہ خوشی ہوتی، اور ہم برق صاحب کی اس محنت کشی کے ممنون ہوتے۔ مگر کس قدر رنج واندوہ کا مقام ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بجائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کا خود مطالعہ کرنے کے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایسے ناکام اور نامراد دشمن کی معاندانہ تحریرات کو سامنے رکھکر ہی لوگوں کو احمدیت اور بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متنفر کرنیکی کوشش کی ہے۔اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آپ نے بڑی بے باکی کے ساتھ غلط بیانی اور تلبیس سے کام لیا ہے۔جو نہایت ہی قابلِ افسوس امر ہے۔البیان کے ایڈیٹر صاحب نے اس مضمون کو رسالہ میں درج کرتے ہوئے جس غیر ذمہ واری کا ثبوت دیا ہے وہ اور بھی زیادہ افسوس کے قابل ہے۔ہم انہیں نیک نیتی سے مشورہ دیتے ہیں کہ بلا تحقیق مضامین درج کرنے سے پرہیز کیا کریں۔اس مختصر تمہید کے بعد ہم برق صاحب کے اعتراضات کا ایک ایک کر کے جواب دیتے ہیں لیکن صرف ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں جن کے حوالجات مل سکے ہیں۔جن اعتراضات کے حوالہ جات باوجود کوشش کے نہیں مل سکے ان کے جوابات نہیں دیئے جا سکے۔اگر صحیح حوالجات البیان میں شائع کر دیئے گئے تو ان کے جوابات بھی انشاء اللہ العزیز پیش کر دیئے جائینگے۔

برق صاحب رسالہ البیان کے صلا پر تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "مرزا صاحب نے اپنی تحریرات میں انگریزوں کو بار بار دجّال کہا ہے" اسکے ثبوت میں

ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نے چند ایک نا مکمل فقرات ازالۂ اوہام میں سے پیش کرکے لکھا ہے۔

"احادیث کی رو سے مسیح موعود کا ایک کارنامہ قتلِ دجّال بھی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مسیح نے اس دجّال کو کس طرح قتل کیا۔ ازالۂ اوہام اٹھا کر دیکھیئے ص۴۵ پر یہ ارشاد ملے گا۔ "عہد انگریز اور عہد نوح علیہ السلام برابر ہیں۔ انگریز نوح علیہ السلام کے مثیل ہیں۔" (البیان ص۱۱)

اور اس سے بزعم خود جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے:۔

"یعنی دجّال کو بیک گردشِ قلم مثیل نوح بنا دیا۔ آپ کا فرض تو تھا قتلِ دجّال لیکن معروف ہیں مدحِ دجّال میں۔ یہ ہے اعجاز نبوت۔"

اس حوالہ اور نیز آئندہ آنے والے تمام حوالہ جات میں ناظرین یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ برق صاحب حوالہ کی عبارت کو Inverted Commas کے درمیان رکھ کر لوگوں پر ظاہر تو یہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ عبارت کتاب میں اسی طرح لکھی ہوئی ہے۔ تا سادہ لوح اور کم علم لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق دل میں بدظنی کو جگہ دیکر حضورؑ سے متنفر ہو جائیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اوّل خیانتِ مجرمانہ سے کام لے کر حضورؑ کی عبارت میں تحریف کرتے ہیں اور پھر اس کا ایک خود ساختہ مطلب بیان کرتے ہیں جو منشائے متکلم کے صریح برخلاف ہوتا ہے۔ اور اپنی اس ساری مفتریانہ کارروائی کو حضورؑ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

کسی کی تحریر یا تقریر کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے دو ہی طریق ہیں (۱) اس کی تقریر یا تحریر کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ اس صورت میں Inverted Commas کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ (۲) دوسرا طریق یہ ہے کہ اس شخص کے اصل الفاظ لوگوں تک پہنچائے جائیں۔ اس صورت میں اس کی تقریر یا تحریر کے اصل الفاظ بغیر کسی کمی بیشی کے Inverted Commas کے درمیان رکھ دیئے جاتے ہیں۔ اس اصل کو مدنظر رکھ کر ہم برق صاحب کے مندرجہ بالا حوالہ کی عبارت اصل کتاب میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں ازالۂ اوہام کے ص۴۵ پر یہ تحریر ملتی ہے حضورؑ ان علامات کا جو بطور استعارہ مسیح نے اپنے آنے کی بیان کی ہیں ذکر کرتے ہوئے اور نیز سورۂ زلزال کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس وقت نہ لڑائیاں ہوں گی اور نہ عامۂ خلائق کے امن اور عافیت میں خلل ہوگا۔

کیونکہ نوح کے زمانہ کی طرح ایک امن بخش گورنمنٹ کے تحت میں وہ لوگ زندگی بسر کرتے ہوں گے جن میں مسیح موعود نازل ہوگا ..... پس اس مبارک گورنمنٹ کے زمانہ کو اگر اس امن کے زمانہ سے مشابہت دیں جو حضرت نوح کے زمانہ میں تھا تو یہ زمانہ بلاشبہ اس کا مثیل غالب ہوگا۔" (ازالۂ اوہام ص)

امید ہے کہ ہمارے ناظرین نے بخوبی معلوم کر لیا ہوگا کہ برق صاحب نے دجال کو نوح علیہ السلام کا مثیل قرار دینے اور اس کی مدح کرنے کا جو بہتان حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لگایا تھا وہ بالکل بے بنیاد اور از سر تا پا غلط تھا۔ حضورؑ دجال کو نوح علیہ السلام کا نہیں بلکہ نزول مسیح کے زمانہ کو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ:۔

"دوسری علامت خاصہ یہ ہے کہ جب مسیح موعود آئے گا تو صلیب کو توڑے گا اور خنزیروں کو قتل کرے گا اور دجال یک چشم کو قتل کر ڈالے گا اور جس کافر تک اسکے دم کی ہوا پہنچے گی وہ فی الفور مر جائے گا۔ سو اس علامت کی اصل حقیقت جو روحانی طور پر مراد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ مسیح دنیا میں آکر صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالے گا۔ اور ان لوگوں کو جن میں خنزیروں کی بے حیائی اور خوکوں کی بے شرمی اور نجاست خوری ہے ان پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کرے گا۔ اور وہ لوگ جو صرف دنیا کی آنکھ رکھتے ہیں مگر دین کی آنکھ بکلی ندارد بلکہ ایک بدنما ٹینٹ نکلا ہوا ہے ان کو بیّن حجتوں کی سیف قاطعہ سے ملزم کر کے ان کی منکرانہ ہستی کا خاتمہ کر دے گا۔"

اس حوالہ پر برق صاحب ایک خیالی عمارت تعمیر کرتے ہیں:۔

"عیسائیت کا عروج سلطنت کا رہین منت ہے۔ اگر آج عیسائی طاقتوں سے (مسلمانوں کی طرح) سلطنت چھین لی جاوے تو معاً اس مذہب کی شان و شوکت مٹ جائے .... مرزا صاحبؑ کا پہلا فرض یہ تھا کہ دجال (انگریز) کی سلطنت کا خاتمہ کرتے۔ اس سے کم از کم ہندوستان میں تو عیسائیت کا خاتمہ ہو جاتا لیکن مرزا صاحب نے کیا کیا ملاحظہ ہو ازالۂ اوہام ص ۱۳۲ ہم پا ور ہماری ذریت پر انگریزوں کی وفاداری

فرض ہے"

اس کے جواب میں واضح ہو کہ اسلام میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم کی راہ نہیں کہ دین کے لئے لوگوں پر جبر کیا جاوے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ یعنی چونکہ ہدایت اور گمراہی متمیز ہو چکی ہیں اس لئے دین میں کوئی جبر نہیں۔ پھر فرمایا من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ کہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کردے۔

پس ان نصوص بینہ کی موجودگی میں دین کے لئے انگریزوں پر جبر کرنا بالخصوص ایسی صورت میں کہ وہ ہمارے دینی فرائض کی سرانجام دہی میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتے سراسر ظلم ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جس قسم کا غلبہ مقدر ہے وہ جیسا کہ مندرجہ بالا حوالہ سے ظاہر ہے غلبۂ جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ حضور نے دین اسلام کی برتری دنیا بھر کے تمام دینوں پر عموماً اور مسیحی مذہب پر خصوصاً ایسے طریق سے ثابت کردی ہے کہ قیامت تک کے لئے عیسٰے پرستی اور تثلیث اور کفارہ کو موت کی نیند سلا دیا ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو کسی بڑے سے بڑے پادری کے پاس تشریف لے جائیں اور اُسے صرف اتنا کہیں کہ میں احمدی ہوں اور آپ سے مذہبی گفتگو کرنا چاہتا ہوں، اگر وہ بطیب خاطر اس کے لئے تیار ہو جائے یا تیار ہونے کے بعد کوئی معقول جواب دے سکے تو بے شک آپ کو اعتراض کا حق ہے۔

پھر برق صاحب ازالۂ اوہام صفحہ ۱۳۳ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"ہم پر اور ہماری ذریت پر گورنمنٹ کی وفاداری فرض ہے"۔

اس کا سب سے پہلا جواب لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ازالۂ اوہام صفحہ ۱۳۲ پر حضور کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"اور وہ تلخی اور مرارت جو سکھوں کے عہد میں ہم نے اٹھائی تھی گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ آکر ہم سب بھول گئے۔ اور ہم پر اور ہماری ذریت پر فرض ہو گیا کہ اس مبارک گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکر گزار رہیں"

ناظرین غور فرمائیں کہ کیا شکر گزاری اور وفاداری دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اور کیا محسن کی شکر گزاری اسلام کی تعلیم میں داخل ہے یا نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام

پر اپنی تکالیف کا اظہار فرمار ہے ہیں جو سکھوں کی چندروزہ حکومت کے ہاتھوں لوگوں کو پہنچ چکی تھیں اور جن کا شکار حضور کا خاندان بھی ہوا۔اس سکھا شاہی کے بعد جب انگریزوں کی پرامن گورنمنٹ آئی تو ہر شریف انسان پر اُن کی شکر گزاری واجب ہوگئی۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنانہ رنگ میں انگریزی حکومت کا شکریہ دل سے بھی ادا کرتے ہیں اور زبان سے بھی اور جوارح سے بھی۔مگر ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب دل سے شکر تو کر نہیں سکتے،زبان سے کرنیکو ان کا دل نہیں چاہتا۔اور باقی رہے جوارح۔تو جوارح کا شکر یا حکومت کا ڈنڈا ان سے کروا رہا ہے یا ہوائے نفسانی۔کیونکہ آخر دجال کی تمام ایجادوں سے آپ علی قدر استطاعت فائدہ اٹھا رہے ہیں۔پانی کے نلکے۔کپڑوں کی مشینیں۔سائیکل۔موٹر۔ریل۔ہوائی جہاز۔تار۔ٹیلیفون اور دیگر ہزارہا قسم کی چیزیں جو شہری زندگی کا ایک جزو لاینفک ہوگئی ہیں،ان سب سے آپ مستفید ہو رہے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ شکر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو نعمت اللہ تعالےٰ یا کسی انسان کی طرف سے انسان کو ملے وہ اس کا مناسب اور برمحل استعمال بھی کرے۔کیا اس صورت میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ انگریز کے شکر گزار نہیں ہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔مگر چونکہ یہ شکر مجبوری کا ہے اس لئے شکر گزاری میں داخل نہیں۔ہاں جو دل سے ان نعمتوں کی قدر کرتا ہے وہ دل سے ان کا شکر گزار بھی ہے۔اور شکر گزاری ایک اعلیٰ اخلاقی صفت ہے نہ کہ قابلِ اعتراض۔

پھر آپ لکھتے ہیں:-

"پھر اسی کتاب (ازالہ اوہام) کے صفحہ پر ارشاد ہوتا ہے" ہم مکہ و مدینہ میں اتنے آسودہ حال نہیں جتنے گورنمنٹ (یعنی دجال) کے زیر سایہ ہیں۔رسول اللہ صلعم کا زمانہ اتنا پُرامن نہیں تھا۔بالفاظ دیگر لندن مکے اور مدینے سے زیادہ پُرامن ہے۔اور دجال کا زمانہ عہد رسول سے زیادہ بابرکت ہے۔"

یہ حوالہ بھی آپ کی قطع و برید کا آئینہ دار ہے۔اصل حوالہ یہ ہے:-

"میرا یہ دعویٰ ہے کہ تمام دُنیا میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرح کوئی دوسری ایسی گورنمنٹ نہیں جس نے زمین پر ایسا امن قائم کیا ہو۔میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ ہم پوری آزادی سے اس گورنمنٹ کے تحت میں اشاعت حق کر سکتے ہیں یہ خدمت ہم مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بھی ہرگز بجا نہیں لاسکتے۔اگر یہ امن اور آزادی

اور بے تعصبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت عرب میں ہوتی تو وہ لوگ ہرگز تلوار سے ہلاک نہ کئے جاتے۔ اگر یہ امن اور آزادی اور بے تعصبی اس وقت کے قیصر اور کسریٰ کی گورنمنٹوں میں ہوتی تو وہ بادشاہتیں ابتک قائم رہتیں۔"

ظاہر ہے کہ اس میں اعتراض کی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ صرف عبارت کو بگاڑ کر برق صاحب نے اعتراض کی گنجائش نکالی ہے۔

پھر برق صاحب لکھتے ہیں:-

"ایک مزے کی بات سنیئے۔ ازالہ اوہام ص۲۳ پر فرماتے ہیں "میرا فریق مخالف کاذب و کافر نہیں بلکہ مسلم مخلص ہے" مطلب یہ کہ مسیح موعود کا منکر تو کافر نہیں لیکن دجال کے مخالف کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں۔ فرماتے ہیں "گورنمنٹ کا مخالف بڑا گنہ گار ظالم اور خبیث ہے" (ازالہ اوہام ص۵۰۹)

ہم ناظرین کی آگاہی کے لئے ازالہ اوہام سے اصل حوالہ درج کرتے ہیں اور بمنت درخواست کرتے ہیں کہ وہ غور فرمائیں کہ ہمارے مخالف کس طرح بددیانتی سے کام لیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ اور چونکہ مباہلہ میں ضروری ہوتا ہے کہ فریقین ایک دوسرے پر ملاعنہ کریں۔ یعنی لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہیں۔ لہٰذا اس کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ فریقین ایک دوسرے کے خیالات سے بخوبی واقف ہوں۔ اور فریق مخالف دانستہ حق کی مخالفت کی وجہ سے کذب کا مرتکب ہو۔ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ تب ملاعنہ جائز ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی وسعت رحمتی کل شیء کا پہلو نمایاں ہے جب تک پوری طرح اتمام حجت نہ ہو جائے اور ضد سے انسان کذب پر کمربستہ نہ ہو عذاب الٰہی کا انسان مستحق ہی نہیں ٹھہرتا۔ اور اگر غلط فہمی کی حالت میں مباہلہ کیا جاوے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی ہدایت منظور ہے نہ کہ خواہ مخواہ انہیں ہلاک کرنا اس لئے ایسے مباہلہ کا اثر ہی ظاہر نہیں ہوتا۔

اب آپ اصل حوالہ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ اس میں کونسی بات قابلِ اعتراض ہے۔ برق صاحب کے عداوت میں اندھا ہونے کی یہ بھی ایک بیّن دلیل ہے کہ آپ نے آنکھیں بند کرکے مخالف کی کتاب سے حوالے نقل کر دیئے ہیں اصل کتاب دیکھنے کی تکلیف گوارا ہی نہیں

فرمائی۔ ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ حوالہ ص۲۳۷ پر نہیں بلکہ ص۶۳۷ پر ہے۔ حضرت اقدس ؑ کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔

"ناظرین پر واضح رہے کہ میاں عبد الحق نے مباہلہ کی بھی درخواست کی تھی۔ لیکن اب تک میں سمجھ نہیں سکتا کہ ایسے اختلافی مسائل میں جن کی وجہ سے کوئی فریق کافر یا ظالم نہیں ٹھہر سکتا کیونکر مباہلہ جائز ہے۔ قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ مباہلہ میں دونوں فریق کا اس بات پر یقین چاہیئے کہ فریق مخالف میرا کاذب ہے یعنی عمداً سچائی سے روگرداں ہے۔ مخطی نہیں ہے۔ تا ہر ایک فریق لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہہ سکے۔ اب اگر میاں عبد الحق اپنے قصور فہم کی وجہ سے مجھے کاذب خیال کرتے ہیں لیکن میں انہیں کاذب نہیں کہتا بلکہ مخطی جانتا ہوں اور مخطی مسلمان پر لعنت جائز نہیں۔ کیا بجائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین یہ کہنا جائز ہے کہ لعنۃ اللہ علی المخطئین۔ کوئی مجھے سمجھا دے کہ اگر میں مباہلہ میں فریق مخالف پر لعنت کروں تو کس طور سے کروں۔ اگر میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہوں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ میں اپنے مخالفین کو کاذب تو نہیں سمجھتا۔ بلکہ ماؤل مخطی سمجھتا ہوں۔ جو نصوص کو ان کے ظاہر سے پھیر کر بلا قیام قرینہ باطن کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور کذب اسی شے کا نام ہے جو عمداً اپنے بیان میں اس یقین کی مخالفت کی جاوے جو دل میں حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ آج مجھے روزہ ہے۔ اور خوب جانتا ہے کہ ابھی میں روٹی کھا کے آیا ہوں تو یہ شخص کاذب ہے۔ غرض کذب اور چیز ہے اور خطا اور چیز۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاذبوں پر لعنت کرو۔"

اب ناظرین خود ہی غور فرمائیں کہ یہ کس قسم کی عداوت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اپنے مخالفوں کو مسلم مخطی سمجھ کر ان سے مباہلہ نہیں کرتے اور تقوی اللہ سے کام لے کر ان کی ہلاکت کے درپے نہیں ہوتے مگر برق صاحب پھر بھی ان سے ناراض ہیں کہ مباہلہ کیوں نہیں کرتے۔ اور مسلمانوں پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

دوسرا حوالہ جس کے متعلق برق صاحب کو شکایت ہے کہ مرزا صاحب ؑ دجال کے مخالف کو

معاف کرنے کے لئے تیار نہیں۔ فرماتے ہیں "گورنمنٹ کا مخالف بڑا گنہ گار ظالم اور خبیث ہے"

اِس میں بھی گورنمنٹ کی عام مخالفت مراد نہیں بلکہ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"بموجب تعلیم اسلام (جس کی پیروی اس گروہ کا عین مدعا ہے) حقوق عباد کے متعلق اس سے بڑھ کر کوئی گناہ کی بات اور خبث اور ظلم اور پلید۔ اہ نہیں کہ انسان جس سلطنت کے زیر سایہ بامن و عافیت زندگی بسر کرے اور اس کی حمایت سے اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں بآزادی کوشش کر سکے اسی کا بدخواہ اور بداندیش ہو۔ بلکہ جب تک ایسی گورنمنٹ کا شکرگزار نہ ہو تب تک خدا تعالےٰ کا بھی شکرگزار نہیں"

ظاہر ہے کہ حضورؑ جس امر کو معاف کرنا نہیں چاہتے وہ ایسی گورنمنٹ کی بدخواہی اور بداندیشی ہے جس کے سایہ میں انسان امن و امان سے اپنے دینی دنیوی مقاصد کو آزادی سے حاصل کر رہا ہو۔ اور اگر برق صاحب کو یہ بات بُری لگتی ہے تو یہ معافی یا عدم معافی کا سوال تو حضورؑ کے پیروؤں تک محدود ہے آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے آپ بے شک گورنمنٹ سے مقابلہ کریں۔

برق صاحب البیان کے ص۱۲۰ پر لکھتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ چند علماء نے کسی معاملے پر "دجّال" (حکومت) کی مخالفت کی۔ اس پر حضرت مسیح کو جو غصہ آیا تو زہریلے ناگ کی طرح اُبھر کر یوں پھنکارنے لگے۔ "گورنمنٹ (دجّال) کی مخالفت سخت معصیت کبیرہ۔ حرام اور مکروہ بدکاری ہے ان مولویوں نے قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ (یعنی دجّال) پر حملہ کر دیا" (ازالہ صفحہ ۲۷۳-۲۷۴)

اس جگہ برق صاحب نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیکر جس معاملہ میں چند علماء کے دجّال کی مخالفت کرنے کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ۱۸۵۷ء کا غدر ہے۔ اور علماء سے مراد وہ علماء ہیں جنہوں نے قائم شدہ گورنمنٹ کے برخلاف علم بغاوت بلند کیا اور انگریزوں کے معصوم بچوں اور انکی بے گناہ عورتوں کے قتل کے فتوے صادر کئے اور یہانتک ظلم و تعدّی سے کام لیا۔ کہ بلکتی ہوئی عورتوں اور ترستے ہوئے بچوں کو پانی کا گھونٹ تک نہ دیا۔ جو شخص ان وحشی اور درندوں کا نام علماء رکھے اور مسلح بغاوت کو معمولی مخالفت قرار دے اُس سے کسی نیکی کی امید کتنا تحصیلِ حاصل ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب ازالہ اوہام میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صفحہ ۷۲۳-۷۲۴ پر فرماتے ہیں :-

"۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بجز بد چلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا۔ جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا تھا۔ انہیں ایام میں انہوں نے ایک ناجائز اور ناگوار طریقہ سے سرکار انگریزی سے باوجود نمک خوارگی اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا۔ حالانکہ ایسا مقابلہ اور ایسا جہاد ان کے لئے شرعاً جائز نہ تھا۔ کیونکہ وہ اسی گورنمنٹ کی رعیّت اور ان کے زیر سایہ تھے۔ اور رعیت کا اس گورنمنٹ کے مقابل پر سر اٹھانا جس کی وہ رعیت ہے اور جس کے زیر سایہ امن اور آزادگی سے زندگی بسر کرتی ہے سخت حرام اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے۔ جب ہم ۱۸۵۷ء کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتووں پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے عام طور پر مُہریں لگا دی تھیں جو انگریزوں کو قتل کر دینا چاہیئے۔ تو ہم بحرِ ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جن میں نہ رحم تھا نہ عقل تھی۔ نہ اخلاق نہ انصاف۔ ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔ ننھے ننھے بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کیا اور نہایت بے رحمی سے ان کو پانی تک نہ دیا۔

کیا یہ حقیقی اسلام تھا یا یہودیوں کی خصلت تھی۔ کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایسے جہاد کا کسی جگہ حکم دیا ہے؟"

برقی صاحب لکھتے ہیں :-

"قرآن حکیم میں کتب علیکم القتال الخ کی نص صریح کے رو سے مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ لیکن مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں "دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال" کون سچا ہے خدا، مرزا صاحبؑ یا عرشی صاحب جو مرزا صاحبؑ کو جھوٹا نہیں سمجھتے"۔ (البیان صد۱۳)

اس کے متعلق سب سے پہلا اور الزامی جواب تو یہ ہے کہ مرزا صاحبؑ نے اگر جنگ اور قتال حرام کیا ہے تو اپنے ماننے والوں پر حرام کیا ہے جن کے لئے آپ کا ہر قول وفعل حجت ہے

مگر آپ کے لئے تو مرزا صاحب کا قول حجت نہیں۔ آپ لوگ گھروں میں بیٹھے کیا کر رہے ہیں بڑی خوشی سے جہاد پر تشریف لے جایئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مسلمان طبعاً قتال وجدال پسند نہیں ہوتا۔ اور اس کی سب سے بڑی مسرت یاد الٰہی میں ہوتی ہے جو امن کے زمانہ میں ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جس آیت کا آپ نے نصف سے بھی کم ٹکڑا نقل کر کے جہاد فرض قرار دیا ہے وہ ساری آیت یوں ہے۔

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسٰی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسٰی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون ٥

یعنی قتال تم پر فرض کیا گیا ہے ایسی حالت میں کہ تم اُسے ناپسند کرتے ہو۔ اور قریب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو مگر وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور قریب ہے کہ ایک چیز کو تم پسند کرو لیکن وہ تمہارے لئے شر کا موجب ہو۔ اور اللہ تعالےٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"

(بقرہ آیت ۲۱۷)

مطلب اس آیت شریف کا یہ ہے کہ آج مسلمانوں پر ایک ضرورت کے ماتحت لڑائی فرض کی گئی ہے مگر مومن اپنی طبعی امن پسندی کی وجہ سے اسے ناپسند کرتے ہیں۔ حالانکہ قتال کرنا اُنکے لئے مفید ہے۔ مگر ایک زمانہ آئے گا جب مسلمان جہاد کرنا چاہیں گے لیکن طاقت نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کرنا ان کے لئے سخت مضر ہوگا۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ جہاد کب کرنا ہے اور کب نہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور اپنے وقت پر ہی ہر چیز اچھی ہوتی ہے۔ روزے فرض ہیں۔ کیا مسلمان سارا سال روزے ہی رکھتے رہتے ہیں۔ نماز فرض ہے۔ کیا ہر وقت مسلمان نمازیں ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ کلوا واشربوا کا حکم ہے مگر کیا ہر وقت مسلمان کھاتے پیتے ہی رہتے ہیں۔ کیا طلوع وغروب آفتاب اور عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اگر کوئی اس وقت نماز پڑھنے والے کو نماز سے منع کرے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے نماز کا حکم منسوخ کر دیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہوگا کہ یہ وقت نماز کا نہیں۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا کہ جہاد کا حکم منسوخ ہو گیا ہے بلکہ حضور فرماتے ہیں "دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال"

یعنی یہ زمانہ تلوار کے جہاد کا نہیں۔ کیوں؟ اس کی وجہ بھی حضورؐ ہی سے سُنئیے ؎

فرما چکا ہے سیّدِ کونین مصطفٰےؐ ÷ عیسٰے مسیح جنگوں کا کردے گا التوا[۱]
جب آئے گا تو صلح کو وہ ساتھ لائیگا ÷ جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا
پیویں گے ایک گھاٹ پہ شیر اور گوسپند ÷ کھیلیں گے بچے سانپوں سے بے خوف بے گزند
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا ÷ بھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا
یہ حکم سُن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا ÷ وہ دشمنوں سے سخت ہزیمت اٹھائیگا

ظاہر ہے خود نشاں کہ زماں وہ زماں نہیں ÷ اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں
اب تم میں خود وہ قوت و طاقت نہیں رہی ÷ وہ سلطنت وہ رعب وہ شوکت نہیں رہی
وہ نام وہ نمود وہ دولت نہیں رہی ÷ وہ عزم مقبلانہ وہ ہمت نہیں رہی
وہ علم وہ صلاح وہ عفت نہیں رہی ÷ وہ نور اور وہ چاندسی طلعت نہیں رہی
وہ درد وہ گداز وہ رقت نہیں رہی ÷ خلقِ خدا پہ شفقت و رحمت نہیں رہی

اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی ÷ بھید اس میں ہے یہی کہ وہ حاجت نہیں رہی
اب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے ÷ کرتی نہیں ہے منع صلوٰۃ اور صوم سے
ہاں آپ تم نے چھوڑ دیا دیں کی راہ کو ÷ عادت میں اپنی کرلیا فسق و گناہ کو

تقویٰ کے جتنے جامے تھے سب چاک ہوگئے ÷ جتنے خیال دل میں تھے ناپاک ہوگئے
کچھ کچھ جو نیک مرد تھے وہ خاک ہوگئے ÷ باقی جو تھے وہ ظالم و سفاک ہوگئے

اور چوتھا جواب یہ ہے کہ تلوار کے جہاد کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاد اصغر فرمایا ہے اور اصلاحِ نفس کے جہاد کو جہاد اکبر۔ چنانچہ حضورؐ فرماتے ہیں رجعنا من الجهاد الاصغر

---

[۱] جو چیز ملتوی کی جاتی ہے کیا وہ منسوخ ہوجاتی ہے؟ التوا کے معنی ایک چیز کو کسی دوسرے وقت پر اُٹھا رکھنا ہیں۔ پھر جہاد منسوخ کیسے ہوگیا۔

الی الجہاد الاکبر۔

قرآن کریم نے بھی تبلیغ اور اصلاحِ نفس کے جہاد کو جہاد کبیر قرار دیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے جاھد بہ جھاداً کبیراً۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام موجودہ زمانہ کے جہاد میں قلمی، لسانی، جانی، مالی ہر رنگ میں حصہ لے رہے ہیں۔ اور نہ صرف خود اس پر دل وجان سے عمل پیرا ہیں بلکہ اپنے ماننے والوں سے بھی اس پر عمل کروا رہے ہیں۔ اور آپ لوگ صرف دماغی عیش کے لئے اس قسم کی زبانی بحثیں چھیڑتے ہیں۔ عملی رنگ میں اگر آپ سے آج اس آسان سے آسان جہاد کا بھی مطالبہ کیا جاوے تو ننانوے فیصدی وہ لوگ نکلیں گے جو برملا کہدیں اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔

پس ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب کو بغور سُننا چاہئے کہ خدا بھی سچا ہے اور خدا کا رسولؐ بھی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی۔ اور بفحوائے من جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون عرشی صاحب بھی سچے ہیں۔ اور اگر کوئی جھوٹا ہے تو وہ وہی ہے جس کے جھوٹ پر اس کا عمل گواہی دے رہا ہے۔

قرآن کریم نے تلوار کے جہاد کی جن لوگوں کو اجازت دی تھی اور جن حالات میں اجازت دی تھی اس کا ذکر خود قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ فرماتا ہے:۔

اُذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وانّ اللہ علیٰ نصرھم لقدیرہ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حقٍّ الّا ان یّقولوا ربّنا اللہ۔ ولولا دفع اللہ النّاس بعضھم لبعضٍ لّھدّمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً ولینصرنّ اللہ من یّنصرہٗ انّ اللہ لقویٌّ عزیز۔ (حج ع ۶)

پھر فرمایا:۔

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرّجال والنّساء والولدان الّذین یقولون ربّنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظّالم اھلھا۔ واجعل لّنا من لّدنک ولیًّا واجعل لّنا من لّدنک نصیراً ۵ (نساء ع ۱۰)

پھر فرمایا:۔

الا تقاتلون قومًا نکثوا ایمانھم وھمّوا باخراج الرّسول وھم بدؤکم اوّل مرّۃ اتخشونھم فاللّٰہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین ۵

امید ہے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جنگ اور قتال کن لوگوں سے اور کن حالات میں جائز اور فرض قرار دی گئی ہے۔ جب تک یہ حالات پیدا نہ ہو جائیں عقل اور نقل ہر دو کی رو سے قتال حرام ہے۔

اور یہ بھی تو خیال فرمائیں کہ آپ کے ہاتھ میں تو لاٹھی بھی نہیں اور جن لوگوں سے آپ برسرِ پیکار ہونا چاہتے ہیں ان کے پاس بندوقیں ہیں، توپیں ہیں، ہوائی جہاز ہیں، ٹینک ہیں، مشین گنیں ہیں، زہریلی گیسیں ہیں اور ہر قسم کے تباہی مچانے والے بم ہیں۔ اور آجکل تو ان کے پاس ایٹم بم ہے جس کے مقابلہ میں یہ ساری چیزیں بیکار ہو گئی ہیں۔ جرمن اور جاپان جیسی منظم اور ترقی یافتہ سلطنتیں ان کا مقابلہ نہ کر سکیں تو آپ نہتے ہو کر جو جہاد جہاد کی رٹ لگا رہے ہیں یہ دماغی عیش نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر برق صاحب ملا کے ماتحت حضرت اقدسؑ کی حسب ذیل تحریر شہادت القرآن سے پیش کرتے ہیں:۔

"خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی ھذا خلیفۃ اللّٰہ المھدی۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ کہلاتی ہے۔ (شہادۃ القرآن ملا)"

اور اس پر مندرجہ ذیل اعتراض کرتے ہیں:۔

"اٹھائیے بخاری اور اوّل سے آخر تک دیکھ جائیے۔ کہیں یہ حدیث نہیں ملے گی۔ اگر عرشی صاحب فرمائیں کہ یہ حدیث بخاری میں تو نہیں فلاں کتاب میں موجود ہے اور مرزا صاحبؑ کے حافظے نے غلطی کھائی تو پھر ہم اور عرشی صاحب متفق ہو گئے کہ دروغگو را حافظہ نباشد"

۱۔ یہ اعتراض ظاہر کرتا ہے کہ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقصد ان اعتراضات سے نہ عرشی صاحب تک حق پہنچانا ہے اور نہ خود حق پانا بلکہ بندگانِ خدا کو راہِ حق سے

بھگانا اور یا ان کی ناحق دلآزاری کر کے بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ ورنہ پڑھے لکھے آدمی سے سبقتِ قلم کا ارتکاب ہو جانا بالکل معمولی بات ہے۔ اور پھر حضرت اقدسؑ کے متعلق تو برق صاحب کا خود اقرار موجود ہے کہ آپؑ اسی بیاسی کتب کے مصنف ہیں۔ ایسے انسان سے اتنی خفیف سی فروگذاشت ہرگز اس قابل نہیں کہ اس پر گرفت کی جاسکے یا دروغگوئی جیسے مکروہ فعل کا اُسے مرتکب گردانا جائے۔ انسان ہو کر جس کے متعلق الانسان مرکّب من الخطاء والنّسیان کا مقولہ مشہور ہے انسانی خاصہ سے جو سہو و نسیان ہے انکار کرنا اور دوسرے انسانوں کی ایسی معمولی معمولی باتوں میں گرفت کرنا جن میں انسان خود بھی ہزار ہا دفعہ مبتلا ہو جاتا ہے نہ صرف یہ کہ نامناسب ہے بلکہ ایک رنگ میں خدائی کا دعویٰ کرنا ہے۔ کیونکہ انّہ لا یضلّ ربّی ولا ینسٰی اسی کی شان ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دُعا سکھلائی ہے ربّنا لا تؤاخذنا ان نّسینا او اخطأنا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کی شہادت موجود ہے کہ فنسی ولم نجد لہ عزمًا۔ کہ آدمؑ بھول گیا لیکن ہم نے اس بھول چوک میں اس کا ارادہ نہیں پایا۔

اس جگہ موقع اور مقام کی مناسبت کے لحاظ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برق صاحب کی واقفیت کے لئے ہم ایک فقہی مسئلہ بھی بیان کر دیں۔ اور وہ یہ ہے کہ کوئی فعل اُس وقت تک قابلِ گرفت نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ علم اور ارادہ شامل نہ ہو۔ مثال سنیئے۔ رمضان کا مہینہ ہے۔ ایک شخص روزہ دار ہے۔ بھول کر کھانا کھانے بیٹھ گیا یا پانی یا کوئی اور نوشیدنی چیز پی لی۔ اب اس کی تین صورتیں ہیں۔ اگر مجرّد فعل ہے نہ روزہ کا علم ہے اور نہ روزہ توڑنے کا ارادہ تو یہ کھانا پینا موجب ثواب بھی ہوگا اور روزہ بھی قائم رہے گا۔

اگر علم ہے اور ارادہ نہیں یعنی اسے معلوم ہے کہ روزہ دار ہوں پھر وضو کرتے ہوئے بلا ارادہ پانی حلق سے نیچے اُتر گیا ہے تو صرف روزہ کی قضاء لازم آئے گی۔ لیکن اگر علم کے ساتھ ارادہ بھی شامل ہو جائے، علم ہو کر روزہ رکھا ہؤا ہے مگر بھوک پیاس کی برداشت نہ کرتے ہوئے ارادۃً کھانا کھالے یا پانی پی لے تو غلام آزاد کرنے یا ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلانے یا متواتر ۶۰ روزے رکھنے کی سزا بھی ملے گی۔

اب اگر آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دروغگوئی کا فعل منسوب کرنا چاہتے ہیں

تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ حضورؑ کے اس فعل کے ساتھ علم اور ارادہ کی موجودگی کا ثبوت بھی بہم پہنچائیں۔ جو آپ مر بھی جائیں تو نہیں کر سکتے۔ اور جب نہیں کر سکتے تو مجرد فعل پر تو خدا بھی گرفت نہیں کرتا آپ گرفت کرنے والے کون ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بخاری شریف میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے چار رکعت فرض نماز کی جگہ دو رکعت پڑھائیں۔ ایک صحابی نے جن کا نام ذوالیدین تھا عرض کی انسیت ام قصرت الصلوٰۃ یا رسول اللہ۔ کہ حضورؐ بھول گئے ہیں یا نماز قصر ہوگئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کُلُّ ذالک لم یکن لم انس ولم تُقْصَر۔ کہ نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز قصر ہوئی ہے لیکن جب دوسرے صحابہؓ نے ذوالیدین کی تائید کی تو حضورؐ نے دو رکعت اور پڑھائیں اور سجدۂ سہو بھی فرمایا۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ۔ یعنی ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔ مگر وہی جسے اللہ چاہے گا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے فتی کے متعلق لکھا ہے۔ نسیا حوتھما۔ یعنی دونوں اپنی مچھلی بھول گئے۔

گویا حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان اور اولوالعزم انبیاءؑ بھی اس سے محفوظ نہیں۔ کیا برق صاحب اپنی دریدہ دہانی سے ان انبیاءؑ پر بھی دروغگوئی کا الزام اسی طرح لگانے کے لئے تیار ہیں جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر۔

پھر میں کہتا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انہ لفی زبر الاوّلین کہ قرآن پہلی کتب میں موجود ہے۔ پھر فرمایا انّ ھٰذا لفی الصحف الاولیٰ۔ صحف ابراھیم و موسیٰ۔ کیا برق صاحب وہ صحف ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام پیش کر سکیں گے جن میں یہ سورت بعینہٖ انہیں الفاظ میں موجود ہو۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا آپ اس فتویٰ کی لپیٹ میں اللہ تعالےٰ کو بھی لینے کے لئے تیار ہیں؟

پھر خود برق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے کئی حوالے اپنے اس مضمون میں غلط دیے ہیں۔ کیا آپ اپنے متعلق بھی وہی فتوے صادر کرنے کے لئے تیار ہیں جو آپ نے لاکھوں انسانوں کے واجب الاطاعت امام اور پیشوا کی شان میں صادر کیا ہے۔

پھر برقی صاحب لکھتے ہیں:۔

"تفسیر ثنائی میں درج ہے کہ ابوہریرہؓ فہم قرآن میں ناقص ہے۔ اس کی درایت پر محدثین کو اعتراض ہے (ضمیمہ براہین احمدیہ ص۲۳۵) تفسیر ثنائی میں یہ چیز قطعاً نہیں"

جیساکہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ برقی صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی کتابوں سے اندھادھند حوالے نقل کر دیئے ہیں۔ بطور خود تحقیق کرنے اور ان کتابوں کا ذاتی طور پر مطالعہ کرنے کی تکلیف انہوں نے گوارا نہیں فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔

چنانچہ اس کورانہ تقلید کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ حوالہ میں ضمیمہ براہین احمدیہ ص۲۳۵ لکھ رہے ہیں حالانکہ اس کتاب کے کل صفحات ۲۲۵ ہیں۔ کیا "دروغگو را حافظہ نباشد" کی اس سے بدتر مثال کوئی اور بھی مل سکتی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عدم علم سے عدم شئی لازم نہیں آتا۔ اگر اعتراضات کا شوق ہے تو پہلے علم حاصل کریں۔ یہ چیز تفسیر ثنائی میں ہے اور ضرور ہے۔ آپ پہلے عربی کتب پڑھنے کے لئے عربی زبان سیکھیں پھر کتاب پڑھیں اور پھر اعتراض کریں۔

پھر لکھا ہے:۔

"اذ قال اللہ یعیسیٰ ... ءانت قلت للناس۔ الخ ماضی کا واقعہ ہے (ازالہ ص۶۰۱) قیامت کا واقعہ ہے (کشتی نوح ص۶۹)"

"کس بات کا اعتبار کریں"

اس کا جواب یہ ہے کہ قواعدِ نحویہ کی رو سے تو بلاشبہ ماضی کا واقعہ ہے۔ کیونکہ فعل ماضی ہے اور اِذْ کا حرف صرف ماضی سے خاص ہے۔ لیکن اسلوب قرآنی کے لحاظ سے یہ قیامت کا واقعہ ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں مستقبل کے واقعات کو یقینی الوقوع ثابت کرنے کے لئے ماضی کے صیغہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسے اذا الشمس کوّرت واذا النجوم انکدرت۔ پس آپ اگر عربی زبان میں شُدبُد رکھتے اور قرآن کریم کا صرف ترجمہ ہی جانتے ہیں تو دونوں باتوں پر اعتبار کر سکتے ہیں۔ اور اگر نہیں تو پہلے کسی سے عربی پڑھیں، قرآن کریم کا مطالعہ کریں، پھر شوق سے اعتراض کریں۔ ورنہ اس سے زیادہ قابلِ شرم اور کیا بات ہوگی کہ آپ اپنی لاعلمی کی وجہ سے خواہ مخواہ دوسروں پر اعتراض کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بزرگ بھی ہر دو

احتمالات کے قائل ہیں۔ دیکھئے ترمذی کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ حاشیہ مطبع مجتبائی پر کیا لکھا ہے:۔

"واذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم۔الخ قال فی المدارک الجمہور علیٰ ان ھٰذا السوال یکون فی یوم القیامۃ ولیلہ سیاق الآیۃ وسباقھا وقیل خاطبہ بہ حین رفعہ الی السماء ودلیلہ لفظ اذ"

ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے آیت ءانت قلت للناس کے متعلق تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ جمہور کا یہی خیال ہے کہ یہ سوال قیامت کو ہوگا۔ اور اس کی دلیل آیت کا سیاق و سباق ہے لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سوال مسیح کے رفع کے وقت ہو چکا ہے۔ ان لوگوں کی دلیل لفظ اِذْ ہے (جو ماضی کے لئے آتا ہے)

پھر برق صاحب لکھتے ہیں:۔

(۱) "حضرت مسیح کی عمر ۱۵۳ برس تھی" (تذکرۃ الشہادتین اردو صفحہ ۲۷)

(۲) "حضرت مسیح کی عمر ۱۲۵ برس تھی" (مسیح ہندمیں صفحہ ۵۳)

(۳) "حضرت مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی" (ریویو جلد ۵ صفحہ ۱۸۱)

اور پھر اپنی فطرت کا اظہار بالفاظ ذیل کیا ہے:۔

"مت سمجھئے کہ یہ فقرے کسی مخبوط الحواس انسان کے منہ سے نکلے ہیں بلکہ القادیان کا پیغمبر اعظم بول رہا ہے اور بقائمی حواس خمسہ"

اس کا سب سے پہلا جواب تو لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی عمر ۱۵۳ برس تھی" یہ فقرہ اگر آپ تذکرۃ الشہادتین میں سے نکال کر دکھلادیں تو مبلغ یکصد روپیہ انعام لیں۔ اور اگر نہ دکھلا سکیں اور قیامت تک نہ دکھلا سکیں گے تو پھر اپنی غلط بیانی پر نادم ہوں۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی عمر ایک سو بیس سال اور ایک سو پچیس سال حدیثوں میں لکھی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو مواہب اللدنیہ جلد اول صفحہ ۲۳۲

"عن عائشۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی توفی فیہ لفاطمۃ ان جبریل کان یعارض القرآن فی کل عام مرۃ وانہ عارضنی القرآن مرتین واخبرنی انہ لم یکن

نبیّ الّا عاش نصف الّذی قبلہ واخبرنی انّ عیسٰی ابن مریم
عاش عشرین ومائۃ سنۃ ولا اری الا انی ذاھب علی راس
السّتین "
نیز دیکھیں ماثبت بالسنۃ ص۲۹ مصنفہ علامہ عبد الحق محدّث دہلوی :-
"لم یکن نبیّ الّا عاش نصف عمر اخیہ الّذی قبلہ وقد عاش
عیسٰی خمسًا وعشرین سنۃ ومائۃ "

اب اگر ہمت ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور علامہ عبد الحق صاحب محدّث دہلوی کے متعلق بھی ایسے فتوے صادر کریں یا آئندہ کے لئے ایسے باطل اعتراضات سے توبہ کریں۔

"حضرت مسیح زندہ ہیں اور دوبارہ آئیں گے " (ملخص براہین احمدیہ ص۴۹۸ و ۵۰۵)
"حیات مسیح کا قول بے ایمانی ہے " (ازالہ ص۵۵۴)
"تو مرزا صاحب کیا ہوئے .... ایک قادیانی بول اٹھے گا۔ پیغمبر"

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ؎

ہر کہ تف افگند بمہر منیر ÷ ہم بروئش فتد تف تحقیر
تا قیامت تف است برروئش ÷ قدسیاں دور تر زبد بوئش

دوسرا جواب یہ ہے۔ آپ دوسروں کو بے ایمان ثابت کرتے کرتے خود بڑے درجے کی بے ایمانی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ کہ نادیدہ کتابوں کے غلط سلط حوالے درج کر رہے ہیں۔ اور نہ صرف مخلوقِ خدا کو بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ مجیب کو بھی خواہ مخواہ کی پریشانی میں ڈال رہے ہیں۔ اوّل تو کتاب میں حوالہ کے یہ الفاظ ہی نہیں جو ایک خواندہ آدمی کے لئے بہت ہی باعثِ شرم ہے۔ اور دوسرے اس حوالہ کا مضمون باختلافِ الفاظ ازالہ کے ص۵۴۷ پر ہے نہ کہ ص۵۵۴ پر۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اصل حوالہ مندرجہ ذیل ہے :-

"جبکہ ہمارا دعویٰ مبنی بر نصوصِ بیّنہ قرآنیہ ہے اور اس کی تائید میں صحیح آیتیں بھی ہمارے پاس ہیں۔ اور ایسا ہی اقوال سلف وخلف بھی ہماری تائید میں کچھ تھوڑے نہیں۔ اور الہامی شہادت ان سب کے علاوہ ہے۔ سو اب تم انصاف کے ترازو لیکر بیٹھ جاؤ اور ایک پلّہ میں اپنے خیالات رکھو اور دوسرے میں ہماری یہ سب وجوہات

او ر آپ ہی انصاف کر لو۔ خوب سوچ لو کہ اگر ہمارے پاس صرف نصوص قرآن کریم ہی ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں۔ اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا وہ یقین نورٌ علیٰ نور ہے جس سے عمداً انحراف ایک قسم کی بے ایمانی میں داخل ہے "

ڈاکٹر صاحب غور فرمائیں کہ کیا چیز بے ایمانی ہے؟ نصوص قرآنیہ وحدیثیہ اور اقوال بزرگان سلف وخلف اور تازہ الہامی شہادت سے عمداً انحراف بے ایمانی ہے؟ اور اگر یہ بے ایمانی نہیں بلکہ ایمانداری ہے تو ایسی ایمانداری جو قرآن کو چھوڑ کر، حدیث کو چھوڑ کر، بزرگوں کو چھوڑ کر اور اللہ تعالیٰ کی الہامی شہادت کو چھوڑ کر نصیب ہو ان کو اور ان کے ہمنواؤں کو ہی مبارک رہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ انبیاءؑ کمال ادب کے مقام میں ہوتے ہیں۔ وہ بن بلائے بولنا معصیت میں داخل سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث اور تواریخ میں بتصریح یہ بات موجود ہے کہ حضورؐ کامل انکشاف سے قبل اہل کتاب کی متابعت ضروری خیال فرماتے تھے چنانچہ مدینہ تشریف لے جاکر بھی ۱۶ ماہ بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ جب تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا تو عین نماز کی حالت میں ہی مکہ معظمہ کی طرف رُخ کر لیا۔ جب تک حُرمتِ شراب کے احکام نازل نہ ہوئے تھے بعض صحابہؓ شراب پیا کرتے تھے اور حضورؐ ان کو منع نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ ادب کا مقام اس امر کا مقتضی تھا کہ جب خدا جو دانا بینا ہے ان لوگوں کو شراب پینے سے نہیں روکتا تو حضورؐ کو اس معاملہ میں پیش قدمی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پس اسی سُنّتِ انبیاءؑ کے مطابق جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تصریح فرمادی ہے کہ چونکہ میں عالم الغیب نہیں۔ جب تک مجھے مسیح کی موت کا انکشاف نہ ہوا میں نے قوم کا رسمی عقیدہ نہ چھوڑا مگر جب اللہ تعالیٰ نے صریح طور پر فرمایا کہ مسیح فوت ہوگیا ہے اور آنے والا مسیح تو ہی ہے تو پھر میں نے اس عقیدہ کو ترک کر دیا۔ تو پھر باوجود اس تصریح کے حضورؑ پر اعتراض کرنا پلے درجے کی بے ایمانی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک کسی امر کے متعلق علم حاصل ہو جانیکے بعد بھی جہالت کے خیالات پر اڑے رہنا ایمانداری ہے یا بے ایمانی؟

ہم ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ تصریح ناظرین کی آگاہی کیلئے درج کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

ا۔ "میں نے براہین احمدیہ میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ دُنیا میں آنے کا

ذکر لکھا ہے وہ ذکر صرف ایک مشہور عقیدہ کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آجکل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں۔ سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے براہین میں لکھدیا تھا۔ کہ میں صرف مثیل موعود ہوں۔ اور میری خلافت صرف روحانی خلافت ہے۔ لیکن جب مسیح آئے گا تو اس کی ظاہری اور جسمانی دونوں طور پر خلافت ہوگی۔ یہ بیان جو براہین احمدیہ میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے۔ کیونکہ جو لوگ خدا تعالےٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر بلائے نہیں بولتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے۔ اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے۔ اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب تک خدا تعالےٰ کی طرف سے بعض عبادات کے ادا کرنے کے بارہ میں وحی نازل نہیں ہوتی تھی تب تک اہل کتاب کی سنن دینیہ پر قدم مارنا بہتر جانتے تھے۔ اور بروقت نزول وحی اور دریافت اصل حقیقت کے اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ سو اسی لحاظ سے حضرت مسیح ابن مریم کی نسبت اپنی طرف سے براہین میں کوئی بحث نہیں کی گئی تھی۔ اب جو خدا تعالےٰ نے حقیقت امر کو اس عاجز پر ظاہر فرمایا تو عام طور پر اس کا اعلان از بس ضروری تھا۔" (ازالہ اوہام ص ۸۳ طبع سوم)

۲۔ "میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھدیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ ہو۔ وہ لکھنا جو الہامی نہ تھا محض رسمی تھا۔ مخالفوں کے لئے قابل استناد نہیں کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعوےٰ نہیں۔ جب تک کہ خود خدا تعالیٰ مجھے نہ سمجھا دے۔" (کشتی نوح ص ۴۷)

۳۔ "مجھے کب اس بات کا دعویٰ ہے کہ میں عالم الغیب ہوں۔ جب تک مجھے خدا نے اس طرف توجہ نہ دی اور بار بار نہ سمجھایا کہ تو مسیح موعود ہے اور عیسیٰ فوت ہو گیا ہے۔ تب تک میں اسی عقیدہ پر قائم تھا جو تم لوگوں کا عقیدہ ہے۔ اسی وجہ سے کمال سادگی سے میں نے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت براہین میں لکھا ہے۔ جب خدا نے مجھ پر اصل حقیقت کھول دی تو میں اس عقیدہ سے باز آگیا۔ میں نے بجز کمال یقین کے جو میرے دل پر محیط ہو گیا اور مجھے نور سے بھر دیا اس

رسمی عقیدہ کو نہ چھوڑا۔" (اعجاز احمدی ص۶)

۴۔ "میرے کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ میں تو خدا تعالیٰ کی وحی کی پیروی کرنے والا ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا۔ اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعوے نہیں۔ بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۰)

ایسے واضح بیانات کے ہوتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اس قسم کے الفاظ کا استعمال کرنا جو برق صاحب نے کئے ہیں پرلے درجہ کی بد باطنی ہے۔

(۲۱) پھر آپ ع۱۲ کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

"قرآن شریف میں مسیح کے آنے کا کہیں ذکر موجود نہیں۔" (ازالہ ص۳۰۳)

"میں اپنے آپ کو وہی مسیح کہتا ہوں جس کے آنے کا ذکر قرآن میں اجمالاً اور حدیث میں صریحاً موجود ہے۔" (ازالہ ص۱۹۱)

اور پھر ہر دو بیانات پر بدیں الفاظ اعتراض کیا ہے:۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحب کے دماغ کا ماتم کریں یا ان لوگوں کی عقل کا جو آپ کو پیغمبر سمجھ بیٹھے ہیں۔ اگر قادیانیوں کی عقل پر پتھر نہ پڑے ہوتے تو وہ اس طرح کے مخبوط الحواس انسان کو نبی کیوں سمجھتے۔ سچ ہے جیسی روح ہو ویسے ہی فرشتے بھی مل جاتے ہیں۔"

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ آپ سے بڑھکر بھی کوئی مخبوط الحواس انسان ہو سکتا ہے جو باوجود ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ہونے کے اس قدر کو رمغز واقع ہوئے ہیں کہ جس شخص پر زبانِ طعن دراز کرنے لگے ہیں اس کی کتاب کو اٹھا کر دیکھا تک نہیں اور بار بار بیہودہ یا نہ کتربیونت کر کے اپنے دل کا بخار نکال رہے ہیں؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ لوگ یہود نامسعود کی ان خصوصیات کے حامل نہ ہوتے اور آپ لوگوں میں اسلام کی کوئی حقیقت موجود ہوتی تو سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی آج سے ساڑھے تیرہ صدیاں پیشتر فرمائی ہوئی پیشگوئیاں کس طرح پوری ہوتیں۔ اور اگر آپ لوگوں کے اخلاق درست ہوتے تو اللہ تعالیٰ کو نبی بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نبی تو اسی وقت مبعوث

ہوتا ہے جب لوگ رحمانی صفات کی کینچلی اُتار کر شیطانی لباس میں ملبوس ہوجاتے اور ناکردنی افعال سے نفرت کرنے کی بجائے ان پر فخر کرنے لگ جاتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا یوشك ان یاتی علی النّاس زمان لا یبقٰی من الاسلام الّا اسمه ولا یبقٰی من القراٰن الّا رسمه مساجدھم عامرة وھی خراب من الھدٰی علماءھم شرّ من تحت ادیم السّماء۔ من عندھم تخرج الفتنه۔ فیھم تعود۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ازالہ صفحہ ۳ پر جس عبارت میں یہودیانہ تحریف کرکے آپ نے اپنے مفید مطلب حوالہ بنایا ہے وہ اصل عبارت حسب ذیل ہے :۔

"میرا بیان مسیح موعود کی نسبت جس کی آسمان سے اُترنے اور دوبارہ دُنیا میں آنے کی انتظار کی جاتی ہے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے میرے پر کھول دیا ہے یہ ہے کہ مسیح کے دوبارہ دُنیا میں آنے کا قرآن شریف میں تو کہیں ذکر نہیں۔ قرآن شریف تو ہمیشہ کے لئے اُس کو دُنیا سے رخصت کرتا ہے۔ البتہ بعض حدیثوں میں جو استعارات سے پُر ہیں مسیح کے دوبارہ دُنیا میں آنے کے لئے بطور پیشگوئی بیان کیا گیا ہے۔ سو ان حدیثوں کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ اس جگہ درحقیقت مسیح ابن مریم کا ہی دوبارہ دُنیا میں آجانا ہرگز مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک لطیف استعارہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایسے زمانہ میں جو مسیح ابن مریم کے زمانہ کا ہمرنگ ہوگا ایک شخص اصلاحِ خلائق کے لئے دُنیا میں آئے گا جو طبع اور قوت اور اپنے منصبی کام میں مسیح ابن مریم کا ہمرنگ ہوگا۔"

اب ناظرین ایک طرف برق صاحب کے اُس یہودیانہ محرّف مبدّل حوالہ کو دیکھیں جو آپ نے رسالہ میں درج کیا ہے یعنی "قرآن شریف میں مسیح کے آنے کا کہیں ذکر موجود نہیں" اور دوسری طرف ازالہ اوہام کی اِس اصل عبارت کو دیکھیں اور پھر خدا ترسی سے فیصلہ فرمائیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کس مسیح کے متعلق ذکر فرما رہے ہیں کہ اس کے آنے کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ حضورؑ یہ ذکر فرما رہے ہیں کہ مسیح ابن مریم فوت ہوچکے ہیں۔ اور ان کے آسمان سے اُترنے اور دُنیا میں دوبارہ آنے کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔ نہ یہ کہ حضور مطلق مسیح کی آمد سے انکار کر رہے ہیں۔ اور برق صاحب نے جو مسیح کی آمد کے

متعلق ص۱۹۱ پر جاکر حوالہ تلاش کیا ہے۔ اس کا ذکر تو حضورؑ نے اسی حوالہ کی اگلی دو تین سطروں میں فرما دیا ہے اتنی دُور جانے کی ضرورت ہی نہیں رکھی۔ حضورؑ اس عبارت سے جو پہلے درج ہو چکی ہے آگے فرماتے ہیں:۔

"اور جیسا کہ مسیح بن مریم نے حضرت موسیٰ کے دین کی تجدید کی اور وہ حقیقت اور مغز توریت کا جس کو یہودی لوگ بھول گئے تھے ان پر دوبارہ کھول دیا۔ ایسا ہی وہ مسیح ثانی مثیلِ موسیٰ کے دین کی جو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تجدید کرے گا۔ اور یہ مثیلِ موسیٰ کا مسیح اپنی سوانح میں اور اپنے دوسرے تمام نتائج میں جو قوم پر ان کی اطاعت یا ان کی سرکشی کی حالت میں مؤثر ہوں گے اس مسیح سے بالکل مشابہ ہوگا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا۔ اب جو امر کہ خدا تعالیٰ نے میرے پر منکشف کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسیح موعود میں ہی ہوں۔"

(ازالہ اوہام ص۲۵۰)

چونکہ برقی صاحب کی "سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحبؑ کے دماغ کا ماتم کریں یا اُن لوگوں کی عقل کا جو آپ کو پیغمبر سمجھ بیٹھے ہیں"۔ اس لئے ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں بادب ملتمس ہیں کہ اگر ان میں سے کسی خدا ترس آدمی پر حقیقتِ حال منکشف ہو گئی ہے تو وہ برقی صاحب کو سمجھائیں کہ ان کو ماتم کرنے کے لئے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ پہلے تو اپنے گھر میں ہی صفِ ماتم بچھالیں جس کے وہ چشم و چراغ ہیں۔ پھر اپنے کور مغز استادوں کا ماتم کریں جنہوں نے ایم۔ اے تک پڑھایا مگر کتاب پڑھنے کا ڈھنگ نہ بتلایا۔ اور پھر اس یونیورسٹی کا ماتم کریں جس نے آپ جیسے لایعقل کو ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا ڈپلوما عطا فرمایا۔ اور اگر وہ ہمارا مشورہ نہیں تو ان سب کا ماتم کرنے کی بجائے خود اپنا ہی ماتم کر لیں جنہیں ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ہو کر بھی معمولی اردو کی کتاب پڑھنے، اس کا مطلب سمجھنے اور منشائے متکلم سے آگاہ ہونے کا سلیقہ نہیں آیا۔

(۲۲) پھر ۲۲ کے ماتحت برقی صاحب نے لکھا ہے:۔

"میرا دعویٰ ہرگز مسیح موعود ہونے کا نہیں بلکہ میں مثیلِ مسیح ہوں یعنی حضرت مسیح کی بعض صفات مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ جو شخص مجھے مسیح موعود کہتا ہے وہ مجھ پر افترا باندھتا ہے۔" (ازالہ ص۱۹۰)

اور اس پر حسب ذیل اعتراض کیا ہے:۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ غریب مرزا صاحب پر مسیح موعود ہونے کا افترا سب سے پہلے کس نے باندھا تھا۔ تاکہ اس کی خبر لی جاوے۔ یہ لیجئے مفتری مل گیا۔ افسوس کہ مر چکا ہے ورنہ قادیانی اس کی تکا بوٹی کر ڈالتے۔"

اس کا سب سے پہلا جواب تو یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اذا جاءکم فاسق بنبا فتبینوا۔ اس لئے اسی ارشاد خداوندی کی تعمیل میں ہمیں ازالہ اوہام ص۱۹۰ سے اصل حوالہ دیکھنا چاہیئے۔ سو جب ہم ازالہ اوہام کا ص۱۹۰ نکالتے ہیں تو اس پر حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی پاتے ہیں:۔

"مَیں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ مَیں مسیح ابن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔"

امید ہے اس مفتری اور کذاب کا پتہ لگانے اور دنیا و آخرت میں اس کا منہ کالا کرنے کے لئے یہ حوالہ ہی کافی ہوگا۔ کسی مزید تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس حوالہ میں یہ بات صاف طور پر لکھی ہوئی موجود ہے کہ حضورؑ کو مسیح موعود کہنے والا مفتری اور کذاب نہیں بلکہ حضورؑ کو مسیح بن مریم کہنے والا مفتری اور کذاب ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ مفتری اور کذاب تو وہ ہوتا ہے جو بار بار غلط بیانی کرے اور محض اعتراض کرنے اور خدا کی بے گناہ مخلوق کو ضلالت کے گڑھے میں گرانے کی خاطر ایسی بات دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے جو اُس نے نہیں کہی۔ یا ایسا فعل ایک بے خبر بے گناہ کی طرف منسوب کرے جس کا اس نے ارتکاب نہیں کیا۔ پس برقی صاحب سے بڑا مفتری اور کذاب اور کون ہو سکتا ہے۔

ہمارے ناظرین کو اگرچہ اس مفتری اور کذاب کا پتہ لگ گیا ہے تاہم ہمارا مشورہ یہی ہے کہ ان کی تکا بوٹی نہ کریں۔ کیونکہ سعدیؒ کہتا ہے ؎

عدو زندہ سرگشتہ پیرامنت ❊ بہ از خونِ او گشتہ در دامنت

البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مندرجہ ذیل اشعار ضرور اس مفتری اور کذاب کو سنا دیں ؎

اری وغلاً جھولاً وابن وغل ❊ یری کالاّٰ فات لظی اللّسان

ھُریر الکلب لایخشو بنبح ❊ علی البدر المطھر من عثان

اَلَا یا ایّھا اللحز الشحیح ÷ ھویت کذی اللبانۃ فی الھوان

اور حضورؑ کا یہ مشفقانہ مشورہ بھی اس کے گوش گزار کردیں ؎

اطع ربّک الجبار اھل الاوامر ÷ وخف قھرہ واترک طریق التجاسر

ولیف علیٰ نار النھا بر تصبر ÷ وانت تاذی عند حرّ الھواجر

وحب الھویٰ واللہ صِلّ مدمّر ÷ کملمس افعیٰ ناعم فی النواظر

فلا تحتروا الطغویٰ فاِنّ الھنا ÷ غیور علیٰ حرماتہ غیر قاصر

ولا تحسبن ذنباً صغیراً کھیّن ÷ فاِنّ وداد اللمم احدی الکبائر

(۲۳) پھر برقی صاحب لکھتے ہیں:۔

"حضرت مسیح اپنے والد یوسف کے ساتھ نجاری کا کام کرکے چڑیاں بنایا کرتا تھا۔" (ازالہ ص۳۰۳) اور اسی کتاب کے ص۲ پر اپنا ایک شعر درج کرتے ہیں جس میں مسیح کو بے پدر باندھتے ہیں ؎

کرکے یوم مراکردی لبشر ÷ اے عجب تراز مسیح بے پدر

نیز ملاحظہ ہو ازالہ ص۱۵۹"

اور پھر اس پر بالفاظ ذیل معترض ہوتے ہیں:۔

"اب مرزا بشیر الدین ہی بتائیں کہ ان کے والد ماجد کے ان اقوال میں تطبیق پیدا کرے تو کون؟ اگر پیغمبر کی تعریف یہی ہوتی ہے کہ وہ صبح کی کہی ہوئی بات کی شام تک دس مرتبہ تردید اور دس مرتبہ تصدیق کرے تو پھر واقعی مرزا صاحب بہت بڑے پیغمبر تھے۔"

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اگر کسی لاعلاج مرض سے آپ کی بینائی ماری نہیں گئی، اور نزول الماء سے آپ کی نظر بند نہیں ہوگئی تو ازالہ اوہام کا ص۳۰۳ نکال کر دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھئے لکھا ہے:۔

"حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں۔"

آپ نے اعتراض کرنے کی خاطر بیہودہ مسعود کے خصوصی عیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن مریم کا لفظ حوالہ سے عمداً نکال دیا ہے۔ تا حضورؑ کے دو کلاموں میں افتراء کے طور پر تضاد ظاہر کرکے

مخلوقِ خدا کو دھوکا دے سکیں جو نہایت ہی قابلِ شرم بلکہ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ البتہ آپ یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ جب آپؑ نے مسیح کو ابن مریم لکھا تو پھر یوسف کو اُن کا باپ کیوں قرار دیا؟ آپ اس کی وجہ ہم بتلائیں۔ انجیل متی ب آیت ۱۸ تا ۲۲ میں لکھا ہے۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا۔ اور اُسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا چپکے سے اُس کے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اُسے خواب میں دکھائی دیکر کہا۔ اے یوسف ابن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر۔ کیونکہ جو اُس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ وہ بیٹا جنے گی اور تُو اُس کا نام یسوع رکھنا۔"

آیا خیال شریف میں! حضورؑ نے یوسف کو حضرت مسیح کا باپ اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ اُن کی ماں کا خاوند تھا۔ نہ اس لحاظ سے کہ وہ ان کی صُلب سے اور اُن کے نطفہ سے تھا۔ آپ کے شہر میں اگر کوئی بیوہ عورت جس کے پہلے خاوند سے بچے ہوں دوسرا نکاح کرے تو اس کا دوسرا خاوند اس کے پہلے بچوں کا باپ نہیں کہلاتا؟ اگر کہلاتا ہے تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کچھ تو شرم و حیا سے کام لیں۔ ایسا اعتراض کیوں کرتے ہیں جس کی زد آپ پر بھی پڑتی ہے۔

آپ بار بار حضورؑ کے کلام میں تناقض ثابت کرنیکی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ اور قدم قدم پر آپ کو شرمندگی اور ندامت کا سامنا ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ آپ کو معلوم نہ ہو کہ تناقض کن صورتوں میں متحقق ہوتا ہے اور کن صورتوں میں نہیں۔ سو آپ کی واقفیت کیلئے عرض خدمت کیا جاتا ہے کہ دو کلاموں میں تناقض اس صورت میں متحقق ہو سکتا ہے جبکہ (۱) اعتبار (۲) موضوع (۳) اوقات (۴) مکان اور (۵) شرائط کے لحاظ سے ان میں وحدت پائی جائے۔ اور اگر وحدت متحقق نہ ہو بلکہ ہر دو کلام اعتبار، موضوع، اوقات، مکان، اور شرائط کے لحاظ سے مختلف ہوں تو کلام میں ہرگز تناقض متحقق نہ ہوگا۔ مثلاً (۱) زید مُردہ ہے (باعتبار روحانی حیات کے) اور زید زندہ ہے (باعتبار جسمانی حیات کے) ان دونوں فقروں میں

کچھ اختلاف اور تناقض نہیں کیونکہ اعتبار الگ الگ ہیں۔ (۲) یہ کہنا کہ زید جو خالد کا بیٹا ہے بہت شریر ہے۔ اور یہ کہنا کہ زید جو ولید کا بیٹا ہے بہت نیک آدمی ہے۔ ان دونوں فقروں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ موضوع یعنی جن اشخاص کا ذکر ہے وہ الگ الگ ہیں۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ (۳) زید صبح کے وقت جنگل میں تھا۔ اور یہ کہنا کہ زید شام کے وقت گھر میں تھا۔ ان دونوں فقروں میں بھی کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ اوقات مختلف ہیں۔ اسی طرح (۴) مفید بغداد میں کبھی نہیں گیا اور زید دمشق میں گیا تھا۔ ان دونوں فقروں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ مکان مختلف ہیں۔ اسی طرح (۵) زید کوئیں دو روپیہ مزدوری دوں گا بشرطیکہ وہ سارا دن کام کرے۔ اور زید کو میں آٹھ آنے مزدوری دوں گا بشرطیکہ وہ ایک گھنٹہ کام کرے۔ اس فقرہ میں بھی کوئی تناقض اور تضاد نہیں کیونکہ شرائط مختلف ہیں"۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۱۸۱)

پس آپ ذرا ہوش سے متوجہ ہو کر سنیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے۔ حضورؑ نے مسیحؑ ابن مریم کو بے باپ کہا اس لحاظ سے کہ وہ روح القدس کی قدرت سے پیدا ہوا تھا۔ اور یوسف کو حضرت مسیحؑ کا باپ قرار دیا اس اعتبار سے کہ یوسف مسیحؑ کی والدہ حضرت مریم کا خاوند تھا۔ اور شعر جو آپ نے نقل کیا ہے میرا خیال ہے کہ ضعفِ بصارت کی وجہ سے آپ کو اچھی طرح دکھائی نہیں دیا ورنہ اصل کتاب میں وہ اس طرح لکھا ہوا ہے ؎

کر کسے بودم مرا کردی بشر ⁂ من عجب تر از مسیحِ بے پدر

(۲۵) پھر برق صاحب نے لکھا ہے :۔

"..... ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیّٖن۔ یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی دُنیا میں نہیں آئے گا۔ کیونکہ رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ وہ علوم دینی جبرائیل کے ذریعے حاصل کرے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وحی الٰہی تا قیامت منقطع ہے"۔ (ازالہ صفحہ ۶۱۴)

"مرزا صاحبؒ ثابت یہ کر رہے ہیں کہ حضرت عیسےٰ دوبارہ نہیں آسکتے ورنہ وحی کا سلسلہ پھر شروع ہو جاوے گا۔ حالانکہ آیۂ بالا کی رو سے وحی قیامت تک منقطع ہو چکی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ازالہ اوہام صفحہ ۵۸۹"

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ تحریف کا خصوصی عیب آپ کی طبیعتِ ثانیہ ہو چکا ہے اسلئے

آپ قابلِ اعتراض امر نہ بھی ہو تب بھی اُسے قابلِ اعتراض بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ ص۶۱۴ کے حوالہ میں آپ نے تحریف سے کام لیکر وحی رسالت کی بجائے وحی الٰہی کا لفظ رکھ لیا ہے۔ تا حوالہ آپ کے مفید مطلب ہو جاوے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

"اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دُنیا میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت و ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل حاصل کرے اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔"

اور ص۶۱۵ جس کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے کہ مزید تفصیل کے لئے اسے دیکھا جائے اس سے پہلے دو صفحے جو آپ کے ان خیالات کی بیخ کنی کرنے والے ہیں اور جن کو آپ نے عمداً چھوڑ دیا ہے ان کی طرف ہم آپ کی اور اپنے خدا ترس ناظرین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ضرور توجہ فرمائیں۔ ہم ذیل میں اصل عبارت ان صفحات کی تحریر کرتے ہیں :-

"اور اس انقلاب عظیم پر خوب غور سے نظر دوڑانی چاہئے کہ چونکہ حضرت مسیح (اگر ان کا نزول فرض کر لیا جائے) ایسی حالت میں آئیں گے کہ ان کو شریعتِ محمدیہ سے جو عربی زبان میں ہے کچھ بھی خبر نہیں ہوگی۔ اور وہ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ قرآنی تعلیم پر ان کو اطلاع ہو۔ اور ان تفصیلات احکام دین پر بھی مطلع ہو جائیں جو احادیث کی رو سے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض شریعتِ محمدیہ کے تمام اجزاء پر خواہ وہ از قبیلِ عقائد ہیں یا از قسم عبادات یا از نوع معاملات یا از قبیلِ قوانین قضاء و فصل مقدمات اطلاع پانا ان کے لئے ضروری ہوگا۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ معمر ہونے کی حالت میں ایک عمر خرچ کر کے دوسروں کی شاگردی کریں۔ لہٰذا ان کے لئے یہی لابدی اور ضروری ہے کہ تمام اجزاء شریعت کے نئے سرے سے اُن پر نازل ہوں۔ کیونکہ بجز اس طریق کے استعلام مجہولات کے لئے اور کوئی ان کے لئے راہ نہیں۔ اور رسولوں کی تعلیم اور اعلام کیلئے یہی سُنت اللہ قدیم سے جاری ہے۔ جو وہ بواسطہ جبرائیل علیہ السلام کے اور بذریعہ نزول آیات ربانی اور کلام رحمانی کے سکھلائی جاتی ہیں۔ اور جبکہ تمام قرآن کریم اور احادیث صحیحہ نبویہ نئے سرے سے معرفت جبرائیل علیہ السلام

کے حضرت مسیح کی زبان میں ہی ان پر نازل ہو جائے گی۔ اور جیسا کہ احادیث میں آتا ہے جزیہ وغیرہ کے متعلق بعض بعض احکام قرآن شریف کے منسوخ بھی ہو جائینگے تو ظاہر ہے کہ اس نئی کتاب کے اُترنے سے قرآن شریف توریت و انجیل کی طرح منسوخ ہو جاوے گا اور مسیح کا نیا قرآن جو قرآن شریف سے کسی قدر مختلف بھی ہو گا اجرا اور نفاذ پائے گا۔ اور حضرت مسیح نماز میں اپنا قرآن ہی پڑھیں گے اور وہی قرآن جبراً و قہراً دوسروں کو بھی سکھلایا جاوے گا۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کلمہ بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کسی قدر ترمیم و تنسیخ کے لائق ٹھہرے گا۔ کیونکہ جب کہ کل شریعت محمدیہ کی نعوذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد) بیخ کنی ہو گی اور ایک اور ہی قرآن گو وہ ہمارے قرآن کریم سے کسی قدر مطابق ہی سہی آسمان سے نازل ہو گیا تو پھر کلمہ بھی ضرور واجب التبدیل ہو گا۔ بعض بہت منفعل ہو کر جواب دیتے ہیں (برق صاحب جیسے) کہ اگرچہ درحقیقت یہ صریح خرابیاں ہیں جن سے انکار نہیں ہو سکتا مگر کیا کریں درحقیقت اسی بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح رسول اللہ ہونے کی حالت میں نزول فرمائیں گے اور چالیس برس حضرت جبرائیل علیہ السلام ان پر نازل ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ یہی مضمون حدیثوں سے بھی نکلتا ہے۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ اس قدر تو بالکل سچ ہے کہ اگر وہی مسیح رسول اللہ صاحب کتاب آجائیں گے جن پر جبریل نازل ہوا کرتا تھا تو وہ شریعت محمدیہ کے تمام قوانین اور احکام نئے سرے اور نئے لباس اور نئے پیرایہ اور نئی زبان میں ان پر نازل ہو جائیں گے۔ اور اس تازہ کتاب کے مقابل پر جو آسمان سے نازل ہوئی ہے قرآن کریم منسوخ ہو جائے گا۔ لیکن خدا تعالےٰ ایسی ذلت اور رسوائی اِس اُمت کے لئے اور ایسی ہتک اور کسر شان اپنے نبی مقبول خاتم الانبیاءؐ کے لئے ہرگز روا نہیں رکھے گا۔ کہ ایک رسول کو بھیج کر جس کے آنے کے ساتھ جبریل کا آنا ضروری امر ہے اسلام کا تختہ ہی اُلٹا دیوے۔ حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائیگا۔

اور حدیثوں کے پڑھنے والوں نے یقیناً یہ بڑی بھاری غلطی کھائی ہے کہ صرف عیسیٰ یا ابن مریم کے لفظ کو دیکھکر اس بات کو یقین کر لیا ہے کہ سچ مچ وہی ابن مریم آسمان سے نازل ہو جائے گا جو رسول اللہ تھا۔ اور اس طرف خیال نہیں کیا کہ اس کا آنا گویا دین اسلام کا دنیا سے رخصت ہونا ہے۔"

اس سارے حوالہ کو پڑھ لینے سے ہمارے ناظرین پر بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسیح ابن مریم رسول اللہ کا نزول اس لحاظ سے امت کی رسوائی، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور اسلام کی بربادی کا موجب بیان فرما رہے ہیں۔ حضور کے اس طول طویل حوالہ کا مفہوم مختصراً یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد وحیٔ رسالت تا قیامت بند ہے نہ کہ مطلق وحی الہٰی۔ مسیح ابن مریم نازل نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ رسول اللہ ہیں۔ اور رسول اللہ پر وحیٔ رسالت کا نزول بذریعہ جبرئیل ضروری ہے۔ اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ مسیح ابن مریم کے نزول کے بعد شریعت اسلامیہ اور کلمہ تبدیل ہو جائے اور موجودہ قرآن کریم منسوخ ہو جاوے۔ اور یہ سب باتیں ایسی ہیں جو اسلام کی جڑ پر تبر رکھنے والی ہیں۔ ان باتوں سے سوائے کسی دشمن اسلام کے اور کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ مگر برق صاحب لوگوں کو اس دھوکہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ مسیح جو اسی امت میں سے ہوگا اور جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نبی اللہ ہوگا اور جس کا حضرت مرزا صاحب نے دعوےٰ فرمایا ہے اس کا آنا بھی اسلام کی بیخ کنی کا موجب ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت یہ فرما رہے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں نبوت کا دعوےٰ اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کو چار چاند لگانے والا ہے نہ کہ گھٹانے والا۔

کیونکہ اس طرح حضور ابوالانبیاء ثابت ہوتے ہیں اور ابوالانبیاء ہونا خوبی کی بات ہے نہ کہ قابلِ اعتراض۔ پس برق صاحب کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب ایسے نبی ہیں جو اُمت کیلئے باعثِ ذلت و رسوائی، نبی مقبول کے لئے باعث ہتک و کسرِ شان اور اسلام کا تختہ اُلٹ دینے والا ہے کج فہمی کی انتہا ہے۔

(۲۶) پھر برق صاحب نے لکھا ہے:-

"....میں مثیلِ مسیح ہوں (ازالہ صفہ ۱۹۰) مطلب یہ کہ مرزا صاحب میں حضرت مسیح

کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ میں کونسے اوصاف پائے جاتے تھے اس کی تفصیل مرزا صاحبؒ سے سُنئے۔

ا۔ "معجزات میں حضرت مسیح سے یہودی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔"

(ازالہ ص۵۵۴)

ب۔ "مسمریزم ایک مکروہ و قبیح فعل ہے جسے مَیں بُرا سمجھتا ہوں ورنہ حضرت مسیح سے بڑھ جاتا۔" (ازالہ ص۳۹)

ج۔ "ازالہ اوہام ص۳۰۳ پر آپ نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح (معاذ اللہ) بدکاری کا نتیجہ تھے۔"

د۔ "حضرت مسیح کا میل جول کنجریوں سے رہا کرتا تھا اور وہ شرابی بھی تھے" (ازالہ ص۹)

ہ۔ "مسیح ایک نکما اور ضعیف انسان تھا۔ روحانیت اور دین کا اس میں نام تک نہ تھا۔ جھوٹا خالق تھا۔ دوسروں کے دلوں کو سیاہ کرتا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ فیل ہوا"

(ازالہ ص۳۱)

اس کے بعد با الفاظِ ذیل معترض ہیں:۔

"تو یہ ہے وہ مسیح جس کے مثیل ہونے پر مرزا صاحبؒ کو ناز ہے۔ ان حوالوں سے آپ نے یہ بھی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ جو شخص ایک اولوالعزم رسول کے متعلق اس دریدہ دہنی سے کام لیتا ہے نبوت تو رہی ایک طرف اس کی انسانیت کس درجہ کی تھی۔ ستیارتھ پرکاش کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کو مکتبۂ قادیان کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے کہ یہاں انبیاء و رسل کی تحقیر و استخفاف کا اس قدر مواد ملے گا جس کے سامنے ستیارتھ پرکاش بھی شرما جائے گی۔"

اِس کا سب سے پہلا جواب تو یہ ہے کہ آپ نے اِن تمام حوالجات میں دل کھول کر چار سو بیس کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ خدا کی ہستی پر آپ کو اتنا ایمان بھی نہیں جتنا تعزیراتِ ہند پر۔ کیونکہ تعزیراتِ ہند والی چار سو بیس کا تو آپ ایک مرتبہ بھی ارتکاب کرتے ہوئے ڈرتے ہیں مگر قرآنی تعزیرات کی بیان فرمودہ چار سو بیس کا آپ کھلے بندوں اور بیدھڑک ارتکاب کر رہے ہیں۔ اور اس سے شرم و حیا محسوس کرنا تو ایک طرف اُلٹا اس پر اترا رہے ہیں۔ آیئے آپ کے بیان کردہ فقرات کا اصل حوالجات سے مقابلہ کریں۔

(۱) "معجزات میں حضرت مسیح سے یہودی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔" (ازالہ ص۵۵۴)	(۱) "بائیبل کی کتابوں کو پڑھنے والے خوب جانتے ہیں کہ جو خوارق مسیح کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یعنی مُردوں کا زندہ کرنا یا بیماروں کو اچھا کرنا یہ مسیح سے مخصوص نہیں ہے بلکہ بعض انبیاء اسرائیل ایسے بھی گزرے ہیں کہ ان سب کاموں میں نہ صرف مسیح ابن مریم کے برابر بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے لیکن پھر بھی ان کو مثیل مسیح نہیں کہا جاتا۔ نہ مسیح کو ان کا مثیل ٹھہرایا جاتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ حضرت اقدسؑ کا اپنا عقیدہ نہیں کہ معجزات میں یہودی مسیحؑ سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے بلکہ یہ عقیدہ یہود نامسعود کا تھا۔ اسی لئے جو لوگ مثیل مسیح ہونکی وجہ سے حضورؑ سے اسی قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے جیسا کہ پادریوں نے امرتسر کے مباحثہ میں کیا تھا ان کو حضورؑ یہ جواب دے رہے ہیں۔ کہ مماثلت علّتِ غائی میں ہوتی ہے نہ کہ دنیاوی افعال میں۔ اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی علّتِ غائی حضورؑ کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:۔

"بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مسیح کا آنا اس لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے کہ تا تمام قوموں پر دین اسلام کی سچائی کی حجت پوری کرے۔" اور "کہ اسلام کو غلطیوں اور الحاقات بے جا سے منزّہ کرکے وہ تعلیم جو روح اور راستی سے بھری ہوئی ہے خلق اللہ کے سامنے رکھے۔" اور تا "ایمانی نور کو دُنیا کی تمام قوموں کے مستعد دلوں کو بخشے اور منافقوں کو مخلصوں سے الگ کر دیوے۔" (ازالہ اوہام ص۷)

اور اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی توریت کی تعلیم کے قیام کے لئے اور رُوحانی مُردوں کو زندہ کرنے کے اور روحانی اندھوں اور بہروں کو آنکھیں اور کان بخشنے کیلئے تشریف لائے تھے نہ کہ مداریوں کی طرح تماشہ دکھلانے کے لئے۔

(۲) "مسمریزم ایک مکروہ و قبیح فعل ہے جسے مَیں بُرا سمجھتا ہوں ورنہ حضرت مسیح	(۲) "اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالےٰ کے فضل و

بڑھ جاتا" (ازالہ ص۳)

توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے جس پر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قدم مارا۔ حضرت مسیح نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے باذن وحکم الٰہی اختیار کیا تھا ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل ناپسند تھا"

اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ اگر ہے تو پیش کریں۔

(۳) "ازالہ اوہام ص۳ پر آپ نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح (خاکم بدہن) بدکاری کا نتیجہ تھے۔"

یہ حوالہ نہ صرف یہ کہ ازالہ اوہام کے ص۳ پر نہ لفظاً موجود ہے اور نہ معناً بلکہ حضور کی کسی کتاب میں بھی ان الفاظ اور ان معنوں میں نہیں ہے۔ اور جو کہے کہ ہے اس پر خدا کی لعنت اور برائے خدا اے مومنو مسلمانو! تم سب کہو آمین۔ اور اگر ہمت ہو تو برق صاحب بھی اس پر آمین کہیں۔ اور اگر نہ کہہ سکیں تو وہ بھی خود کو اس انعام کا مستحق سمجھیں۔

(۴) "حضرت مسیح کا میل جول کنجریوں سے رہا کرتا تھا اور وہ شرابی بھی تھے" (ازالہ ص۹۰)

ہمارے ناظرین ازالہ اوہام کا ص۹۰ ایک بار نہیں ہزار بار نکال کر دیکھیں یہ حوالہ نہ اس صفحہ پر اور نہ اس سے دو چار صفحے آگے نہ پیچھے ان کو ہرگز نہیں مل سکتا۔ فرمائیے کیا اسکا نام تعزیرات ہند میں ۴۲۰ نہیں؟

اور اگر برق صاحب یہ کہیں کہ گو یہ حوالہ ازالہ اوہام میں تو نہیں مگر فلاں کتاب میں ہے تو پھر ہم اور برق صاحب بقول ان کے متفق ہو گئے کہ

"دروغگو را حافظہ نباشد"

اور اگر وہ اصرار کریں کہ ازالہ اوہام میں اگر یہ حوالہ نہیں تو کیا ہوا دوسری کتاب میں تو موجود ہے تو انہیں یہ عبارت پڑھ لینی چاہئے:۔

یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا۔ اور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔"

اور اگر آپ اِس تصریح کے باوجود اور ارشاد باری تعالےٰ من یّقل منھم انّی الٰہ فذالک نجزیہ جھنّم کی نصِ صریح کے ہوتے ہوئے بھی اسی یسوع مسیح کی حمایت کرنا چاہتے ہیں تو پھر علانیہ اپنی عیسائیت کا اظہار فرمایئے!

برق صاحب حضور علیہ السلام کی طرف حسب ذیل عبارت منسوب کرتے ہیں:۔

(۵) "مسیح ایک نکما اور ضعیف انسان تھا۔ روحانیت اور دین کا اس میں نام تک نہ تھا۔ جھوٹا خائن تھا۔ دوسروں کے دلوں کو سیاہ کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ فیل ہؤا۔" (ازالہ ص۳۱۱)

اس کے جواب میں پہلے تو ہم لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہتے ہیں اور برق صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اس پر دل و جان سے آمین کہیں۔

پھر ناظرین کی خدمت میں التماس کرتے ہیں کہ وہ ازالہ اوہام کا ص۳۱۱ نکال کر پڑھیں اس میں ہرگز ہرگز یہ الفاظ نہیں ہیں اور نہ ہی یہ مفہوم ہے۔ ہم ناظرین کی خدا ترسی اور دیانت و امانت سے اپیل کریں گے کہ وہ مسیح کے متعلق حضرت اقدس کے اِن واضح اور روشن بیانات کو بغور پڑھیں۔ جو ہم جواب کی ذیل میں تحریر کریں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اِن حوالجات میں آپ نے اپنی دیانت و امانت کا بے دریغ خون کر کے عوام کالانعام کو قبولِ حق کی دولت سے محروم رکھنے کی کوشش کو گویا انتہاء تک پہنچا دیا ہے۔ اور ممکن ہے اپنے دل میں آپ نے یہ بھی خیال کر لیا ہو کہ اس طرح آپ اِس بہشتی درخت کو جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے جڑھ بنیاد سے اکھیڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اپنے مُنہ کی اِن پھونکوں سے اِس روشن چراغ کو گُل کر دیں گے جو لوگوں کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالےٰ نے آسمان پر روشن کیا ہے۔ پس اگر آپ کو پہلے معلوم نہ ہو تو اب آئندہ کے لئے اسے نوٹ فرما لیجئے اور یادداشت کے طور پر یہ تحریر اپنے کسی محفوظ ترین صندوق میں رکھ لیجئے کہ اُس وقت جبکہ اِس درخت کی کونپل زمین سے نکل رہی تھی مولوی محمد حسین

بٹالوی، مولوی محمد اسماعیل علی گڑھی، مولوی غلام دستگیر قصوری، سعد اللہ لدھیانوی، مولوی نذیر حسین دہلوی، لیکھرام پشاوری اور عبد اللہ آتھم اور ان کے مددگار اور پیرو کار مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں نے اسے تباہ و برباد کرنے کے لئے ایڑی چوٹی تک کا زور صرف کر دیا تھا اور سب نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لئے وقف کر دی تھیں۔ مگر ؎

شریروں پر پڑے انکے شرارے ✦ نہ ان سے رُک سکے مقصد ہمارے
مقابل میں مرے یہ لوگ ہارے ✦ کہاں مرتے تھے پر تو نے ہی مارے
گڑھے میں تو نے سب دشمن اتارے ✦ ہمارے کر دیئے اونچے منارے
نہیں ماتم ہمارے گھر میں شادی ✦ فسبحان الذی اخزی الاعادی

سب کی تدبیریں ہباءً منثورا ہو گئیں۔ اور وہ سب کے سب ناکامی و نامرادی کا داغ اپنے اپنے سینوں میں لے کر پیوندِ زمین ہو گئے۔ لیکن اس کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے البتہ ان کی تدابیر اس سلسلہ کے لئے ہمیشہ کھاد کا کام دیتی رہیں۔ پس اگر آپ عقل و خرد سے کچھ حصہ رکھتے ہیں تو اپنے بزرگوں کی ناکامی و نامرادی سے عبرت حاصل کریں۔ ورنہ آپ بھی سُن رکھیں کہ جب یہ نرم و نازک کونپل ہونے کی حالت میں اُس وقت آپ کے بزرگوں سے نہ اُکھڑ سکی تو آج جبکہ بقول مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار" یہ ایک تناور درخت ہو چلا ہے جس کی شاخیں ایک طرف چین میں اور دوسری طرف یورپ میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں" اس کو اکھیڑنا آپ کے ہی نہیں کسی انسان کے بھی بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے متعلق حضور کی تحدیانہ پیشگوئی سُن رکھیں:۔

"مخالف لوگ عبث اپنے تئیں تباہ کر رہے ہیں۔ مَیں وہ پودا نہیں ہوں کہ ان کے ہاتھ سے اُکھڑ سکوں۔ اگر ان کے پہلے اور ان کے پچھلے اور ان کے زندے اور ان کے مُردے تمام جمع ہو جائیں اور میرے مارنے کے لئے دُعائیں کریں۔ تو میرا خدا ان تمام دُعاؤں کو لعنت کی شکل پر بنا کر ان کے مُنہ پر مارے گا۔ دیکھو صدہا دانشمند آدمی آپ لوگوں کی جماعت میں سے نکل کر ہماری جماعت میں ملتے جاتے ہیں۔ آسمان پر ایک شور برپا ہے اور فرشتے پاک دلوں کو کھینچ کر اس طرف لا رہے ہیں۔ اب اس آسمانی کارروائی کو کیا انسان روک سکتا ہے بھلا اگر کچھ طاقت ہے تو روکو۔ وہ تمام مکر و فریب جو نبیوں کے مخالف کرتے رہے

ہیں وہ سب کرو۔ اور کوئی تدبیر اُٹھا نہ رکھو۔ ناخنوں تک زور لگاؤ۔ اتنی بددُعائیں کرو کہ موت تک پہنچ جاؤ۔ پھر دیکھو کہ کیا بگاڑ سکتے ہو۔ خدا کے آسمانی نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ مگر بدقسمت انسان دُور سے اعتراض کرتے ہیں۔ جن دلوں پر مُہریں ہیں اُن کا ہم کیا علاج کریں۔ اے خدا تُو اِس اُمّت پر رحم کر۔ آمین ۔" (ضمیمہ اربعین ۳ تا ۴ ص۷)

اور سُنیئے ! :۔

"مَیں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ اگر مَیں پیسا اور کچلا جاؤں اور ایک ذرّے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں۔ اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں تب بھی مَیں آخر فتحیاب ہوں گا۔ مجھ کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ جو میرے ساتھ ہے۔ مَیں ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل۔

اے نادانو اور اندھو! مجھ سے پہلے کونسا صادق ضائع ہوا! جو مَیں ضائع ہو جاؤں۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلّت کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ جو مجھے ہلاک کر دے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو۔ کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ مَیں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ مَیں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا۔ کبھی نہیں چھوڑیگا کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا۔ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ۔ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا مَیں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ کوئی چیز ہمارا پیوند نہیں توڑ سکتی۔" (انوار الاسلام ص ۲۱/۲۲)

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف جو صفات یہود و نصاریٰ نے اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے منسوب کی تھیں آپ نے بھی وہی صفات حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ اور با وجودیکہ اسی ازالہ اوہام میں یہ عبارت بھی لکھی ہوئی موجود ہے:۔

"حضرت عیسےٰ ابن مریم ایسے خلیفۃ اللہ تھے کہ ظاہری عنانِ حکومت اُنکے

ہاتھ میں نہیں آئی تھی۔ اور سیاست ملکی اور اس دُنیوی بادشاہی سے ان کو کچھ علاقہ نہیں تھا۔ اور دُنیا کے ہتھیاروں سے وہ کچھ کام نہیں لیتے تھے بلکہ اُس ہتھیار سے کام لیتے تھے جو ان کے انفاس طیّبہ میں تھا یعنی اس موجہ بیان سے جو اُن کی زبان پر جاری کیا گیا تھا جس کے ساتھ بہت سی برکتیں تھیں۔ اور جس کے ذریعہ سے وہ مرے ہوئے دلوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور بہرے کانوں کو کھولتے تھے۔ اور مادرزاد اندھوں کو سچائی کی روشنی دکھا دیتے تھے۔ ان کا وہ دم ازلی کافر کو مارتا تھا۔ اور اس پر پوری حجت کرتا تھا لیکن مومن کو زندگی بخشتا تھا۔ وہ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے تھے۔ اور ظاہری اسباب اُن کے پاس نہیں تھے۔ اور ہر بات میں خدا تعالیٰ اُن کا متولی تھا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۷)

مگر آپ کو عداوت میں اندھے ہو جانے کی وجہ سے یہ تو نظر نہیں آئی مگر جو سطور ۔ سود نامسعود کے حوالہ سے بطور الزام خصم لکھی گئی تھیں وہ بخوبی نظر آ گئیں۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار فرمایا ہے کہ :-

(۱) "ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور نیک اور راستباز مانتے ہیں تو پھر کیونکر ہماری قلم سے ان کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں۔" (کتاب البریہ صفحہ ۹۳)

(۲) "ہماری قلم سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت جو کچھ خلاف شان اُن کے نکلا ہے وہ الزامی جواب کے رنگ میں ہے اور وہ دراصل یہودیوں کے الفاظ ہم نے نقل کئے ہیں۔" (چشمہ مسیحی مقدمہ صفحہ ب)

(۳) "ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں، اور اُن کی نبوت پر ایمان لائیں ۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو ان کی شان بزرگ کے برخلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔" (ایام الصلح ٹائیٹل پیج صفحہ ۲)

(۴) موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور

مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔" (کشتی نوح ص۱۶)

تو پھر ان واضح عبارات اور روشن بیانات کو چھپانا اور جو عبارات حکایتاً عن الیہود لکھی گئی ہیں ان کو عوام کے سامنے لانا اسی کا نام تو دھوکا دہی ہے جس کا آپ بار بار ارتکاب کر رہے ہیں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ طریق خطاب محض الزام خصم کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی ان کے فرضی مسیح کے لئے۔ جیسا کہ حضور پادری فتح مسیح کو اس کی گندہ دہانی پر تنبیہہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب ہم یہ خط بطور نوٹس کے آپ کو بھیجتے ہیں کہ اگر پھر ایسے ناپاک الفاظ آپنے استعمال کئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ناپاک تہمت لگائی تو ہم بھی آپ کے فرضی اور جعلی خدا کی وہ خبریں لیں گے جس سے اسکی تمام خدائی ذلت کی نجاست میں گریگی۔ اے نالائق کیا تو اپنے خط میں سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو زنا کی تہمت لگاتا ہے اور فاسق و فاجر قرار دیتا ہے اور ہمارا دل دکھاتا ہے...... یقیناً جو کچھ تم جناب مقدس نبوی کی نسبت برا کہو گے وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر ہم اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا۔ نہ بیٹا ہونے کا۔ اور جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے آنیکی خبر دی اور ان پر ایمان لایا۔" (نور القرآن ۲ ص۱۳)

پھر فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالےٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کوئی خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا۔ اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسےٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا۔ اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔

چہ جائیکہ اُس کو نبی قرار دیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۹)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"اور یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اُس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا۔ اور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔" (انجام آتھم صفحہ ۱۳)

چونکہ برق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیائے کرام کی "تحقیر و استخفاف" کا ناپاک الزام بھی لگایا ہے۔ اس لئے ہم اس بارہ میں بطور مشتے نمونہ از خروارے صرف ایک دو حوالے درج کرتے ہیں جن سے خدا ترس ناظرین معلوم کر سکیں گے کہ گذشتہ انبیاءؑ کے متعلق حضورؑ کے خیالات کس قدر پاکیزہ ہیں۔ حضورؑ فرماتے ہیں سے

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا ✦ نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر ✦ لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے ✦ اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی ✦ دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے ✦ وہ طیّب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں ✦ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ ✦ باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

ہر رسولے آفتابِ صدق بود ✦ ہر رسولے بود مہرِ انورے
ہر رسولے بود ظلّے دیں پناہ ✦ ہر رسولے بود باغِ مثمرے
گر بُدے دنیا نا مدے ایں خیلِ پاک ✦ کارِ دیں ماندے سراسر ابترے
ہر کہ شکرِ بعثِ شاں نارد بجا ✦ ہست او آلائے حق را کافرے
آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند ✦ متحد در ذات واصل و گوہرے
اوّل آدمؑ آخرِ شاں احمدؐ است ✦ اے خنک آنکس کہ بیند آخرے

انبیاء روشن گہر ہستند لیک ÷ ثبت احمد زاں ہمہ روشن ترے
آں ہمہ کانِ معارف بودہ اند ÷ ہر یکے از رہ موئے مخبرے

(۳۰) پھر برقی صاحب لکھتے ہیں:-

"ہماری قبر مدینہ منورہ میں خاص روضہ شریف کے اندر ہوگی"

(ازالہ اوہام طبع ثانی صفحہ ۲۳۶)

اس کا مختصر جواب تو یہی ہے۔کہ یہ حوالہ ازالہ اوہام کے ۲۳۶ صفحہ پر ہرگز موجود نہیں۔اور اگر کوئی کہے کہ ہے تو جب تک وہ نکال کر نہ دکھلاوے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کی وعید خود کو مورد سمجھے۔

اور بطور الزام خصم کے یہ جواب ہے کہ جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یدفن معی فی قبری فرمایا ہے۔اور آپ مسیح مہدی کے متعلق ہر امر کو ظاہر پر ہی محمول کرنے کے شائق ہیں۔تو پھر اس میں آپ کو کیا اشکال ہے۔کیا یدفن معی فی قبری کا ظاہری مصداق حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص روضہ شریف کے اندر دفن نہ ہوگا؟ اور اگر اس میں تاویل کی گنجائش معلوم ہوتی ہے تو پھر تاویل ایک آدھ امر میں کیوں کرتے ہیں پیشگوئی کے تمام پہلوؤں کو قابلِ تاویل سمجھیں۔اور جو تاویل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے اُسے قبول فرمائیں کہ سلامتی کی صرف اور صرف یہی ایک راہ ہے۔

اس کے بعد آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کی زبان اور فصاحت و بلاغت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اگر آپ اس نقطۂ نگاہ سے مرزا صاحب کی تصانیف کو دیکھیں گے تو آپ کو سخت مایوسی ہوگی۔بھدی تراکیب،بودا اسلوب بیان،حشو و زوائد کا انبار، اطناب ممل غلط سلط عربی مولویانہ رنگ کی پھس پھسی اُردو،تخیل سے عاری اشعار اور بے لذت نظمیں۔حیرت ہوتی ہے کہ جو شخص اُردو کی چار سطریں لکھنے میں دس ٹھوکریں کھاتا ہے وہ نبی کیسے بن گیا۔نبی تو افصح الدہر ہوا کرتا ہے"

یہ سطور پڑھ کر ہمیں بجائے رنج اور افسوس ہونے کے بے حد خوشی ہوئی۔اور ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ الحمد للہ آپ نے خود ہی اپنی علمی بے مائیگی،روحانی بے بصیرتی اور جسمانی بے بصارتی کا اپنے ہاتھوں ثبوت مہیا کر دیا۔کیونکہ

قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری ÷ قدرِ گل بلبل شناسد قدرِ قنبر را علیؓ

اور اگر ان اعتراضات کی موجودگی میں جو آپ نے البیان کے ص۱ تا ص۲۲ میں کئے ہیں آپکی زبان سے حضرتِ اقدسؑ کی کتب کے متعلق کوئی تحسین و آفرین کا کلمہ نکلتا تو ہمیں بیحد افسوس ہوتا اور ہماری حالت وہی ہوتی جس کا نقشہ اِن اشعار میں کھینچا گیا ہے ؎

شاعرے در سخنوری ساحر ÷ در فنِ مدح گستری ماہر
بہرِ شاہے نوائے مدح افراخت ÷ پُر صنائع قصیدۂ پرداخت
بُرد روزے سیکے نکو خواں را ÷ کہ رساند بعرضِ شہ آں را
پائے تا سر قصیدہ را برخواند ÷ حرف حرفش بسمعِ شاہ رساند
خواندنش چوں بآخر انجامید ÷ وزادائے سخن بیا رامید
داشت شاعر باہلِ مجلس گوش ÷ کہ بہ تحسین او کنند خروش
ہیچ کس دم نزد زباں نکشاد ÷ دادِ تحسین آں قصیدہ نداد
ناگہاں شہرۂ بجہل و غرور ÷ بانگ زد از حریمِ مجلس دُور
بارک اللہ فلاں نکو گفتی ÷ گوہرِ مدحِ شاہ نکو سفتی
مرد شاعر چو سوئے او نگریست ÷ دست بر سر نہاد و زار گریست
گفت بشکست ایں حدیثم پشت ÷ بلکہ تحسین ایں خبیثم کشت
ترکِ تحسین بادشاہ و گدا ÷ روئے بخت مرا نہ کرد سیاہ
وافرینے کہ ایں مغفل کرد ÷ روزِ عیش مرا مبدل کرد
ہرچہ از بوستاں سبے خردی است ÷ گرچہ شاخ قبول بیخ ردی است
مَیلِ ہر کس بسوئے جنسِ وے است ÷ آنچہ پخت است جنسِ خام کے است
زاغ خواند نفیرِ ناخوشِ زاغ ÷ چہ شناسد صفیرِ بلبلِ باغ
چغد سازد بہ کنجِ ویرانہ ÷ کے پذیرد زِ گنجِ شہ خانہ
نیست چوں دیدۂ سخن بینش ÷ عار می آیدم ز تحسینش!

لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ اعتراض کرنا بہت آسان کام ہے۔ مگر جو شخص ایسا آسان کام کرنے کے لئے بھی دوسروں کے سہارے کا محتاج ہے اور اندھوں کی طرح ایک قدم بھی بیدھڑک نہیں اٹھا سکتا وہ سچا کھے کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے۔ برق صاحب غور کریں کہ اگر ان کی آنکھیں

ہیں تو وہ اصل کتابوں میں حوالجات دیکھنے اور ان کی تحقیق کرنے بلکہ خود کتابیں پڑھنے کی تکلیف
وارا نہ کرتے ؟ آن کا مکھی پر مکھی مارنا اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چلنا
اف اور صریح دلیل اس بات کی ہے کہ وہ بچارے آنکھوں سے معذور ہیں اور ان کیلئے
ن رات اور اندھیرا اُجالا برابر ہے۔ اور جب صورت حالات یہ ہو تو کوئی نادان ہی ہوگا جو
پ سے یہ توقع رکھے کہ ان کتابوں میں آپ کو فصاحت و بلاغت کے بے نظیر نمونے مع اپنے
، چاشنی، ترکیب کی درستی اور بندش کی چستی بھی نظر آسکتی ہے۔

ہم برقی صاحب کی خدمت میں اگر وہ بینائی کے ساتھ اپنی شنوائی بھی نہیں کھو چکے ہیں باادب
رش کریں گے کہ چونکہ آپ فصاحت و بلاغت کو پرکھنے کے اہل ہی نہیں[1] ہیں اس لئے ان
تابوں میں آپ کو یہ چیزیں اگر نہ ملیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جو لوگ اس فن کے ماہر
، جب تک بینائی حاصل نہ ہو جائے اُن سے سنکر بھی آپ گزارہ کر سکتے ہیں کیونکہ آجکل
ئی اندھے قوتِ شنوائی سے کام لیکر مولوی فاضل تک کا امتحان پاس کر لیتے ہیں۔ پس اگر
ت بخیر ہے تو ان کی زبانی سُنئے۔

مرزا حیرت دہلوی جو خود اعلیٰ درجہ کے ادیب تھے اور آپ کی ساری عمر حضرت اقدسؑ کی
الفت میں گزری اظہار صداقت سے مجبور ہو کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اُس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام
کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرے کا بالکل
رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم
کردی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا
اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کی یہ

---

[1] ادبیت کی ڈینگیں مارنے والے متکبر اور مغرور انسان کے متعلق الٰہی تصرف دیکھئے کہ اسکے
نہ میں ذلت کی خاک بھرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی کے ہاتھوں سامان کر دیا یعنی اطناب مملّ کی
نہ "اطناب مطّل" لکھکر اپنی ادب سے تہیدستی، کور باطنی اور بدمذاقی کا خود ہی ثبوت بہم پہنچا دیا۔
چ ہے "انی مهین من اراد اهانتك وانی معین من اراد اعانتك"
اعتبروا یا اولی الابصار۔

مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے رد میں لکھی گئی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے اُن کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اِس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندیٔ ہند میں بھی اِس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ایک پُر جذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اُس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو جچے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرحوم کے اردو علم ادب میں بعض بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے تو بھی اس کا پُر زور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔" (اخبار کرزن گزٹ دہلی یکم جون ۱۹۰۸ء)

امرتسر کا اخبار وکیل لکھتا ہے :-

"غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی تھیں اُن کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اُترا۔ اُن کی کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے۔"

دیکھا آپ نے جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے آنکھیں عطا فرمائی ہیں اور اُن میں بینائی کا نور بھی موجود ہے اُنہیں اِن کتابوں میں کیا نظر آرہا ہے۔ اگر آپ کو کچھ نظر نہیں آتا تو یہ اِن کتابوں کا نہیں بلکہ آپ کی نظر کا قصور ہے۔ اگر آپ کو آنکھوں کی کوئی قدر ہے تو شافی مطلق نے قادیان میں ایسے مریضوں کی شفایابی کے لئے ایک بہت بڑا ہسپتال کھول رکھا ہے۔ اور ایک نہایت ہی قابل اور مستند ڈاکٹر علاج کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ آپ بھی اپنی نابینائی کا علاج کرا کر شفایاب ہو سکتے ہیں۔ ورنہ یاد رکھیں من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی واضل سبیلاً۔

اب ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب سے جن کے متعلق برقی صاحب نے نہایت ڈھٹائی سے لکھدیا ہے کہ ان میں بھدی تراکیب اور بھدے اسلوب بیان ہیں چند ایک

نمونے نظم اور نثر کے پیش کرتے ہیں اور اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ اِن عبارات کو اپنی نام نہاد صرف و نحو اور فصاحت و بلاغت کے شکنجے میں کس کر جو اعتراض وہ کر سکتے ہیں دل کھول کر کریں اور اگر انہوں نے ایسا کیا اور ہم پہلے سے متحدیانہ طور پر کہے دیتے ہیں کہ وہ ہرگز نہیں کریں گے۔ تو پھر انشاء اللہ تعالےٰ اُن کی عبرتناک تحریروں سے مخلوقِ خدا کو بہت فائدہ پہنچے گا۔

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے ÷ بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے
جو لوگ شک کی سردیوں سے تھرتھراتے ہیں ÷ اُس آفتاب سے وہ عجب دھوپ پاتے ہیں
دُنیا میں جس قدر ہے مذاہب کا شور و شر ÷ سب قصہ گو ہیں نور نہیں ایک ذرہ بھر
مُردہ پرست ہیں وہ جو قصہ پرست ہیں ÷ پس اس لئے وہ موردِ ذلّ و شکست ہیں
بن دیکھے دل کو دوستو پڑتی نہیں ہے کل! ÷ قصّوں سے پاک کیسے ہو یہ نفسِ پُرخلل!
اے سونے والو جاگو کہ وقتِ بہار ہے ÷ اب دیکھو آکے در پہ ہمارے وہ یار ہے
کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا ÷ لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جُدا
اس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدّعا ÷ جنّت بھی ہے یہی کہ ملے یارِ آشنا
بن دیکھے کس طرح کسی مہ رُخ پہ آئے دل ÷ کیونکر کوئی خیالی صنم سے لگائے دل
دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی ÷ حُسن و جمالِ یار کے آثار ہی سہی
سو روگ کی دوا یہی وصلِ الٰہی ہے ÷ اِس قید میں ہر ایک گنہ سے رہائی ہے
پر جس خدا کے ہونے پہ کوئی نہیں نشاں ÷ کیونکر نثار ایسے پہ ہو جائے کوئی جاں
جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا ÷ اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما
یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے ÷ دلبر کی مرنے والوں پہ ہر دم نگاہ ہے
ناپاک زندگی ہے جو دُوری میں کٹ گئی ÷ دیوارِ زہدِ خشک کی آخر کو پھٹ گئی
زندہ وہی ہیں جو کہ خدا کے قریب ہیں ÷ مقبول بن کے اُسکے عزیز و حبیب ہیں
وہ دُور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں ÷ ہر دم اسیرِ نخوت و کبر و غرور ہیں
تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو ÷ کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو ÷ ورنہ خیالِ حضرتِ عزّت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول ÷ تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول
اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا ÷ ترکِ رضائے خویش پئے مرضیِ خدا

پھر حضورؑ فرماتے ہیں ؎

دو عضو اپنے جو کوئی ڈر کر بچائے گا ✤ سیدھا خدا کے فضل سے جنت میں جائیگا
وہ اک زباں ہے عضو نہانی ہے دوسرا ✤ یہ ہے حدیث سیدنا سید الوریٰ
پر وہ جو مجھ کو کاذب و مکار کہتے ہیں ✤ اور مفتری و کاذب و بدکار کہتے ہیں
ان کیلئے تو بس ہے خدا کا یہی نشاں ✤ یعنی وہ فضل اسکے جو مجھ پر ہیں ہر زماں
دیکھو خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا ✤ گمنام پا کے شہرۂ عالم بنا دیا
جو کچھ مری مراد تھی سب کچھ دکھا دیا ✤ مَیں اک غریب تھا مجھے بے انتہا دیا
دُنیا کی نعمتوں سے کوئی بھی نہیں رہی ✤ جو اُس نے مجھکو اپنی عنایات سے نہ دی
ایسے بدوں سے اسکے ہوں ایسے معاملات ✤ کیا یہ نہیں کرامت و عادت سے بڑھکے بات
جو مفتری ہے اس سے یہ کیوں اتحاد ہے ✤ کس کو نظیر ایسی عنایت کی یاد ہے
مجھ پہ ہر اک نے وار کیا اپنے رنگ میں ✤ آخر ذلیل ہو گئے انجام جنگ میں
اِک کینوں میں کسی کو بھی ارماں نہیں رہا ✤ سب کی مراد تھی کہ مَیں دیکھوں رہ فنا
تھے چاہتے کہ مجھکو دکھائیں عدم کی راہ ✤ یا حاکموں سے پھانسی دلا کر کریں تباہ
یا کم سے کم یہ ہو کہ مَیں زنداں میں جا پڑوں ✤ یا یہ کہ ذلتوں سے مَیں ہو جاؤں سرنگوں
یا مخبری سے اُن کی کوئی اور ہی بلا ✤ آ جائے مجھ پہ یا کوئی مقبول ہو دُعا
پس ایسے ہی ارادوں سے کر کے مقدمات ✤ چاہا گیا کہ دن مرا ہو جائے مجھ پہ رات
کوشش بھی وہ ہوئی کہ جہاں میں نہ ہو کبھی ✤ پھر اتفاق وہ کہ زماں میں نہ ہو کبھی
مجھ کو ہلاک کرنے کو سب ایک ہو گئے ✤ سمجھا گیا مَیں بد پہ وہ سب نیک ہو گئے
آخر کو وہ خدا جو کریم و قدیر ہے ✤ جو عالم القلوب و علیم و خبیر ہے
اُترا مری مدد کے لئے کر کے عہد یاد ✤ پس رہ گئے وہ سارے سیہ رُوئے و نامراد
کچھ ایسا فضل حضرت ربّ الوریٰ ہؤا ✤ سب دشمنوں کے دیکھ کے اوساں ہوئے خطا
اِک قطرہ اُسکے فضل نے دریا بنا دیا ✤ مَیں خاک تھا اُسی نے ثریا بنا دیا
مَیں تھا غریب و بیکس و گمنام و بے ہُنر ✤ کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
لوگوں کی اِس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی ✤ میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی
اب دیکھتے ہو کیسا رجوعِ جہاں ہؤا ✤ اک مرجعِ خواص یہی قادیاں ہؤا

پر پھر بھی جن کی آنکھ تعصب سے بند ہے ÷ ان کی نظر میں حال مرا ناپسند ہے
میں مفتری ہوں اُن کی نگاہ و خیال میں ÷ دُنیا کی خیر ہے مری موت و زوال میں

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں ؎

بترس اے معاند ز قہرِ خدا ÷ کہ سخت است قہرِ خداوندِ ما
بسا کردن ترسِ پروردگار ÷ بسا شہر ویراں شدند و دیار
ازاں بے ہراساں نشانے نماند ÷ نشانے چہ یک استخوانے نماند
ہمہ زیرکی در ہراسیدن است ÷ وگرنہ بلا بر بلا دیدن است
بہ ناپاکی و خبث ہا زیستن ÷ بہ ازایں چنیں زیست نازیستن
بیا و بنہ سوئے انصاف گام ÷ زکیں توسن کردن چرا شد حرام
یقیں داں کہ قولم ز حق پروریست ÷ خلاف و گزاف است و نے سرسریست
بہر مذہبے غور کردم بسے ÷ شنیدم بدل حجتِ ہر کسے
بخواندم ز ہر ملتے دفترے ÷ بدیدم ز ہر قوم دانشورے
ہم از کودکی سوئے ایں تاختم ÷ دریں شغل خود را بینداختم
جوانی ہمہ اندریں باختم ÷ دل از غیر ایں کار پرداختم
بماندم دریں غم زمانے دراز ÷ نخفتم ز فکرش شبانے دراز
نگہ کردم از روئے صدق و سداد ÷ بترسِ خدا و بعدل و بداد
چو اسلام دینے قوی و متین ÷ ندیدم کہ بر منبعش آفرین
چناں دارد ایں دیں صفا بیش بیش ÷ کہ حاسد بہ بیند در و روئے خویش
نماید ازاں گونہ راہِ صفا ÷ کہ گردد بصدقش خرد رہنما
ہمہ حکمت آموزد و عقل و داد ÷ رہاند ز ہر نوعِ جہل و فساد
ندارد دگر مثلِ خود در بلاد ÷ خلافش طریقے کہ مثلش مباد
اصولش کہ ہست آں مدارِ نجات ÷ چو خورشید تابد بصدق و ثبات
اصولِ دگر کیش ہا ہم عیاں ÷ نہ چیزے کہ پوشیدنش مے تواں
اگر نامسلماں خبر داشتے ÷ بجاں جنسِ اسلام نگذاشتے

محمد ہمیں نقش نورِ خدا است * کہ ہرگز چنوئے نگیتی نخاست
تہی بود از راستی ہر دیار * بجز وارِ آں شب کہ تاریک و تار
خدا ایشں فرستاد و حق گسترید * زمیں را بداں مقدمے جاں دمید
نہالیست از باغِ قدس وکمال
ہمہ آلِ او ہمچو گلہائے آل

(مقدمہ براہین احمدیہ ص۱۶)

چونکہ اِس متکبر انسان نے حضرت سُلطان القلم کے بعض عربی الہامات میں بزعم خود صرفی نحوی اغلاط نکالنے کی بھی ناکام کوشش کی ہے اس لئے قبل اس کے جو ہم ان اغلاط کا دندان شکن جواب دیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عربی کلام کا کچھ نمونہ اور مقابلہ کے لئے حضور کی تحدّی حضورؑ ہی کے الفاظ میں ناظرین باتمکین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:۔

ان متضاد خیالات کا جواب دیتے ہوئے کہ عربی لکھنے کے لئے گھر میں عرب چھپایا ہوا ہے اور عربی عبارات صرفی نحوی اغلاط سے پُر ہیں۔ حضورؑ اپنے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

انظر الی اقوالہم وتناقض * سلب العناد اصابۃ الآراء
طوراً الی عرب عزوہ وتارۃً * قالوا کلام فاسد الاملاء
ھٰذا من الرحمٰن یاحزب العدا * لا فعل شامی ولا رفقائی

"اعجاز المسیح" کے بالمقابل عربی زبان میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر شائع کرنے پر تحدّی فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "فانہ کتاب لیس لہ جواب ومن قام للجواب وتنمر فسوف یریٰ انہ تندم وتدمّر"

(۲) "اعلموا ان رسالتی ھٰذہ اٰیۃ من اٰیات اللہ رب العٰلمین وتبصرۃ لقوم طالبین۔ وانہا من ربی حُجّۃ قاطعۃ وبرھان مبین۔ کذالک لیذیق الافاکین قلیلاً من جزاء ذنوبھم ویری النّاس ما ترشح من ذنوبھم ویجنّبھم بمعجزۃ قاھرۃ

ویزیل اضطجاع الا من من جنوبہم و لیستاصل راحۃ کاذبۃ
من قلوبہم والحق والحق اقول ان ھٰذا کلام کانہ حسام
وانہ قطع کل نزاع وما بقی بعدہ خصام
ومن کان یظن انہ فصیح وعندہ کلام
کانہ بدر تام فلیأت بمثلہ والقسمت علیہ
حرامٌ وان اجتمع اٰباءھم وابناءھم والفاھم
وعلماءھم وحکماءھم وفقہاءھم علیٰ ان یأتوا
بمثل ھٰذا التفسیر فی ھٰذا المدی انقلیل
الحقیر لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضہم
لبعض کالظھیر فانی دعوت لذالک وان
دعائی مستجاب فلن یقدر علیٰ جوابہ
کتاب لا شیوخ ولا شباب ؎

(اعجاز المسیح ص۱۵۸ مطبوعہ فلسطین)

یہ عبارات درج کرنے کے بعد ہم امید رکھتے ہیں کہ برق صاحب نہ صرف ان میں صرفی نحوی اغلاط نکالنے کی کوشش کریں گے بلکہ چونکہ وہ شاعر ہونے کا دعوے بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی یونیورسٹی کی سب سے بڑی ڈگری بھی حاصل کئے ہوئے ہیں اس لئے ان عبارات میں بیان شدہ مضامین میں نظم و نثر میں خامہ فرسائی کرکے انہیں مضامین کو اس سے بہتر پیرایہ میں (کیونکہ مرزا صاحب بقول ان کے "باقاعدہ میٹرک فیل[1] تھے" اور آپ ہوئے یونیورسٹی کے ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی) یا کم از کم ایسے اسلوب بیان میں جو حضورؑ کے اسلوب بیان کا لگا کھا سکے بیان کرنیکی کوشش کریں گے۔ اور جس طرح ان متحدیانہ کتابوں کے شائع ہونے کے بعد نہ صرف پنجاب و ہندوستان بلکہ کل دنیا کے علماء دم بخود ہوگئے برق صاحب کی طرف سے اس پر صدائے برنخواست والا معاملہ نہ ہوگا۔ اور وہ ضرور زبان کشائی کرکے اس الزام سے اپنے تئیں

---

[1] لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؑ کی تعلیم گھریلو تھی کسی مدرسہ میں حضورؑ نہ داخل ہوئے نہ میٹرک تک تعلیم پائی۔

بری الذمہ ٹھہرانے کی کوشش کریں گے۔

پھر برق صاحب اپنی عربی دانی کا بھانڈا امرت سر کے "کٹڑہ سفید" کے چوراہے میں پھوڑتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک الہام پر بدیں الفاظ معترض ہیں:۔

"قرآنی آیات کے علاوہ عربی کے چند اور فقرے بھی ملتے ہیں جو ادبیت کے لحاظ سے نہایت پست ہیں اور عموماً غلط۔ مثلاً یا مریم اسکن۔ ایک جاہل بھی جانتا ہے کہ اسکن مذکر کا صیغہ ہے اور مریم مؤنث۔ اس لئے یہ فقرہ غلط ہے"

(البیان صلا)

اس کا جواب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جیسے معاند سے جنہوں نے سارے ہندوستان کی خاک چھان کر حضرت اقدس کے خلاف کفر کا فتویٰ تیار کیا۔ اور اپنی ساری زندگی حضور کی مخالفت کے لئے وقف کر دی تھی سنیں! آپ اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۲، ۳، جلد ۴ اور ۹ جلد ۷ حاشیہ صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں:۔

"اور الہام یا مریم اسکن انت وزوجک الجنۃ میں لفظ مریم سے مؤلف مراد ہے۔ جس کو ایک روحانی مناسبت کے سبب مریم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس تشبیہ کی ادنیٰ مثال نظامی کا یہ شعر ہے جس میں انہوں نے اپنی طبیعت کو مریم سے تشبیہ دی ہے ؎

ضمیرم نہ زن بلکہ آتش زن است ✤ کہ مریم صفت بکر آبستن است

اس صورت میں مریم کا خطاب بصیغہ تذکیر محل اعتراض نہیں۔ کسی کو یہ شبہ نہ گذرے کہ برعایت لفظ مریم اُسکن کو مؤنث کیوں نہ کیا گیا۔ اس لئے کہ لفظ مریم میں تانیث لفظی نہیں تاکہ لفظ کی رعایت ہوتی۔ معنوی تانیث تھی جو اس مقام میں مؤلف کی مراد ہونے سے نہ رہی"

ہم حیران ہیں کہ اتنی معمولی سی بات بھی بتلانے والا امرت سر میں کوئی نہیں رہا۔ برق صاحب کو چاہئے کہ اگر عربی علوم کی تحصیل کا شوق ہو تو ان علوم کا مرکز اللہ تعالیٰ نے قادیان کو مقرر فرمایا ہے، یہاں آکر سیکھیں۔

اور دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ بشرنی ربی بموتہ فی ست سنۃ میں چونکہ ممیز تین سے دس تک کا مجموع اور مجرور ہوتا ہے اس لئے ست سنۃ غلط ہے اس کی بجائے

تِسْتَۃِ سِنِیْن" چاہئے تھا۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں بھی آپ نے یہودیت کے خصوصی عیب کا مظاہرہ کر کے یا تو دانستہ ست سنۃ کو ستۃ سنۃ کر دیا ہے اور یا پھر اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے اور آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ تین سے دس تک عدد مذکر تانیث کے ساتھ اور مونث بغیر تا کے آتا ہے۔ اور اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ آپ نے سنۃ کو سِتَّۃٍ لکھدیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان دونوں لفظوں کو بھی ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عربی زبان میں قریباً بیس کتب لکھی ہیں اور کتب بھی متحدیانہ۔ اور ان میں کئی جگہ اعداد کا استعمال فرمایا ہے اور ہر جگہ صحیح استعمال فرمایا ہے۔ بیس عربی کتب کے مصنف سے کسی ایک ادنیٰ معمولی غلطی کا وقوع سبقتِ قلم سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود سِتَّۃٍ سَنَۃً ہو یعنی سَنَۃً سے پہلے اعنی فعل محذوف ہو اور سَنَۃً اس کا مفعول ہو۔ اور کاتب نے منصوب کی بجائے مجرور کر دیا ہو۔

(۳) اور تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ کے خیال میں خدا کو بھی عربی زبان آتی ہے یا نہیں؟ اگر آتی ہے تو مندرجہ ذیل صرف و مثالوں کی توجیہہ بیان کیجئے۔ (۱) نحویوں نے لکھا ہے کہ گیارہ سے ننانوے تک ممیز مفرد اور منصوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وقطعنٰھم اثنتی عشرۃ اسباطًا۔ پھر (۲) نحویوں نے لکھا ہے کہ تین سے دس تک ممیز جمع قلت اور مجرور ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں ثلاثۃ قروءٍ فرماتا ہے حالانکہ قاعدے کی رو سے ثلاثۃ اقراءٍ چاہئے تھا۔ پس جس خدا نے قرآن کریم نازل فرمایا ہے اُسی خدا کی وہ عربی جو ست سنۃٍ میں ہے کیونکر محلِ اعتراض ٹھہر سکتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ کے اعتراضات بالکل اندھے کی لاٹھی کی طرح ہیں جو بلاتمیز اپنے اور بیگانے دونوں پر برستی ہے۔ ورنہ نحو کی کتابوں میں ہر قاعدے کے بعد چند ایک امثلہ شاذ کی بھی موجود ہیں۔ اور شاذ وہی ہوتا ہے جو قیاس سے باہر رہ جاوے۔ کون انسان ہے جو یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے زبان عربی کا استقصا کر لیا ہے اور کوئی گنجایش قواعد زبان میں کمی بیشی کی باقی نہیں رہی۔ یہ صرف خدا ہی کا کام ہے جو عالم الغیب ہے۔ پس جو ترکیب قرآنی استعمال میں آگئی ہے، گو وہ آپ جیسے ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کے نزدیک

نحوی قواعد کے خلاف ہو مگر قواعدِ زبان کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ استقصاء کا دعوٰے خدا ہی کو سزاوار ہے۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ "اب اگر کسی احمدی اسے یہ کہیئے کہ حضرت آپ کے پیغمبر نہ عربی جانتے ہیں نہ اُردو تو وہ معاً قرآن شریف اُٹھا کر اس میں غلطیاں تلاش کرنے لگ جائیں گے"۔ یا تو آپ کی کور باطنی کی دلیل ہے کیونکہ احمدی لوگ قرآن اٹھا کر اس میں سے مثالیں تلاش کرتے ہیں نہ کہ غلطیاں۔ احمدی تو یہ مانتے ہی نہیں کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ وہ تو اسے خدا کا کلام مانتے ہیں۔ پھر خدا کا کلام مان کر اس میں غلطی کا امکان وہ کس طرح مان سکتے ہیں جو یقیناً مفضی الی الکفر ہے۔ یہ غلطیاں نکالنا تو آپ جیسے سپوتوں کا کام ہے جو انسان ہو کر خدا کے مقابلہ میں بھی انا خیرٌ منہ کا نعرہ لگانے سے نہیں چوکتے پس چونکہ آپ لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں اور قرآن پر ایمان کے بھی مدعی ہیں اس لئے احمدی غریب آپ کو آپ کے ہی مسلمات کی طرف لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس دن آپ اسلام اور قرآن سے بیزاری کا اعلان عام کر دیں گے، اُسی دن احمدی بھی کوئی دوسرا رنگ جواب کا اختیار کر لیں گے۔ اور یا پھر یہ کہنا آپ کی صریح ڈھٹائی ہے۔ کیونکہ جب آپکو معلوم ہے کہ قرآن میں بھی ایسی "غلطیاں" موجود ہیں، جو خدا کا کلام ہے تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں اگر شاذ و نادر کے طور پر کوئی ایک آدھ غلطی بھی پائی جائے جو النادر کالمعدوم کے حکم میں ہے تو حرج ہی کیا ہے۔ کیونکہ آپؑ تو صرف پیغمبر ہی ہیں کوئی خدا تو نہیں ہیں۔

پھر برقؔ صاحب احمدیوں کے دعوئ اشاعتِ اسلام اور تراجم قرآن پر انہیں شرمندہ کرتے ہوئے البیان کے صلا پر رقمطراز ہیں:۔

"یہ اینٹھنے کی بات نہیں بلکہ شرم کا مقام ہے کہ تم نے پیدا ہوتے ہی دُنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے باہر نکال دیا۔ مساجد میں آنا جانا ترک کر دیا۔ باقی مسلمانوں سے مرگ و شادی کے تعلقات منقطع کر لئے کوئی مسلمان تمہیں سلام کہہ بیٹھے تو تم جواب میں وعلیکم السلام نہیں کہتے۔ اگر تمہارا باپ بھی غیر احمدی ہو اور فوت ہو جاوے تو اُس کے جنازے میں شامل نہیں ہوتے۔ معمولی مسلمان تو رہا ایک طرف اگر مفتئ فلسطین بھی فرائض امامت

انجام دے رہا ہو تو تم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ تو گویا ستر کروڑ مسلمانوں کا قصہ تو یوں پاک ہوا۔"

اِس ناپاک اور گندے اتہام کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ تصویر کا یہ ظلمانی رُخ جو آپ دکھایا ہے چونکہ خدا نے آپ کو بصیرت اور بصارت دونوں سے ماشاء اللہ بے بہرہ رکھا ہوا ہے۔ اس لئے اپنی نابینائی کی وجہ سے آپ کو نظر نہیں آیا کہ یہ تصویر ان کی اپنی بنائی ہوئی ہے یا احمدیوں کی۔ ہم برق صاحب سے پوچھتے ہیں کہ :-

(۱) "مرزا کو دجّال اور اس کے پیروؤں کو دجّال کی اولاد کہہ سکتے ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے دجّال کذّاب سے احتراز اختیار کریں۔ اور اس سے وہ دینی معاملات نہ کریں۔ جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں۔ نہ اس کی صحبت اختیار کریں۔ نہ اس کو ابتداءً سلام کریں اور نہ اس کو دعوتِ مسنون میں بلائیں نہ اسکی دعوت قبول کریں اور نہ اس کے پیچھے اقتدا کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔" (فتویٰ تکفیر ص۶ از سیّد نذیر حسین دہلوی)

(۲) "غلام احمد کجرو۔ پلید۔ گمراہ۔ چھپا مرتد۔ شیطان سے زیادہ گمراہ ہے۔ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاوے اور نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے تاکہ اہلِ قبور کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔"

(فتوےٰ مذکور مولوی عبد الصمد غزنوی)

مندرجہ بالا دو فتوے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کے تیار کئے تھے یا چودھویں صدی کے بد ترین خلائق علماء نے حضورؑ کے برخلاف یہ زہر پھیلا کر سارے ہندوستان میں دشمنی اور عداوت کی آگ لگائی تھی۔

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ بٹالہ میں جن لوگوں نے اپنی مساجد کے دروازوں پر لکھ رکھا ہے "اس مسجد میں کسی مرزائی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں" وہ مسجدیں احمدیوں کی ہیں یا نام نہاد مسلمانوں کی؟

پھر ہم برق صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ گذشتہ سال گجرات میں جو ایک معزز احمدی خاتون کی نعش قبر کھود کر مع کفن جلائی گئی تھی وہ نعش جلانے والے احمدی تھے یا بد نام کنندۂ نکو نامے چند مسلمان؟

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ خود امرتسر شہر میں جو ایک معصوم احمدی بچے کو جس کے والدین اس شہر میں ابھی بالکل نو وارد تھے قبرستان میں دفن کرنے سے روکنے کے لئے جو ہزارہا لوگوں کا مجمع دروازہ کٹڑہ خزانہ کے باہر جمع ہوا تھا وہ احمدیوں کا تھا یا انسانیت سے عاری اور وحشی اور درندہ صفت مسلمانوں کا۔ اگر ان تمام واقعات کے ذمہ وار احمدی نہیں، بلکہ مسلمان تھے تو ان مسلمانوں کے ساتھ برق صاحب کے لئے بھی ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ اور اس سے بڑھ کر بے غیرتی اور بے شرمی اور کیا ہوگی کہ ان افعالِ شنیعہ کا ارتکاب تو خود کریں اور سارا الزام احمدی غریبوں کے سر تھوپ دیں ؎

سچ کہو سچ کہو ہمیشہ سچ ÷ ہے بھلے مانسوں کا پیشہ سچ
جھوٹ کی بھول کر نہ ڈالو خو ÷ جھوٹ ذلت کی بات ہے اخ تھو

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے آیا کرتے ہیں نہ کہ مسلمانوں کو کافر بنانے کے لئے۔ پس اس کی آواز پر وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو درحقیقت مسلمان ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی بد اعمالی کی وجہ سے اسلام کو خیر باد کہہ چکے ہوتے ہیں۔ اور مشرک اور بیدین ہوتے ہیں۔ وہی لوگ اس کے منکر ہوتے ہیں۔ نبی کی مثال ایک سورج کی سی ہوتی ہے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو روشنی کی وجہ سے زمین پر پڑی ہوئی پاک پلید چیزوں میں تمیز ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ سورج خود پاک اور پلید چیزوں کی بارش کرتا ہے۔ یا کسی کو پاک اور کسی کو پلید ٹھہراتا ہے۔ جو پاک ہوتا ہے وہ نبی کے آنے سے پہلے ہی پاک ہوتا ہے اور جو پلید ہوتا ہے وہ اس کے آنے سے پہلے ہی پلید ہوتا ہے۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ النّاس کمعادن الذھب والفضۃ خیارکم فی الاسلام خیارکم فی الجاھلیّۃ۔ چونکہ نبی میں ایک قوتِ قدسی ہوتی ہے۔ جو مقناطیس کا اثر رکھتی ہے۔ اس لئے وہ نیکوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ بُرے اور بدکار لوگ اس کی اس کشش سے بالکل متاثر نہیں ہوتے۔

تیسرا جواب یہ ہے۔ کہ چونکہ نبی کی بعثت گری ہوئی قوم کو اٹھانے اور بام ترقی پر پہنچانے کے لئے ہوتی ہے اور اگر خبیث اور طیب آپس میں ملے جلے رہیں تو یہ ترقی ناممکن ہو جاتی ہے۔ پس ہر نبی کا پہلا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے پاکیزہ اور طیب پیروؤں کی علیحدہ جماعت بنائے۔ اور اعلیٰ ڈاکٹر اور حاذق طبیب کی مانند ایسے گلے سڑے عضو کو جو اپنی سڑاند

سے باقی جسم کو بھی خراب کرنیوالا ہو اور علاج پذیر نہ ہو سکتا ہو باقی جسم کی خیر خواہی اور ہمدردی کی خاطر کاٹ دے اور کوئی عقلمند ایسا نہیں جو اس پر معترض ہو سکولوں اور کالجوں میں الگ الگ جماعتیں اس لئے بنائی جاتی ہیں کہ ان کی تعلیم آسان اور ترقی جلد جلد ہو اور اگر سب کو مخلوط کر دیا جاوے تو یقیناً ان کی تعلیم میں لاینحل مشکلات پیدا ہو جائیں۔ اور ترقی کرنا ناممکن ہو جائے۔ پس اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ اگر خلیل الرحمن جانور کی طرح آوارہ پھرنے سے شرم آتی ہے تو اس گلہ میں شریک ہو جائیے جس کا محافظ ایک خدائی گلہ بان ہے سہ

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے ٭ ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

پھر آپ لکھتے ہیں:-

"باقی رہے وہ غیر مسلم جنہیں تم بزعم خود مسلمان بناتے ہو۔ تمہارے اور ان کے اسلام کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہیں۔ مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ نبوت کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ حرام ہے۔ اس ذلیل اسلام سے تو کفر بہتر ہے"

ان اعتراضات کا مختصر الفاظ میں یہ جواب ہے کہ:-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مصداق چونکہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی ہیں۔ اور وہی اس منصب کے مدعی اور اپنے اس دعوے پر زمینی آسمانی بے شمار شہادات رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ کے سوا اور کوئی مسیح موعود نہیں۔ اور اگر وہ نہیں تو پھر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا صادق مدعی پیش کریں۔ اور جیسا کہ اخبار الفضل میں بار بار اشتہار شائع ہو رہا ہے بیس ہزار روپیہ انعام لیں۔ ورنہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر بھی حرف آئے گا۔ کہ آپ کی مسیح موعود کے متعلق پیشگوئی جھوٹی نکلی۔

(۲) مسیح علیہ السلام کی وفات قرآن کریم کی تیس آیات سے ثابت ہے۔ عقلاً بھی کوئی انسان اتنی دیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ نہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ وہاں انسان کی رہائش کا کوئی سامان ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے الم نجعل الارض کفاتاً احیاءً وامواتاً۔ جب زمین زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے کے لئے کافی ہے۔ تو پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ رکھنا اور انہیں آسمان پر چڑھانا اگر جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر ہمت ہے تو آپ اُن کی حیات

ثابت کر کے دکھلائیں۔

(۳) قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ چونکہ آپ لوگوں نے خاتم النبیین کی ترکیب سے ختم نبوت کا عقیدہ نکالا ہے۔ اس لئے اگر قرآن کے نزدیک یہی معنی درست ہیں تو ضرور ہے کہ اسکے ہم معنی کوئی اور آیت اس اجمال کی تفصیل بیان کرنے والی بھی موجود ہو۔ پس اگر کوئی آیت ایسی قرآن کریم میں موجود ہے جس سے صریح طور پر نبوت بند ہونے کی تائید نکلتی ہے تو وہ آیت پیش کریں۔ ورنہ خیالی ڈھکوسلوں پر اپنے عقائد و اعمال کی بنیاد رکھکر اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان نہ کریں۔ اس بارہ میں ایک مفصل مضمون ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ جون میں شائع ہو چکا ہے۔ اگر آپ میں ہمت ہے تو پنجاب چھوڑ ہندوستان بھر کے علماء کو اپنی امداد کے لئے بلا کر اس کا جواب دیں ورنہ خالی ڈینگیں مارنا صفت حیا و شرم سے دور سمجھیں۔

(۴) یہ محض آپ کا دجل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ جہاد منسوخ فرمایا ہے اور نہ وہ یا کوئی اور اس کو منسوخ کر سکتا ہے۔ البتہ حضور کا منشاء یہ ہے کہ جہاد ایک تلوار کا ہوتا ہے، وہ ایسے وقت میں جائز ہے جب اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے سے لوگ بذریعہ تلوار روکیں۔ پس تلوار اٹھانے والوں کا تلوار سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔

اور ایک جہاد تبلیغ ہے، جو قرآنی تعلیم دوسروں تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔ اور ایک جہاد اصلاح نفس کا ہے۔ یہ ہر دو قسم کے جہاد ہر زمانہ کے لئے ہیں۔ اور حضور ان پر بدل وجان خود عمل پیرا رہے اور ان کے پیرو دل وجان سے ان پر عمل پیرا ہیں۔ اور جب مخالف لوگ تلوار اٹھائیں گے تو پھر احمدی بھی باذن الٰہی تلوار ہاتھ میں لے لیں گے مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ سال تک لوگوں کے ظلموں کا نشانہ بنے رہے۔ جب لوگوں نے اپنا ظلم انتہا کو پہنچا دیا تو حضور کو بھی اللہ تعالےٰ نے بطور مدافعت تلوار کا جواب تلوار سے دینے کا ارشاد فرمایا۔ اسی طرح اب ہوگا۔ جس جس طریق پر لوگ اسلام پر حملہ آور ہوں گے اسی طریق کے مطابق ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔ آپ لوگ باوجود بے فکری سے زندگی بسر کرنے اور خود ہاتھ پاؤں نہ ہلانے کے حضرت اقدس پر اعتراض کر رہے ہیں کہ جہاد نہیں کرتے حالانکہ آپ کا مقصد جہاد کرنا نہیں بلکہ صرف اعتراض کرنا ہے۔ آج اگر احمدی تلوار نہیں اٹھاتے تو جہاد نہ کرنے کا اعتراض، اور کل کو اگر تلوار اٹھائیں گے تو پھر آپ لوگوں کے قتل و خونریزی

کا شور مچادیں گے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ تمخا اور رہا نہ جو انسان اس کے سوا کر بھی کیا سکتا ہے۔

پس یہ ساری باتیں توہین اسلام ہیں اور اسلام بھی وہ جو خدا کا اسلام ہے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسلام ہے اور جو سچے مومنوں کا اسلام ہے۔ جو شخص اس اسلام کو ذلیل کہتا اور کفر کو اس سے بہتر سمجھتا ہے وہ اپنی ذلت اور اپنے کفر پر اپنے ہاتھ سے مُہر لگاتا ہے۔ یقیناً ایسا انسان کوئی عیسائی ہوگا یا یہودی اور یا پھر کوئی مُنہ پھٹ آریہ۔ مسلمان ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پھر آپ البیان کے صفحہ ۲۲ پر فرماتے ہیں:۔

"جو نبی دُنیا میں آتا ہے اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں الہام کی کڑکتی ہوئی بجلیاں ہوتی ہیں۔ وہ کاشانۂ باطل پر صاعقہ بن کر گرتا ہے۔ اس کے جلو میں سمندری لہروں کا شور اور طوفانوں کا زور ہوا کرتا ہے۔ اس کی رفتار قہار فرمانرواؤں کا دل دھڑکا دیتی ہے۔ اس کی ایک للکار سے کائنات دہل جاتی ہے۔ ہے کوئی ایسا پیغمبر جس نے اپنی زندگی میں سلطنت قائم نہ کی ہو۔ اگر کوئی ایسا ہے تو یقیناً اس کے پیرؤوں نے تھوڑے ہی عرصے میں جہانبانی کی داغ بیل ڈال دی ہوگی۔"

یہ الفاظ پڑھکر ہر انسان جسے دین سے ذرا بھی مس ہوگا اور اس نے قرآن کریم کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہوگا۔ بادی النظر میں ہی معلوم کرلے گا کہ یہ صرف الفاظ ہی الفاظ ہیں جن میں حقیقت کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ اگر خدا تعالےٰ کو تلوار کے ذریعہ سے منوانے اور اپنے بندوں پر کڑکتی ہوئی بجلیاں گرانے کا ہی شوق ہوتا تو وہ اس بات پر قادر تھا کہ بغیر ان کے بھی انسانوں کو راہ راست پر لے آتا۔ جیسا کہ اس نے بار بار قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ اگر ہم نے جبر ہی کرنا ہوتا تو ایک یا دو قوموں کا کیا سوال تھا پھر سب اقوام کو ہی ہدایت دیدیتے۔ مگر چونکہ جبری ایمان کسی ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس لئے ازل سے مشیت ایزدی نے یہی تقاضا فرمایا ہے کہ اپنے بندوں کو اوّل محبت سے، پیار سے، نرمی سے حسن سلوک سے اپنی طرف بُلایا جاوے۔ اور پہلے کسی حد تک اُن کی سختی نرمی کو بھی برداشت کیا جاوے۔ پھر بعد اس کے انبیاء کے مخالفین کو ایمان سے بے نصیب رہنے کی صورت میں

جو نقصانات متوقع ہیں ان سے آگاہ کیا جاوے۔ ضد اور شرارت کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈرایا جاوے۔ اور پھر آخری تنبیہہ بصورت عذاب نازل کی جاوے۔ اور پھر ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں آخری فیصلہ کر دیا جاوے۔ بدیں صورت کہ مومنین شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو جائیں اور منکرین قعرِ مذلت میں گر جائیں۔ دُنیا بھر کے تمام انبیاء کا حال پڑھ جاؤ، ہر جگہ آپ کو یہی صورتِ حالات ملیگی۔

چونکہ سابقہ انبیائے کرام میں سے صرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک ایسا مقدس وجود ہے جن کے از اوّل تا آخر حالات سے تواریخ کے صفحات اب تک درخشندہ ہیں اور تا قیامت درخشندہ رہیں گے۔ نیز اس لئے بھی کہ مسلمانوں کے لئے حضورؐ کا اُسوۂ حسنہ ہی بہترین نمونہ ہے۔ اس لئے ہم حضورِ پُر نورؐ کی ہی مقدس زندگی کے واقعات سے اِس غلط فہمی کا ازالہ کرنیکی کوشش کرتے ہیں ؎

انبیائے کرام کی بعثت کی سب سے بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ انسان کی روحانی نابینائی کو دُور کر کے اللہ تعالےٰ کی کامل معرفت عطا کریں۔ کیونکہ کامل معرفت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے کامل محبت یا کامل خوف پیدا ہو سکتا ہے۔ اور جب تک کامل محبت یا کامل خوف پیدا نہ ہو جائے انسان صحیح طور پر نہ نیکی کر سکتا ہے نہ بدی سے بچ سکتا ہے اِس بارہ میں مناسب ہوگا کہ ہم اِس سلطان القلم کے رُوح پرور اور پاکیزہ کلمات حضورؑ ہی کے الفاظ میں ناظرین کے گوش گزار کریں۔ حضورؑ فرماتے ہیں :-

(۱) "مذہب کی اصلی غرض اس سچے خدا کا پہچاننا ہے جس نے اِس تمام عالم کو پیدا کیا ہے۔ اور اس کی محبت میں اس مقام تک پہنچنا ہے جو غیر کی محبت کو جلا دیتا ہے۔ اور اس کی مخلوق سے ہمدردی کرنا ہے اور حقیقی پاکیزگی کا جامہ پہننا ہے۔ لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ اِس زمانہ میں یہ غرض بالائے طاق ہے۔ اور اکثر لوگ دہریہ مذہب کی کسی شاخ کو اپنے ہاتھ میں لئے بیٹھے ہیں اور خدا تعالےٰ کی شناخت بہت کم ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے زمین پر دن بدن گناہ کرنے کی دلیری بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ جس چیز کی شناخت نہ ہو نہ اس کا قدر دل میں ہوتا ہے اور نہ اس کی محبت ہوتی ہے اور نہ اسکا خوف ہوتا ہے۔ تمام اقسام خوف اور محبت، اور قدردانی کے شناخت

سے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ آجکل دُنیا میں گناہ کی کثرت بوجہ کمی معرفت ہے۔ اور سچے مذہب کی نشانیوں میں سے یہ ایک عظیم الشان نشانی ہے کہ خدا تعالےٰ کی معرفت اور اس کی پہچان کے وسائل بہت سے اس میں موجود ہوں تا انسان گناہ سے رُک سکے۔ اور تا وہ خدا تعالےٰ کے حُسن و جمال پر اطلاع پاکر کامل محبت اور عشق کا حصہ لیوے۔ اور تا وہ قطع تعلق کی حالت کو جہنم سے زیادہ سمجھے۔" (پیغام صلح صفحہ ۲۰)

(۲) "یہ امر زیادہ دلائل کا محتاج نہیں کہ قدردانی اور محبت اور خوف یہ سب امور معرفت یعنے پہچاننے سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ایک بچہ کے ہاتھ میں مثلاً ایک ایسا ٹکڑہ ہیرے کا دیا جاوے جس کی کئی کروڑ روپیہ قیمت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اس کی اُسی حد تک قدر کرے گا جیسا کہ ایک کھلونے کی قدر کرتا ہے۔ اور اگر ایک شخص کو اس کی لاعلمی کی حالت میں شہد میں زہر ملا کر دیا جاوے تو وہ اُسے شوق سے کھائے گا۔ اور یہ نہیں سمجھے گا کہ اس میں میری موت ہے۔ کیونکہ اُس کو ایسے شہد کی معرفت نہیں۔ لیکن تم دانستہ ایک سانپ کے سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ ایسے کام سے مرنے کا اندیشہ ہے۔ ایسا ہی تم ایک ہلاہل زہر کو دیدہ دانستہ کھا نہیں سکتے۔ کیونکہ تمہیں یہ معرفت حاصل ہے کہ اس زہر کے کھانے سے مر جاؤ گے۔ پھر کیا سبب ہے کہ تم اس موت کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے جو خدا کے حکموں کو توڑنے سے تم پر وارد ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ تمہیں ایسی معرفت بھی حاصل نہیں جیسی کہ تمہیں سانپ اور زہر کی معرفت حاصل ہے۔" (ایضاً صفحہ ۲۳، ۲۴)

(۳) "پس اے پیارو! یہ نہایت سچا اور آزمودہ فلسفہ ہے کہ انسان گناہ سے بچنے کے لئے معرفت تامہ کا محتاج ہے...... مگر ناقص معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اور نہ اس کا نتیجہ جو خوف اور محبت ہے کامل ہو سکتا ہے۔ ایمان جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ اور محبت جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ اور خوف جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ اور معرفت جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ اور ہر ایک غذا اور شربت جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ کیا تم بھوک کی حالت میں صرف

ایک دانہ سے سیر ہو سکتے ہو۔ یا پیاس کی حالت میں صرف ایک قطرہ سے سیراب ہو سکتے ہو۔ پس اے سُست ہمتو اور طلب حق میں کاہلو تم تھوڑی معرفت سے اور تھوڑی محبت سے اور تھوڑے خوف سے کیونکر خدا کے بڑے فضل کے امیدوار ہو سکتے ہو۔ ...... پس جس کو معرفت کاملہ دی گئی اس کو خوف اور محبت بھی کامل دی گئی۔ اور جس کو خوف اور محبت کامل دی گئی اس کو ہر ایک گناہ سے جو بیباکی سے پیدا ہوتا ہے نجات دی گئی۔ پس ہم اس نجات کے لئے نہ کسی خون کے محتاج ہیں اور نہ کسی صلیب کے حاجتمند اور نہ کسی کفارہ کی ہم ضرورت ہے۔ بلکہ ہم صرف ایک قربانی کے محتاج ہیں جو اپنے نفس کی قربانی ہے جس کی ضرورت کو ہماری فطرت محسوس کر رہی ہے۔ ایسی قربانی کا دوسرے لفظوں میں نام اسلام ہے۔ اسلام کے معنی ہیں ذبح ہونے کے لئے گردن آگے رکھدینا۔ یعنی کامل رضا کے ساتھ اپنی روح کو خدا کے آستانہ پر رکھدینا۔ یہ پیارا نام تمام شریعت کی روح اور تمام احکام کی جان ہے۔" (پیغام صلح صفحہ)

پھر حضور فرماتے ہیں:۔

"اسلام کی حقیقت کسی میں تب متحقق ہو سکتی ہے کہ جب اس کا وجود معہ اپنے تمام باطنی وظاہری قویٰ کے محض خدا تعالےٰ کے لئے اور اس کی راہ میں وقف ہو جائے۔ اور جو امانتیں اس کو خدا تعالےٰ کی طرف سے ملی ہیں پھر اُس معطی حقیقی کو دی جائیں۔ اور نہ صرف اعتقادی طور پر بلکہ عمل کے آئینہ میں بھی اپنے اسلام اور اس کی حقیقت کاملہ کی ساری شکل دکھلائی جاوے یعنی شخص مدعی اسلام یہ بات ثابت کر دیوے کہ اس کے ہاتھ اور پیر اور دل اور دماغ۔ اور اس کی عقل اور اس کا فہم اور اس کا غضب اور اس کا رحم اور اس کا علم اور اس کا حلم اور اس کی تمام روحانی اور جسمانی قوتیں اور اس کی عزت اور اس کا مال اور اس کا آرام اور سرور اور جو کچھ اس کا سر کے بالوں سے لے کر پیروں کے ناخنوں تک باعتبار ظاہر و باطن کے ہے یہاں تک کہ اس کی نیات اور اس کے دل کے خطرات اور اس کے نفس کے جذبات سب خدا تعالےٰ کے ایسے تابع ہو گئے ہیں کہ جیسے ایک شخص کے اعضاء اس کے تابع ہوتے ہیں۔ غرض یہ ثابت ہو جاوے کہ

صدق قدم اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو کچھ اس کا ہے وہ اس کا نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کا ہو گیا ہے اور تمام اعضاء اور قویٰ الٰہی خدمت میں ایسے لگ گئے ہیں کہ گویا وہ جوارح الحق ہیں۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۹)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں:-

"خدا تعالےٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنا جو حقیقت اسلام ہے۔ دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ خدا تعالےٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے اور اس کی عبادت اور محبت اور خوف اور رجا میں کوئی دوسرا شریک باقی نہ رہے۔ اور اس کی تقدیس اور تحمید اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضا و قدر کے امور بدل و جان قبول کئے جائیں۔ اور نہایت نیستی اور تذلل سے ان سب حکموں اور حدوں اور قانونوں اور تقدیروں کو بارادتِ تام سر پر اٹھا لیا جاوے۔ اور نیز وہ تمام پاک صداقتیں اور پاک معارف جو اس کی وسیع قدرتوں کی معرفت کا ذریعہ اور اس کی ملکوت اور سلطنت کے علو مرتبہ کو معلوم کرنے کے لئے ایک واسطہ اور اس کے آلاء اور نعماء کے پہچاننے کے لئے ایک قوی رہبر ہیں بخوبی معلوم کر لی جائیں۔ دوسری قسم اللہ تعالےٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اُس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور باربرداری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جائے۔ اور دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دکھ اٹھاویں۔ اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کر لیں۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۶۰)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں:-

"اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام کی حقیقت نہایت ہی اعلیٰ ہے اور کوئی انسان کبھی اس شریف لقب اہلِ اسلام سے حقیقی طور پر ملقب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنا سارا وجود معہ اس کی تمام قوتوں اور خواہشوں اور ارادوں کے حوالہ بخدا نہ کر دے۔ اور اپنی انانیت سے معہ اس کے جمیع لوازم کے ہاتھ اٹھا کر اُسی کی راہ میں نہ لگ جاوے۔ پس حقیقی طور پر کسی کو مسلمان اُسی وقت کہا جائیگا

کہ جب اس کی غافلانہ زندگی پر ایک سخت انقلاب وارد ہو کر اس کے نفس امّارہ کا نقش ہستی معہ اس کے تمام جذبات کے یک دفعہ مٹ جائے۔ اور پھر اس موت کے بعد محسن ہونیکی نئی زندگی اس میں پیدا ہو جائے۔ اور وہ ایسی پاک زندگی ہو جو اس میں بجز طاعت خالق اور ہمدردی مخلوق کے اور کچھ بھی نہ ہو"

(آئینہ کمالات اسلام ص۱۹)

قرآن کریم بھی انہیں پاکیزہ خیالات کی تائید فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار اغراض بیان کئے گئے ہیں جو یہ ہیں ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ۝ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے امیوں یعنی انہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا۔ جو اُن پر اس کی آیات پڑھتا ہے۔ اُن کا تزکیہ کرتا ہے۔ اُنہیں کتاب سکھاتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تلاوت آیات کا مقصد اللہ تعالےٰ کی کامل معرفت پیدا کرنا ہی ہے۔ اور کامل معرفت کے بعد نافرمانی کی موت کا کامل خوف پیدا کر کے رذائل سے پاک کرنا اور پھر کامل محبت پیدا کرنے کے لئے الکتٰب کی تعلیم سے اس کے ظاہری اور الحکمۃ کی تعلیم سے اس کے باطنی حُسن پر مطلع کرنا ہے۔

امید ہے کہ برقی صاحب پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا ہو گا کہ انبیاءؑ کی بعثت کی غرض محبت اور پیار سے لوگوں کو آستانۂ الٰہی پر جھکانا ہوتی ہے نہ کہ آتے ہی قتل و غارت اور خونریزی کا بازار گرم کرنا۔ و رآنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مطہر اور مقدس زندگی میں ہمیں یہی جذبہ کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے حضورؐ کے صحابہؓ نے جو جو جان، مال، عزت و آبرو اور وطن کی قربانیاں کیں ان سے تاریخ کے صفحات رہتی دُنیا تک درخشندہ رہیں گے۔ اور اگر آپ اب بھی اپنے ہی خیال پر بضد ہیں تو ذرا اپنے نظریئے کی روشنی میں مندرجہ ذیل واقعات کی توجیہہ تو بیان کر کے دکھائیں :۔

(۱) حضرت عثمانؓ کو باوجود مرفہ الحال آدمی ہونے کے آپؓ کے چچا نے آپؓ کو رسیوں سے باندھکر پیٹا۔ (۲) زبیر بن العوام کو باوجود جوانمرد ہونے کے ان کا ظالم چچا انہیں چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دُھواں دیا کرتا تھا۔ (۳) عبداللہ بن مسعود کو قریش نے عین صحن کعبہ میں مار مار کر ہلکان کر دیا۔ (۴) ابوذر غفاری کو مار مار کر زمین پر بچھا دیا۔ (۵) بلال بن رباح

لگا کر جلتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا اور چھاتی پر بڑے بڑے پتھر رکھدیئے جاتے (۶) صہیب بن سنان رومی کو قریش اس قدر پیٹتے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے۔ (۷) خباب بن الارت انہی کی بھٹی کے دہکتے ہوئے کوئلے نکال کر اس پر لٹا دیا اور ایک شخص ان کی چھاتی پر چڑھ گیا کروٹ نہ بدل سکیں۔ (۸) ایک دفعہ عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ کو قریش عذاب دے رہے تھے کہ اتفاقاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس طرف آ نکلے۔ حضور نے یا صبراً آل یاسر فان موعدکم الجنۃ۔ آخر یاسر تو اسی عذاب میں جان بحق ہو گئے بوڑھی سمیہ کی ران میں ظالم ابوجہل نے اس بے دردی سے نیزہ مارا کہ وہ ان کے جسم کو کاٹ ان کی شرمگاہ تک جا نکلا۔ اور اس بے گناہ خاتون نے اسی جگہ تڑپتے ہوئے جان دیدی خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ایک بدبخت نے عین نماز کی حالت میں کپڑا ڈال اس زور سے بھینچا کہ حضور کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ کو علم ہوا تو انہوں نے آکر حضور کو بدبخت کے شر سے بچایا۔

ان تکالیف کے باوجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف خود صبر فرماتے بلکہ صحابہؓ کو بھی کی تعلیم دیتے تھے۔ لکھا ہے کہ ایک دفعہ خباب بن الارث اور بعض اور صحابہ نے آپکی خدمت حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مسلمانوں کو قریش کے ہاتھ سے اتنی تکالیف پہنچ رہی تو آپ ان کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے"۔ حضور یہ الفاظ سنکر اٹھ بیٹھے اور حضور کا سرخ ہو گیا اور حضور نے فرمایا "دیکھو! تم سے پہلے وہ لوگ گذرے ہیں جن کا گوشت ہے کے کانٹوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں تک صاف کر دیا گیا مگر وہ اپنے دین سے متزلزل ں ہوئے۔ اور وہ لوگ گذرے ہیں جن کے سروں پر آرے چلا کر ان کو دو ٹکڑے کر دیا مگر ان کے قدموں میں لغزش نہیں آئی۔ دیکھو خدا اس کام کو ضرور پورا کرے گا حتی کہ شتر سوار صنعا سے لے کر حضرموت تک سفر کرے گا اور اس کو سوائے خدا کے اور ی کا ڈر نہ ہوگا۔ مگر تم تو جلدی کرتے ہو" (بخاری شریف بحوالہ سیرت خاتم النبیین حصہ اول ص۱۹۱)

ایک اور موقعہ پر حضرت عبد الرحمن بن عوف معہ چند دوسرے اصحاب کے آپ کی خدمت میں ضر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم مشرک تھے تو ہم معزز تھے۔ اور کوئی ہماری ت آنکھ تک نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن جب سے مسلمان ہوئے ہیں کمزور و ناتوان گئے ہیں۔ اور ہم کو ذلیل ہو کر کفار کے مظالم سہنے پڑتے ہیں۔ پس یا رسول اللہ! آپ ہم کو

اجازت دیں کہ ہم ان کفار کا مقابلہ کریں" آپ نے فرمایا "انی اُمِرْتُ بالعفو فلا تقاتلوا۔"

ان سب کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ قدسی صفات کے متعلق صرف ایک واقعہ عرض کرکے ہم ان سوالات کے جوابات کو ختم کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب فوت ہوگئے اور قریش کی عداوت کا بند ٹوٹ گیا تو حضورؐ ایک دفعہ تبلیغ پیغامِ حق کی غرض سے طائف تشریف لے گئے اور وہاں حضورؐ نے دس دن قیام کرکے بڑے بڑے رؤسا کو تبلیغ اسلام کرنا چاہی۔ مگر سب نے نہ صرف انکار کیا بلکہ ہنسی اڑائی۔ آخر حضورؐ نے وہاں کے رئیس اعظم عبدیالیل کے پاس جاکر اُسے دعوتِ اسلام دی۔ مگر اس نے نہ صرف بات سننے سے انکار کردیا بلکہ اس خیال سے کہ شہر کے نوجوانوں پر حضورؐ کی باتوں کا اثر نہ ہو جائے اُس بدبخت نے شہر کے غنڈے اور آوارہ طبع آدمی آپؐ کے پیچھے لگا دیئے جو برابر تین میل تک حضورؐ پر پتھر برساتے اور گالیاں دیتے چلے آئے۔ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر مکّہ کے رئیس عُتبہ بن ربیعہ کا ایک باغ تھا اس میں آکر حضورؐ نے پناہ لی اور ظالم لوگ تھک کر واپس لوٹ گئے۔ یہاں سایہ میں بیٹھ کر حضورؐ نے جو دُعا کی وہ برق صاحب اور ان کے ہمخیالوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے اور وہ دُعا یہ ہے۔ اللّٰھمّ الیک اشکو ضعف قوّتی وقلّت حیلتی وھوانی علی النّاس اللّٰھمّ یا ارحم الرّاحمین انت رب المستضعفین وانت ربّی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک علیّ غضب فلا ابالی ولٰکن عافیتک ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھک الّذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدّنیا والاٰخرۃ من ان تنزل بی غضبک او یحلّ علی سخطک لک العتبی حتّٰی ترضٰی ولاحول ولا قوۃ الّا بک۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ مطبوعہ مصر)

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

ذیل کا قصیدہ مورخہ [illegible] کی مجلس علم و عرفان میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو سنایا گیا

اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝

(از جناب مولوی صدرالدین صاحب واقفِ زندگی)

کلّ الثناء لربّنا الرّحمٰن — مولی الصنیعة وافر الاحسان
یُسلی قلوب المومنین بنصرہ — عند البلاء وشدّة العُدوان
فی سنة منه استمرت لحزبه — من بدء نوع الخلق للانسان
انظر الی ضیم الاناس وظلمهم — بالمصطفیٰ وبصحبه الاعیان
فاللّٰه خیّب کلّ کید عدوّہ — واذلّهم بالهزء والحرمان
آیات نصر مثله لمسیحنا — فلینظر الانسان بالاذعان
اعظم بفتن کالجبال وانّها — سالت کسیل العرم والطوفان
وانظر لمحمود الخلیفة نصره — یاتی کمثل الغیث والتهتان
قوم من الاحباب صاروا کالعداء — وتشعبوا بالحسد والاضغان
لم یترکوا ما فی الخزینة باقیا — مستکملین الجهد للخذلان
ثمّ ادّعوا انّا سواد لصدقنا — من کثرة الاتباع والاعوان
فاللّٰه قلّل حزبهم فیعا فهم — من کان اهل الحزم والایمان
قوم من الاحرار قاموا بالشّقا — وراموا مرام الظلم والطغیان
خبّت ریاح النّصر لمّا اعتدوا — فرّوا اذا انهزموا من المیدان
قد صُیّروا نصب البلاء وذلّة — ودریّة للهمّ والخسران
کم من کبار من نفاق کرُفقة — مبدی الفساد ومظهر الشنآن
انظر الی شیخ الهنود وفخره — اذ لاح من کمّ کمثل الجان
همّوا بتشتیت الجماعة فتنةً — من بغیهم والفسق والبهتان
قد خیّبوا بالافتراق وکبکبوا — وتشعثوا من کثرة الاشجان
فی هذه الایام قد لاح شانئٌ — اکّال مال النّاس کالخوّان

مُعجِزٌ الفضلِ الباھرِ لحضرتہ — کی یظہر حضرتی من الرحمٰن

فی ملکنا ارضٌ اخترت ظہورھم — من کثرۃ الاشجان والاحزان

نصر المہیمن قد اتیح لصادق — ھذا لہ البرہان فی القرآن

یا ربّنا افتح بیتنا بکرامۃ — یا حبّنا یا مفنی الاوثان

لازالت النصرات تنزل برکۃ — ابدًا علی دار المسیح الثانی

بارک علی المحمود مع آل احمدا — جُد یا کریم و منبع الفیضان

اصبغ علیھم رفعۃً کلّ نعمۃ — اکرم بصحتھم وطول زمان

اعزاز ملّتنا بطول بقاءھم — فی عمرھم بارک الی الازمان

یا ربّنا اصفح عن عبادک وافتحن — باب الجدی والفضل والرضوان

معذرت

اکثر احباب کو علم ہوگا کہ "الفضل" میں اعلان کیا گیا تھا کہ ایڈیٹر صاحب کی علالت اور بعض مخصوص وجوہ کی بنا پر دسمبر اور جنوری کے پرچے وقت پر شائع نہیں ہو سکے۔ چنانچہ اسی وجہ سے زیرِ نظر پرچہ دسمبر، جنوری اور فروری تین ماہ کا اکٹھا شائع کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ پرچہ باقاعدہ شائع ہوگا۔ تمام احباب مطلع رہیں۔ اور جن احباب کے ذمہ کوئی بقایا ہو، وہ جلد از جلد ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ وی۔ پی بھیجنے کی ضرورت پیدا نہ ہو۔ امید ہے کہ جملہ خریداران اس طرف فوری توجہ فرمائیں گے۔ —— مینیجر